U11616 8-12-08

Title - MUSTAFA KAMAAL AUR TAREEKH TURKI-O-FILISTEEN WAGHAIRA.

Creator - Mohd. Athar Ali Alvi.

Publisher - Sultan Barqi Press (Lucknow).

Date - 1938

Pages - 224

Subjects - Tareekh - Turki; Turki - Tareekh; Mustafa Kamaal Paasha - Sawaneh.



قال اللہ

تبارک وتعالیٰ

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء

مصطفیٰ کمال

اور

تاریخ ترکی و فلسطین وغیرہ

مصنفہ

محمد اظہر علی علوی کاکوروی

بی، اے، ایڈوکیٹ، ایم، ایل، اے۔

مصنف

"کوائف فلسطین" بزبان اردو

مطبع سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ

بار اول

۱۹۳۰ء

انتساب

میں اس حقیر خدمت کو اپنے ان چار مخلص احباب کے نام پر معنون کرتا ہوں جنکے ساتھ میری عمر کا بڑا حصہ سچی محبت سے گذرا ہے اور جنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

(۱) خان بہادر شیخ محمد مقبول حسین مرحوم سی۔ آئی۔ ای سابق کمشنر و تعلقدار گدیا ضلع بارہ بنکی

(۲) خان بہادر شیخ محمد متین الزماں خاں معین الملک پنشنر ڈپٹی کلکٹر و سابق معین المہام ریاست بھوپال

(۳) رائے بہادر پنڈت رگھوبر دیال شکلا پنشنر ڈسٹرکٹ و سیشن جج اودھ

(۴) ڈاکٹر صاحبزادہ سعید الظفر خاں سابق پرنسپل میڈیکل کالج لکھنؤ و معین المہام ریاست بھوپال

(محمد اظہر علی ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی)

صحت نامہ

باب اول

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۱	۲	اُسے	اِسے
۵	۸	کیا گیا	کیا کیا
۱۰	آخر	تیخ	تاریخ
۱۳	۸	سے	بھی
۱۶	آخر	کو	پر
۲۴	میزان اعداد	۵۸۵۶۸۱	۸۲۶۱۷۷

تاریخ ترکی

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۲	۷	بازطینوی	بازنطینوی
۳	آخر	مہر	ہر
۵	۲	فوج	فوجی
۵	۳	فوج	فوجی
۶	۱۷	ساس	طاش
۶	۳	ہیت	بیت
۱۲	۲۰	لونیوں	یونانیوں
۱۲	۱۲	سفیلیں	فصیلیں
۱۳	۱۲	چیند	چند
۱۴	آخر	کے	سے
۱۸	۱۹	ترلوں	ترکوں
۱۹	۱	ملنگ	لوگ
۲۰	آخر	امانت	امانات
۲۵	۷	بابت	مطابق
۲۵	۸	کیا ہے	کیے ہیں
۲۸	۴	موصفات	مراعات
۲۸	۸	تام	تمام
۲۸	۱۲	سنہ ۱۹۳۶ء	سنہ ۱۹۳۵ء
۲۹	۱۱	جھڑتیں	چڑھتیں
۳۱	۱۱	جسکو	جسکے
۳۱	۲۱	مواز	موزر
۳۳	۱۸	سترہویں	سولھویں
۳۵	۱۴	جنیز	جنیسریز
۳۶	آخر	وڈنا	ویٹینا
۴۳	۲۱	گئی	گیا
۵۶	۸	کو	کر
۶۱	۲۰	باسفور	باسفورس
۷۹	۷	تقریر	تقرر
۷۹	۲۱	وائپرس	ایپیرس و
۹۰	۱۷	اطلاق	الحاق
۹۱	۱۵	بھی ...	یہی وجہ
۹۱	۱۹	رکھا	بنا رکھا
۹۲	۱۰	اسکو	اسکے سبب
۹۵	۹	دارالعلوم	دارالعوام
۹۵	۸	گلاڈاپل	گلاڈاپلس
۹۵	۱۸	ملازمت	ملامت
۹۶	۱۱	ترک	عوام ترک

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۹۶	۲۲	ان ایسے مجیاری	اسنے مجاہدی
۹۹	۱۲	اپنا	اپنے
۱۱۵	۲	سے	اب
		جلد دوم	
۶	۱۱	حداری	غداری
۶	۱۶	شملاکا جاتا تھا	سلانیکا جاتا تھا
۲۵	۱۸	اسپلیو	البیو
۲۶	۸	ساسکو	ماسکو
۲۶	۱۰	اور اہل	اہل اور
۲۹	۱۲	گیا	گیا تھا مگر
۳۲	۱۰	کمرنا	اسمرنا
۳۸	۴	گویا ا	گویا انکو
۳۹	۶	ہالدہ خانم	خالدہ خانم
۵۴	۷	تھی	تھی بات گئی
۵۹	۱۳	کیسا تھر	کیچلی نت
۶۶	۴	یچیین	ایجبین
۶۷	۱۸	شبارات	اخبارات
۸۶	۱۰	ترک	ترک بلکہ
۹۳	آخر	سے	سے بڑے
۱۰۰	۱۹	اسحاقی	الحاقی
۱۰۲	۳	کرنے	نہ کرنے
۱۰۸	۶	مذہب	تک مذہب
۱۱۴	۱۶	ایجانی	ایرانی
۱۱۹	۱۰	لڑکھا	لڑ لڑا
۱۲۱	۷	اتقو	اتبہ

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۱۲۱	۹	کبائیں	زبانیں
۱۳۲	۶	بوتی	ترقی
۱۳۳	۱۰	کیا گیا	کیا تھا
۱۳۴	۱۱	(الفاظ انتقال ہوتا)	آزادی کو دوبارہ ہو جاتے
۱۳۵	۴	اس	روس کی
۱۴۰	۱۸	اخباروں	اخبار نویسی
۱۴۱	۱۵	بھی ترلہ	بھی زمانہ
۱۴۳	۱۴	محلے	محلے اور
۱۴۴	۱۸	شکو	شکوہ
۱۴۶	۲۰	سے	سے تھے
۱۴۷	۵۶	ملکہ	مکہ
۱۴۷	۸	اعلان	اعلانے
۱۴۷	۱۵	ارخان	آرچین
۱۴۷	۱۹	گرشہ	کا گروہ
۱۴۸	۱۶	اثور	انورہ
۱۴۸	۱۸	تھا	تھا اسی سے
۱۵۱	۱۱	ایمو	ریمو
۱۵۱	۱۳	سلطان نے	سلطان سے
۱۵۲	۴	۵۱	۵۰
۱۵۲	۳۰	(الفاظ تحت سینا لیا)	گیا تھا دوبارہ گے
۱۵۳	۲۱	وجود	وجود
۱۵۴	۱۸	دھیلے	ود دھیلے
۱۵۶	۲۰	نے	نے جو
۱۵۸	۲۰	کررہے	کرادیے
۱۶۳	۳	احمد دین	احمد امین
۱۶۴	آخر	۲۳ دو جگہ پر	بجائے ۵

سطر	غلطی	صحت
۱۹	کسی	کبھی
۱۰	عبائی آئین	عیسائی آئین
۱	امرشن اور مرکا	پنٹرشن کی وش
۹	لفظ "منہ" زائد	ہے
۹	(لفظ "بیچارہ"	زائد ہے)
۱۵	بغداز	بغداد
۱۲	آنکہ	آنکہ سرو کا
۲۱	وفود	پاس وفود
۸	کر	کہ
۵	اُس	وائی
۱۲	بڑی	بڑی
۱۶	دارالعوم	دارالعوام
۳	کو	سے
۹۰ صفحہ غلط ہے ۱۹۰ ہونا چاہیے)		
آخر	قربانی	قربانی بھی
۱۶	اسی	یہی
۶	ایرانی	زائد ایرانی
۹	تازہ	تازہ ہی
آخر	وقت	اپنے آخری وقت
۹	قانون	قارن
۱۹	پکھر	بکھر
۷	(لفظ "اصلحہ"	زائد ہے)
۸	پھار	پھلے
۱۳	فوج	فوج میں
۱۰	گوڑکی	ادھکی
۱۵	کرکے	کرکے اور

صفحہ	سطر	غلطی	صحت
۲۰۲	۱۵	لیے	لیے پورا پورا
۲۰۳	۳	عرت	عزت سے
۲۱۴	آخر	اس	روس
۲۱۵	۵	غیرکھر	غیرکفو
۲۰۹	۱۶	(لفظ "مصر"	زائد ہے)

جلد اول

فہرست سلاطین ترکیہ

نمبر	اسمائے سلاطین	کس سنہ تک حکومت کی	نمبر	اسمائے سلاطین	کس سنہ تک حکومت کی
۱	سلیمان شاہ	۱۲۸۷۰۵	۲۱	ابراہیم ثانی	۱۶۴۸
۲	الطغرل	۱۲۸۸	۲۲	محمد چہارم	۱۶۸۷
۳	آلعثمن	۱۳۲۶	۲۳	سلیمان ثانی	۱۶۸۷
۴	ارخن	۱۳۵۹	۲۴	عصمت ثانی	۱۶۹۶
۵	مراد اول	۱۳۸۹	۲۵	مصطفےٰ ثانی	۱۶۹۶
۶	بایزید اول	۱۴۰۳	۲۶	عصمت ثالث	۱۷۳۰
۷	موسیٰ و محمد	۱۴۱۳	۲۷	محمود	۱۳۵۴
۸	محمد اول	۱۴۲۱	۲۸	عثمان ثانی	۱۷۵۷
۹	مراد ثانی	۱۴۵۱	۲۹	مصطفےٰ ثالث	۱۷۷۳
۱۰	محمد ثانی فاتح	۱۴۸۱	۳۰	عبدالحمید اول	۱۷۸۹
۱۱	بایزید ثانی	۱۵۱۲	۳۱	سلیم ثالث	۱۸۰۸
۱۲	سلیم اول	۱۵۲۰	۳۲	محمود ثانی	۱۸۳۹
۱۳	سلیمان ذی شان یا اعظم	۱۵۶۶	۳۳	عبدالمجید	۱۸۶۱
۱۴	سلیم دوم	۱۵۷۴	۳۴	عبدالعزیز	۱۸۷۶
۱۵	مراد ثالث	۱۵۹۵	۳۵	مراد پنجم	۱۸۷۶
۱۶	محمد ثالث	۱۶۰۳	۳۶	عبدالحمید ثانی	۱۹۰۹
۱۷	عصمت	۱۶۱۷	۳۷	محمد پنجم	۱۹۱۸
۱۸	مصطفےٰ اول	//	۳۸	محمد سادس	۱۹۲۲
۱۹	آلعثمن ثانی	۱۶۲۰	۳۹	خلیفہ عبدالمجید	۱۹۲۴
۲۰	مراد چہارم	۱۶۴۰	۴۰	مصطفےٰ کمال اتاترک	

فہرست مضامین

جلد اوّل

بابِ اوّل

مقدمہ

وہی سُنے گا اِسے دل گداز ہے جس کا
ہو دل میں سوز تو رگ رگ پہ ساز ہے اُس کا

اے میرے اور ہر مسلم قلب کے پیارے مصطفےٰ! میں آپکے اسم پاک کا شیدا ہوں۔ آپ پہ میری جان اور مال سب قربان ہیں۔ اور جس کسی شخصیت سے آپکے اسم پاک کی ذرا سی بھی نسبت ہے وہ بھی میرے واسطے باعث محبّت ہے۔ میری نسبت بوترابی کا بھی یہی اقتضا ہے۔ بوڑھاپے میں اپنی ہر قسم کی بے مائگی پر میں نے نظر ڈال کر اللہ تعالے ہی کا بھروسہ کرکے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ کتاب "مصطفےٰ کمال اور تاریخ ترکی" کی مقبولیت کی ذمہ داری اس صورت میں جسپر ہوگی وہی جانتا ہے۔ میں کیا اور میری تحریر و تحقیق کیا۔ واقعات کا جمع کرنا کوشش سے متعلق تھا جو انسانیت کا فرض ہے۔ تاریخ یا واقعات نویسی آسان نہیں ہے۔ نہ میرے مان ہی کی بات تھی۔ مجھے اپنی خامیوں کا اعتراف ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ میری غلطیوں اور سہو کو معاف فرمائے۔ کتاب کے پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ میری کوشش کو رائگاں نہ جانے دیں۔ اگر حکمران و امرا کے گروہ سے ہوں تو واقعات سے سبق لے کر ایثار و حکمت عملی سے کام لیں۔ اگر رعایا و غربا یا متوسط الحال گروہ سے ہوں تو قومی ہمدردی و ملکی بہی خواہی کو اپنا معیار زندگی بنا کر ترکی قوم کے کمال و زوال کے واقعات کو پڑھ کر میدان عمل میں آجائیں۔ سچوں کی پیروی کریں اور جھوٹوں کی کبھی نہ سُنیں۔ ملک و قوم کے دوست و دشمن کو پہچاننے کا اب پورا وقت آگیا ہے۔ سچے دوست کی حقیقی پہچان اسی کو جانیں کہ جو ملک و قوم و ملت کے واسطے واقعی طور پر ایثار، تصدّق اور قربانیاں کرے اور دل میں اُن کا درد بھی رکھتا ہو۔ بس اسی کو اپنا لیڈر یا راہبر بنائیں۔ نیز مذہبی تعصبات کو موجودہ دنیا کے کاروبار میں داخل کرکے اپنا شیرازۂ ملکی غیروں کے توڑنے کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ ہر ایشیا کے باشندے کیلئے اب وقت آگیا ہے کہ قومی و ملکی بہبود

اور اپنی ہستیوں کے قیام کیلئے آمادہ ہو جاوے۔ اگر خود نفع نہ اوٹھائے گا تو اولاد یا پوتے پر دوتے ہی کچھ چین و آرام کریں گے۔

مجھے ۱۹۲۷ء میں مصطفیٰ کمال پاشا و ترکی حکومت کے چند سلاطین کے کچھ حالات جاننے کا موقع اوسوقت ملا جبکہ میں حیدرآباد دکن میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی کے دولتکدہ پر اعلیٰحضرت نظام الملک آصف جاہ حضور پرنور نواب میر عثمان علیخان صاحب بہادر بالقابہ کے بہ تکرار فرامین شاہی کی تعمیل کے تحت میں دامن امید کو پھیلائے ہوئے ٹھہرا ہوا تھا۔ وہیں حسن اتفاق سے ہماشریف ملک شام کے ایک بزرگ پیر سید برہان الدین صاحب خلف پیر سید سیف الدین پاشا جیلانی جو حضرت غوث اعظم پیران پیر دستگیر کی اولاد سے تھے۔ وہ بھی آکر ٹھہر گئے تھے۔ اور شیروانی صاحب موصوف ہی کے مہمان تھے۔ سید برہان الدین موصوف کے نانا پیر سید ابو الہدیٰ رفاعی حلب کے نقیب الاشراف تھے۔ رفاعی صاحب سے سلطان عبدالحمید خان مرحوم کو بڑی عقیدت تھی اور شاید بیعت بھی۔ پیر سید برہان الدین اپنے نانا صاحب کے ہمراہ قصر سلطانی میں مقیم رہ کر وہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ شب میں کھانے کے بعد میری گذارش پر وہ واقعات ترکی کو بیان فرماتے جنکے نوٹ لے کر میں شب ہی میں اونکو مفصل طور پر لکھ لیتا اور موقع پاکر ہر روز دن میں پیر صاحب موصوف کو سناتا تاکہ غلطیوں کی صحت ہو جاوے یہ سلسلہ اوسوقت تک جاری رہا جبتک کہ وہ بیچارے بالآخر میری طرح ناامید ہو کر حیدرآباد دکن کے چھوڑنے پر مجبور نہ ہو گئے۔

اس کتاب کی تحریر میں میری حیثیت نہ صرف ایک مترجم کی ہونا چاہیے بلکہ مولف یا مصنف کی بھی۔ بیشک کسی خاص کتاب کا ترجمہ نہیں ہے تاہم کتب۔ اخبارات و زبانی بیانات کا ماخوذ و مجموعہ ضرور ہے۔ پیر صاحب کا حافظہ بھی قیامت کا تھا میں نے جب تواریخ سے مقابلہ کیا تو یقین ہو گیا کہ اونکی معلومات نہ صرف وسیع بلکہ صحیح تھیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں۔ گویا چشم دید و دیدہ و شنیدہ واقعات تھے

اس کتاب میں مقدمہ کے بعد دیباچہ اس بنا پر لکھا گیا ہے کہ پڑھنے والوں کو ابتدا ہی میں کچھ ایسے جیتے جاگتے مضامین مل جاویں جنسے آئندہ انہیں تاریخ کے پڑھنے میں دلچسپی ہو

اور ہندوستان کے موجودہ حالات سے ملا کر سبق حاصل ہو۔ ترکوں کا ابتدائی زمانہ بڑا شاندار رہا ہے اور اگر اسلامی دنیا کو ان پر فخر ہو تو بیجا نہیں۔ دوسروں کو بھی صرف تعصب کی عینک اوتارنی ہوگی۔ اور تب صاف نظر آجائیگا کہ ترک ایسے وقت میں متمدن تھے۔ جبکہ یورپ اونکے سامنے جاہل تھا۔ اونکی بہادری شجاعت اور رواداری کی داستانیں کوئی قصہ کہانی نہیں ہیں بلکہ تاریخ کے مستند واقعات ہیں۔ ع

بگڑنے پر بھی زلف اوس کی بنا کی

اب اپنی گئی گذری حالت میں بھی اونکا شمار زندہ قوموں میں پھر ہے بتیس دانتوں سے نکل کر پھر زمانہ حال کی ترقی کی راہ تک جانا بھی اونہیں کا حصہ تھا۔ بالخصوص جبکہ سب طرف سے اُن پر یورش تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ خود مسلمانوں تک نے اونکی بربادی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تو اوروں سے کیا شکایت۔ اور اب وہ یہ کہتے بھی ہیں ؎

ہائے ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی

بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

ترکوں کی شہنشاہیت کی پالیسی اس کتاب سے معلوم ہوگی اور وہ انقلاب بھی جس پر دنیا نے حیرت کی۔ بلکہ بلا اپنے ہی بھائیوں کا بہت زاید خون بہائے ہوئے افلاس سے ترقی کے کئی زینے کل قوم آناً فاناً چڑھ گئی۔ اور ایسی جمہوریت بلکہ دستوری طریقہ کی سلطنت حاصل کر لی۔ کہ جو اپنے طرز میں بالکل نئی ہے۔ استبداد و شہنشاہیت کے اصولوں کا اوسمیں وجود بھی نہیں رہا۔ کل قوم اور اوس کا رہبر ہر فعل و عمل میں یک زبان و یکدل ہے۔ "ڈکٹیٹر" کی لفظ سے پوری قوم کو ننگ ہے۔ بلکہ خادم قوم کا لقب بجائے محسن قوم کے ہر ترک اپنے لئے اور اپنے پیارے "مصطفٰے کمال" کے لیے موزوں و مناسب جانتا ہے۔ اور آج بھی دنیا ترکوں کے نام کو پھر عزت سے لینے پر مجبور ہے۔ ترکوں نے تو اب مصطفٰے کمال کو "اتاترک" کا لقب دے کر اونکا صحیح مرتبہ بھی قوم میں تبلا دیا۔

میری نگاہ سے اردو زبان میں مستند کوئی بھی ایسی تاریخ ترکی جو ابتدا سے لے کر اس وقت تک کے مسلسل و مشرح حالات دکھلا سکتی ہو نہیں گذری تھی۔ اسلیئے مجھے ہمت ہوئی کہ اپنی ہی زبان میں کچھ لکھ کر سپرد قرطاس کروں۔ میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اب زمانہ اسی کا آگیا ہے کہ

ہندوستان میں لوگ اپنی مادری زبان ہی میں تصنیف و تالیف کریں۔

مستورات ملک جو اُردو زبان سے واقف ہوں گی ان کے واسطے غالباً اس کتاب میں کافی مصالحہ ایسا ملے گا جس سے وہ اپنی ترکی بہنوں کی طرح ہندی بہنوں کی امداد کر سکیں۔ خیال سے دنیا میں بڑے بڑے کام بنتے ہیں۔ بس "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عمل ہونا چاہیے۔ مردوں کے واسطے بھی اب بیجا سختیوں سے بچنے کا وقت آگیا ہے۔ نیز دیگر اقوام کے میدان ترقی میں قدم آگے بڑھا لینے سے جو سبق کہ ہندوستان کے لوگ پڑھ رہے ہیں اس سے نتیجے نکالیں تو بہتر ہے۔ اور اپنی بہنوں و بیٹیوں کو جاہل و مجبور رکھنا و بنانے سے یقین ہے کہ اب اہل ہند باز رہیں گے۔ بلکہ اصلاح بر ضرورت زمانہ کے مطابق مستعدی و جرأت سے آمادہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ اسی میں اب خیر ہے۔ ورنہ جو روز بد کہ غلامی، بے علمی اور تنگ نظری سے اہل ہند دیکھ چکے ہیں وہ کافی ہیں۔ اگر اب بھی نہ چونکے تو اور بھی قعر مذلت میں گرتے چلے جانا کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔ ادھر تو دنیا بھر علم اور رواداری کے جھنڈے ہاتھوں میں لئے چلی جا رہی ہے۔ مگر اہل ہند اور بالخصوص میرے مسلمان بھائی ہیں کہ ابھی تک جائز و ناجائز کے جھگڑے نہیں طے کر چکے۔ بلکہ تعلیم اور بے تعلیمی کے فوائد و نقائص نیز کفر و الحاد کے مباحث سے چھٹکارا اگر ذرا بھی کرا لے تو بہ۔

کتاب میں جستہ جستہ حال ان ممالک و مقامات غیر اور قوموں کا بھی لکھا گیا ہے جیسے کہ ترکوں کو ذرا ایسا سابقہ پڑا۔ نیز ایسے مباحث پر بھی کچھ روشنی ڈالی گئی ہے جس سے کہ ان کی اصلی حالت کا کچھ کچھ پتہ چل سکے۔ کیونکہ بعض یوروپین مورخین نے ان کی اچھی باتوں کو بھی برے پہلوؤں سے دکھلایا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو بھی نہ نظر آیا۔ ہمیشہ سیاسی پہلوؤں سے تعصب کی عینک لگا کر عموماً قلم اوٹھایا ہے۔ اور وہی ہندوستان کے تواریخ بینوں کو پڑھنے کو ملتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس کتاب سے کچھ لوگوں کو صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے۔ میں نے پیشتر ہی سے معتقد یوروپین تواریخ کا مطالعہ کر کے لکھنے کا ارادہ کیا۔ بعض اوقات تو ایسے ایسے نادر ثبوت یوروپین مورخین کی جہالت کے اسلام کے متعلق نظر سے گذرے کہ حیرت ہو گئی۔ یہاں صرف دو واقعات کا ذکر نمونتاً کئے دیتا ہوں۔

ٹرکش ایمپائر مکتوبہ لارڈ ایورسلے و سر ویلنٹائن چیرول (Turkish
Empire by Lord Eversely & Sir Valentine Chirol)

طبع ثالث سنہ ۱۹۳۴ء کے صفحہ (۱۰۵) پر تحریر ہے "سُنی و شیعوں کا اختلاف یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ہر چہار خلفائے راشدین کی تحریرات کو قابل سند مانا جاوے یا صرف رسول اللہ کے احکامات زبانی کو مختتم سند قبول کیا جاوے"

(۲) اسی طرح صفحہ (۱۱۴) میں درج ہے۔

"کافر سے ایفائے وعدہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ قرآن پاک کا حکم ہے"۔ اَلعَظمتُ لِلّٰہ

اس طرح کا سفید جھوٹ۔ خدا ایسے کاذب مورخین سے پناہ میں رکھے۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ جب ایسے مشہور و معروف اور قابل و مستند مورخین کا یہ حال ہے تو غریب ترکوں کی تاریخ لکھتے وقت کیا کیا یوروپین مورخین نے نہ لکھ مارا ہوگا۔ اور کس طرح یورپ نے ترکوں کی تاریخ کی گت نہ بنائی ہوگی۔ ولیکن قلم درکف دشمن است۔ میں نے جن جن تواریخ سے مدد لی ہے اونکے مصنفین کی واقعہ نگاری کی سچائی یا غلطی سے زیادہ بحث نہیں کی ہے صرف واقعات کی کڑیاں جوڑ دی ہیں اور بس۔ اُن تواریخ کے حوالے بھی حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسٹارم سنٹر ان نیر ایسٹ مصنفہ سر رابرٹ وندھم گریوز۔ کے سی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۳۳ء
(Storm Centre in Near East by Sir Robert Wyndham Graves K.C.M.G. 1933)

(۲) دی ٹرکش ایمپائر مصنفہ لارڈ ایورسلے و سر ویلنٹائن چرول طبع ثالث سنہ ۱۹۲۴ء
(The Turkish Empire by Lord Eversley & Sir Valentine Chirol 3rd Edition 1924)

(۳) کیمالسٹ ٹرکی اینڈ مڈل ایسٹ (Kemalist Turkey and Middle East)

(۴) دی آٹومن ایمپائر مصنفہ ملر من ابتدائے سنہ ۱۸۰۱ لغایۃ سنہ ۱۹۱۵ء (The Ottoman Empire by Miller (1801-1913))

(۵) دی ماڈرن ورلڈ ٹرکی مصنفہ۔ اے۔ جے ٹوائن بی و کے۔ پی کرک۔ وو ڈ

جلد (۴) سنہ ۱۹۲۶ء The Modern world Turkey by
A. J. Toynbee & K. P. Kirkwood Vol IV 1926)

(۶) دی گرے وولف مصطفیٰ کمال مولفہ آرم اسٹرانگ
طبع ششم سنہ ۱۹۳۴ء
(The Grey wolff
Mustafa Kemal by Armstrong
6th Edition)

(۷) دی میکنگ آف ماڈرن ٹرکی از سر ہیری لیوک طبع ۱۹۳۶ء

The making of Modern
Turkey by Sir Harry Luke 1936

دیباچہ

آباد ہے اصل میں نہ ویرانہ ہے — شادی کا یہ گھر ہے نہ عزاخانہ ہے
واللہ نہ ابتدا ہے اس کی نہ خبر — دنیا ایک ناتمام افسانہ ہے

اونیسویں صدی کی ابتدا تک ترکوں کے پاس علاوہ ایشیا و افریقہ کے حصص سلطنت کے یورپ میں بھی بڑی سلطنت تھی۔ یونان۔ بلغاریہ۔ سرویا۔ باسینا۔ ہرزیگوونیا۔ مالڈیویا۔ ول لاچیا اور مانٹینگرو وغیرہ کا بھی بڑا حصہ اونھیں کے زیرنگیں تھا جنہیں پانچ گورنریاں تھیں۔ رومیلیا باسینا۔ سائلسٹریا۔ جیزیرا اور کریٹ کی سلطانی رعایا میں یونانی۔ بلغاری۔ سرب۔ البانی۔ رومانی ترک۔ عرب۔ کورد اور ارمنی وغیرہ شامل تھے۔ دراصل تو یورپ میں آسٹریا و ہنگری تک ترک حاکم تھے اور افریقہ میں ساحل مراکش تک۔ عرب و عراق عرب بھی اونھیں کے تھے۔ اسی طرح مصر و متعدد جزائر میں وہ سلطانی پھریرا لہراتا تھا جسمیں ہلال اور ستارہ بنا رہتا بیشک ترکوں سے زاید یورپ میں اوسوقت نہ کوئی قوم بہادر تھی اور نہ انصاف پسند۔ مذہبی تعصب کا اونمیں شائبہ تک نہ تھا۔ نہ رعایا پر ٹیکس کی زیادتی سے جبر و ظلم کے وہ عادی تھے۔ اون کا اساس حکومت و تمدن بھی یورپ کی کسی سلطنت سے کم نہ تھا۔ عمال حکومت زمانے کے مطابق سے تھے مگر نہ ایسے بڑے جیسے کہ زوال ٹرکی کے وقت نظر آئے۔ دنیا کے دستور کے مطابق بادشاہ کی تبعیت عمال حکومت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ عادل و بیدار بادشاہوں کے وقت میں سب باتیں اچھی اچھی ہوتی رہیں۔ عیش پسند یا ناقابل سلاطین کے عہد میں بیشک رشوت ستانی۔ ندریں۔ بے انصافی قوم و ملک فروشی سب کا زور ہوتا گیا۔ پھر شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص

انتظام نہ تھا بلکہ ولیعہد حکومت سے تو بادشاہ دور ہی دور رہتا۔ اور بعض اوقات اوسکو فنا کرنے یا نقصان پہونچانے تک کی کوشش کرتا۔ خاندانی دستور کے مطابق جو سب سے معمر شخص خاندان شاہی میں ہوتا وہی ولیعہد ہوتا مگر جبتک وہ بادشاہ وقت کی خود اولاد نہ ہوتا دونوں میں فطری محبت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ نہ سلطان کو اوسکی تعلیم و تربیت ہی کی طرف توجہ ہوتی۔ اسی سے بعد کے حکمران کمزور اور سیاسیت سے دور نظر آتے گئے۔

بعض اوقات ناموراَفسروں نے ایمان فروشی و ملک فروشی کو عیب تک نہ جانا۔ بلکہ خود بعض بادشاہوں نے تحائف لے کر نیز محلات کے اثر سے رعایا پر ظلم بھی کرایا۔ محکمہ انصاف یا عدالتیں بھی بہرے ملوک وقت کی تقلید کرکے رشوت لینے میں پس و پیش نہ کرتیں گو نصف حصہ ایسی آمدنیوں کا کسی نہ کسی طرح حکومت ہی کے پھر نذر ہو جاتا یا بڑے عمال کی جان و آبرو پر وبال لاتا۔

فوجوں کی آمد و رفت و رسد رسانی کے لیئے ضرورت زمانہ کے مطابق انھیں بعد کے حکمرانوں کے وقت میں باقاعدہ سڑکوں و دیگر مخابرات کی درستی کی طرف تک توجہ نہیں کی گئی۔ جہاں اور جدھر اور جس وقت دل میں آیا حملے کر دیئے گئے۔ نہ اعلان جنگ کا کوئی خاص دستور تھا نہ اوسکے واسطے کوئی قانون۔ جہاں بھی فوج پہونچگئی وہاں کی رعایا کو لوٹ لینا اوس کا کام تھا۔ اور کسی قسم کی زیادتی بھی گناہ نہ تھی۔ حقیقتاً تو تمام باتیں ترکوں کے واسطے مخصوص نہ تھیں شخصی حکومتوں میں سب جگہ یہی ہوا ہے بلکہ کل یورپ و ایشیا میں اوس وقت تک یہی باتیں ہر جگہ رائج تھیں اور شاید اب بھی ہوتا ہے۔ بلکہ آخری جنگ عظیم میں کیا کچھ نہیں ہوا تاہم ترکوں کی مذہبی رواداری کا اس سے بہتر ثبوت نہیں ہو سکتا کہ اونیسویں صدی میں اسپین و روس کے یہودیوں کو اپنے یہاں پناہ دینے کے لیئے اونکا خیر مقدم ترکوں ہی نے کیا جبکہ کیتھالک اسپین اور روس تعصب کے باعث اون پر طرح طرح کا ظلم کر رہے تھے۔ باسینا کے بیگومائلس (Bagomileo) کو سلاطین ترکی کی رعایا ہو جانا قبول تھا۔ مگر بہ جبر پوپ (Pope) کا مذہب اختیار کرنا منظور نہ ہوا ایسے ہی یونانیوں نے ترکوں کی رعایا ہونا قبول کیا مگر کیتھالک وینیشین (Catholic Venecian) کے مظالم کو برداشت نہ کر سکے۔ سلطان محمد ثانی نے تو یونانی پیٹریارک (Patriarch) یا معتقداکو حقوق دے کر اپنا آلہ کار ہی بنا رکھا تھا۔ غرضکہ اونیسویں صدی کی ابتدا تک جتنی حکومتیں

بھی ترکون کے گرد و پیش تھین کوئی بھی اپنے تمدن یا اساس ملکی میں اُن سے بڑھی چڑھی نہ تھین اور سب مین تعصب مذہبی کے علاوہ ہر قسم کی بداخلاقیان بھی موجود تھین۔ بلغاریہ ۔ مجمع الجزائر انجیین (Aegean Sea) کے قزاقون نے تو سرحدون پر قلعہ بندی ہی کر رکھی تھی ۔ اور لوٹ مار اُن کا روزمرہ تھا ۔ مگر اب بھی ترکون کی فتوحات و بہادری کا ہر جگہ سکہ جما ہوا تھا وہ جس طرف بھی رخ کرتے اکثر میدان مخالفین کے ہاتھ رہتا ۔ عیسائی ریاستون میں اُس وقت بھی آپس میں رقابت موجود تھی ۔ ایک دوسرے کے بڑھنے کو نہ دیکھ سکتا ۔ حسد ورشک کی آگ کسی وقت بھی اُن کے دلون مین نہ بجھتی بلکہ منفرداً و متفقہ کوششون سے مذہبی جوش مین لڑائیان بھی لڑی گئین جنکے نتائج صلیبی جہاد کی شکل مین بار بار نمایان ہوئے ۔ ترکون کے پاس جب تک ایسے آلات حرب و بیڑہ جہازات رہے جیسے کہ دوسرون کے پاس نہ تھے یا اگر تھے بھی تو ترکون کی سی شجاعت و ہمت اُن مین نہ تھی ۔ وہ یورپ کے لئے ہر طرح شایان حکمرانی رہے ۔ مگر جیسے ہی کہ زمانہ کے مطابق علوم و فنون اور سائنس سے اُنھون نے بےپروائی اختیار کی ۔ مستورات ملک کو محض کھلونے کی طرح گھرون کی آرائش کے واسطے چھوڑ دیا ۔ زر و جواہر کی بہتایت نے عیش پرستی وغیرہ کی طرف مائل کر دیا ۔ استبدادیت کا دور زمانہ کی روش کے خلاف اُن پر مسلط ہی ہوتا چلا گیا ۔ بالآخر جو کچھ بھی اُن کے باپ دادا نے جان بازی اور حکمت سے حاصل کیا تھا رفتہ رفتہ جاتا شروع ہو گیا اور وہ سب سے بڑی صفت مسلمانون کی یعنی اپنے لیڈر یا بادشاہ کی عزت و وقار کے قیام کے سب موئد رہتے تھے وہ بھی جب ترکون سے فنا ہو گئی تو پھر کہنا ہی کیا تھا ۔ جو کچھ نتیجے میں ہوا وہ دنیا نے دیکھ لیا ۔

دوسری طرف اب یورپ کی تمام عیسائی اقوام نے بوسیدہ اصول جنگ و فرسودہ مراسم و روایات کو ترک کیا تھا نیز علمی و اقتصادی ترقی سے اپنے تمدن و علوم کو جدید تحقیقاتون سے اعلےٰ پیمانون پر رفتہ رفتہ پہونچا کر ترکون ہی کو "مرد بیمار" کا خطاب دیدیا ۔ اور مسلسل اتحادون و صلحنامون و خفیہ سازشون سے ریشہ دوانیان کرکے ترکون کو نیچا دکھلانے کی سعی شروع کردی تھی ۔ ترکون کی صلاحیت اور ایمانداری سے جو نفع اُن کی محکوم ریاستوں نے اٹھایا

وہ اپنے اپنے مقام پر تاریخ میں یا دوسری سلطنتون وغیرہ کے حال میں معلوم ہوگا۔ اس جگہ صرف اسقدر تحریر کر دینا کافی ہے کہ رفتہ رفتہ تمام ترکی رعایا کو لالچ دلا کر یا غلط امیدین بندھوا کر دیگر عیسائی دول یورپ نے نہ صرف تعصب مذہبی سے بلکہ خود ترکون کی کمزوریون غداری یا مروت سے ترکون ہی کے خلاف سازشین کرکے اُن کی تباہی کا سامان کرا دیا اور تمام حکومت مین ایک جال ہی سا بچھانا سب نے اپنا فرض کر لیا تھا۔ بلقانی ریاستوں میں انجمنین اور خفیہ تحریکات وغیرہ اچھی طرح بنکر جاری ہوگئی تھین۔ دربار شاہی میں بھی سازشون کا زور ہوتا گیا۔ دست نا دشمن فوائد ذاتی حاصل کرنے کے لئے جُٹ پڑے۔ انگلستان۔ فرانس و روس نے قسطنطنیہ کو شطرنج کی بساط بنا کر ہر قسم کی چالین چلین۔ مصر کے ملوک اور سلاطین ٹرکی میں اگر اسوقت عیسائیت کے مقابلہ مین اسلامی اتحاد کا خیال جگہ کر لیتا جیسا کے عیسائی سلطنتون نے اسلام کے مقابلہ کے واسطے کر لیا تھا تو غالبًا اسطرح بادشاہ زچ ہوکر مات نہ نصیب ہوتا۔ دراصل تو آخری دور کے ترکی سلاطین نے بعض عباسی خلفار کی تقلید کر لی تھی یا بازنطینوی بادشاہون کے عملون کو اختیار کر لیا تھا اور حرم شاہی میں زاید رہنے لگے تھے۔ سپاہیت کو خیر باد کہہ کر ملک کا کاروبار تمامتر وزیراعظمون کے سپرد کرکے بس "ظل اللہ" بن جاتے تھے تاہم ایسے سلاطین کے مظالم کی بھی اُن بیدادون کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی جو رومن کیتھالک بادشاہون نے پروٹسٹنٹ فرقون کے ساتھ فرانس و انگلستان ہی مین ۱۵۷۲ء وغیرہ مین کیے تھے۔ یا جو امریکہ کی فتح کے وقت اسپین والون نے وہان کر دکھائے۔ یا حال ہی مین اٹلی نے حبشہ مین اور خود اسپین نے اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ کیے۔ سلاطین کے وقت میں ترکون کے یہان سنجک وبے و پاشا کا خطاب صوبہ دارون وغیرہ کو اکثر دیا جاتا تھا اور کیا کام کا خطاب چند مواصفات کے نگہبان کو دیتے تھے۔ [1]

ترکون کا ستارۂ اقبال سترھوین صدی کے آخری نصف حصہ مین کمال پر اسوقت پہونچا تھا جبکہ کریٹ کو یونان نے۔ پوڈولیا (Podolia) کو شاہ پولینڈ نے بلا عذر بلکہ خوشی سے اُنکے نذر کر دیا تھا۔ ترکون کے نام سے اُسوقت تمام یورپ کانپتا تھا بلکہ بچے ڈرائے بھی جاتے تھے مگر ۱۶۷۵ء سے برابر ۱۶۹۹ء کی صلح کارلووٹیز (Karlovitz) تک جبکہ ہنگری سے ترکونکی

---

[1] دیکھو صفحات (۳۴۴ - ۳۳۲) کتاب تاریخ سر ولیم ونڈہم

حکومت اُٹھ گئی اُن کا ستارہ اقبال گرتا ہی گیا۔ ادرہر سلطان کے عہد میں کچھ نہ کچھ حصہ ملک پر اثر کم
ہی ہوتا گیا۔ سنہ ۱۷۷۴ء سے روس و برطانیہ دونوں اپنی چالوں میں مصروف ہی ہوگئے تھے جس سے صرف
مقبوضات کا بچالینا ہی ترک غنیمت سمجھنے لگے تھے فتوحات کا تو اب ذکر ہی نہ رہا۔ سنہ ۱۸۲۱ء سے سنہ ۱۸۳۰ء
تک یونان سے ابتدا میں جنگ رہی۔ پھر سنہ ۱۸۲۹ء میں سربیا سے اور سنہ ۱۸۳۰ء میں تو الجیرس کو
آزاد ہی کرا لیا گیا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں فرانس نے ٹیونیس (Tunis) لے لیا جب کہ ترک بلقان
میں اُلجھے ہوئے تھے۔ الغرض مصر و فلسطین و عرب و شام وغیرہ رفتہ رفتہ کر کے سب ہی
آزاد ہوتے گئے اور مملکت کی بساط لپٹتی ہی گئی۔

زار روس کی سلطنت تو سنہ ۱۷۷۴ء سے دن دونی اور رات چوگنی ہو ہی رہی تھی اور ٹرکی کے
دربار میں روس کا اثر بڑھنے لگا تھا۔ کیونکہ ترکوں کو فتوحات کے بجائے شکستیں زاید نصیب
ہو رہی تھیں نیز اب دنیا میں دھواں کش جہازات کی کرامات ہی سنہ ۱۸۱۵ء سے نمایاں ہو چکی تھیں
تب مجبوراً سلطان عبدالمجید مرحوم نے انگریزوں سے اپنا رسم زائد بڑھا لیا تھا۔ شاہی عمارات
کی تعمیر اور سامان آسائش و عیش و نشاط کی بھی زیادتی کی اب حد نہ رہی تھی۔ پھر تو سلطان
عبدالعزیز مرحوم نے اپنے وقت میں خوب ہی آرام و عیش سے بسر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔
جس سے وزارتوں میں خوب ہی بھوتی بیزار ہو گئی۔

سنہ ۱۸۶۷ء میں رومانیا کی جدید حکومت قائم ہو گئی اور سربیا نے بھی آزادی کا بہت
کچھ خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ ادھر اہل یونان سے بھی ترکوں سے رسم زائد ہو گیا تھا جس سے
جاہ و حشم کی طرف توجہ خوب بڑھ گئی تھی۔ تب سنہ ۱۸۷۶ء تک سلاطین کے بجائے وزراء نے وزارتاً
سلطنت کی۔ اور ملک فروشی کا خاصا دور رہا۔ خوب ہی ایک دوسرے سے مقابلے رہے
ترک سلاطین بجائے سپاہی کہلانے کے دولت، عیش، اور سرمائے کے نشے میں آرام کے
پتلے بنا دیے گئے۔ لیکن عبدالحمید ثانی کے تخت نشین ہوتے ہی رنگ بدل گیا اور یورپین
ترکوں کو یورپ سے نکال دینے کے پورے پورے خواب دیکھے جانے لگے گو اب خود سلطان
وقت بیدار ہو چکے و گردش کے باخبر آدمی تھے مگر زمانے کا رنگ بدل چکا تھا۔ پارلامنٹری طریقہ
حکومت پر ترکوں کا بھی اصرار ہونے لگا تھا اور جب ہی سے خانہ جنگیاں بھی شروع ہو گئیں سنہ ۱۸۷۷ء

کے صلحنامہ برلن کے ذریعہ ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ دول یورپ نے بھی طے کرلیا۔

ان حالات مین قانی کیا کام نے بھی ارکیزان (Erkizan) کو ۱۸۹۲ء مین گویا آزاد ہی کرلیا یہ قانیہ کے صوبہ کا دارالسلطنت کہا جاتا تھا اور جو ۱۵۳۴ء سے ترکون کے قبضہ مین آچکا تھا۔ سلجوقی۔ کرد۔ منگول اور خوانین ترکمان وغیرہ یکے بعد دیگرے یہان حکمران رہ چکے تھے۔ اور کچھ نہ کچھ یادگارین اب بھی وہان سب کی موجود کہی جاتی ہین۔ بلکہ خلفائے بغداد اور ترکون کی حکومت کے آثار تو بکثرت پائے جاتے ہین۔ ایک قلعہ تخت سلیمان کے نام سے یہان بھی کشمیر کی طرح ہے عربون کے علاوہ خلفائے بغداد نے اور نوین و دسوین صدی عیسوی مین بازنطینوی سلطنت نے بھی یہان حکومت کی تھی۔ دراصل ۱۸۹۲ء مین تو قانی ہی کی وہان حکومت بھی تھی۔

انیسوین صدی کے آخر مین جب ترکون کی حالت خراب ہو چلی اور تجارتی معاہدات وغیرہ بعد کرکے دوسری حکومتون نے حقوق حاصل کرلیے جنکو کیپی ٹولیشن (Capitulation) کہا جاتا ہے تو عیسائی رعایا ہی ٹرکی پر جا۔ ہے۔ یونانی ہوتے یا دیگر اقوام کے اُن کے ملکی قوانین بذریعہ اُن کے کانسلون ہی کے نافذ کردئے جانے لگے تب سلطان عبدالحمید ثانی ہی نے قوم کو اُسکی مرکزیت کی طرف متوجہ کیا کیونکہ بکثرت رعایا غیر مسلم اور دیگر اقوام کی ٹرکی مین اب آباد تھی اور کاروبار کرتی تھی۔ عربون ہی پر اثر قائم رکھنے کے لئے قسطنطنیہ سے مدینہ تک ریل بنوادی گئی نیز اسی سلطان نے ایک آزاد زبردست اسلامی شہنشاہیت کا طور پیدا کرنا چاہا تاکہ کفر کے مقابلہ مین اسلام و اسلامیت کی حفاظت ممکن ہوسکے کیونکہ مہدی سوڈانی اور وہابیت کا بھی زور اسی وقت ہوگیا تھا مگر جب نوجوان ترکون نے اپنے بھائیون کو یورپ مین دیکھ کر [illegible] کی حکومت کا خیال پیدا کرایا اور ۱۹۰۸ء مین کمیٹی اتحاد و ترقی نے سلانیکا مین بغاوت کردی اور جدید دستور طلب کیا اور عبدالحمید خان نے خلاف [illegible] کیا تو ایک ہنگامہ سا کل مملکت مین ہوگیا اور ہر قوم بغاوت کا خواب دیکھنے لگی۔ عرب مین عربون نے [illegible] مین شامیون نے۔ مکہ مین شریف حسین نے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اتحاد و ترقی والون نے سب کو اپنانا چاہا لیکن عیسائی [illegible] اُن کے یہان جال بچھ چکا تھا۔ بس البو کے جاتے ہی کمیٹی اتحاد و ترقی تو بھاگ نکلی پھر جسطرح چودھوین صدی عیسوی مین عیسائیت مین انقلاب ہو چکا تھا اُسیطرح اسلامی چودھوین صدی مین خلافت اور مذہب [illegible]

وغیرہ سے بھی بے اثر ہوگیا۔ نیز جسطرح عیسائیت آز منہ متوسطہ سے زمانہ حال کی شکل میں نمایاں ہوگئی ہے ویسے ہی ۱۹۱۲ء سے اسلامی آزاد سلطنتوں مین صاف انقلاب عظیم نظر آرہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ مگر دراصل تو نہ عبدالحمید کی مذہبی شہنشاہیت ہی موجودہ دنیاوی حالات مین چل سکی اور نہ اتحاد و ترقی کی جمہوریت بلکہ مصطفےٰ کمال کی قومیت کے خواب و خیال نے ترکوں کو سرفروشی کا سبق دیکر دستوری طرز حکومت کی طرف قوم بھر کو رجوع کردیا۔

کہا جاتا ہے کہ دیگر یوروپین اقوام کو قسطنطنیہ کا قیام بیحد پسند تھا کیونکہ بجز ترکون کے اور کسی سے بھی وہان کوئی ٹیکس نہین لیاجاتا تھا شکار کھیلنے کے مواقع بھی وہان سب کو بکثرت حاصل تھے تجارت مین بھی سب کو بیحد آزادی تھی بلکہ وہ تو بہت کچھ بیرونی اقوام کے ہاتھ ہی مین تھی۔ نیز ہر قسم کے عام تجارتی حقوق (Capitulations) حاصل ہونے کے باعث وہ سب ہر طرح محفوظ تھے۔ ہر یوروپین سفیر ایک عالی مرتبہ پاشا کا رتبہ رکھتا تھا۔ اور قسطنطنیہ کی سفارت کو تو ہر ملک کا آدمی ایک نعمت سمجھتا تھا اور اس کے حصول کی ہر امکانی کوشش کیجاتی تھی۔ یوروپین حضرات عموماً پیرا (Pera) میں رہتے تھے۔ استنبول میں تو حتی الامکان نہ رہتے بلکہ آخر مین سفرا کا تعلق تو زیادہ تر وزراہی سے رہنے لگا تھا۔

۱۲۔ نومبر ۱۹۳۳ء کے اخبار اسٹیٹسمین (Statesman) کے صفحہ ۲۲ کا وہ اختصار جسمین کہ ترکی کی اپنی دس سالہ دستوری حکومت کی خوشی منانے کا کچھ کچھ ذکر کیا گیا ہے اُسکا لکھا جانا یہان مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

"ہر گلی و کوچہ و مکان مین چراغان ہوئے اور دیہاتون تک سے رعایا و برایا نے آکر استنبول مین جشن قومی میں شرکت کی تھی۔ اسی لئے قومی تعطیل بھی تین دن کے لئے دی گئی تھی۔ ہر جگہ جلسے کر کے تقریرون مین جو جو بھی ترقی و تبدیلی ملک نے کی تھی ان سے عوام کو آگاہ کیا گیا تھا۔ بچون کو قومی ترانے باجون پر گیتون کے ساتھ یاد کرائے گئے تھے۔ اور ہر جگہ اُن کے جلوس بلکہ اُن کی قواعد دکھلا کر سنوائے گئے تھے۔ لفظ ڈکٹیٹر (Dictator) کا لقب مصطفےٰ کمال کے لئے استعمال کرنا قوم بھر کی نگاہ مین جرم معلوم ہوتا تھا باوجود اسکے کہ وہ سچا محب قوم مانا جاتا تھا اور کل قوم کو اس سے عار تھا کہ اُسکو اس لقب سے یاد کیا جاوے۔ ہر دیکھنے والے کو قوم کے طرز عمل سے محسوس ہوتا تھا کہ ملک اور قوم

کی ہمدردی اور دلی خواہشات کے ساتھ دراصل کمال پاشا تمام ترقیات و تبدیلیاں گویا عام رائے سے
مطابق کر رہے تھے اور جن کو کل قوم بہ طیب خاطر منظور کرتی تھی - بلکہ کمال پاشا خود اپنی قوم کو سمجھا کر
اور ان کے اصل جوہر بتلا کر بہ رضا و رغبت ان پر عمل کراتے تھے - اور وہ تمام خوبیاں جو قوم کی فطرت
مین قدرت نے ودیعت کی تھین - اب گویا پھر ظاہر ہو رہی تھین - اور قوم اونسے واقعی بعرصہ سے
بیخبر تھی - غازی پاشا نے گویا قوم کو بیدار کر کے ترقی کے سیدھے راستے پر لگا دیا تھا - کمال پاشا کو خود بھی لفظ
ڈکٹیٹر کے خطاب سے عار ہے اور وہ اپنے ہر حکم عمل قول و فعل کو قوم سے حکماً منظور کرانے کی کسی
وقت بھی کوشش نہین کرتے - بلکہ ہمیشہ سمجھا کر دلائل و براہین سے قومی رضامندی حاصل کرتے
ہین - مورخین کا اسپر اجماع ہے کہ انھون نے فرسودہ وضع کی ترکی سلطنت کو زمانہ حال کی قومی
حکومت بنا کر ایک نرالا و جدید قسم کا نمونہ خود اپنے ہی طرز کا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے - بالخصوص صنف
نازک کی تعلیم اور ان کی سیاست مین بلکہ تمام حالات زندگی مین تو وہ انقلاب پیدا کرا دیا ہے کہ جسکا
جواب ہی نہین ہو سکتا - اور جس کا اثر تمام ملک کی آئندہ زندگی پر پورا پورا پڑیگا - سول طریقہ مناکحت
تعداد ازدواج کی روک اور طلاق وغیرہ کے واسطے جدید قانون بھی مرتب کر دیا ہے - مستورات ملک
کو تمام محکمون مین کام کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے - ہوا بازی اور تمام قسم کے کھیلوں اور
ورزشون مین بھی ترک در آئے ہین - سیاسیات ملک مین ایک پارٹی کی حکومت کا اصول مثل روس
واٹلی وغیرہ کے حسب ضرورت اختیار کر رہے ہین - اور ہر شخص کو آزادی رائے کا پورا حق دیا ہے
اقتصادیات کو دیکھئے تو دس سال پہلے ڈیڑھ سو کارخانے ملک مین تھے - مگر اب دو ہزار دو سو سے
زائد ہین اور اعلا سے اعلے قسم کا ریشم تیار کیا جاتا ہے - دنیا کی ہر قسم کی تجارت مین اب ترک حصہ لے رہے
ہین بلا قرضہ لئے ہوئے اناطولیہ مین خاصی ریل جاری کر لی ہے - رعایا پر ٹیکس کی کمی سب طرح کر دی گئی
ہے - ملک بھر کا طرز زندگی سادہ ہو گیا ہے - اور خود کمال پاشا اسکی مثال ہو گئے ہیں - اور ہر
قسم کی اقتصادی تجاویز پر غور ہو کر عمل ہو رہا ہے نوے ہزار پونڈ آتی - نیکو دیکھا دار منی رعایا
بھی سب امن و عافیت سے حکومت کے برتاؤ پر مطمئن نظر آتی ہے - جس بات کے
کرنے کا ارادہ پاشا موصوف کر لیتے ہین - اوس کے عمل مین دیر ہی نہین لگتی
اور پھر کوئی کام ادھورے طریقہ پر نہیں کرتے - حال مین استنبول کے فرسودہ

سٹر سالہ دارالفنون (University) کو نیا قالب پہنا کر زمانہ حال کے مطابق ایک یونیورسٹی قائم کردی ہے جسمین ہر قسم کا سامان تحقیقات و ترقی مہیا ہوگیا ہے۔ سائنس طب۔ قانون۔ اسلامی علوم۔ قومی کفایت شعاری وغیرہ وغیرہ سب کے لئے علیحدہ علیحدہ فیکلٹیز (Faculties) قائم کردی ہین اور دوسرے ممالک کی زبانون کی تعلیم کے واسطے بھی ایک خاص مدرسہ جاری کر دیا ہے۔"

اسی طرح اخبار لیڈر الہ آباد مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۳۴ء کا یہ اقتباس ہے "کمال پاشا کے دور دورے قبل ترکی اقتصادیات بالکل ہی باہر کے لوگوں کے ہاتھ مین تھے اور ایک امریکن مسٹر کلارک جو خاصکر ٹرکی کے حالات جاننے کے واسطے وہان گئے تھے تحریر کرتے ہین کہ تمام اقتصادی پروگرام مین ایک نئے ملک کے قومی محسوسات زور دن سے پائے جاتے ہین۔ ان صنعتی کمپنیون کو جن کا سرمایہ بیرون ملک سے آیا ہے اُن کو ایسی حالت میں کام کرنے کی اجازت ہے جبکہ نصف سرمایہ خود ٹرکی حکومت کا اُن مین کر لیا جاوے اور غیر ممالک کے کاروباریون کے لئے سخت قواعد نافذ کردیے گئے ہین۔ ترکون کی خواہش تو اب نہ صرف مقامی صنعتون کو زندہ کرکے ترقی دینے کی ہے بلکہ بیرونی اثرات تک کی روک اُنکا مقصد ہے۔ ساحل کی تجارت کو بھی حکومت اب اپنے ہی ہاتھ مین لینے والی ہے یونانیوں کے بجائے اب خود ترکون کے ہاتھ مین بیرونی تجارت بھی کھلیتاً آرہی ہے۔"

دراصل ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم یورپ سے جسقدر نقصان ترکون کو پہونچا شاید ہی کسی کو پہونچا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے تقدو کروڑ آدمی اس جنگ مین ۱۹۱۸ء تک ختم ہوگئے تھے۔ اور ملک کے ملک اُجڑ چکے تھے۔ نیز بیشمار مخلوق خدا خانمان برباد اور مصیبت میں گرفتار تھی مگر ترک بیچارے مرد بیمار کے لقب سے جنگ یونان کے باعث اب کچھ کچھ زندہ سمجھے جانے لگے تھے اور گو دو تہائی ملک قبضہ سے نکل چکا تھا تاہم قسطنطنیہ اور اناطولیہ کے اُس حصہ میں جہان وہ خود آباد تھے ان کے واسطے چھوڑ دیا گیا تھا جیسا کہ اعلان ۵ جنوری ۱۹۱۸ء مسٹر لائڈ جارج سے پایا گیا تھا۔ اس لئے اب دوسری سلطنتون سے جو کچھ بھی ترک حاصل کر سکتے تھے وہ ہی غنیمت تھا مثلاً روس سے اتحاد کے باعث

دونوںکو اپنی اپنی جگہ پر اندرونی و بیرونی پالیسیون مین [illegible] ہی - اٹلی نے بھی
پچاس لاکھ پونڈ دیکر ترکوں پرگونہ اثر قائم کرنے کا خواب ہی دیکھ لیا تھا چنانچہ اوس کے بڑے
بڑے بنکون کی شاخین قسطنطنیہ مین قائم ہو گئی تھین اور اجارہ دارون کو بھی روپیہ دیکر وہ خوب امداد
کرنے لگا تھا۔ ترکی طلبا کی تعلیم تک میں بڑی رعایات سے وہان کی جاتی تھی۔ زرعی تعلیم کے واسطے
طلبا بکثرت اٹلی ہی گئے تھے۔ کیونکہ ایشیائی کوچک کی آب و ہوا اور ارضی کیفیات اٹلی ہی سے
بیحد مشابہ و مماثل تھین۔ لیکن فرانس نے سنہ ۱۹۳۰ء سے ترکی کی مالی و اقتصادی ترقی کی
کساد بازاری کرانے کا کچھ بیڑہ سا اٹھا لیا ہے۔ جس کے اسباب ابھی ظاہر نہیں ہوتے ہین۔

برطانیہ سے ترکون کو جو شکایات تھین اُن سے دنیا کے مسلمان بھی متاثر ہوے
تھے بالخصوص اوس صلح نامہ سیوآریز کے باعث جس سے کہ ٹرکی حکومت کے ٹکڑے
اور پارچے ہو گئے تھے۔ اور مسٹر گلیڈ اسٹون کے خواب کی سچی تعبیر دنیا کے مسلمانوں کے سامنے
آگئی تھی۔ اگر ترک یہ سمجھتے تھے کہ اُن کارروائیون سے اسلامی اتحاد پر ضرب کاری لگ گئی
تھی اور مقامات مقدسہ پر بھی مسلمانون کا دراصل اثر نہین رہا تھا تو کیا بیجا تھا بلکہ وہ تو بجز بی صحیح
ثابت ہو کر رہا۔ عراق و فلسطین مین تو یہود - نیز دیگر مشرک اقوام کے معبد مثلاً منادر -
کلیسا اور گوردوارے بلا کسی روک ٹوک کے اسلامی دنیا کے قلب و مرکزون مین بن ہی گئے
اور ناقوس - گھنٹے و سنکھ وغیرہ کے بجانے کا حق اذاں کے ساتھ ساتھ اُن مقامون پر منوایا
ہی جا رہا ہے جہان پیشتر کبھی ایسا نہ تھا۔ بعض سیاست دانون کا تو یہ خیال مستقل ہو رہا ہے
کہ جسطرح پیشتر بلقان اور یونان کی مدد سے ترکون کی سطرح خرابی کرائی گئی ویسے ہی اب
کوردون یعنی عربون اور یہود کو منظم کرا کے نہ صرف ترکون بلکہ بقیہ آزاد اسلامی حکومتون کو
یورپ کی عیسائی حکومتین کمزور کرانے کی فکر میں ہین۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۵ء میں کوردون نے پھر
بغاوت ہی کی تھی جس سے ترکون نے بھی سنہ ۱۹۳۱ء مین اپنے یہان صرف ایک قومی مجلس اعلیٰ ہی باقی
رکھی باقی تمام سیاسی انجمنیں توڑ دا دین باوجودیکہ جمہوریت کا خیال سب طرف پھیل چکا تھا۔ اور
کوئی سا سلطانی قدم کبھی روڑے اٹکانے کے واسطے ملک مین کلمہ نہین رہا تھا مگر مصطفیٰ کمال نے جیسے کہ قوم کو منظم
کر لیا اور فوج نے بھی بدستور اُن کا ساتھ دیا اور قوم بھی نے دیگر عیسائی رعایائے سلطنت ترکیہ اگر ترکون کی آبرو۔ جان۔ مال اور سلطنت

سنیز

سب پر قابو حاصل کرنے کا عمل جان لیا بس قوم بھر کمال پاشا ہی کی حکمبردار بن گئی۔ آخر سلاطین کے وقت میں تو ترکوں کو یہ نظر آچلا تھا کہ جو اقوام کل اونکی جوتیاں سیدھی کرتی تھیں وہ سب زمانہ حال کے ہتھیاروں اور ہر قسم کے آلات حرب سے آراستہ ہوکر ترکی قوم کی ہستی تک مٹانے کو تیار ہو گئی تھیں۔ ان سب باتوں کے علم سے کل ترک قوم مصطفےٰ کمال کے ماتحت مرتب ہو گئی۔ اور کمال کو اپنا ویسا ہی ہیرو مان لیا جیسا کہ آجکل اٹلی میں مسولینی۔ جرمنی میں ہٹلر۔ آئرلینڈ کا ڈی ویلیرا۔ ایران کا رضا شاہ اور کابل کا نادر شاہ تھا۔ چنانچہ موجودہ ترکی پارلامنٹ میں جو نمائندے آتے ہیں وہ اپنے مقامات پر واپس جاکر مصطفےٰ کمال کے چھوٹے چھوٹے نمونے بن کر جاتے ہیں اور ہر شخص کے دل میں حریت و مساوات کی روح پھونک گئی ہے۔ اونکے دار العوام کی کل کارروائیاں لفظاً بہ لفظ اخبارات میں شایع ہوتی ہیں اور آزادی سے اونپر جرح و قدح بھی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اسکے یہ ماننا پڑے گا کہ ابھی ارتقا کے حالت میں کل معاملات ہیں اور تمام شیرازے کا دارومدار صرف ایک ہی ذات پر ہے۔ اور اب بھی کل حکومت بتیس دانتوں کے درمیان مثل زبان کے ہے۔ اپنے اور غیر سب ہی بھانپ رہے ہیں۔ بہتوں کے دلوں میں بدلا لینے کا بھی خیال ہوگا۔

ترکوں کا اصلی و قدیم نعرۂ جنگ "آرہا" یعنی زمانہ حال کے انگریزی "ہرّا" کے قریب قریب تھا مگر اب اوسکو بدلکر "اللہ اکبر" کی تکبیر ہوگیا ہے حال کی خبروں سے پایا جاتا ہے۔ کہ ایران۔ کابل۔ ٹرکی اور عراق کے درمیان کسی قسم کا ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ بھی ہوا ہے جس کی صورت ایک اسلامی اتحاد کی بیان کی جاتی ہے۔ خدا کرے کہ یہ صحیح ہو۔ ترکوں نے ہر قسم کے تجارتی معاہدے بھی متعدد سلطنتوں سے اب کر لئے ہیں اور بلقانیوں نے بھی صلح کے ساتھ بسر کرنے کا اونسے کسی قسم کا اقرارنامہ کر لیا ہے۔

اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ترکی سلطنت کے حصص کا ترکوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا اصلی سبب کون ہوا۔ موجودہ زمانہ کے ترک سلاطین کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ مگر خود نوجوان ترکوں کی آپس کی جنگ بھی اسکی بہت کچھ ذمہ دار ہے سنہ ۱۸۶۰ء میں خود سلاطین نے جدید طرز کے ابتدائی تعلیم کے مدارس کھلوا دیئے تھے۔ اور اونسے نکلے ہوئے طلبا ارکا [illegible] سے تعلیم یافتہ ترکوں کا اوسی زمانہ سے یہ خیال عام طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ اوسوقت کی اسلامی تعلیم ہی دنیاوی

ترقی میں ہارج ہو رہی تھی اور سب ہی علما و مشائخ وغیرہ کے مخالف ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان تعلیم یافتوں کا گذر اور اثر حکمران طبقہ میں زائد ہو چلا تھا۔ بلکہ حکومت کے عہدے بھی کچھ کچھ حاصل کر چکے تھے اور ہر قسم کی اصلاحات پر تُل گئے تھے۔ عوام الناس کی تعلیم بیشک ابھی تک پرانے طرز کی تھی۔ اور یہی سبب تھا کہ جدید اصلاحات کے عام طور پر مقبول ہونے میں دقت ہو رہی تھی۔ حالانکہ سلطان سلیم و محمود کے زمانہ میں جو اصلاحیں ہو چکی تھیں اُن کو قانون و ضابطہ کی شکل میں نوجوان ترکوں نے اپنے زمانہ میں لانے کی پوری کوشش ضرور کی تھی۔ اور "تنظیمات" کے نام سے اونکو قانونی حیثیت بھی دی گئی تھی بلکہ عملی جامہ بھی پہنایا جاچکا تھا گویا جدید ترکی کی بنیاد قائم ہی ہو چکی تھی۔

دراصل تو ان تعلیمی اور سیاسی ترقیات سے جو ہو چکی تھیں پورا فائدہ عیسائی رعایائے ترکی نے سب سے پیشتر اُٹھالیا تھا یعنی "تنظیمات" سے اونھیں کو زائد بلکہ پورا اور جلد نفع ہوا تھا۔ اونھیں میں "قومیت۔ جمہوریت اور وطنیت" کے خیالات زیادہ تر پیدا ہو گئے تھے۔ نیز انفرادی آزادی کا بھی پورا نشو و نما اور روس کے ساتھ اُنھیں زیادہ تر ہو گیا تھا۔ پھر عدالتی نظم و نسق میں بھی تبدیلیاں انھیں ارباب "تنظیمات" یعنی نوجوان نے اپنے ہی زمانہ میں بہت کچھ کرا دی تھیں۔ بلکہ فرانس کے طرز کے آئین۔ و قوانین ملک چلانے والے بھی وہی کہے جاتے ہیں۔ اس سب سے ترکی قوم میں اور بالخصوص عیسائی رعایا میں زمانہ حال کی پوری بیداری پیدا ہو گئی تھی مگر ا ونمیں ابھی تک کوئی شخص تعمیری پروگرام کا موجد نہ ہو سکا تھا بس گذشتہ عمارت حکومت کے ڈھانے ہی میں سب مصروف ہو گئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دول یورپ کی امداد سے ہر جگہ بغاوت ہو گئی اور اسباب کا تلاش کرنا مشکل ہے۔

آخر میں تو سلطنت ترکی سے چھ برائے نام آزاد حکومتیں اہل یورپ نے بنوا دیں۔ اگر سلاطین پر یہ الزام ہو کہ وہ خود عیش و عشرت میں پڑ گئے تھے اور ولیعہدوں کی بھی تربیت وغیرہ سے غافل ہو گئے تھے۔ تو مشاہیر ترک بھی دیگر قسم کے الزامات سے بری نہیں کئے جا سکتے۔ اونکی آپس کی مخالفتوں وغیرہ نے بھی کوئی کسر خرابی میں نہ اُٹھا رکھی۔ مذہب اور حرام و حلال کے قیود تو اونکے واسطے بھی بے اثر ہی رہے۔ اونکے وقت کے شیخ الاسلام بھی زائد پاک طینت نہ نکلے۔ دراصل ترکوں کو جب کوئی اچھا جنرل یا ہادی مل گیا تب وہ ہمیشہ من حیث القوم ایک بے نظیر سپاہی ثابت ہو گئے۔ اوسی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ آج مصطفےٰ کمال کے ملتے ہی پوری قوم پھر زندہ ہو گئی۔ خالدہ خانم نے تو ترکوں کا حال یوں لکھا ہے کہ "ایشیائے کوچک یونانیوں

کا گہوارہ تھا۔ جنکے مذہبی پیشواؤں اور قابل افراد قوم کے اثرات دنیا بھر میں دائر و سائر ہو چکے تھے۔ اونکے تمدن میں مادیت کا زور تھا۔ جمہوریت کی بنیادیں تک انھیں نے اصول حکمرانی میں ڈالدی تھیں۔ افراد قوم کی اونکی یہاں بڑی عزت تھی سلطنت کو افراد ہی کے واسطے وہ سمجھتے تھے۔ اونکے برخلاف روما کی قومی حکومت کی بنیاد سلطنت کیواسطے تھی وہ افراد کو سلطنت کے واسطے قربان کر دینے کو آمادہ رہتے تھے۔ اونھیں نے بیرونی حملوں سے بچنے کے واسطے قسطنطنیہ ہی کو مرکز حکومت بنایا تھا کیونکہ اوس وقت بحری قوتیں ویسی زبردست نہ تھیں۔ جیسے کہ فی زمانہ ہیں اوسی وقت ایشیا کے عربوں اور یورپ کی سلافی یا سلاو اقوام نے اہل روما کو جلا وطن کر کے قسطنطنیہ میں پھر یونانی اثر بڑھوا دیا تھا۔ پھر جب بازنطینہ کی سلطنت کا زور ہوا تو اونکا بھی مرکز حکومت قسطنطنیہ ہی تھا۔ اور لاطینی زبان کی جگہ تک یونانی زبان نے لے لی تھی۔ انکے ایک طرف بلقان اور دوسری طرف اناطولیہ تھا مگر دراصل اناطولیہ میں بھی اوسوقت ایک طرح کا یونانی اثر و اقتدار تھا۔ لیکن بلقان نے جب بازنطینیوں کو پریشان کیا تو اوسی وقت سے ترک وہاں داخل ہونے لگے اور چھٹی صدی عیسوی سے اُن کا داخلہ اناطولیہ میں کچھ کچھ ہونے لگا تھا مگر آٹھویں صدی سے اونکے حملوں کا زور ہو گیا۔ گیارہویں صدی میں سلجوقی ترک نے وسطی و مغربی اناطولیہ میں تو حکومت ہی قائم کر لی۔ اور اسلامی رنگ بھی اب اُن پر چڑھنے لگا۔ جب تیرھویں صدی میں سلجوقی حکومت پر زوال آیا تو ایشیائے کوچک سے عثمانی ترک بھی وارد ہونے لگے۔ ترکوں کا ذکر تاریخ میں دراصل پانچویں صدی سے آنے لگا تھا۔ چینی تواریخ میں اُن کا نام ”توکیو“ اور بازنطینی تواریخ میں ”ترکی“ ہے۔ اُن کا قدیم تمدن مغلستان اور چین کی سرحد سے آیا تھا۔ جنمیں سب سے مشہور ”طرفانہ“ کا حصہ تھا اور جسکے ایک بادشاہ کا نام ”گل تکین“ تھا اور سب سے بہادر کا نام ”بلقہ خاں“ نیز سب سے ظالم کا نام ”ہیتو خاں“ تھا اور طغرل کا دادا شامانی بھا تھا اور جو مسلمان نہ تھا۔ ترکوں نے پہلے بلقان فتح کیا۔ پھر بازنطینہ اور اوسی وقت سے نوجوان بازنطینوی خود ہی اسلام قبول کرتے گئے۔ اوسی طرح یونانی بھی گروہ کے گروہ مسلمان ہوتے گئے۔ تاتاریوں کے حملوں نے بھی مغرب کی طرف صحرائی گوبی سے اناطولیہ تک ترکوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ترکوں کی زندگی اور خیالات۔ کیا اخلاقی اور کیا معاشرتی سب مشرق و مغرب کے امتزاج کے حال کو بتلاتے ہیں۔ دراصل وہ مشرقی ہیں۔ مگر تعلیم سفر اور یورپ کے میل جول نے مغرب سے بھی

اونکو بورا روشناس کر دیا تھا۔ اب جبکہ وہ جدید تہذیب کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ حالانکہ قدیم معاشرت سے جکڑے ہوئے ہیں اونکے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی قدیم تہذیب کو بھی نہ بھولیں اور نہ تعصب کی عینک لگا کر دنیا کے انقلابوں سے چشم پوشی ہی کریں۔ پھر ساتھ ہی اس سب کے اپنے حالات پر نظر کر کے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو اگر سمجھتے رہیں تب تو وہ کامیاب ہو سکتے ہیں ورنہ وہ دن دور نہ ہوگا کہ اور بھی خرابیوں سے دوچار ہوتے دیکھے جائینگے۔ مغرب کی خصوصیات تو یہ ہیں۔ آزادی۔ تنظیم۔ علم و سائنس کی ترقی۔ اتحاد عمل۔ دوسری طرف مشرق کی خصوصیات یہ ہیں۔ سکون قلب۔ روحانی ہم آہنگی۔ کثرت کے پردے میں وحدت کا مشاہدہ۔ محبت۔ نفرت۔ رنج سے بے پروائی اور رسوم و روایات کی زنجیروں میں جکڑے رہنا۔

اب تاریخی واقعات سے یہ ثابت ہو جائیگا۔ کہ ترکوں نے جو ۱۲۸۸ء سے یورپ میں فتوحات پائی تھیں اور ۱۹۱۸ء کے بعد سے جس طرح اپنی حالت کو پھر سنبھالا وہ در اصل اُنکی قومی عصبیت اور مذہبی قوت کا نتیجہ تھا۔ گو یہ ضرور ہے کہ ترکوں نے ابتدا ہی سے اسلام کی ترویج یا اعلائے کلمۃ اللہ کے واسطے حکومت نہیں کی۔ سلطان آرخن و مُراد اول نے جب یورپ پر فوج کشی کی تھی تو مشرقی حصہ سلطنت روما کی رعایا جو شمالی حصص ایشیائے کوچک کے باشندے تھے اونھیں سے ترکوں کی افواج زائد تر بنائی گئی تھیں اور وہ مسلمان نہ تھے۔ نیز بعد میں بھی جو ترکی افواج مرتب ہوتی رہیں اُن میں بھی عیسائی عام طور پر بھرتی ہوتے رہے۔ بالخصوص بلقان میں تو اکثر فوجیں محض عیسائی رعایا سے تیار کی گئی تھیں۔ اونکے جنرل اور کمانڈر مختلف مذاہب و اقوام کے لوگ ابتدا سے لے کر آخر تک قائم رکھے گئے۔ مثلاً یونانی۔ البانی۔ اطالوی وغیرہ اُن میں مذہبی قید و تفریق کا کبھی جگہ پر بھی ذکر نہ تھا۔ علاوہ بری فوج کے بحری فوجوں اور سول حکومت میں بھی یہی حال رہا کیا۔ یہودی و عیسائی اوسی طرح ملازمت حاصل کرتے جیسے کہ مسلمان۔ صوبوں کے گورنروں کے واسطے بھی اسلام کی پیروی یا ترکی ہونے تک کی قید نہ تھی۔ اسی سے کبھی کوئی مذہبی مشن تبلیغ کے واسطے ترکوں نے نہیں مرتب کیا بلکہ زبردستی مسلمان کرنیکا جھوٹا الزام محض عیسائی پادریوں کی تصنیف تھی اور اسلام سے دشمنی ہی کی بنا پر مذہبی تعصب کا الزام عیسائی اقوام اُن پر لگاتی رہیں۔ ترکوں نے جو کچھ بھی کیا وہ محض حفاظت خود اختیاری اور بد امنی کے روکنے کے واسطے کیا۔ اور جب عیسائی رعایائے حکومت ترکی کو دوسروں نے اوکسایا تب اُنھوں نے

بغاوت کردی۔ تب ہی مجبوراً ترکوں کو اونکے استیصال کے واسطے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ فی الحقیقت تو عیسائیوں کی آپس کی جنگ اور ایک دوسرے سے حسد ورشک نے ترکوں کو پانچسو سال تک یورپ میں اُن پر زبردست حکومت کا موقع دیا تھا۔ مورخین اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ترک سلاطین کی دس نسلیں ایسی ہوئی تھیں کہ جنھوں نے ایشیا و یورپ میں بہادری کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے اور انتظام مملکت بھی نہایت خوبی و بے تعصبی سے کرکے دنیا کو یہ دکھلا دیا تھا کہ اسلامی شریعت کی پابند حکومت کس طرح عمدگی سے دنیا پر سکہ چلا سکتی ہے۔ اور اوسمیں سب ہی امن وچین سے بسر کر سکتے تھے۔ چنانچہ سلطان سلیمان ذیشان کے متعلق تو مورخین کی یہ رائے ہے "علاوہ ہر قسم کے تدبّر۔ فوجی قابلیت اور قوت عمل سے اوصاف کے معاہدات کی پابندی بھی اُس کا خاص وصف تھا۔ اُس کی پرائیوٹ یا خانگی زندگی بھی بدنامی سے بری تھی۔ اور اپنی رعایا کے واسطے چاہئے وہ کسی مذہب یا قوم کی ہوتی وہ انصاف حاصل کرنے کیلئے بیحد مشہور ومعروف تھا۔[1]"

پھر عیسائی مجاہدین نے خود ہی ترکوں سے بار بار لڑائیاں لڑی ہیں مگر کوئی بھی ترکی جنگ مذہبی نقطہ نظر سے کبھی عیسائیت کے خلاف اونکے یہاں نہیں مرتب ہوا۔ ۱۳۶۳ء میں بمقام میرٹزا (Maritza) یا ۱۳۹۶ء میں بمقام نیکوپولس (Nikopolas) یا ۱۴۴۴ء میں بمقام وارنا (Varna) خود عیسائیوں نے مذہبی جنگ چھیڑ کر اپنی مٹی ہمیشہ کیلئے پلید کرالی تھی۔ مگر ترکوں نے کبھی مذہب کے نام پر عیسائیوں یا کسی دوسرے مذہب کے لوگوں کو برباد نہیں کیا۔ ملک گیری بیشک اُن کا مقصد تھا اور دراصل تو قسطنطنیہ ہی میں ہمیشہ عیسائی بطریق رہا کیا۔ اور سلاطین کے استبداد کو اعتدال پر رکھنے ہی کیلئے نیز شریعت اسلامیہ کی حقیقی پابندی کرانے کیلئے شیخ الاسلام کا عہدہ اوسوقت تک قائم وبرقرار رکھا گیا جبتک کہ شیخ یا سلاطین . . . . . نے ناجائز طریقوں پر استعمال نہیں کیا۔ اب جس طرح سلطان بایزید اوّل نے ہمیشہ مذہبی بے تعصبی کا ثبوت دیا اور عیسائی گرجاؤں کے واسطے جنگ کی تھی اوسی طرح سلطان محمد فاتح کا قسطنطنیہ کی فتح کے بعد عیسائیوں کے ساتھ ہر قسم کا عمدہ برتاؤ بے تعصبی اور رواداری کا بڑا ثبوت ہے اور اوسی کے مقابلہ میں یونان کی حکومت نے ۱۸۲۱ء میں جس طرح بیچاری مسلم رعایا کو قتل کیا . . . . . تاریخ کے صفحے سیاہ ہیں۔

---

[1] دیکھو صفحہ . . . . . "لائف آف . . . . . " ۱۹۲۲ء

اناطولیہ کے ترک تو مذہبی پابندی کے واسطے ہمیشہ سے مشہور تھے اور رواداری و پابندیٔ معاہدات اُن کا خاص شیوہ تھا۔ پھر اُن میں صفائی، کفائت شعاری۔ بہادری۔ اور جفاکشی بھی تھی۔ اور منہیات شرعیہ نیز ظلم و ستم سے مبرا ہونے کا بھی ہر مورخ قائل ہے۔ پھر بھلا ایسے غلط الزامات کہ آرمینیا وغیرہ میں عیسائیوں کو قتل کر دیا گیا اور مذہب کی بنا پر تعصب سے ترک قوم کام لیا کرتی تھی۔ کون یقین کرنے کی بات ہے۔ اسکے واسطے آخر زمانہ میں کمیشن بھی یورپ نے بٹھلائے مگر نتیجہ میں ترکوں کو اس طرح کے الزامات سے بری ہی کیا گیا۔ [1]

بیشک وہ ترک جو ایشیا۔ یورپ اور افریقہ میں اپنی بہادری سے کامیاب ہو چکے تھے وہ آخری جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کے نتیجے میں برباد ضرور ہو گئے۔ لیکن بالآخر جب مصطفےٰ کمال پاشا نے ہر طریقہ پر اپنے ملک کے حالات کو جان لیا اور کسی طرح بھی سلاطین اور خلیفہ یا نوجوان ترکوں کی پارٹی کو کامیاب ہوتے نہ پایا تو تن تنہا سیواس (Sivas) میں داخل ہو کر کام شروع کر دیا۔ گو کوئی بھی سامان وہاں نہ تھا اور در اصل تو جنگ بلقان ہی کے بعد ترکوں کے پاس صرف سلطان سلیم کے مقبرے ایڈریانوپل اور اناطولیہ کی بوسیدہ سرحد کے کچھ بھی باقی نہ رہا تھا اور بلقان ہی کی جنگ سے "اتحاد و ترقی" کی موت کا گھر بھی بج چکا تھا۔ اور یہی وہ جماعت تھی جو ۱۸۶۱ء میں بمقام جنیوا قائم ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ "نوجوان ترکوں کی پارٹی" جو اوسنے قبل ۱۸۳۹ء میں قائم ہوئی تھی اور جس کے اصول "اتحاد و ترقی" والوں سے مختلف تھے کے بعد دیگرے دونوں ختم ہو گئیں۔ اور اگر مصطفےٰ کمال ہمت مردانہ نہ باندھتے تو آج ترکی حکومت کا نشان بھی نہ باقی ہوتا۔ کیونکہ جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء نے تو نہ صرف بلقان ہی کا نقشہ بدل دیا۔ بلکہ سرویہ کا نام تک بدل کر زیکوسلوویکیا رکھ دیا۔ اوسکے حدود سلطنت بھی اب پیشتر سے مختلف ہو گئے ہیں کیونکہ بوکا (Bocka) کا بڑا حصہ اب اسی میں شامل کرا دیا گیا اور اسی طرح کے بڑے بڑے انقلابات پیدا کرا دئے گئے۔ آسٹریا ہنگری کے دو ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ اونکے نام بھی رکھ دئے گئے۔ ترکوں ہی سے تو عرب۔ عراق۔ عمان۔ قویت۔ بحرین۔ مسقط بلکہ کل خلیج فارس اور بحیرۂ عرب خالی کرا کے نجد اور عراق وغیرہ کے بادشاہ علیحدہ علیحدہ بنوا کر مصر کی طرح برطانیہ عظمیٰ کے زیر سایہ قائم ہو گئے ہیں اور دیکھئے کہ کبتک یہ حالات بھی باقی رہیں۔

---

[1] دیکھو صفحات (۲۲۵-۲۲۴) تاریخ "دی ٹرکش ایمپائر" لارڈ ایورسلے و سر ویلنٹائن چرول طبع ثالث ۱۹۲۳ء۔

آخر میں اگر یہ سوال کیا جاوے کہ ترکوں نے ۔ اپنا تمدن اپنا طرزِ حکومت بلکہ ساری خصوصیات کیوں بدل دیں تو ان تمام باتوں کا جواب آگے چل کر جلد دوم کے مصطفیٰ کمال کے حصہ کتاب میں پڑھنے والوں کو صاف صاف مل جائے گا ۔ مگر یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ ترک قوم نے مدتوں تک مغرب میں حکومت کی ہے اور وہ مدتوں سے مغربی طرزِ زندگی و تہذیب کے عادی ہو چکے ہیں ۔ اور جب مغرب میں اب دراصل مسیحیت نہیں رہی ہے بلکہ مادیت کا پورا زور ہے ۔ معاشی اسباب کا زائد خیال ہے اور اصرار قدرت و فطرت کی تلاش ہو رہی ہے تو ترک بھی اوس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۔ طرزِ حکومت میں تو ابتداہی سے استبداد اور حریت دونوں یکجا ہی اونکے یہاں جمع نظر پڑتے تھے بلکہ فتح قسطنطنیہ سے قبل ہی اونھوں نے ہر دو کیفیات کا مجموعہ اپنے نظامِ حکومت میں قایم کر کے اور چلا کر دکھلا بھی دیا تھا ۔ پھر جدید آئین میں جو دقتیں نہ پیش آئیں کم تھیں ۔ اور تمام عالم اسلام کی پستی سے جو بھی نہ خیال ہو بعید نہیں مگر تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ کمالیہ ترکی کا رقبہ (۷۶۲۷۳۶) اسکوائر کیلومیٹر ہے جسمیں ۱۳ فیصدی زیرِ کاشت (Arable) ہے ۔ ۱۹ فیصدی جنگل ۔ ۳۶ فیصدی چرائی کے لایق ہے ۱۲ فیصدی پتھریلی آراضی و چٹانیں ہیں اور صرف ۲ فیصدی زیرِ آب یا جھیل یا دلدل ہے ۔ بالفعل آمدنی کا مدار زراعت سے زائد تر ہے ۔ چنانچہ ۳۱ و ۳۲ ء کا بجٹ خرچ مفصل ذیل میں درج ہے ۔

مدرت اخراجات		ترکی پونڈ ملین میں
اعلیٰ قومی اسمبلی	—	۴٫۲
صدرِ اعظمی	—	۷٫۰
اسٹیٹ کونسل	—	۲٫۰
مالیہ ۔ پنشنات	—	۳٫۱۲
قرضہ	—	۵٫۲۶
چنگی یا (custom)	—	۲٫۴
داخلی	—	۳٫۴
خارجی	—	۱٫۳
تار و ڈاک	—	۱٫۵

ضمانت عامہ	—	۳،۴
جنڈارمری	—	۷،۸
حفظان صحت	—	۷،۳
تعلیمات	—	۹،۶
عدالت	—	۴،۷
عمارات عامہ	—	۴،۲۶
ملکی حفاظت	—	۰،۴۴
کارخانہ جات اسلحہ	—	۴،۳
بیڑہ بحری	—	۹،۷
بیڑہ پرواز	—	۵،۳
پیمائش	—	۱،۱
کفایت یا نقصان	—	۵،۸
متفرق	—	۱۱،۱

۸۳،۱۷۷
~~۵۸،۴۶۸~~

مگر پھر ۱۹۳۳-۳۴ء کے بجٹ میں بہت کمی کر کے صرف چودہ کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کا رہنا بیان کیا جاتا ہے۔ ایک ترکی پونڈ برابر ہوتا ہے۔ سو قرش کے یعنی انگریزی دو شلنگ کے۔

اب صرف اناطولیہ ہی کی آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے جو سات لاکھ تریسٹھ ہزار مربع کیلومیٹر میں آباد ہے۔ ایسی صورتوں میں اعتراضات کی بوچھار ایک بیجا اور بے علمی کی رائے زنی کہی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ ٹرکی

تیرہوین صدی عیسوی کے درمیانی حصہ مین سخت امساک باران ہوا ۔ دیوارِ چین سے لیکر تمام وسط ایشیا تک خشکی سے زمین چٹخ گئی۔ مجبوراً وہان کے قبائل اپنے گلّون کو چرانے اور پانی کی ضرورت سے گھرون کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے ۔ منجملہ دیگر قبائل کے عثمانلی ترک بھی تھے ۔ اونکا سردار سلیمان شاہ بھی اپنے جھنڈے پر سپید بھیڑئے کا سر لٹکا کر خراسان کی طرف سے ۱۲۸۶ء مین باہر نکلا ۔ ان قبائل کا خاص جوہر اپنے سردار کی اطاعت تھا ۔ یہ قبیلہ صدیون سے صحرائے گوبی کے کنارے سیاہ گھوڑن کے بالون سے بنائے ہوئے خیمون مین سنگاریہ کے میدانون مین بسر کرتا رہا تھا جب سلیمان شاہ دریا مین ڈوب گیا تو پھر سب واپس ہوگئے ۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد سلیمان شاہ کے بیٹے ارتغرل نے پھر خروج کیا۔ اور قبیلے کے ساتھ قونیہ پہونچا جبکہ سلطان علاء الدین سلجوقی قونیہ کا بادشاہ تھا ۔ روایت ہے کہ اوسنے کسی جنگ مین علاء الدین کی مدد کی تھی جس سے ترکون کی بسر اوقات کے لیے سلطان نے بخوشی اوسکو کچھ حصہ ملک بخشدیا تھا ۔ اُنکے شمال مین تاتاری قوم تھی اسلیے جنوب کیطرف رُخ کرکے آرمینیا سے گزر کر ایشیائے کوچک ہی کی طرف [illegible] ارتغرل [illegible] تھا اور ۱۲۸۸ء تک وہ زندہ رہا اوسکی وفات پر قوم نے اسکے بیٹے آتھمن کو سردار بنایا ۔ اور وہ مسلمان بھی ہو گیا ۔

سلطان آتھمن ۱۲۸۸ء سے ۱۳۲۶ء

ایشیائے کوچک مین اسوقت اور بھی چھوٹی چھوٹی امارتین یا ریاستین موجود تھین ۔ آتھمن نے عیسائی بائزنطینی حکومت کے استیصال کی طرف توجہ کی ۔ نیز دیگر امارتون نے بھی

اوسکی تخریب کرنا شروع کردی - چودہوین صدی کی ابتدا مین بحیرہ ایجین کے جزائر مین
تو بازنطینی سلطنت کا بالکل ہی خاتمہ کردیا گیا - اور جہان جہان آتھمن فتحیاب ہوتا گیا
لوگ بخوشی اسلام بھی قبول کرتے گئے - بلکہ سلاو و یونانی اقوام ترکون سے میل بھی کھا گئین
اور اونکو بھی عموماً عثمانلی کہا جانے لگا - کیونکہ اوسوقت لفظ "ترک" کلمہ حقارت ہی سمجھا
جاتا تھا - آتھمن نے اڑتیس۳۸ سال حکومت کی - بیحد بہادر اور عقلمند امرا مین اوسکا
شمار تھا - اور اوسنے سلطان کا خطاب بھی اختیار کرلیا تھا - ۱۳۲۶ء مین جب اوسکی
وفات ہوئی تو اوسکے بیٹے آرخن نے چونکہ باپ کی حیات ہی مین بروصہ فتح کرلیا تھا
اور اوسیکو دارالسلطنت بھی آتھمن نے بنا لیا تھا - اسلئے آتھمن کو وہین دفن کیا گیا -

آرخن ۱۳۲۶ء ۱۳۵۹ء

تخت نشین ہوتے ہی سلطان آرخن نے سلطنت کا انتظام اور فوج کی درستی اپنا
پہلا فرض سمجھا بلکہ ایک بہادر سپاہی کی طرح ہر وقت بیداری اور انصاف سے تمام
عمر کام کرتا رہا - چونکہ عرصہ دراز سے لاطینی اور بازنطینی کی سلطنتون مین رقابت اور
جنگ چلی آرہی تھی اور آخر الذکر حکومت ایک ہی وقت مین یورپ مین دریائی
ڈینیوب تک اور ایشیا مین اناطولیا و شام تک پھیلی ہوئی تھی گو ۱۲۰۴ء مین عیسائی
مجاہدین نے اپنے جہاد چہارم مین قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تھا اس سے بازنطینوی حکومت
کے بادشاہ کو اپنا دارالسلطنت قسطنطنیہ سے ہٹا کر نائیسیا (Nicaea) واقع
ایشیائے کوچک مین لانا پڑا تھا پھر ۱۲۶۱ء مین بازنطینوی حکومت نے قسطنطنیہ کو فتح کرلیا
اور لاطینی عیسائی حکومت کا خاتمہ ہی کردیا - لیکن یونانیون مین خود جب خانہ جنگی ہوگئی
اور ملکہ یونان اینا (Anna) اور اوسکے وزیر کنٹاکیوزین
(Cantacugene) کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو ۱۳۴۵ء مین سلطان آرخن نے
وزیر کی امداد کی جس سے اوسکا قبضہ قسطنطنیہ پر ہوگیا اور وزیر ملکہ دونون کی تاجپوشی
اور شادی سلطان نے وہان کرادی تو اوسکے حلقہ بہنا وزیر مذکور نے خود حسب مدعا بدو

اپنی نوجوان بیٹی تھی اوڈورہ (Theodora) کا نکاح سلطان کے ساتھ کرا دیا حالانکہ
سلطان کی عمر اب باسٹھ سال کی تھی۔ اسکے بعد سے تو سلطان نے برابر یونانیون ہی کی امداد پر کمر
باندھ لی چنانچہ ایک دوسری جنگ کے صلہ مین قلعہ زمپی (Tzympe) بھی جو یورپ کی
سرحد پر تھا سلطان آرخن کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر اتفاق وقت سے گیلیپولی (Gallipoli)
مین زلزلہ آیا جو زمپی سے قریب ہے اور اوسکی شہر پناہ گر گئی مگر یہ مشہور کیا گیا کہ گیلیپولی کی
شہر پناہ پر از خود آرخن نے قبضہ کر لیا اور اوسکو گرا دیا۔ اسپر یونانیون نے وزیر مذکور کو آرخن
سے جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ اب یونان مین ملکہ انینا اوسکا شوہر نیز اوسکا لڑکا تینون تاجپوش تھے
مگر یونانیون نے وزیر کو ملک فروش قرار دیکر جبکہ اوسنے سلطان کے مقابلہ مین جنگ سے
انکار کیا تو ملک مین بغاوت پھیلا کر وزیر کو تخت سلطنت سے دست بر داری پر مجبور کر دیا۔
مگر بھلا اب یونانیون کے اختیار کی کیا بات رہی تھی۔ اور اب کون تھا جو کسی حصہ ملک کو
ترکونسے خالی کرا سکتا سلطان نے بھی بیس ہزار ترکی فوج یورپ مین اب پہونچا دی اور ترک
تھریس (Thrace) تک پہونچگئے بلکہ بہت سے ایشیائی قبیلے وہان جا کر آباد بھی
ہو گئے تھے۔ اور کثرت سے خلقت مسلمان بھی ہو رہی تھی۔ بالآخر ۱۳۵۹ء مین سلطان
آرخن کی وفات ہو گئی۔

سلطان مراد اول ۱۳۵۹ لغایت ۱۳۸۹ء

آرخن کے بعد ۱۳۵۹ء مین اوسکا بیٹا مراد بہ لقب مراد اول تخت نشین ہوا۔ اوسنے اپنی تیس سالہ
حکومت کے زمانہ مین آٹومن سلطنت کو پختگونہ کر دیا۔ اور ۱۳۶۳ء مین بمقام ایسکی بابا
(Eski Baba) حکومت بازنطینہ کی افواج کو شکست فاحش دیکر ایڈریانوپل
(Adrianople) حاصل کر کے پورے تھریس پر قبضہ کر لیا تب شاہ یونان نے
بھی مجبوراً صلح کر لی۔ مراد نے بھی اوسوقت ڈیموٹیکا (Demotika) مین جو تھریس
کا مرکز تھا اپنا پایہ تخت قائم کرنیکا اعلان کر دیا اور بروحہ محض ایک صوبہ ہی رہ گیا۔ اب ترکون کے
ہر سپاہی کے دلمین یورپ کے فتوحات کی خواہش زور و ن مین بڑھ رہی تھی اور اونکا سلطان بھی

اوسکے واسطے بیقرار تھا - مگر تین ہی سال کے بعد بلقان پر حملون کی آسانیون کے باعث پایہ تخت
نوّے سال کے لئے ایڈریانوپل مین منتقل کرلیا گیا جبس سے ۱۳۶۶ء مین مقدونیہ بھی ہاتھ آگیا اور
پھر ۱۳۷۱ء مین بلغاریہ کا بھی بڑا حصہ سلطان مراد اول نے فتح کرلیا جو اب سے پانچسو سال تک
آٹومن حکومت کے زیر نگین رہا - ترکون کی بڑھتی ہوئی حکومت و طاقت کو دیکھکر ۱۳۷۲ء مین شاہ سربیا نے سلطان مراد کی شہنشاہت کو
قبول کرکے اوسکے زیر سایہ بادشاہت منظور کی - اور بلغاریہ کے شاہ سیسمن (Sisman)
کی صاحبزادی بھی سلطان کے حرم مین داخل کیگئی کیونکہ اس سلطان کا طرز حکومت ایسا تھا کہ جسمین جمہوری حکومت کے آثار و نقوش نظر
آنے لگے تھے اور اُسکی آزادی خیال کا بھی اثر نمایان ہونے لگا تھا اب کیا تھا - ۱۳۸۱ء سے ۱۳۸۶ء تک -
مونیستر - سوفیا اور نیش پر بھی سلطانی قبضہ ہوگیا - ۱۳۸۰ء تک ایشیائی کوچک مین بھی مراد نے
دیگر اُمرا کی چھوٹی چھوٹی ریاستین لیکر اونکو شامل سلطنت کرلیا تھا شاہزادہ بایزید نے بمقام ازنا
امیر کرامانیا (Karamania) کو شکست دیکر اپنے لئے برق کا خطاب ملک سے حاصل کیا تھا
اور اسکا رہ کو اسطرح آباد کیا کہ گویا پایہ تخت معلوم ہونے لگا لیکن اب یورپ مین ترکون کا خطرہ بیٹھنے
لگا اور عیسائی حکومتون مین علاوہ ہلچل پھیلنے کے خفیہ سازشین بھی ہونے لگین اور ایک خفیہ اتحاد ہوکر سربیہ
بلغاریہ البانیہ و باسنیا نے جنگ کی تیاری کرلی - ترکون کو جنگ مین کیا عذر ہوسکتا تھا وہ
اسی لئے بنے تھے اور ہر وقت لڑنے مرنے کے واسطے آمادہ رہتے تھے - بلا جنگ کار زار انکی
زندگی ہی وبال معلوم ہوتی تھی - ہر وقت کمر کسے تیار رہا کرتے تھے فتوحات کی ایسی چاٹ پڑ چکی تھی
کہ ایکدن بھی گھر بیٹھنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا - یہانتک کہ بمقام کوسووا (Kossova) میدان بدگیا یہان سربیا کا
ایک امیر مسمی میلاش (Miloseh) ترکون کی فوج مین بحیثیت ایک پیغام بر کے
سلطان سے کچھ عرض معروض کرنے کی درخواست کرکے اوسکے حضور مین داخل ہوا - فوج نے بھی
اوسے جانے دیا - دراصل ابھی تک ترکی بہادرون کو ان بلقانیون کی حیلہ سازی اور مکر کا بالکل
ہی تجربہ نہ تھا - اور اوسوقت تک کے آداب شاہی کے مطابق پیغام بر وغیرہ جب سلاطین کے روبرو
حاضر ہوتے تو اوسیوقت سر بزانو ہوتے چنانچہ میلاش بھی سر بزانو ہوکر حاضر ہوا مگر اُسنے
یکبارگی خنجر نکالکر سلطان کے قلب پر اپنا خنجر بھونک دیا - فوج نے اوسے گرفتار کرلیا - گو مراد نے خود
ہی فوج کو آخری حملہ کا حکم دیا اور فتح تمام حاصل ہوگئی مگر زخم ایسا کاری لگا تھا کہ جان بر نہ ہوسکا -

فوج نے میلاش کو بھی قتل کر ڈالا - مراد نے اسوقت تک کسی جنگ مین شکست نہ کھائی تہی اور یورپین جن عیسائی اقوام کو فتح کیا اونکے بچون کو لیکر ایک خاص فوج اونکی بنائی اور یہی فوج جینیسریز (Jannisaries) کہلائے - اونکی فوج تعلیم خود سلطان اپنی نگرانی مین کراتا تھا - اس فوج کے عیسائی سپاہی اکثر مواقع پر دغا کرنے لگے تھے اور دشمن سے ملکر جاسوسی کا کام بھی کرتے اسلئے بعد مین صرف مسلمان ہی بچے اس فوج مین مجبوراً لئے جانے لگے - شاہزادہ بایزید نے جیسے ہی باپ کے مرنے کی خبر پائی - فوراً ہی برق کی طرح اپنے بھائی یعقوب کو مروا ڈالا - اوسی وقت سے گویا یہ رسم ترکون مین تخت نشینی کے واسطے پڑگئی کہ سلاطین اپنی تخت نشینی کے وقت اپنے بھائیون یا بنی اعمام کو مروا ڈالتے - اب بایزید تخت نشین ہو گیا -

بایزید اول ۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۳ء

بایزید اول تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ سے بھی زائد بہادر ثابت ہوا - بلغاریہ کو تو جزو سلطنت کر ہی لیا گیا تھا - مگر اب سربیا نے بھی خراج گذاری منظور کرلی - اور پانچہزار سپاہی جنگ کے وقت دینا بھی اوسکے فرائض مین داخل کیا گیا تھا - نیز شاہ سربیا یعنی شاہزادہ اسٹیفن (Stephen) کی ہمشیر ڈیسپنا (Despina) بھی سلطان بایزید سے نکاح کرکے اوسکے محل مین داخل ہوگئی -

لیکن اب یونان کی سلطنت جسپر جان پیلیالوگس (John Patialogus) بادا اپنے بیٹے مینول (Manual) حکمران تھا بالکل ہی کمزور ہوچکی تھی اور بجید حقیر طریقہ پر باجگذار و حکمبردار دولت عثمانیہ کی بنگئی تھی - اور فیلاڈلفیا (Philadelphia) کا قلعہ بھی جو صرف ایشیائی کوچک مین یونان کے قبضہ مین باقی رہ گیا تھا وہ بھی ترکون کے نذر ہوچکا تھا مگر اوسکے قلعہ دار نے ترکون کو قبضہ دینے سے انکار کردیا - تب سلطان نے خود شاہ یونان اور اوسکے بیٹے کو قلعہ پر چڑہائی کرنے پر مجبور کیا - جو اوسکو کرنا پڑا - اسی درمیان مین شاہزادہ مینول کی بیوی اپنی سسرال جا رہی تہی - ترکون نے اوسکے جہاز کو گرفتار کرلیا اور سلطانی محل مین بطور حرم کے وہ بہی داخل کردیگئی - مگر غریب یونانیون پر اب بہی جون نہ رینگی - اور اونکو غیرت تک نہ آئی

ایشیائی کوچک کیطرف اب سلطان نے توجہ کی تو پہلا حملہ اسمرنا (Smyrna) پر کیا گیا اسوقت شاہ یونان نے حماقت سے قسطنطنیہ کے تین گرجاؤن کے کھودنے کا حکم دیدیا تاکہ اونکے سامان سے جدید قلعے تیار کرائے جاتے - سلطان بایزید کو جب اسکا علم ہوا تو اوسنے شاہزادے مینول کی آنکھون کے نکلوا لینے کی دھمکی دی - کیونکہ اب شاہزادہ موصوف دربار سلطانی مین بطور معزز جاروب کش (groom of the chamba) کے حاضر رہتا تھا - نیز سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ بھی خشکی کی طرف سے کرلیا تھا اور دراصل سلطان کو عیسائی یا دیگر کسی مذہب کے معبد کی بے حرمتی گوارہ نہ تھی اسلئے سلطان نے براہ بلغاریہ ریاست ولاشیا (Yalluchia) کو فوج کشی کرکے باجگذار بنالیا اور اسمرنا مین بھی داخل ہوگیا - یہان ہنگیرین (Hungarian) اقوام سے بھی سابقہ پڑگیا تو جنگ یعنیلگی شاہ سگسمنڈ (Sigismund) نے بھی حملہ سے جواب دیا - مگر چونکہ اوسوقت کے تمام بادشاہون کو ملک و قوم کی پرواہ اوتنی نہ تھی جتنی کہ اپنے عیش و آرام کی لہذا شاہ سگسمنڈ ڈچی آف ہنیاڈی (Duchy of Hunyadi) ہی سے واپس ہوگیا کیونکہ یہان وہ ایلیزبیتھ مورانے (Elizabeth Morounuy) کے حسن خداداد پر لٹو ہوکر عیش کی خاطر جنگ سے موڑ موڑ بیٹھا اور اسی تعلق سے وہ مشہور عالم حرامی لڑکا ہنیاڈی اعظم (Hunyadi the great) ہنگری کو سب سے بڑا لیڈر پیدا ہوا تھا - جسنے کہ بعد مین ترکون ہی کے مقابلہ مین بڑے بڑے کارنامے کر دکھائے -

اب ترکون کے پاس جہاز بھی موجود تھے اور یونان کے ساحل پیچھا اونکے جزائر پر بھی ترکون نے حملے شروع کر دئے تھے - نیز ایشیائی کوچک مین خود سلطان کا بہنوئی امیر کرامانیا (Karamania) علاءالدین حکمران تھا - ترکون کے صوبہ دار تیمورساش نے ادھر پر بھی حملہ کردیا - اور علاءالدین اور اوسکے دو بیٹون کو بھی قتل کردیا - اسکی خبر جب سلطان کو ہوئی تو سلطان نے بہت رنج و ملال کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "صوبہ یا ملک کے کہو بیٹھنے کے مقابلہ مین ایک حاکم کی موت کم قابل افسوس ہے" اور اظہار تسکین کردیا -

اب قونیہ بھی فتح ہوگیا تھا - لیکن ۱۳۹۳ء و ۱۳۹۴ء مین تیمور لنگ کے بھی حملے ایشیائی کوچک مین شروع ہوگئے تھے - نیز ۱۳۹۵ء مین پوپ بانیفس نہم (Pope Boniface the IXth) نے یورپ کی عیسائی حکومتون کو غیرت مذہبی دلاکر بڑے جوش و خروش کے ساتھ ترکون کے مقابلہ مین

جہاد پر آمادہ کر دیا - اور ڈیوک آف برگنڈی (Duke of Burgundy) کے ساتھ فرانس میں
ایک جماعت مجاہدین تیار ہی کر لی - جسمین انگلستان اسکاٹلینڈ - فلینڈرس - جرمنی - لامبارڈی
سیوائے (Savay) نیز بیت المقدس سے عیسائی مجاہدین شامل ہوئے اور بمقام بودا
(Buda) جو ہنگری میں ہے ۱۳۹۶ء میں یہ سب مجاہدین جمع ہوئے - انکی تعداد ایک لاکھ ہزار
کی تھی - مگر ترکون کی خوش قسمتی سے جسوقت یہ کل فوج مجاہدین کی ملک سرویا میں پہونچی تو اوسنے
عیسائی باشندون ہی کو لوٹ مار کرنا شروع کر دیا اور آپسمین جوے و شراب کے مشغلہ مین ایسے پڑ گئے
کہ کسی کو کچھہ اور نہ سوجھتا - اس حالت مین خود ہی لڑنے لگے اور بہت سے کھیل تماشے مین ہی پڑ گئے -
یکایک جب یہ معلوم ہوا کہ ترکون کی افواج سر پر آ گئین تو ایک دوسرے پر الزام دینے لگے اور ہر ایک
سرگروہ بننے کا خواہشمند ہو گیا - بالخصوص فرانسیسی مجاہدین کے غرور نے تو پوری ستیا ناسی لگا دی
نتیجہ مین صرف تین گھنٹون کی جنگ مین ترکون نے بمقام نیکوپولس (Nicopolis) فتح پائی
جسمین دس ہزار سے زائد مجاہدین قید ہو گئے اور باقی مارے گئے یا بھاگ نکلے -

اسکے بعد سلطان بایزید کو ایک سخت دشمن کا مقابلہ پڑ گیا - اور یہ اوسکی زندگی کے آخری دو سال کا
زمانہ تھا - یعنی تیمور لنگ کا - جسکا قول تھا کہ جسطرح ایک آسمانی خدا ہے اوسیطرح دنیا مین بھی ایک بادشاہ
صرف ہونا چاہیئے - تیمور نے اپنی پینتیس (۳۵) سالہ حکومت مین چین کی تہتھہ دیوار سے لیکر ایشیائے کوچک
کی سرحد تک اور بحیرہ آرال (Sea of Aral) سے تا بہ دریائے گنگ (Ganges)
و خلیج فارس ستائیس (۲۷) مختلف سلطنتون اور نو (۹) شاہی خاندانون کو ختم کر کے اپنا سکہ دنیا مین جما رکھا
تھا - چنانچہ سنہ ۱۴۰۰ء مین تیمور اور بایزید کے درمیان سخت خط و کتابت بھی ہو گئی - اور چونکہ دونون کی
حکومتون کی سرحد اب ملگئی تھی اور ایک دوسرے کے باغیون و دشمنون کو پناہ بھی ایک دوسرے کے یہان
دی جانے لگی تھی اس سے تیمور نے بایزید کو اسطرح لکھا - "تیری حماقت و بدتمیزی کی بنا کیا ہے - تو نے
چند لڑائیان اناطولیہ کے جنگلون مین فتح کر لی ہین جنکی کوئی خاص وقعت نہین ہے - تو نے یورپ کے
عیسائیون کے مقابلہ مین بھی کچھہ فتوحات حاصل کر لی ہین اور تیری تلوار پر رسول خدا کی دعا ہے -
قرآن پاک کی تعمیل حکم مین جو لڑائیان کفار کے مقابلہ مین تو نے لڑی ہین اونکے باعث ہم مجبور ہین
کہ تیرے ملک کو جو سرحد و جائے امن دنیائے اسلام ہے تباہ نہ کرین مگر زمانہ کو دیکھکر عقل سے

کام ہے بسونچ الو نام ہو تیری کیا مجال ہے۔ ہماری تلوار کی برق انتقام جو تیرے سر پر کہیل رہی ہے اوسکو ٹال دے تیری ہستی چیونٹی سے زائد نہین ہے۔ ہاتھیون کو غصہ مت دلا۔ افسوس ہے کہ وہ تجھکو اپنے پیرون کے تلے کچل ڈالین گے۔

سلطان بایزید نے تیمور کی تحریر مذکورہ کا جواب یون دیا۔ مانا کہ تیری فوج بیشمار ہے مگر تاتاریون کے تیر میرے مضبوط و بہادر جینیسریز کی تلوارون و تیرون کے مقابلہ مین کچھ نہین ہین۔ مین اون شاہزادونکی حفاظت ضرور کرون گا جنہون نے میرے یہان پناہ لی ہے۔ اونکو میرے خیمون مین آکر ڈہونڈہ۔ شہر آذر بائیجان و ارض روم میرے ہی ہین اور جبتک کہ خراج نہ ادا ہوے گا مین بقایا کی وصول تارس و سلطانیہ کی دیوارون کے سایہ مین وصول کرلون گا۔ اگر مین تیرے پنجے سے بہاگون میری بیویون پر تین طلاق۔ لیکن اگر تجہکو میدان جنگ مین ملنے کی ہمت نہین ہے تو جب تیری بیویون نے سہ بارہ غیرون سے بغلگیری کرلی ہو تو پھر اونکو اپنی بیویان بنا۔ بس کیا تھا اس جواب کے پاتے ہی تیمور لنگ نے ایشیائے کوچک کے حملے کا ارادہ کرلیا اور شہر سیواس کا محاصرہ کرکے شہر پناہ مین سرنگ دوڑا کر آگ لگادی۔ جنگ کے چھڑتے ہی شاہزادہ ارتغرل کو جو بایزید کا ولی عہد تھا مع چار ہزار ترکی فوج کے تہ تیغ کردیا اور شہر فتح کرلیا۔ اب بایزید بہی فوج لیکر بڑھا۔ اور انگورہ کے میدان مین سنہ ۱۴۰۲ء مین دونون کا مقابلہ ہوگیا۔ سخت جنگ کے بعد بایزید گرفتار ہوگیا۔

تیمور نے ختم جنگ پر سلطان بایزید کی سخت سے سخت ذلتین کین ایک پنجرے مین بند کرکے اوسکو گلی کوچے مین گشت کرایا۔ اوسکی بیویون کو برہنہ کرکے اون سے شراب کے دور چلوائے۔ نیز بایزید کو اپنا پاؤدان بناکر بٹھایا۔ بالآخر آٹھ ماہ کی ذلتون کے بعد اڑتالیس سال کی عمر مین بایزید کا انتقال ہوگیا۔ اوسکے دو سال بعد تیمور بھی مرگیا۔ مگر اس درمیان مین تیمور نے اسمرنا تک فتوحات حاصل کرلی تھین۔ اور بہت سے اون امیرون کو جنہین بایزید نے تخت سے محروم کردیا تھا پھر تخت تاج واپس دیا۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ بایزید اور اوسکے امرائے سلطنت نے شراب خواری ولواطت کے الزامات کا دہبہ اپنے سر اوڑھ لیا اور یہی تمام مورخین نے بربادی دولت کا سبب بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ بداعمالی ہی کے باعث تیمور لنگ کو غضب الٰہی کی شکل مین متعین کیا گیا ہو۔ حالانکہ اوس زمانہ کی تاریخ مین تیمور کو قہر خدا اور بایزید کو سایۂ خدا لکھا جاتا تھا۔*

* دیکھو صفحات ۱۳۳ و ۱۳۴ کتاب سر ولیم ونڈہم مذکور ۱۲

سلطان بایزید کی گرفتاری کے بعد اسکے چار بیٹون مین خانہ جنگی شروع ہوگئی - اور دس سال تک طوائف الملوکی رہی مگر رفتہ رفتہ تاتاریون کا نام و نشان بھی دولت عثمانیہ مین نہ باقی رہا - ٹیڑی دَل کی طرح آئے اور غائب ہوگئے - مگر جسقدر لوٹ مار ممکن تھی وہ کرگئے یورپ کے حصہ سلطنت مین سلطان کا بڑا بیٹا موسیٰ بمقام ایڈریانوپل سلطان بن بیٹھا - دوسرا بیٹا محمد جو ایشیائے کوچک مین ایک چھوٹی سی ریاست پر قابض ہوگیا تھا زور پکڑنے لگا اور دیگر دو بیٹے آپس ہی مین لڑ مرے - مگر موسیٰ اور محمد مین بھی بالآخر جنگ ہوگئی اور موسیٰ ہی نتیجہ مین بھاگ نکلا - اور مرگیا - تب محمد نے زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لے لی اور ہر طرف تدبر و بہادری سے صلح و آشتی سے کام لیکر اپنے کو سلطان بنا لیا -

سلطان محمد اول ۱۴۱۳ء و ۱۴۲۱ء

سلطان محمد اول نے تخت نشین ہوتے ہی بیحد منصف مزاجی اور عالی حوصلگی سے کام شروع کیا نہ کسی پر ظلم ہی کیا اور نہ کشت و خون کرکے ندیان بہائین - تاریخون مین ہے کہ دنیا نے اوسے بڑے شریف انسان (greatgentleman) کا لقب دے رکھا تھا - علم دولت اور قابلیت کا قدردان تھا - تھوڑے ہی عرصہ مین اوسکے اعلیٰ اخلاق کا اثر قوم اور فوج بلکہ ملک بھر مین ہوگیا اور خاصا مشہور ہوگیا - اور لوگ بھی متاثر ہوکر اوسکی تقلید کرنے لگے جس سے سلطنت کی بنیادین مستحکم ہونے لگین - ہر طرح سلطنت کے ہر شعبہ کو درست کیا گیا - جس خراب حالت مین کہ اوسنے سلطنت کو پایا تھا اوسکے مقابلہ مین اوسکی وفات تک ترکون کا سکہ پھر ہر جگہ جم گیا - نہ اندرون ملک نہ بیرون ملک بدنظمی ہی پھیلنے پائی اور نہ جنگ و جدال ہی ہوا - بروسا مین اوسنے ایک نیلی مسجد تعمیر کرائی تھی - چنانچہ ۱۴۲۱ء مین اوسکی وفات پر اوسی مسجد کے متصل اوسکی قبر بنائی گئی

سلطان مراد ثانی ۱۴۲۱ء و ۱۴۵۱ء

سلطان مراد ثانی جو سلطان محمد اول کا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کے بعد ۱۴۲۱ء مین تخت پر بیٹھا - اب یونان مین بھی شاہزادہ مینول (manual) بادشاہ تھا جو کہ بایزید کے

دربار مین رہ چکا تھا - بینول نے ایک شخص کو جسکا نام مصطفےٰ تھا اور جو اپنے کو بایزید کا بیٹا بھی کہتا
تھا اوسے اپنے یہان قید کر رکھا تھا - اسوقت بینول نے اوسے رہا کرکے سلطان مراد کے خلاف
امداد دیکر جنگ کرادی - جسمین مصطفےٰ ہلاک کردیا گیا - سلطان مراد نے شاہ بینول کی دغا کی سزا
دینے کا پورا ارادہ اب کرلیا - چونکہ ترکون نے بھی اب ہر قسم کی توپون کی ساخت نیز اونکا استعمال
جان لیا تھا لہذا اونہون نے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کردیا - اور کچھ گولہ باری بھی کی - مگر
اوسی زمانہ مین ایشیائے کوچک مین ایک دوسرا شخص مصطفےٰ ہی کے نام سے پھر دعویدار سلطنت
بنکر اوٹھ کھڑا ہوا - اس سے سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ فی الوقت فوراً اوٹھا لیا - اور
اس مصطفےٰ نیز دیگر جو کوئی بھی اوسکے ساتھ باغی ہو گئے تھے سبکو خاصا سبق دیکر فتح حاصل کرلی -
لیکن اب بلقان مین نیز یورپ کے حصص مین جنگین شروع کردی گئین - اور ایک عیسوی جہاد
بہ سرکردگی ہنیاڈی ثانی ([illegible] Secon) مسلمانون کے خلاف ۱۴۴۳ء مین مرتب
ہوگیا - اور اوسنے پیش قدمی کرکے سرویا کو آزاد کرادیا - نیز ولاشیا کو ہنگری کے تصرف مین
دیدیا - جب سلطان نے قدم بڑھایا تو قرآن پاک اور انجیل پر قسم ہوکر دس برس کیلئے صلح ہوگئی مگر جب سلطان نے
خود گوشہ نشینی کا خیال کیا - اور ۱۴۴۴ء مین اپنے چہاردہ سالہ لڑکے کو اپنے بجائے تخت نشین کردیا
مگر جیسے ہی کہ اسکی خبر ہنگری مین پہونچی عیسائیان یورپ کا ارادہ فوراً ہی ترکون کو یورپ سے
خارج کردینے کا زور پکڑ گیا - اور سب کے سب مذہبی جہاد کے واسطے تیار ہوگئے اور انجیل پر
قسم کھانے کا بھی خیال سب نے پس پشت ڈالدیا - ہنیاڈی نے بیشتر تو قسم کے توڑنے سے انکار کیا
مگر جب اوس سے بلغاریہ کا تخت دینے کا وعدہ کیا گیا تو وہ بھی قسم اور حلف کے توڑنے پر بخوشی
آمادہ ہوگیا - ادھر ترکون نے یہ رنگ دیکھکر سلطان مراد سے تخت سلطنت پر واپسی کی خواہش کی
چنانچہ سلطان واپس آگئے اور فوج کو آراستہ کرکے بمقام وارنا ([illegible]) مقابلہ
کے لئے کھینچ گئے - نیز جنگ بھی شروع کردی - لکھا ہے کہ اس جنگ مین مراد ثانی کا قدم ڈگمگا گیا تھا -
مگر کرمانیہ کے بگلربگی (Beglar Bey) نے سلطان کے گھوڑے کی باگ پکڑکر اوسے
روکا اور ہمت دلائی اور جنگ پر جما دیا یہانتک کہ سخت جنگ کے بعد ترکون کی فتح ہوئی -
ہنگری کا شاہ لیڈسلاس ([illegible]) جس نے دراصل قسم توڑی

اور تو ڑ والی تھی گھوڑے سے جنگ میں گرا اور قتل کیا گیا ۔ ہنیاڈی تو بھاگ نکلا ۔ مگر اس جنگ میں بڑے بڑے پادری بھی قتل ہو گئے ۔

سلطان مراد نے بعد ختم جنگ و اطمینان پھر تخت چھوڑا ۔ لیکن ایڈریانوپل میں اب جینیسریز نے بلوہ کردیا ۔ لہذا پھر سلطان مراد واپس آگیا ۔ اور اوسیوقت فوج بھی قابو میں آگئی ۔ لیکن بلقان میں سرو یا ہنگری و باسنیا کی متفقہ افواج نے بہ سرکردگی ہنیاڈی مذکور پھر ترکوں سے جنگ چھیڑ دیا مگر کوسووہ ([illegible]) کے مقام پر ترکوں نے پھر شکست دیکر سرو یا کو ترکی سلطنت ہی میں شامل کرلیا ۔ مگر باسنیا نے باجگذار ہو کر جان بچائی ۔ دراصل تو سلطان مراد کو ہمیشہ عیسائیوں نے جنگ پر مجبور کیا ۔ وہ خود نہ سلطنت کا حریص تھا اور نہ جاہ و دولت کا نہ کسی کے خون کا پیاسا تھا ۔ ۱۴۵۱ء میں اوس نے وفات پائی ۔ اور اوسکا بیٹا محمد ثانی کے نام سے اوسکے بعد تخت نشین ہوا ۔

سلطان محمد ثانی فاتح ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء

۱۴۵۱ء میں اپنی عمر کے اکیسوین سال محمد ثانی اپنے باپ کی وفات پر دوبارہ تخت نشین ہوا یہ سلطان پورا ایشیائی منش تھا ۔ اور اسوقت تک کے تمام سلاطین میں ہر طرح قابل ترین نکلا ۔ باپ کے مرنے کی خبر پاتے ہی ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے نکل کھڑا ہوا ۔ اور آواز دی کہ جسکو مجھسے محبت ہو وہ میرے ہمراہ ہوئے ۔ اور یہ کہکر ایڈریانوپل کا راستہ پکڑا ۔ وہاں پہونچتے ہی اوسکی سلامی ہوئی اور سلطان بنائے جانے کا اعلان کیا گیا ۔

قسطنطنیہ میں اسوقت شاہ کانسٹنٹائن ([illegible]) کا زمانہ تھا ۔ محمد ثانی نے ۱۴۵۲ء میں اوس قلعہ کو جو یورپ کے جانب دریائے باسفورس پر سلطان بایزید نے بنوانا شروع کردیا تھا تکمیل کرادی اور ہر طرح سے قسطنطنیہ کے حملے کی تیاریوں میں شب و روز مصروف ہو گیا ۔ توپیں بھی بڑی سے بڑی ڈھلوائیں ۔ نیز بحری جنگی جہازات کا ایک بیڑہ مرتب کرالیا ۔ اور ۱۴۵۳ء کی ابتدا ہی سے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے فوجیں اکٹھا کرنا شروع کردیں ۔ اسی کے ساتھ یہ اعلان ملک میں کردیا کہ یا تو قسطنطنیہ کو ترک لیلیں یا اپنی سلطنت سے قطعی دست بردار ہو جاویں ۔

اودھر شاہ یونان نے بھی پوری مضبوطی کے ساتھ تیاریان کر رکھی تھین۔ اور یورپ مین یونانی و لاطینی گرجاؤن کے متحد کر دینے کی تجویز طے پاگئی تھی۔ یہانتک کہ سینٹ سوفیا گرجے مین نماز بھی مشترک طور پر دونون فرقون نے پڑھ ہی لی۔ لیکن یونانی پادری اور عوام ملک اس واقعہ پر بگڑ گئے۔ بالخصوص گرینڈ ڈیوک نوٹیرس (Grand Duke Notaras) جو تمام یونانی افواج کا افسر تھا۔ اوسنے تو یہانتک اعلان کر دیا کہ "وہ ترکون کی پگڑی قسطنطنیہ مین دیکھنا پسند کرے گا بجائے کارڈینل کی ٹوپی کے" جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف چھ ہزار کی سپاہ تیار ہو سکی۔ گو جنوبی یورپ سے بھی کچھ مدد پہونچی اور مغربی یورپ سے تین ہزار کے قریب مجاہدین مسلمانون کو مارنے اور خود مرنے کے واسطے تیار ہو کر آگئے نیز اطالوی قوم بھی امداد کے واسطے آئے مگر تعجب یہ ہے اس مرتبہ جرمنی۔ فرانس۔ پولینڈ و ہنگری سے امداد نہ آئی۔ سلطان نے تو ۶ اپریل ۱۴۵۳ء سے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع ہی کر دیا تھا۔ جانبین کی بحری فوج نے گونیون سے پتھر پھینک کر یا آگ لگا کر بیشتر قوت آزمائی کی۔ پھر دونون جانب سے توپون نے گولے باری کرنا شروع کر دی۔ مگر چونکہ قسطنطنیہ کی چہار دیواری کی سفیلین اوسوقت کافی چوڑی نہ تھین کہ اونپر توپین چڑھا کر اور کافی جگہہ لیکر کام ہوسکتا اسلئے یونانیون کو خسارہ ہی رہا۔ سات ہفتہ کے محاصرہ کے بعد تین مقامات پر بیرونی دیوارین توپون کے گولون سے رخنے ہو گئے۔ تب شاہ یونان مایوس ہو کر خود محل شاہی سے رخصت ہوا اور اپنی قوم کو ایک خطبہ دیا جسمین یونانیون کی پچھلی شاندار عظمت جاہ و جلال و بہادری یاد دلانے کے علاوہ اونکو پورا مذہبی جوش ہی یہ کہکر دلایا کہ "دشمن کا ارادہ ہے کہ اونکے گرجاؤن مین جہان تثلیث کی پرستش ہوتی ہے اور پاک نائب خدا کی بندگی کی جاتی ہے وہان ایک جھوٹے پیغمبر کو بجائے عیسیٰؑ کے لاکر بٹھلایا جاویگا"۔ جنگ تو اوسوقت جانبین مین زورون مین جاری ہی تھی کہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو ترکون نے پہلا حملہ تیر و کمان گونیون سے جیسے کہ پتھر اور لوہے کے گولے برسائے جاتے تھے پھر شروع کیا۔ یونیون نے بھی اب چونکہ ترک بیرونی شہر پناہ کے کچھ اندر آگئے تھے دوسری یا اندرونی شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے اور دو ہزار فوج کو لڑنے اور مرنے کے واسطے دونون شہر پناہون کے درمیان چھوڑ دیا۔ ترک بھی پہلی شہر پناہ کے اندر دیوارون پر چڑھ کر اور گولون سے جو رخنے ہو گئے تھے اونسے گھس کر اندر پہونچگئے

اور کئی سخت حملے اوس فوج پر جو یونانیون نے وہان چھوڑدی تھی کردئے - یہانتک کہ اطالوی اور
یونانی افواج کی ہمت بھی جاتی رہی - بالخصوص جبکہ یونانی افواج کا بحری افسر گواستینیانی
(Giustiniani) زخمی ہوکر بغرض علاج اپنے جہاز کو واپس ہوا - شاہ یونان نے
اب اپنی تلوار کو میان سے نکال لیا اور یہ کہکر کہ "شہر تو جا چکا اور مین زندہ ہون" گھاسان جنگ مین
خود بھاند پڑا اور مارا گیا تب تو اوسکی کل فوج بیدل ہوگئی اور گھر کر ختم ہوگئی - اور اوسی ۲۹ رمئی کو
قسطنطنیہ فتح ہوگیا - مورخین کا خیال ہے کہ کارتھج (Carthage) کی بربادی کے
بعد یہ دوسرا شہر دنیا مین تھا جسکی دولت - حسن اور سامان امارت وغیرہ کی اوسوقت کوئی انتہا نہ تھی -
فتح کے تین دن بعد خود سلطان محمد فاتح نے گھوڑے پر سوار ہوکر شہر کا دورہ کیا اور سینٹ سوفیا پر
پہونچکر گھوڑے سے اوترا اور اندر داخل ہوا - وہان کی ہر شے کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا نیز ایک ملا سے
اذان دلوائی تب ہی سے وہ گرجا مسجد کردیا گیا اور لوٹ مار بھی بند کردیگئی - پھر جنرل گرینڈ ڈیوک نوٹیرس
کو طلب کرکے اوسکے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا اور جب دوسرے دن قصر شاہی مین داخل ہوا تو یہ شعر پڑھا "
پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت ؎ چند نوبت میزند بر گنبد افراسیاب "
ظاہر ہے کہ لوٹ مار ضرور ہوئی ہوگی - مگر امن عام کے حکم ہوتے ہی فوراً سب موقوف ہوگئی -
مورخین اسپر متفق ہین کہ اسوقت ویسی لوٹ مار واقعی نہین ہوئی جیسی کہ ۱۲۰۴ء مین عیسائی مجاہدین
نے یہان کرڈالی تھی - نہ تو ویسی آتشزدگی ہی ہوئی نہ ویسا کشت وخون ہی اب ہوسکا کیونکہ فوج کر
داخلے کے چند ہی گھنٹون بعد قتل عام ولوٹ گھسوٹ کے بند کرنے کا حکم سلطانی نافذ ہوگیا - عمارات
ومعابد کو خود سلطان نے غارت سے بچالیا - بلکہ اپنے ہی کو یونانی عیسوی معابد کے محافظ ہونے کا
اعلان کردیا اور یونانیون کو ہر قسم کی مذہبی آزادی دیکر مذہب عیسوی کے مطابق پرستش کی بذریعہ
ایک فرمان شاہی تصدیق کردی - اونکے شادی بیاہ اور وراثت کے قانون کو بھی برقرار رکھا -
بلکہ اونہین کی عدالتون کے فیصلے کو اونکے واسطے بہ تاکید پیروی کی اجازت دی - یونانیون کے
پادری جنیڈراس (Gennadius) کو جو بطور غلام کے فروخت ہوکر ایڈریانوپل
کے پاشا کے ہمراہ جاچکا تھا اوسکو طلب کرکے آزاد کردیا - اور یونانی گرجے کا سب سے بڑا پادری
بناکر مذہبی آزادی کا پورا اطمینان دلایا - مذکورہ واقعات سے اوسکی رواداری - انصاف و

بے تعصبی سب پر ظاہر ہوگئی ۔ یورپ کے سیاسی اخلاق مین اوسوقت کہین بھی اس جیسی مثال ملنا ناممکن کہا جاتا ہے ۔ کیونکہ دراصل فتح قسطنطنیہ کسی مذہبی جوش سے نہین کی گئی تھی ۔ سلطان نے مفتوحین کو قبول اسلام پر بھی مجبور نہین کیا ۔ بلکہ قسطنطنیہ کی آبادی کی ترقی اور ہر طرح کی سیاسی و معاشی و تجارتی بہبودی ہی کا خیال کیا ۔

یہ سلطان بھی یورپ و ایشیا کی متعدد جنگون مین خود شامل ہوتا رہا اور اب باسنیا و موریا (Morea) بھی سلطنت مین شامل کئے گئے ۔ وینس (Venice ۱۵۰۲ ؛ ۱۴۷۹) کے قریب تک پہونچکر اوسکی فوجون نے وہان کی دستوری سلطنت (Republic) سے صلح کی جسکو کہ اوسوقت ایک آزاد حکومت کے اعتبار سے ایسی صلح کے کر لینے پر سخت ذلت کی نگاہ سے دنیا نے دیکھا مگر اوسوقت ترکون کی تلوار کی جھنک کے آگے یورپ کے کسی حصہ مین کوئی چارہ کار ہی نہین سمجھا جاتا تھا ۔ اسی سلسلہ مین حکومت وینس نے بہت سے جزائر بھی ترکون کے نذر کردئے نیز اٹلی کے جنوب آٹرینٹو (Otranto) بھی فتح ہوگیا ۔ پھر اسٹیریا (Styria) اور ٹرانسلوینیا (Transyl-vania) کو تخت و تاراج کرکے بلگریڈ (Belgrade) پر حملے کا مقصد جرمنی کی فتح کا پیش خیمہ متصور ہورہا تھا ۔ لیکن وہان پھر مذہبی جوش مین مجاہدین نے بہ سرکردگی ہنیاڈی مقابلہ کیا ۔ اور سلطان کے خود زخمی ہوجانے کے باعث محاصرہ اوٹھالیا گیا نیز ایشیا مین بھی کرامانیا کے آخری سلجوقی امیر کا خاتمہ کردیا گیا ۔

سنہ ۱۴۵۳ء مین محمد فاتح نے جنیوا کے حقوق کی توثیق کردی تھی جس سے بھی بعد مین دیگر اقوام نے خوب نفع اوٹھایا اور بلقان مین سربیا پر بھی سنہ ۱۴۵۹ء مین مکمل قبضہ ترکون کا ہوگیا ۔ نیز کریمیا کے تاتاریون کا سلطان بھی ثانی ہی کو مسلم طور پر مان لیا گیا ۔ گو اس سے قبل ماسکو کا بادشاہ اونکا محافظ رہا کرتا تھا ۔

اس سلطان نے بہی قسطنطنیہ ہی مین بہ زمانہ ولیعہدی تعلیم پائی تہی اور یونانی و لاطینی زبانین بھی سیکھی تھین ۔

دراصل کبھی کبھی یہ سلطان اپنے ارادون کا حال کسی سے نہ کہتا تھا ۔ بلکہ اوسکا قول تھا کہ اگر اوسکی داڑہی کے بال کو بھی خبر ہو جاتی تو اوسے فوراً اوکھاڑ کر پھینک دیتا ۔ ہر سال فوجون کو ضرور جمع کرتا ۔ مگر یہ پتہ کسی کو بھی نہ چلتا کہ کدہر کا قصد ہے ۔ اور نہ کسی سے مشورت ہی ہوتی ۔

جنگ کی کامیابی کا گر دراز داری اور تیز رفتاری ہی اُسکے خیال مین ہمیشہ رہا - وینس کی طرف
جنگ و محاصرے مین اوسکو بیشک سالہا سال لگ گئے ورنہ ہر جگہ چٹ پٹ کی لڑائی وہ لڑا -
سنہ ۱۴۶۷ء مین البانیہ پر پورا قابو پالیا تھا - دردانیال پر ساحل کے دونون جانب قلعے بھی اُسنے
بنائے جس سے بحیرۂ اسود اور بحیرۂ مارمورہ مین کسی دشمن کے جنگی جہاز نہ داخل ہونے پاتے -
پھر سنہ ۱۴۷۱ء مین یوبیہ (Negropont) کو وینس ہی سے حاصل کیا - اور بکثرت اسپتال
مدارس نیز کالج بھی بہت جگہون پر قائم کئے - مساجد بھی متعدد بنوائین - اور یہی پہلا سلطان تھا
جو اپنی ہی بنوائی ہوئی مسجد مین قسطنطنیہ مین دفن ہوا - اب سے قسطنطنیہ ہی سلطنت عثمانیہ کا
دار السلطنت مان لیا گیا - اور سنہ ۱۴۸۱ء مین سلطان محمد فاتح نے انتقال کیا -
اسی سلطان نے اپنے تمام قلمرو مین مذہبی آزادی بھی سب سے پہلے دی تھی -

بایزید ثانی سنہ ۱۴۸۱ء و سنہ ۱۵۱۲ء

بایزید ثانی سلطان محمد فاتح کا بڑا بیٹا تھا - باپ کی وفات پر جبکہ اوسکی عمر (۳۵) سال کی تھی
تخت نشین ہوا - علاوہ مذاق شاعری کے علوم سے بھی ذوق تھا - اور اسی سبب سے علما و ماہرین
فن سے صحبت رکھتا - علم دوست ہونے کے باعث بجز صلح کل رہنے کی حکمت عملی اوسنے اختیار کی تھی
تھی تب ہی سنہ ۱۴۹۵ء مین روس کی پہلی سفارت قسطنطنیہ مین آئی - گو صدیون سے ترکون اور
روسیون سے کسی نہ کسی جگہہ جنگ ضرور ہوتی چلی آئی - مملکت ہنگری سے جھڑپین
ضرور ہوئین - نیز حکومت مصریہ سے تین بڑی جنگین کرنا پڑین تاہم بالآخر صلح ہی کر لیا گیا -
اب مصر کے مملوک حکمران بھی زور پکڑ رہے تھے - اسی طرح پھر حکومت وینس سے بھی
کچھ قوت آزمائی ہو کر رہ گئی - یہی سبب تھا کہ بحری طاقتون سے اب مقابلہ زائد ہونے لگا -
اور گو آسٹریا کے مقابلہ مین ترکون کے حملے تو پندرہوین صدی ہی سے شروع ہو گئے تھے -
اور ایک صدی کے بعد تو بوداپیسٹ پر ترکون کا قبضہ ہی ہو گیا - نیز دیگر حصص ملک ہنگری کے
ساتھ ساتھ ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال تک آسٹریا پر بھی ترک اب قابض رہ چکے تھے - مگر حکومت
وینس کی بحری فوج کو بمقام لیپانٹو (Lepanto) سنہ ۱۴۹۹ء مین شکست دیکر

اور یہی سکہ دوسرون پر جالیا گیا تھا۔ لیکن اس صلح کل پالیسی سے فوج مین ایک قسم کی بددلی بڑہتی جاتی تھی۔ ابھی تک تو اوسکو لوٹ مار اور فتوحات کا چسکا پڑا ہوا تھا۔ بیکار بیٹھے بیٹھے لوگ تنگ آنے لگے۔ اودھر بڑے بیٹے سلیم سے بھی اسی بنا پہ ان بن رہتی۔ وہ بیحد منچلا اور رنگین طبیعت کا آدمی تھا اور فوج کی بیکاری کو خطرے کا باعث سمجھتا تھا۔ فوج کو بھی سلیم سے بیحد محبت تھی مال غنیمت کا چسکا ایسا ابھی تک ترکون کو عام طور پر پڑا ہوا تھا کہ جسکا جواب ہی نہ تھا اور چونکہ کہین بھی اپنی بہادری کے باعث نہ تو جنگ ہی سے اونہون نے مونہہ موڑا تھا اور نہ کہین سخت شکست ہی نصیب ہوئی تھی اس سے ہمتین بھی بڑہی ہوئی تہین اودھر ولیعہد بھی اونکا ہمخیال و ہمدرد تہا چنانچہ جب باپ بیٹون مین کسی طرح نہ بنی تو سلیم بھاگ کر کریمیا (Crimea) مین جا ٹھہرا۔ اسپر جنیسریز نے قصر سلطانی ہی مین سلیم کے واسطے احتجاج کیا اور دربار سلطانی مین ایک وفد کی حاضری کی درخواست کی۔ سلطان نے وفد کے پیش ہونے کی اجازت دی۔ اور تخت پہ بیٹھکر اونکا مقصد دریافت کیا۔ وفد نے بڑی دلیری سے اظہار اطاعت کر کے عرض کیا کہ "اعلیحضرت اب بوڑہے ہو گئے ہین اور بیمار ہی رہتے ہین۔ اونکی خواہش تھی کہ شاہزادہ سلیم تخت نشین ہوتے" سلطان نے بلا عذر فوراً وفد کی درخواست منظور کر لی اور تخت سے نیچے اوتر آئے اور فرمایا کہ "مین تخت سے دستبردار ہوا۔ سلیم کو تخت سلطنت مبارک ہو۔ اور خداوند کریم کامیابی عطا فرماوے" اب فوراً سلیم نے آکر عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی اور خوشی خوشی اوسکو تخت نشین کیا گیا۔ اور باپ کو شہر کے باہر عزت سے پہونچا دیا گیا۔ تاریخ مین ہے کہ اسی کے تین دن بعد بایزید ثانی کی وفات سنہ ۱۵۱۲ع مین ہو گئی۔ دراصل اوسکو اپنے بہائی جیم (Djem) جیم کے باعث بڑی دقتین بھی رہا کرتی تھین کیونکہ یورپ کی حکمتون نے جیم کو اپنا آلہ کار بنا رکہا تھا اور سلطان سے اوسکی حفاظت اور گرفتاری کے لئے برابر نقد رقومات حاصل کیا کرتی تھین بلکہ بعض اوقات اوسکی طرفداری مین دہمکی بہی دیجاتی۔ نیز اسی صلح کل پالیسی کی بدولت ممیلوکان مصر نے تین قلعون پر قبضہ کر لیا تھا اور جنوبی حصہ اٹلی سے بھی ترک دست بردار ہو گئے تھے۔ اسی عہد مین گو سفیر روس کو پہلی مرتبہ دربار سلطانی مین حاضری کی اجازت دیگئی تھی مگر زار روس آئیون سوم (Ivan III)

نے اپنے سفیر کو سلطان ترکی کے سامنے زانو توڑ کر جھکنے اور دیگر سفرا سے پیچھے بیٹھنے کی ممانعت بھی کر دی تھی جیسا کہ اسوقت تک تمام سفرا کا دستور تھا۔ لیکن بایزید نے اپنی نیکی سے اس برتاؤ کو بھی منظور کر لیا اور گویا بیرونی اثرات کے بڑھنے کا موقع دیدیا۔

باپ بیٹون کے جھگڑے بھی انہین واقعات سے بڑھ گئے تھے۔ شاہزادہ سلیم کو باپ کی تمام حکمت عملی سے اختلاف تھا اور اوسکو سلطنت کی کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ نیز اس سبب کا باعث وہ باپ ہی کو سمجھتا تھا کیونکہ نہ فوج ہی مین کسی قسم کی کمزوری تھی نہ ملک کی عام رائے خلاف تھی۔ میر برہان الدین نے ایک روایت اور بھی باپ بیٹون کے برتاوے اور بایزید کی انتہائی نیکی کے متعلق مجھسے بیان کی تھی جو سلطان سلیم کے حالات مین ملیگی۔ اوس سے گو سلیم کی سخت بیدردی وغیرہ ظاہر ہوگی مگر اوسکی قومی و ملکی ترقی کے خیالات کا بھی اندازہ ہوگا کیونکہ اوسوقت تک ترکون مین کسی خاص شخصیت کی وقعت کا خیال بالکل ہی نہین پیدا ہوا تھا بلکہ وہ ملک و قوم کی بہتری کو باپ اور بیٹے کے مقابلہ مین بھی عزیز جانتے تھے۔ نہین کہا جا سکتا کہ وہ روایت کہانتک صحیح ہے۔ تاہم قصر سلطانی مین اوسکو صحیح مان کر ہر ایک سے نسلاً بعد نسلٍ بیان کیا جایا کرتا تھا جس سے میر صاحب موصوف تک بھی وہ بطور روایت ہی کے پہونچی تھی۔ اب ۱۵۱۲ء مین سلیم تخت نشین ہو چکا تھا۔

سلطان سلیم اول ۱۵۱۲ء – ۱۵۲۰ء

(Selim The Grim)

سلطان سلیم اول نے دولت عثمانیہ کو اپنے ہشت سالہ زمانہ حکومت مین تقریباً دوگنا کر دیا۔ دیار بکر اور کردستان کو ایران سے۔ شام۔ مصر اور عرب کو ممیلوکی حکومت سے بذریعہ فتوحات ایکر شامل سلطنت عثمانیہ کر لیا۔ اس بادشاہ کو بھی علم سے ذوق تھا۔ شب کو بجائے عیش و نشاط کے کتب بینی کرتا۔ تخت سلطنت عثمانیہ پر اوسکو بڑا قابل اور ہوشمند سلطان بتایا جاتا ہے۔ موت بھی اوسکے نزدیک ایک کھیل تماشہ تھی۔ کسی سے کبھی اختلاف ہوا بس بیدھڑک اوسے موت کے گھاٹ سے کم نہ اوتارتا۔ چنانچہ اپنے زمانہ حکومت مین نہ صرف سات وزیر اعظمون کے سر قلم کرا دیے بلکہ بکثرت جنرلان فوج و عمالان سلطنت کو مروا دیا۔ اسی سے اوسکے عہد مین

رشوت - بے ایمانی - غداری - دغا بازی - یا ظلم وستم وغیرہ کہین بھی نہ سنا گیا - اوسکے پاس ایک خاص گروہ محض سفاکی کی خدمت گذاری کے واسطے متعین تھا - سلیم نے سب سے پہلے اندرون ملک کی کمزوری کو محسوس کیا یعنی اوسکی رعایا مین عیسائی رعایا مسلمانون سے بہت زائد تھی - اسی بنا پر وہ مغرب کی فتوحات چھوڑ کر مشرق کی طرف جھک پڑا تھا - اوسکا خیال عالم اسلام کے اتحاد کی طرف بھی تھا - فتح تبریز کے بعد مصر وشام پر لشکر کشی کی - کل عرب ریاستون کو سلطنت مین شامل کیا - اور تمام سلطنت مین ترکی زبان کے رائج کرنے کا حکم بھی دیا تھا - اور اپنی کل رعایا کو جبر قبول اسلام کرانے کا اوسنے قصد کیا تو شیخ الاسلام نے اوسکی مخالفت کی کیونکہ حکومت ترکیہ کے اصولون کے یہ پالیسی بالکل ہی مغائر تھی - اوسوقت کے شاہ ایران سے اور سلیم سے کسی طرح نہ بنی کیونکہ شاہ ایران نے سلطان سلیم کے بھتیجے مراد پسر احمد کو پناہ دی تھی نیز ایران کی طرف سے سلطان سلیم پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اوسنے ہزارہا شیعون کو یا تو بلا وجہ قتل کرادیا یا اپنی سلطنت سے خارج کرادیا اسی قسم کے واقعات سے ترکون اور ایرانیون مین سخت جنگ بھی ہوگئی - بلکہ دونون طرف سے خط وکتابت ہوکر معاملہ طول پکڑ گیا - ہر دو بادشاہ اپنی اپنی افواج لیکر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے ترکون نے بڑی تیزی سے - کوردستان - بصرہ اور بغداد کو فتح کرلیا اور ایرانی افواج نے کسی مقام پر بھی مقابلہ نہ کیا - لیکن بمقام چلدران شاہ ایران شاہ اسمٰعیل صفوی نے بھی اپنی دولاکھ فوج کو صف آرا کیا اور ۱۵۱۴ء مین جنگ چھڑ ہی گئی مگر شاہ خود - تبریز کی طرف فوج کے ہمراہ تھے - ترکی افواج بھی تبریز ہی کی طرف ایکسو سو (۱۱۶) لمبہ دن کا برابر سفر اور بارہ سو (۱۲۰۰) میل کے قریب فاصلہ طے کرکے وہان ایرانی فوجون سے ہم آہنگ ہوگئی - ترکون کے پاس توپین تھین اور وہ اونکے سایہ مین پناہ گزین ہوکر آگے بڑھتے تھے - اون کی زد مین جب جب ایرانی آجاتے تو ماہی بے آب کی طرح بھن جاتے شاہ خود بھی زخمی ہوے اور گھوڑے سے گر کر نیچے آگئے - دراصل تو اب دست بہ دست جنگ ہو رہی تھی کہ شاہ کے گرتے ہی ایک ترک نے بڑھکر چاہا کہ ہلاک کرڈالے مگر وزیر سلطنت نے جو شاہ کے پاس ہی کھڑا تھا اپنے کو شاہ ظاہر کرکے اور للکار کر اپنا سر قلم کرادیا اور اس عرصہ مین شاہ کی جان بچگئی - شاہ اوسیوقت وہان سے دار السلطنت کو روانہ ہوگئے نیز جنگ بھی ختم ہوگئی - ترک تبریز مین داخل ہوگئے اور سلطان نے فتح کے بعد وہان داخل ہوکر

تیمور لنگ کے پوتے بدیع الزمان کو جو وہاں مقید تھا۔ رہا کرایا اور شاہ اسمٰعیل صفوی کی اوس ملکہ سے جو قید مین آگئی تہی بدیع الزمان کا نکاح بھی کرا دیا۔ دراصل تو وہان پر خدا کی شان نظر آگئی کہ اوس تیمور لنگ کے پوتے سے ساتھ سلیم نے یہ برتاؤ کیا جسنے ترکون کے ساتھ کوئی ظلم باقی نہ رکہا تھا۔ مگر اس ترکی و ایران کی جنگ ہی کے زمانہ مین مصریون نے ایرانیون سے میل کر کے کوردستان کی سرحد پر جبکہ ترک و ایرانی لڑ رہے تھے تو ایرانیونکی امداد کی۔ اور ترکون پر پیچھے سے حملہ کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ ۱۲/ اپریل ۱۵۱۶ء کو قاہرہ مین مصری افواج بہی جمع ہو گئین نیز شام و فلسطین کے لوگ بہی اون مین شامل ہو گئے تھے۔ اسوقت مصر مین سلطان قانسوہ الغوری (Kansova Algari) کی حکومت تہی۔ اور اوسکی عمر اسّی سال کے اوپر تہی۔ تب ایران کے مقابلہ مین فتح پانے کے بعد سلطان سلیم نے مصر ہی کی طرف رخ کیا۔ تو سلطان قانسوہ الغوری کے پاس ایک ایرانی امیر کا سر صرف اسلئے بہیجدیا کہ اسکی فتح و موجودگی تبریز سلطان مصر پر ظاہر ہو جاوے نیز یہ بھی مطلب تھا کہ جو کوئی سلیم کی راہ مین مداخلت کرے یا اوسکا مقابلہ کریگا تو اوسکا بہی یہی حشر ہوگا۔ اس موقع کے متعلق تواریخ مین تین واقعے بیان کئے جاتے ہین۔ ایک یہ کہ فتح تبریز کے بعد سلطان سلیم قسطنطنیہ واپس ہو گیا۔ دوسری یہ کہ چونکہ سلطان مصر کی ہمت شام و فلسطین کی افواج کے آجانے سے بڑہ گئی تہی اسلئے وہ سفید پوشاک پہنکر سونے کے تمام زرق برق سامانون سے مضبوط ہو کر مع ڈیڑھ سو (۱۵۰) اونٹون کے جنپر شاہی خزانہ و دفاتر لدے ہوئے تھے ایک مرصع جلوس بناکر جیسا کہ کسی نے بہی جنگ کے واسطے خواب مین نہ دیکھا ہو سلطان سلیم سے جنگ کرنے کے لئے چلا۔ صحرائے سینائے سے گذر کر غازہ۔ سفید اور دمشق ہوتا ہوا نیز ہر جگہہ دعوتین کہاتا ہوا۔ خوشیان و تعطیل مناتا ہوا اور اپنے ساتھ تمام لشکر کو بہی جشن و عیش و طرب مین شریک کرتا ہوا بڑہتا چلا گیا۔ سلطان سلیم نے خبر پاتے ہی پھر ایک دوسرا سر پہلے کی طرح قانسوہ کو پاس بہیجا۔ جسکے جواب مین قانسوہ نے صلح کی سفارت اس مقصد سے بہیجی کہ ایران کے فتوحات سے ترک دست بردار ہو جاوین اور تبریز وغیرہ سے بہی ہٹ جائین۔ مگر سلیم نے جواب مین یہ لکہکر کہ ابتو ترکی فوج نیز مصری افواج دونون میدان جنگ مین آگئی ہین اب صلح سے

انکار کر دیا - اور خود الیپو تک پہونچگیا - ۲۴ / اگست ۱۵۱۹ء کو جنگ شروع ہوگئی - اور ایک دن و ایک رات مین مشرق قریب کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا - ترک جیتے اور مصری ہارے قانصوہ پر فالج گرا اور وہ اسی درمیان مین مرگیا - مگر قاہرہ مین خبر پہونچتے ہی فوراً وزرا نے طومان بای کو سلطان مصر بنا لیا - جس سے ۲۱ / دسمبر ۱۵۱۶ء کو پھر ترکون اور مملوکون مین جنگ چھڑ گئی - ابکی بار ترکون نے انکا بالکل ہی خاتمہ کر دیا اور سلطان سلیم مصر مین داخل ہوگیا - ابتو مشرق قریب مین بھی ترکون کا پھریرا ہر مقام پر لہرانے لگا - اس جنگ مین پہلی بار شام مین ترکون ہی نے توپون کا استعمال کیا - دراصل ان فتوحات نے پندرھوین صدی کی ترکونکی فتوحات کو بھی مات کر دیا تھا کیونکہ مملوکی حکومت نے جو مشرقی حصہ دنیا پر قابض تھی اور جس نے بایزید ثانی کو ۱۴۹۳ء مین شکست دے کر مشرق کی طرف اوسے بڑھنے ہی سے روک دیا تھا - اب وہ بھی ترکون کے ہاتھ ختم ہوگئی - تیسری روایت یہ ہے کہ تبریز سے سلطان سلیم حلب کو واپس ہوا - اور جون ۱۵۱۶ء کو قونیہ مین داخل ہوکر شام مین چرکس خاندان کے امیرون سے جنگ کرتا ہوا جو مسلم ملوک تھے - شام کو فتح کرکے اور چند دن الیپو مین قیام کرکے دمشق کو فتح کرتا ہوا مصر کے حملے کے لیئے تیار ہوگیا - غازہ کے مقام پر جنگ ہوئی - ۳۱ / دسمبر ۱۵۱۶ء کو سلیم قاہرہ سے چند میل فاصلہ پر پہونچگیا - یہان ریدانیہ (Reidania) کے مقام پر مصریون سے جنگ ہوئی - ترک فتحیاب ہوئے اور مصر بھی ترکون کے قبضہ مین آگیا - قاہرہ پہونچکر سلطان سلیم اور المتوکل علی اللہ عباسی آخری خلیفہ اسلام سے ملاقات ہوئی - گو متوکل کی بادشاہت نہ تھی مگر خلافت اسلامی اوسیکے ہاتھ مین تھی - چنانچہ وقت ملاقات المتوکل نے سلطان سے کہا کہ خلافت بھی اب سلطان ہی کے لیئے سزاوار ہے اور یہ کہکر ۱۵۱۷ء مین سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت خلافت خود ہی کرلی - گو یہ حق صرف قریش ہی کو اوسوقت تک حاصل تھا مگر چونکہ قاہرہ خلافت کا کچھ بھی باقی نہ رہا تھا اسلیئے خلیفہ المتوکل نے بیعت ہی درست سمجھی - ایسا یہ کہ سلیم نے جبر خلافت چھین لی یا المتوکل نے بخوشی بدی ایسکا فیصلہ کرنا ویسا ہی مشکل ہے جیسے خلافت کبریٰ کا پھر حال یہ فرض کرلو یہان کہا جاتا ہے المتوکل نے سلیم کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور امانت [illegible] خود سلطان سلیم کے سپرد کردیا جیسے [illegible]

خبر امیر مکہ کو پہونچی اوسنے بھی حرمین شریفین کی کنجیاں سلیم کے پاس بھیجدین اور سلطان کی خلافت کو تسلیم کرلیا سلطان نے پھر کنجیاں واپس کین اور طبل و علم کے ساتھ خلعت امارت بھی امیر مکہ کو بھیجا۔ اب حجاز بھی بہ صلح دولت عثمانیہ کے زیر سیادت آگیا اور ترکی سلاطین ہمیشہ حرمین کی خدمت اپنی سعادت سمجھتے رہے۔ خلافت کے حصول کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سلطان سلیم حلب مین تھا تو شریف مکہ نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کنجیاں کعبہ مکرمہ کی بھیجدین۔ اور مسجد مین پہلی بار "صاحب الحرمین الشریفین" کے الفاظ کہے گئے اوسپر سلطان سلیم نے "خادم الحرمین" ہونا کہا۔ اوسیوقت سے سلاطین ترکی کے القاب کا جزو اعظم "خادم الحرمین الشریفین" ہوگیا۔ خود سلیم نے اپنے اوس فتحنامہ مین جو اوسنے وینس (venice) وایران مین سنہ ۱۵۱۷ء مین بھیجا تھا کوئی بھی ذکر حصول خلافت کے بابت نہین کیا ہے۔ اور اگر خلافت حاصل کرنے کا واقعہ ہوا ہوتا تو سلطان سلیم ضرور اپنے کو اوس فتحنامہ مین خلیفۃ المسلمین لکھتا۔ نیز سلطان سلیم نے علمائے مصر کو جمع کرکے دریافت کیا کہ کیا مسلمان بادشاہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ خلیفہ وقت اوسکو اختیار و اجازت بادشاہت دے۔ جسپر علمانے جواب دیا کہ یہ ضروری نہین ہے۔ اسپر سلطان خلیفہ سے ملنے بھی نہین گیا۔*

کہا جاتا ہے کہ ایکوقت سلطان نے عربی کو سلطنت کی زبان کرنا چاہا مگر شیخ الاسلام نے اوسکا فتوی نہین دیا۔ تبریز مین جسوقت ترک داخل ہوئے تو وہ تخت ایران جسکی قیمت اوسوقت تقریباً بیس (۲۰) ملین ترکی پونڈ تشخیص کیگئی تھی اور جسمین بجز سونے وبیش بہا جواہرات کے کچھ نہ تھا ترکون کے ہاتھ آیا اور وہ قسطنطنیہ پہونچادیا گیا۔ اور جو ابتک وہان محفوظ ہے۔ اس جنگ مین سلیم کا ایکسو چالیس (۱۴۰) ہزار فوج مع (اسی) ہزار گھوڑون اور تین سو (۳۰۰) توپون کے انتہائی اسفر کرکے جنگ مین فتحیاب ہونا اوسوقت کے اعتبار سے ایک بڑا کارنامہ تاریخ مین اوسکی پامردی۔ ہمت۔ اور شجاعت وغیرہ کا کہا جاتا ہے۔ اسی جنگ مین دونون طرف سے مسلمانون کی خون کی ندیان بہ گئین اور چالیس ہزار ایرانی قتل ہوئے۔ نیز یورپ وایشیا کی فوجی تیاریون اور آلات حرب نیز ترتیب فوجی وغیرہ کا بہت بڑا فرق دنیا کو معلوم ہوگیا کیونکہ ترک افواج کی ترتیب وغیرہ سب یورپ کے اصولون پر اب بھی مگر ایران کے حالات ابھی تک بالکل قدیم زمانہ کے طور پر تھے۔ اسپر سید برہان الدین کو دنے حیدرآباد

* دیکھو صفحہ ۲۵۰ [illegible] انگریزی - جامعہ ملیہ دہلی —

کے مقام پر راقم الحروف سے جنگ کی دایران کے متعلق جو روایت بیان کی تھی وہ بھی دلچسپ ہے
اس سے ذیل مین اوسکا درج کرنا بھی غالباً بے موقع نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے "ایک روز سلطان سلیم کو
اطلاع ملی کہ طریقت بکتاشیعہ کا رواج ملک مین بڑھ رہا ہے۔ سلطان کو تعجب ہوا کہ یہ کیا شئے ہے
اور اوسکے اصول کیا ہیں۔ چنانچہ تحقیقات کا حکم ہوا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کوئی صاحب حاجی
بکتاش صوبہ البانیہ مین ولی اللہ مانے جاتے تھے۔ اور اونکے انتقال کے بعد اونکے مریدون نے
ایک خاص مذہب جاری کر رکھا تھا اور جو اپنے عقیدون کو بجز اپنے پیر کے سلسلہ مریدین یا پیر
بھائیون کے کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اور ہر عقیدت کو راز رکھتے۔ لیکن عام طور پر ہر قسم کی بدکاری
شراب خواری۔ جوا۔ جھوٹ۔ فریب۔ قتل و غارت وغیرہ مین بلا خوف و خطر مبتلا پائے جاتے۔ کسی
عیب و بدچلنی کو اونکے یہان عقیدتاً برا نہ مانا جاتا۔ اور مشہور یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو
اللہ جل شانہ کی ذات پاک کا ایک جزو مانتے یا اوسکا اوتار سمجھتے۔ نماز روزہ وغیرہ کو بیکار
ظاہر کرتے تھے کیونکہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے تمام امت محمدی کے عوض گویا عبادت کرلی تھی۔
سلطان سلیم نے اونکے مشائخ کو طلب کرکے اونکے راز کو دریافت کرنا چاہا۔ سب نے با دب
عرض کیا کہ اس سے اونھین معافی دیجاوے کیونکہ اونھین اپنے مذہبی اصولون اور رازون کے
بیان کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جب سلطان کو اونکی سخت ترین بداخلاقیون کا حال پورا پورا بلاکسی
استثنا کے معلوم ہوا تو اوس نے صدر اعظم کو طلب کرکے حکم دیا کہ بغیر مکمل تحقیقات کرکے اوسکو مطلع
کیا جاوے۔ صدر اعظم نے حسب الحکم ہر طرح کی تحقیقات کی مگر یہی پایا گیا کہ وہ لوگ کسی سے
اپنا مذہبی راز نہین ظاہر کرتے مگر بعید بڑے لوگ اوس گروہ مین عام طور پر پائے جاتے ہین سلطان نے
صدر اعظم کو بہت لعنت ملامت کی بلکہ وزیر کے ہاتھ کو اوسکے موتھ پر اولٹ کر مار دیا اور کہا کہ اتنی
بڑی سلطنت کا وزیر اعظم ہوکر اوسکو اتنے بڑے معاملہ کی اسوقت تک نہ اطلاع ہی ہوئی اور نہ
تحقیقات سے کچھ پتہ چلا۔ اب سلطان کے غصہ و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ اور وزیر اعظم کو دربار
شاہی کی حاضری کی بھی اوسوقت تک ممانعت رہی جبتک کہ راز کو دریافت نہ کرلے۔ نیز
صرف تین یوم کی مہلت دریافت راز کے واسطے دیگئی۔ اور یہ بھی اعلان کردیا کہ اگر تین یوم کے
اندر راز کا انکشاف صحیح طور پر نہ ہوسکا تو وزیر کا سر قلم ہوگا اور بکتاشی طریقت کے لوگون کو بھی

پوری سزا دیجائیگی لہذا اب وزیر خود بکتاشی درگاہ پر حاضر ہوا - اور دریافت راز کے لئے اوسنے بکتاشی طریقت لیلی - اور وہان بعیت بھی کرلی - جب تین یوم کے بعد دربار سلطانی مین طلب ہوا تو عرض کیا کہ وہ بھی انکشاف راز نہ کرنے پر مجبور تھا - اب تو سلطان سلیم کے غیض وغضب کی کوئی حد ہی نہ رہی - تاہم پھر بھی اوسنے وزیر کو نصیحت کی - اوسپر وزیر نے عرض کیا کہ وہ ایک کاغذ پر راز کو لکھد یگا اور اوسے کہالیگا - اور اوسکے قتل کے بعد کاغذ کو پیٹ سے نکلواکر پڑہ لیا جاوے - راز کھل جائے گا - چنانچہ وزیر نے ایسا ہی کیا - اور جب اوسکا سر قلم ہوکر اوسکے پیٹ سے کاغذ نکالا گیا تو اوسمین صرف یہ لکھا ہوا ملا - "دین نے سر دیا مگر سر نہ دیا" سلطان کو اب بجد غصہ آگیا اور اپنی مایوسی مین اوسنے عام حکم جاری کردیا کہ جتنے بھی بکتاشی عقیدت کے لوگ جہان بھی حدود سلطنت عثمانیہ مین ہون سب تین یوم کے اندر باہر چلے جاوین ورنہ قتل ہون - الغرض جسقدر بکتاشیہ فرقہ کے لوگ بہاگ سکے بہاگ نکلے - باقی جہان بہی ملے قتل کئے گئے - لیکن بکثرت اونمین سے سلطنت ایران ہی مین جاکر پناہ گزین ہوئے اور وہان جاکر اپنے کو شیعہ ظاہر کیا -

شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران کو اصلی حالات کی اطلاع نہین کیگئی بلکہ سلطان ٹرکی کے شیعہ فرقہ پر مظالم کی داستان سناکر اور دہوکہ دیکر ہمدرد بنا لیا گیا - اوسوقت شاہ کی ہمت اور شجاعت بھی بڑہی ہوئی تھی کیونکہ تیمور لنگ کے نواسے بدیع الزمان کو جو خراسان کا بادشاہ تھا شاہ نے شکست دیکر تبریز مین مقید کررکہا تھا نیز گرجستان بصرہ وبغداد کو بھی فتح کرلیا تھا جس سے اور بھی شاہ کا جوش فتوحات بڑھا ہوا تھا - اوسی جوش مین شاہ نے سلطان کو یون لکھا "آپکے یہان شیعون پر سخت ظلم ہونا بیان کیا جاتا ہے اگر یہ امر واقعہ ہے تو جنگ کے سوا کوئی چارہ نہین ہے" سلطان نے اوسکے جواب مین لکھا کہ "بکتاشی عقیدت کے لوگ شیعہ نہین ہین ورنہ اظہار عقیدت مین کیون عذر کرتے اور اوسے راز کیون رکھتے - میرے یہان شیعہ وسنی کی کوئی بھی تفریق نہین ہے - شاہ کو دہوکا دیا گیا ہے - اگر وہ لوگ اپنے عقائد کا اظہار کردیتے تو اخراج کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا - شاہ کو صحیح واقعات کی اطلاع نہین ہے نہ اونکے افعال واعمال قبیحہ کی" - اسپر شاہ ایران نے جواب مین پھر لکھا کہ "وہ اونہون نے تحقیق کرلی ہے - وہ لوگ شیعہ ہین اور حکومت ترکیہ نے اونپر سخت ظلم کیا ہے - اب بکتاشیون کو واپسی کی اجازت دیجاوے اور مناسب ہے کہ فرمان

سلطانی اسواسطے جاری ہوئے" اسکے جواب مین سلطان نے ایک سونے کا عصا - ایک جبہ - ایک عمامہ - ایک مسواک اور ایک زرد رنگ کے چمڑے کا موزہ اپنے خط کے ہمراہ شاہ کو بھیجا اور خط مین یہ تحریر کیا کہ "مین نوین پشت آل عثمان سے ہون - مجھے اجازت دیجیے کہ آپ کو نصیحت کردن - آپ کے والد ماجد بھی ایک پیر تھے اور شیخ وقت - آپ بھی سلسلہ مشائخ سے ہین - آپ کو چاہیے کہ کسی خانقاہ مین بیٹھیے - آپ بادشاہی نہین جانتے" اس تحریر کو پڑھکر شاہ کو بیحد غصہ آیا اور جواب مین سلطان کو ایک سونے کی ڈبیہ جسمین افیون اور ناس رکھی تھی بھیجی اور لکھا کہ "آپکے تحائف و تحریرات سے اسکا پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک افیونی ہی ایسی تحریرات وغیرہ بھیج سکتا ہے اور وہ دن قریب ہے کہ آپکے بجائے ہماری سلطنت ہوگی" - اس جواب کے پہونچتے ہی سلطان نے فوج کی تیاری کا حکم دیدیا اور خود بھی فوج کے ہمراہ روانہ ہوگیا - کوردستان - بصرہ و بغداد کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا - ایرانی افواج برابر پیچھے ہٹتی گئین - تب سلطان نے ایک بد رقع شاہ کے پاس بھیجا اور کہلا یا کہ "تم عورت ہو تب ہی تو مقابلہ نہین کرتے" - اسپر شاہ اپنی دو لاکھ فوج کے ساتھ بمقام چلدران مقابلہ کے واسطے صف آرا ہوگئے - اور جنگ ہوکر ایرانیون کو شکست ہوئی -

اس حکایت کے ساتھ ہی پیر صاحب موصوف نے سلطان بایزید اور سلیم کے تعلقات کا بھی ذکر یون کیا تھا "سلطان بایزید ثانی کے عہد مین یادوز خان سلیم اوسکا بڑا بیٹا - بوسا کا گورنر تھا اور چونکہ بایزید بیحد حلیم الطبع اور نیک آدمی تھا وزرا و فوج پوری طرح اطاعت نہ کرتے - شاہزادہ سلیم نے کئی بار اپنے باپ کو اصلی حالت سے مطلع کیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی تب وہ یکبارگی استنبول پہونچگیا - اور باپ سے پوچھا کہ اگر چوپان گلہ کی حفاظت ٹھیک طور پر نہ کرسکے تو اوسکی کیا سزا ہے - باپ نے جواب دیا کہ اوسے علیحدہ کردینا چاہیے - چنانچہ اسی مضمون کا ایک فرمان بھی جاری کرالیا - اور اوسے اپنی جیب مین رکھکر ایک پیالہ مین ایسا شربت جسمین زہر ملا ہوا تھا باپ کے پاس بھیجا - سلطان بایزید نے پیالہ نوکر کے ہاتھ سے لیکر بلا عذر پی لیا کیونکہ اوسوقت اتفاق سے سلطان کو شربت کی خواہش بھی تھی - اور وہ اوسے محض شربت ہی سمجھا - جب زہر سے تکلیف شروع ہوئی تو دریافت کیا - سلیم نے صاف بتلا دیا کہ شربت مین زہر تھا اور یہ بھی کہا کہ آپ کی سزا یہی تھی - آپ نے ہاتھ اوٹھا کر بد دعا کی کہ سلیم کا زمانہ سلطنت کم ہو اور مرتے وقت

وہ خود اپنا دل و جگر دیکھے"۔
چنانچہ مرنے سے قبل سلطان سلیم کے پھوڑے نکلے اور پشت پر شیر پنجہ کا مرض ہوگیا۔ دس ماہ تک کسی سے بہی ذکر او سنے نہ کیا۔ بلکہ کیڑے کے کاٹنے کا بہانہ کرتا رہا۔ بالآخر آئینے منگوا کر اور بالمقابل رکھوا کر دیکھا تو اپنا دل و جگر صاف نظر آگیا۔ کہال اور گوشت بالکل ہی گل گئے تھے۔ باپ کی بددعا یاد آگئی۔ زخم کے دیکھنے کے دو گھنٹہ بعد ۱۵۲۰ء مین جان بحق تسلیم ہوا۔ اور باپ کی بددعا بے اثر نہ رہی۔

پیر صاحب موصوف کے بیان فرقہ بکتاشیہ کے بابت کچھ کچھ معلومات ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء کے اخبار ہندوستان ٹائمس دہلی کے نامہ نگار خصوصی نے بھی کچھ شائع کیا ہے جسکا خلاصہ درج ذیل ہے "البانیہ کے جدید دارالسلطنت تیرانہ (Tirana) سے گذر کر اونکا موٹر ایک کچی سڑک پر چلا۔ اور ایک چشمہ کو پار کرکے نہایت سرسبز و شاداب پہاڑیون کے نیچے پہونچا۔ تب اون کے البانی سفر کے عیسائی ساتھی نے بکتاشیون کے بابت یہ کہنا شروع کیا کہ "جسطرح عیسائیون مین پراٹسٹنٹ فرقہ ہے اوسی طرح مسلمانون مین نہایت آزاد خیال فرقہ بکتاشیہ ہے۔ البانیہ مین اس فرقہ کو آئندہ بڑی کامیابی کی توقع ہے۔ اور ممکن ہے کہ کل قوم کا یہی مذہب ہو جاوے جو بکتاشیون کا ہے۔ اونکا مذہب ایک راز ہے دو ایک عیسائی مشنری بہی صرف راز کے دریافت کرنے کے لئے بکتاشی ہوئے مگر جب خفیہ عبادت خانہ کے کمرے سے باہر آئے تو پھر عیسائی نہین ہوئے"۔ جب ایک شاداب گہاٹی مین نامہ نگار وغیرہ پہونچے تو ایک نہایت ہی خاموشی کے عالم کا سمان نظر آیا اور کچھ درویش نظر پڑے۔ اونکا ہمسفر اونکا ترجمان بہی تھا۔ تب ایک درویش سب کو ایک مکان مین جو آراستہ و پیراستہ تھا لیگیا۔ یہ لوگ بیٹھ گئے کہ تہوڑی دیر بعد سب کا بڑا بابا آیا۔ وہ لمبا سفید کرتا اور اوسپر ایک سیاہ عبا اور سفید فز ٹوپی کے پہنے ہوئے تھا اون سے آکر عربون اور مصریون کی طرح ملا۔ یعنی سینہ پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ دیا۔ سب کو اور کل درویش سفید فز ہی سر پر پہنتے ہین اور اوسکے گرد سبز پٹکا سا بندھا ہوتا ہے۔ ان لوگون سے ہاتھ ملا کر بابا صاحب نے جنکا نام کرصالح نیازی دیدے تھا اپنا کارڈ دیا۔ اور کہا کہ "وہ دنیا کے بکتاشیون کے اعلیٰ پیر تھے جو تمام دنیا مین پہیلے ہوئے تھے

اونکی تعداد ترکی - ایران - ہنگری - چین - یوگوسلاویہ - زیگوسلوواکیا وغیرہ سب جگہ ملاکر تقریباً سات ملین تھی - ہماری عبادت گاہیں یا تکیس ([illegible]) سب جگہ ہیں ہم ترکی میں بہت زبردست تھے جہاں میں بھی تھا - اور ہماری وہاں بڑی جائداد تھی مگراب سب گئی - ہم غلط تجویز کے شکار ہوئے۔ پہلے یہیں اونکے مدرسہ و مذہبی تعلیم گاہیں تھیں - اور یہ لوگ بڑے مہمان نواز ہیں - بابا نے پھر مختلف کمرے اور بھی دکہلائے اور اوس کمرے میں بھی لیگئے جہاں خاص اس مذہب کا راز بتلایا جاتا ہے - اور کہا کہ حضرت علیؓ جو پیغمبر صاحب کے چچیرے بھائی اور فاطمہؓ کے شوہر تھے وہ ہمارے پیر تھے - حاجی بکتاش ہمارے بانی مذہب حضرت علیؓ کی نسل کے ساتویں امام موسیٰ کاظمؓ کی اولاد میں ہیں - ہم سب مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں - مگر دیگر مسلمانوں سے ایک بات ہم میں زائد ہے وہ یہ کہ ہمارا ہی مذہب سچا ہے حضرت علیؓ باطنی ([illegible]) تھے اور حاجی بکتاش بھی - ہم قرآن پاک کو مانتے ہیں مگر اوسکے اصلی مضمون کو نہ کہ ظاہری - ہم باطنی مفسر اسلام ہیں - اور اسی سے آزاد خیال - ظاہرا اعمال کو ہم ضروری نہیں سمجھتے - بلکہ حقیقت کے راز کو جانتے ہیں جو حضرت علیؓ جانتے تھے اور اونہیں نے اوسے تعلیم بھی دیا ہے - حضرات امام حسنؓ و حسینؓ کے ذریعہ سے ۔ کمروں میں پنجتن پاک کے نام لکھے ہوئے فریموں میں لگے تھے مگر جہاں محمدؐ کا اسم پاک بھی تھا تو وہ بھی علیؓ سے زائد نمایاں نہ تھا - اور ہمہ اوست بھی ایک جگہ آویزاں تھا یعنی ہمہ از اوست -

۱۵۱۸ء میں بعد فتوحات مصر وغیرہ سلطان سلیم نے بڑی زبردست بحری فوج تیار کر لی تھی - کارسیر خیر الدین باربروسا نے بھی اپنے خوف سے اپنی حفاظت کے لئے الجیریا کو سلطان کے حوالہ از خود کر دیا تھا - مصر و شام کی فتح کے زمانہ میں سلطان سلیم حلب شریف بھی گیا تھا - اور سید محمد یٰسین آفندی الجیلانی کے مکان پر فروکش ہوا اور وہاں ایک قصیدہ بھی لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے -

حَمَاۃُ بَلْدَۃٌ مَا مِثْلُھَا بَلْدَۃٌ   کَاَنَّھَا جَنَّۃٌ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْہَار

* درویش مرد ہو یا عورت شادی نہیں کرتے - اور البانیہ میں ابتک لاکہہ بکتاشی ہیں اور چالیس تکیس ([illegible]) ترکی میں اندر و اندر زمین ہا ری معبد کا بیتی ہیں -

عربی مین شاعری کا ذوق سلطان کو بیحد تہا اور خود علوم دینی کا خاص طرح ماہر تہا - ایک دن وزرا کو جمع کر کے ملک کی زبان عربی کر دینے کا خیال بہی اوس نے ظاہر کیا تہا مگر پہر موقع نہ ملا -

سلطان سلیمان ذی شان (THE MAGNIFIGIENT) سنہ ۱۵۲۰ء تا سنہ ۱۵۶۶ء

سلطان سلیمان ذی شان اپنے باپ سلطان سلیم کی وفات پر تخت نشین ہوا - دراصل اس سلطان کے عہد حکومت مین آل عثمان یا ترکون کی سلطنت کا ستارہ اقبال کامل عروج پر پہونچگیا - اوسکے فتوحات کی فہرست ہی سے اوسکی ہر طرح کی قابلیت فراست حسن انتظام - عدل و انصاف - بہادری و شجاعت بلکہ رواداری اور ہوشمندی وغیرہ کا پتہ بخوبی چل سکتا ہے - اوس نے تیرہ میدان خود ہی سر کئے - کبہی ہنگری و آسٹریا سے جنگ مین ہنسا رہا اور کبہی اسپین و ایران سے مگر جب سنہ ۱۵۲۱ء مین بغداد فتح کیا تو دریائے ڈینیوب پر ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کرایا اور وہین سے ہنگری کے حملون کا دروازہ ترکون کے واسطے کہولدیا - فہرست فتوحات یہ ہے - ہنگری - بلغراد - رہوڈس - کریمیا - موصل - بغداد - بصرہ - یمن - عدن - الجیریہ - اوران - طرابلس نیز جزو آرمینیا و جزو افریقہ سنہ ۱۵۲۰ء مین برطانیہ کا سب سے پہلا کانسل بمقام کریٹ مقرر ہونے کی منظوری اسی سلطان نے عطا کی اور سنہ ۱۵۲۳ء مین ترکون نے رہوڈس فتح کیا - اور وہین سے بم کے گولون کا استعمال ترکون نے بہی شروع کیا - پہر سنہ ۱۵۲۶ء مین ہنگری پر سلطان نے حملہ کیا اور ۱۰ ستمبر کو بودا پہونچگیا - اور موہیکس (Mohacs) کے مقام پر بڑی فتح حاصل کی بوداہی مین کونٹ زپولیا (Zapolya) کو اپنی طرف سے تاج پوشی کی اور خود واپس ہوگیا - مگر شاہ فرڈننڈ (Ferdinand) نے کونٹ سے جنگ کر کے اوسے شکست دی اور پہر خود بادشاہ بن بیٹہا - اسپر کونٹ نے سلطان سے پہر مدد مانگی اور سنہ ۱۵۲۹ء مین سلطان سلیمان نے دوسری مرتبہ ہنگری پر حملہ کر کے فتح پائی اور کونٹ ہی کو پہر تخت

نشین کیا۔ نیز ویئینا (Vienna) کا محاصرہ بھی کیا مگر بارش کے باعث ترک اپنی
بھاری توپوں کو وہاں نہ پہونچا سکے۔ اس سے محاصرہ اوٹھا لیا گیا۔ سنہ ۱۵۳۳ء میں قاضہ
(Kaaha) کا صوبہ ترکوں کے ہاتھ آگیا۔ سنہ ۱۵۳۴ء میں فرانسیسی سفیر کو بھی دربار سلطانی
کی حاضری کی اجازت دیگئی کیونکہ سلاطین ترکی کو فرانس کی قدیم دوستی و مواضعات پر صدیوں سے
اعتماد تھا مگر شاہ فرانسس اول (Francis I) ہی نے اونکی توقعات کے خلاف تقسیم ترکی کا
یورپ میں سنگ بنیاد رکھا۔ حالانکہ سلیمان ذی شان نے آسٹریا کے مقابلہ میں اوسکی پوری
مدد کی تھی جبکہ نائس (Nice) کے حملے میں ترکی اور فرانسیسی بحری افواج نے ایک دوسرے کا
ساتھ دیا تھا۔ نیز سنہ ۱۵۳۵ء سے اپنے عام سواحل پر فرانسیسی تجار کو تجارت کی عام اجازت
بھی دیدی تھی۔ مگر آئندہ زمانہ میں جب ترکوں کو شکست ہونے لگی تو فاتح اقوام نے
سلطان محمد فاتح اور سلیمان ذی شان کے دئے ہوئے حقوق ہی میں اضافہ کرالیا اور تجارتی
رعایات کے بہ حیلہ و جبر حاصل کرنے میں کوئی کوشش خود فرانسیسیوں نے نہ اوٹھا رکھی
بلکہ دوسروں کی بھی امداد کی۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں پہلا معاہدہ شاہ فرانسس اول شاہ فرانس سے
اور ترکوں سے تجارتی وغیرہ حقوق دینے کے بابت ہو گیا تھا اور پھر تو برابر ایسے معاہدات
دوسری سلطنتوں سے بھی شروع ہو گئے۔ ترکی بیڑہ جہازات اب ہر طرح اسپین و اٹلی
وغیرہ سے زبردست تھا۔ اور اوسی کی امداد سے وینس کے قبضہ کے بعد بحیرہ ایجین کے
تمام جزائر و طرابلس وغیرہ شامل سلطنت ترکیہ کئے گئے تھے۔ خیر الدین باربروسا جو بحر
میڈیٹرینین میں ایک ڈاکو کی حیثیت رکھتا تھا اور لوٹ مار بھی سمندر میں کرتا رہتا تھا۔ اوسکو
سلطان سلیمان نے اپنا امیر البحر مقرر کیا۔ اب سلطان نے براہ تبریز موصل و بغداد کو بھی
پھر فتح کیا۔ سنہ ۱۵۳۸ء میں اینڈریا ڈوریہ (Andrea Doria) کے زیر کمان [illegible]
وینس و دیگر یورپ کی حکومتوں کے بیڑہ جہازات نے خیر الدین سے بحری [illegible] ٹکراو کی
شکست ہوئی اور ترکوں نے عدن تک فتح کر لیا جس سے بحر احمر (Red Sea)
کے بھی اب وہ مالک ہو گئے۔ پھر سنہ ۱۵۵۵ء میں آرمینیا و جارجیا کو فتح کر کے شامل سلطنت
کر لیا۔ سنہ ۱۵۶۶ء میں جبکہ محاصرہ سگیتھ (Szigeth) میں سلطان سلیمان مصروف تھا

تو خیمہ ہی مین اوسپر فالج گرا اور بہتر (۷۲) سال کی عمر مین اوس نے وفات پائی - یہ اوسکا تیرھوان اور آخری حملہ تھا - اوسکی فوجی قابلیت بالخصوص دور دراز کے حملون - فوجون کی نقل و حرکت اونکی رسد کا انتظام اور یہ سب کفائت اخراجات کے ساتھ اوسکا حصہ تھا اور اسکی بڑی تعریف تواریخ مین مذکور ہے - ملازمین اور فوجی جنرلون وغیرہ کے انتخاب کا بھی خاص ملکہ تھا - وہ نہ صرف ایک مضبوط رائے و ارادے کا آدمی تھا بلکہ اپنی تمام سیاسی وغیرہ حکمت عملیون مین ہمدردی و انصاف سے کام لیتا تھا - رعایا پروری و عدل گستری مین تو اوسکا ثانی ہی نہین کہا جاتا - اپنے داماد فراد پاشاہی کو صوبہ کی گورنری سے اونکے حرکات کے باعث فوراً موقوف کردینے مین دریغ نہین کیا - گو محلات کی سفارش وغیرہ سے اوسکی خطا کو ایک بار معاف بھی کر دیا تھا لیکن دوسری بار باوجود فہمائشات جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو اوسکے ظلم و بدچلنی کے باعث اوسکو قتل ہی کرا دیا - اوسکے وقت مین خزانہ شاہی بھی پُر تھا - ٹیکس بھی تقریباً ہر حصہ ملک مین موقوف کر دیا تھا - فوج و سول کی تنخواہین بھی کبھی نہ چڑھتین بلکہ وقت سے بیباق ہو جاتین - سخاوت و رفاہ عام کے کامون مین ہی اپنے ہم عصرون یا اپنے بزرگون سے پیچھے نہ رہا - اوسکے معاصرین یورپ ہی نے اوسے ذیشان کا خطاب دیا تھا اور تمام تحریرات مین سلطان کو اوسی طرح مخاطب کیا جاتا تھا اسی سلطان نے قوانین فوجداری و آراضی و تجارت بھی مدون کرا کے ملک مین نافذ کئے تھے - بلکہ ترکی رعایا کو ہر طرح کا امن و امان حاصل دیکھکر ہنگری وغیرہ سے کاشتکار و ہر قسم کے لوگ سلطانی رعایا بننے کے لئے جوق جوق آنے لگے تھے - اور بیس (۲۰) طرح کی متعدد اقوام رعایائی دولت عثمانیہ اسوقت شمار کیگئی تھین جو سب مطمئن و خوشحال - مامون و محفوظ ہی تھین - کسی پر ظلم و جبر نہ ہو سکتا - سبکی دادرسی کو ایسے دروازہ انصاف کھلا تھا - اسکا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ باوجود دور دراز سفرون و جنگون کے اور خود سلطان کے ملک سے باہر اکثر قیام کرنیکے کسی جگہہ بھی اوسکے عہد سلطنت مین بلوہ - بدامنی یا کشت و خون نہ ہوا - یورپ کے مورخین اوسکے امن انصاف پر دو تین دھبے ضرور بیان کرتے ہین - اور جنکو حرم شاہی کے اثرات کا نتیجہ کہا جاتا ہے - مگر یہ خیال اوسکی تمام عمر کی چھیالیس (۴۶) سالہ حکومت کے طرز و انداز نیز مزاج و فراست کے واقعات کے خلاف سمجھا گیا ہے - مثلاً اپنی روسی ملکہ سلطانہ عزیزم (........) یا خرم سلطانہ جنکا اصلی نام راکیلانہ (Ronikana)

تھا۔ اوسکے اثر سے اپنے ہی دو بیٹون کو محض سلیم کو بادشاہت دلانے کے واسطے قتل کرا دیا۔ یا اپنے تیرہ (۱۳) سالہ محبوب رفیق ابراہیم وزیر اعظم کے خون کا الزام اپنے سر لیا۔ تاہم مورخین اسپر متفق ہین کہ سلیمان ذی شان ہر طرح قابل ستائش وبہت ہی بڑا بادشاہ دنیا مین ہوا ہے۔ اور اوسکے بعد سے ترکی سلطنت کا ستارہ اقبال گرتا ہی گیا۔ اوسکا ولیعہد شاہزادہ مصطفےٰ تھا مگر مورخین کہتے ہین کہ وہ خورم سلطانہ کی سازش سے قتل کیا گیا۔ اور اوسی سلطانہ نے شاہزادون کو محل مین رکھنے اور تعلیم دینے کا طریقہ بہی جاری کرا دیا تھا جہان وہ مقید رہتے۔ حالانکہ فتح قسطنطنیہ سے قبل ترکی شاہزادے قسطنطنیہ ہی کو تعلیم کے واسطے بہیجے جاتے تھے اور یونانی ولاطینی دونون زبانین سیکھتے بلکہ ہر طرح پر تعلیم وتربیت سے آراستہ کرائے جاتے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ خرم سلطانہ نے بالارادہ محل سلطانی مین داخل ہوکر روسیت کا پورا ثبوت دیا تھا۔ اور اوسکے شاہی محل مین داخل کرائے جانے کا قومی منشاہی یہ تھا کہ ترکون کے سب سے بڑے شہنشاہ کے ہاتھون ہر قسم کی بربادی ترکی قوم ونسل کی کرائی جاوے۔ اور اسکو بہی ایک قومی قربانی سمجھا گیا تھا۔ اوسکی کوششون کا نتیجہ بہر تو بیشک ہوگیا کہ ترکی شاہزادون کو آئندہ محل شاہی مین رکہے جانے کا دستور قائم ہوگیا جس سے ولیعہد و دیگر شاہزادے ناکارے نکلنے لگے۔ آرام طلبی عیش پسندی۔ اور سیاہیت سے دوری اونکا خمیر ہوگیا۔ بجائے بہادر حکمران اور فاتحین کے سولہوین صدی کے آخری حصہ سے بازنطینی طرز کے عیش پسند سلاطین ہی زائد تر ہونے لگے۔ اسی لئے نہ اپنی موت سے مرتے اور نہ اپنے ہی ہاتھون زندہ رہتے۔ بلکہ مروا دئے جاتے۔ خود سلیمان ذی شان ہی نے ایک محکمہ خاص جسکو دیوان کہتے تھے محض سلاطین کے کامون کی جانچ اور اونکے احکامات کی روک تھام کے لئے قائم کردیا تھا اور خود سلطان ہی اوسکی صدارت بہی کرتا تھا۔ دراصل تو یہ اسقدر فراست کا خیال سلطان نے کیا تھا جسکی نظیر ہی مشکل سے تاریخ مین ملیگی کیونکہ آئندہ چلکر اسکے نتائج معلوم ہونگے۔ دیوان مین چار وزیر نشست کرتے تھے۔ ہفتہ مین ایک یا دو بار اوسکا اجلاس ہوتا۔ اور بحث ومباحثہ کے بعد معاملات کا جو فیصلہ ہوتا اوسکی تعمیل بذریعہ جینیسریز کرائی جاتی۔ یعنے کونسل کے طرز حکومت کی گویا بنیاد اسی ڈالدی گئی تہی۔

سلطان سلیم دوم ۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء

۱۵۶۶ء میں سلیمان ذیشان کی وفات پر اوسکا بیٹا سلیم دویم تخت نشین ہوا۔ اوسکو سلطنت کیا ملی گویا عیش و عشرت کا ذریعہ ہاتھ آیا۔ سلطنت کے کام سے مطلق دلچسپی نہ لیتا۔ وزیر اعظم کو بالکل ہی مالک و مختار بنا کر عیش و نشاط مین پڑ گیا۔ اور شراب و لہو و لعب مین وقت گذارتا۔ حافظ شیرازی نے اسی زمانہ مین شراب کی تعریف یون لکھی تھی ”دوشیزہ لڑکیون کے بوسون سے بھی زائد لطف شراب مین ہے“ اسپر مفتی وقت کو توجہ دلائی گئی تو اوسنے یہ جواب دیا کہ ”جب خود سلطان وقت شراب پیئے تو سب کے واسطے شراب حلال ہو گئی اور شاعرون کو اوسکی مدح بھی حلال ہے“

اب تک تین صدیون سے باپ سے بیٹے ہی کو تاج سلطنت پہونچتا رہا تھا اور ایسے دس سلاطین نسلاً بعد نسلٍ ابتک ہو چکے تھے۔ مگر بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ سلطان شاہی خون سے نہ تھا بلکہ کسی یہودی کا نطفہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اوسمین کسی قسم کے شاہانہ جوہر نہ تھے۔ اب وزیر اعظم سوکولی (Sokolli) کے ہاتھ مین حقیقتاً عنان حکومت تھی جسکو حماقت سے بیٹھے بٹھلائے ۱۵۶۸ء مین روس سے جنگ ہو گئی۔ اور ترکی کو شکست بھی ہوئی۔ ۱۵۶۹ء سے اب کل دول یورپ کا روسیون سے بھی تقاضا رہا کہ ترکون کو یورپ سے باہر نکال دیا جاوے۔ مگر اونکو اسکا اندازہ نہ تھا کہ دراصل خود روس ہی یورپ کے واسطے سب سے بڑا دشمن ثابت ہوگا لیکن اوسوقت تو کل عیسائی دنیا روس ہی کو مسلمانون بلکہ ترکون کے مقابلہ مین اپنا محافظ حقیقی سمجھ رہی تھی۔ مگر اوسی زمانہ مین یمن کو شامل سلطنت کیا گیا نیز ۱۵۷۰ء مین مفتیٔ حکومت سے فتویٰ لیکر سائپرس (Cyprus) کے دارالسلطنت نامی کوسیا (Nicosia) پر بھی حملہ کیا گیا۔ اور کرڑا مصطفےٰ پاشا نے اوسے فتح بھی کر لیا۔ پھر فیما گوسٹا (Famagosta) کو بھی لیکر ترکون نے کل حکومت سائپرس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اسی زمانہ مین پوپ کے حکم سے اسپین و وینس مین معاہدہ ہو کر ایک زبردست بحری فوج زیر کمان ڈان جان آسٹروی (Don John of Austria) جسنے کہ مسلمانون کو اسپین سے خارج کیا تھا۔ تیار کرائی گئی۔ اور ۱۵۷۱ء مین بمقام لیپانٹو (Lepanto) ترکی بحری فوج سے ایک سخت جنگ کی گئی جسمین ترکون کو شکست ہوئی۔ گو ۱۵۷۲ء

مین پھر ترکون نے ٹیونس (سنہ ۱۵۷۴ء) پر حملہ کرکے اوسے بھی جزو سلطنت کرلیا۔ دراصل اب سلطان خانہ نشین تھا اور عمال حکومت کے ہاتھ مین سب کام آکر ابتر ہونے لگا تھا۔ پھر جب ۱۵۷۴ء مین سلیم دویم کی وفات ہوگئی تو اوسکا بیٹا مراد ثالث تخت نشین کیا گیا۔

مراد ثالث ۱۵۷۴ء و ۱۵۹۵ء

سلیم دویم ہی کے وقت سے وزیر اعظم سکولی اور مفتی سلطنت کے احکامات چلنے لگے تھے اور سلطان وقت بھی فوج کے ہمراہ جانے سے گریز کرنے لگا تھا۔ نیز آرام طلبی کی زندگی بسر کرنا اوسکا کام ہوگیا تھا تاہم ۱۵۷۸ء مین ایران سے جنگ ہوگئی اور ترکوں مصطفےٰ پاشا نے جارجیا۔ آذربائیجان لورستان و شیروان کو باسانی فتح کرلیا اور ایران کی طرف نواب ترکس داغستان تک بھی پہونچگئے تھے تب ایران سے صلح ہوکر ۱۵۹۰ء مین کل مذکورہ صوبہ ترکون کی سلطنت مین شامل کیے گئے۔ ۱۵۷۸ء ہی مین وزیر اعظم سکولی کی وزارت ہی ختم ہوگئی تھی۔ اور مذکورہ فتوحات کے بعد تقریباً تینتیس ۳۳ لین سے زائد اب ترکی رعایا کا شمار کیا گیا تھا۔ اودھر یورپ مین بھی ۱۵۸۱ء مین ملکہ الیزبیتھ (Queen Elizabeth) نے تاجران لیوانت کی کمپنی کو بذریعہ فرمان شاہی تجارت کی اجازت دیدی تھی اور سلطان وقت نے بھی حکومت ترکیہ مین ملکہ مذکور کو تجارت کرانے کا حق دے رکھا تھا اسلیے ۱۵۸۲ء مین پہلا سفیر دربار سلطانی مین بھی حاضر ہوا اوسکا نام ولیم ہیربون (William Hareborne) تھا اور ترکی تجارت کے سلسلے مین اب دنیا کے بہت سے حصص مین برطانیہ کے سفرا و قونصل پہونچ چکے تھے اور اسپین کا مشہور بحری آرمیڈا (SPANISH ARMEDA) یا جنگی جہازون کی فوج حملون کیواسطے تیار ہوچکی تھی۔ اسی واسطے برطانیہ کو ترکون سے مواخات اور اونکی امداد کی سخت ضرورت معلوم ہوئی تھی۔ برطانیہ کی طرف سے جو سفرا یا کانسل سلطنت ترکی کے متعدد مقامات پر متعین تھے اون کے سپرد علاوہ تجارتی حقوق کی حفاظت کے اسپینی بیڑے کے حملون سے ترکون کے مذہبی جوش کو ابھارنے کی بھی خدمت تھی۔ ۱۵۸۹ء مین سفیر برطانیہ کو دربار شاہی مین پھر حاضری کی اجازت ملی اور جب انگلستان کو معلوم ہوا کہ برطانیہ کو دو۔ اصل فلپ دویم (...)

شاہ اسپین کے مقابلہ کے لئے ترکون سے دوستانہ میل اور معاہدہ کی سخت ضرورت لاحق ہوگئی تہی لہذا برطانیہ کی خواہش پر سفارت منظور کیگئی - اور اب ترکی قوم کو سلاطین کی کمزوری سے اونکے معزول کرنے کی بہی ضرورت محسوس ہونے لگی تہی - مفتی سلطنت کے اختیارات بہی زائد ہوگئے تھے - کیونکہ سلطنت سے معزول کرنے کے وجوہات قوم کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہوتی تہی - بلکہ ترکی قانون کے مطابق سلاطین کے احکامات پر اور اونکے عزل و نصب کے واسطے مفتی سلطنت کا فتوی لیاجانا ضروری تھا - مفتی کے فتادون کی تعمیل جنیسریز کے سپرد تھی - سلیمان ذی شان کے بعد کے تمام پچیس[۲۵] سلاطین مین سے جن مین گیارہ[۱۱] کو تخت سے معزول کیا گیا ہر ایک کے بابتہ مفتی سلطنت کا فتوی ضرور حاصل کیا گیا - اور دیوان کا بہی زور زائد ہونے لگا ہما سلیمان ذی شان کے بعد دیوان کی بہی صدارت وزیر اعظم ہی کو تفویض ہوگئی تہی - سلطان مراد ثالث کے ایکسو تین[۱۰۳] اولادین ہوئین تہین جنہین سے سنہ ۱۵۹۵ء مین اوسکی وفات کے وقت سینتالیس[۴۷] زندہ موجود تھین - مراد نے کچھ فوجی اصلاح ضرور کی تہی اور ہر معاملہ مین فوجی امداد لی جانے لگی تہی - لہذا سیاسیات مین بہی فوج کو پورا اقتدار حاصل ہوچلا تھا - اسیطرح طبقہ علما جو مذہب اور قانون کا محافظ تھا اوسکو غیر مسلم ملتون کی حفاظت کا بہی حق تھا - نیز سلاطین کے عزل و نصب مین شیخ الاسلام اور دیگر علما بہی مداخلت کرنے لگے تھے اس سے انکو افواج کے کامون مین بہی اقتدار حاصل ہونے لگا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور علما دونون اچہی طرح سیاسی حلقون مین مداخلت کرنے لگے - اب مدرسہ سلیمانیہ و مدرسہ فاتح قائم تھے جن مین مروجہ علوم و فنون کی تعلیم بہی ہوتی تہی - اور اسی سترھوین صدی مین جہان اور خرابیان نمایان ہونے لگین وہین عیسائیون کو فوجی خدمت سے بری رباز رکہدیا گیا -

سلطان محمد ثالث سنہ ۱۵۹۵ء سے ۱۶۰۳ء

سلطان محمد ثالث سب سے بڑا بیٹا سلطان مراد ثالث کا تھا - تخت نشین ہوتے ہی اوسنے اپنے اونیس[۱۹] بھائیونکو قتل کرادیا اور ولیعہد سلطنت کو سیراگلیو (Serag leo)

یا زنان خانہ مین محبوس کر دیا اور آئیندہ کے واسطے گو یا یہی دستور ہو گیا - اور سلطنت کے کامون سے بالکل ہی نا بلد رکہا نہ تو اونکی تعلیم ہی کا بندوبست ہوتا اور نہ اونکو کسی سے بہی ملنے کا موقع دیا جاتا -

یکایک ۱۵۹۳ء مین اسٹریا و ہنگری نے اعلان جنگ ترکون کے مقابلہ مین کر دیا - اور بعض صوبون مین بغاوت بہی ہو گئی - اس جنگ کی مہم پر جانے کے واسطے سلطان وقت کو مجبور کیا گیا اور چونکہ دشمن برابر بڑہتے آتے تھے اسلئے ترکون نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ و ردائے مبارک باہر نکالا اور بڑی شان و شوکت سے فوج مقابلہ کے واسطے چلی ۱۵۹۶ء مین تین دن سخت جنگ رہی - مگر ہر روز سلطان محمد ثالث میدان جنگ سے واپسی ہی پر تیار ہو جاتا - مگر جب واپسی کا مسئلہ پیش ہوتا تو سلطان کا استاد سعد الدین مورخ اوسکو واپسی کے ارادے سے باز رکہتا - اس سے جنگ تو برابر جاری رہی - بالآخر آٹھ سال تک حکومت کرکے سلطان کی وفات ہو گئی اور ۱۰۱۲ھ میں سلطان عصمت تخت نشین ہوا - مگر اب چونکہ فوج مین مسلمان ہی زائد بہرتی کئے جانے لگے اس سے عیسائی خود ہی کم بہرتی ہوتے -

سلطان عصمت ۱۰۱۲ھ ۱۶۱۷ء

سلطان عصمت کے وقت مین رول لیدر پتا بہت کچہ زر قسطنطنیہ مین ہو گیا - اور اندرونی معاملات تک مین اونکا قابو چلنے لگا - آسٹریا و ہنگری کی جنگ بہی برابر ۱۶۱۶ء تک ترکون سے جاری رہی - بالآخر صلح ہو گئی مگر ٹرانسلوینیا (Transylvania) ترکون کے ہاتھ سے نکل گیا - چودہ سال تک اس سلطان نے حکومت کی مگر وہ صرف زنا کے ہاتھ مین کل کام رہا ۱۶۱۷ء مین اوسکی وفات ہوئی -

سلطان مصطفیٰ ۱۶۱۷ء

سلطان عصمت کی وفات پر اوسکے بہائی مصطفیٰ کو تخت نشین کیا گیا - سو قسمت سے

خاندان کے بڑے ہی فرد کو ولی عہد بنایا جانے لگا ۔ بڑے لڑکے کی قید مٹا دی گئی ۔ اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اکثر سلاطین خاندان کے افراد کو بالخصوص ولی عہد کو قتل کرا دینے لگے تھے لہذا یہ رواج قرار پا گیا کہ جو بھی فرد خاندان شاہی کا سلطان وقت کی وفات پر عمر میں سب سے بڑا ہوگا اوسکو بادشاہت دیجایا کریگی ۔ اور ایسا ولی عہد بجائے قتل کئے جانے کے نظربندی میں ہی رکھا جانے لگا ۔ تاکہ سلطان وقت کے خلاف سازش نہ کر سکے ۔

اس سلطان نے چند ماہ سلطنت کی اور اوسکو معزول کر دیا گیا ۔ سلطان عصمت کے لڑکے آتھمن ثانی کو اوسکے باپ کے بعد سلطان نہیں بنایا گیا تھا مگر جب چند ماہ کے بعد مصطفےٰ بالکل بیکار اور برا ثابت ہوا تو مجبوراً اوسکی معزولی کا فتویٰ دیا گیا ۔ اور اوسکے بجائے آتھمن ثانی کو تخت نشین کیا گیا جسمیں سلطان مصطفےٰ نے مطلق عذر نہیں کیا ۔

سلطان آتھمن ثانی ۱۶۱۷ء – ۱۶۲۳ء

آتھمن ثانی نے چار سال تک بادشاہت کی اور اوسکے بعد پھر سلطان مصطفےٰ کو تخت نشین کر لیا گیا ۔ اسکے بعد دیگرے دیوان کے احکامات اور مفتی سلطنت کے فتوؤں نے ایک کھیل سا کرنا شروع کر دیا ۔ خود سلاطین میں کسی قسم کا مادہ نہ باقی رہا ۔ اور بجز اطاعت وزرا و جینسریز کے اونہیں کوئی چارہ کار بھی نہ تھا ۔ سلطان مصطفےٰ کو پھر معزول کیا گیا ۔ نیز مراد چہارم کو اوسکی ماں کی ولائت میں ۱۶۲۳ء میں جبکہ اوسکی عمر صرف بارہ سال کی تھی تخت نشین کیا گیا ۔

سلطان مراد چہارم ۱۶۲۳ء – ۱۶۴۰ء

مراد چہارم کو ۱۶۲۳ء میں جبکہ وہ نابالغ بارہ سال کا لڑکا تھا تخت نشین کرایا گیا اوسکی ماں سلطانہ والدہ اپنے وزرا کے مشورہ سے سلطنت کا کاروبار بحیثیت ولیہ کے انجام دیتی تھیں ۱۶۲۲ء میں جب سر ٹامس رو (Sir Thomas Roe) جو زمانہ شاہ جیمس اول (James I) انگلستان کے سفیر ٹرکی مقرر ہو کر گئے تھے تو اونہوں نے

اوسوقت اپنی ایک تحریر مین لکھا تھا کہ "اسوقت جو کوئی چاہے سلطنت عثمانیہ کو فتح کرلے"
مگر ترکون کی بھی کھوچی خوش قسمتی سے اسوقت اسپین کی حالت ترکی سے بدتر تھی - جرمنی
مین خانہ جنگیان ہو رہی تھین - ترکون کے فتوحات سابقہ اور اونکے جبروت کے باعث کسی
بادشاہ کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ قدم آگے بڑھا سکے - ایک تو عورت کی حکومت - دوسرے وزرا
خودراشی اور بے اعتبار ہوگئے تھے - غرضکہ حکومت اب ہر قسم کی بدنظمی کی برابر شکار ہو رہی
تھی - حقیقتاً تو ۱۵۶۶ء سے لیکر ۱۶۵۶ء تک حرم کا اثر بیحد حکومت پر پڑ چکا تھا - جنیسریز
اور حرمون مین سازش الگ ہوتی اور وزرا سے لیکر تمام اعلیٰ وادنیٰ ملازمین نمک حرامی پر
تیار ہوگئے تھے - سات سلاطین ان اٹھتر (۷۸) سالون مین یکے بعد دیگرے ایسے تخت نشین ہوے
کہ جنہنے تمام ملک مین ہر قسم کی خرابی پیدا کردی - بس سلطان محمد چہارم کے زمانہ مین کچھ انسداد
ہو سکا - گو ۱۶۳۲ء مین جبکہ سلطان مراد چہارم بالغ ہوا تو اوسنے ملک و قوم کی حالت کو
کچھ محسوس کیا اور سب سے پہلے جنیسریز کے آمادون کو خاصی سزائین دین اور بہتون کو قتل ہی
کرادیا - حتی الامکان رشوت و سازشون کا بھی انسداد کیا - فوج نیز انتظام سلطنت کی
درستی کی طرف بھی مشغول ہوا - اور ایران کے مقابلہ مین پھر جنگ کرکے بغداد و ایروان
(Erivan) کے جو دو صوبے اوس کے بلوغ کے قبل کے زمانہ مین بدنظمی وغیرہ سے
نکل گئے تھے اونکو پھر حاصل کرلیا - ملک کو اوسکے زمانہ مین پھر کچھ امن وچین ملنے لگا تھا کہ
۱۶۴۰ء مین اوسکی وفات ہوگئی اور اوسکے بجائے اوسکے بھائی ابراہیم ثانی کو سلطان بنایا گیا
دراصل مراد چہارم نے بیحد آزادانہ طریقہ پر حکومت کی مگر اوسکی عمر ہی نے وفا نہ کی - اوسی کے
زمانہ مین کوچی بے (CoiRiBey) نے اصلاحات کا بل پیش کرکے حکومت کو زوال کیطرف
گویا ڈھیل ہی دیا -

سلطان ابراہیم ثانی ۱۶۴۰ء و ۱۶۴۸ء

سلطان ابراہیم ثانی ۱۶۴۰ء مین تخت نشین ہوا - بیحد کمینہ خصائل اور بزدل شخص تھا -
ظلم و ستم کے سوا اوسے کچھ بھی معلوم نہ تھا - بدکاری کے باعث اوسے قوم نے قتل ہی

کر دیا۔ اوسکی ہشت سالہ حکومت مین اوس نے وہ سب اچہائیان ملیامیٹ کر دین جو اوسکے بھائی مراد چہارم نے کر دکہائی تھین۔

سلطان محمد چہارم سنہ ۱۶۴۸ء تا سنہ ۱۶۸۷ء

سلطان محمد چہارم کو ابراہیم کے قتل کے بعد تخت نشین کیا گیا اوسنے فوراً کیوپریلی ([illegible]) خاندان مین وزارت عظمی کو منتقل کیا۔ اب وزراہی اتفاق سے ایماندار اور سپاہی ملگئے۔ نیز یہ سلطان بہی توجہ سے کام کرنے لگا۔ سنہ ۱۶۶۳ء و سنہ ۱۶۶۴ء مین دو لڑائیان آسٹریا سے ہوئین اِنمین فرانس نے بھی محض تعصب کے باعث سنہ ۱۶۶۴ء مین بمقام سینٹ گوتھرڈ (S.T. gothard) آسٹریا کی شرکت مین ترکون سے جنگ کی مگر ہر دو مین ترک فتحیاب ہوے لیکن اب پھر وزراہی سے سلطنت کا تمام کام سلطان قت لینے لگا اور جنگون مین بہی وہی جاتے سنہ ۱۶۶۴ء کی جنگ کے بعد ٹرنسیلوینیا پر پھر ترکون کا قبضہ ضرور ہوگیا مگر اوسے اب شاہزادہ اے پاقی (Apafy) کو دیدیا گیا۔ ان جنگون کا سہرہ بیشک احمد کیوپریلی کے سر رہا تھا اسکے بعد سنہ ۱۶۶۷ء مین ترکون نے کینڈیا (Candia) کا محاصرہ کامیابی سے کیا اور کریٹ (Crete) پر بہی قبضہ حاصل ہوگیا۔ مگر اب جمہوریہ وینس سے ترکون سے صلح ہوگئی۔ احمد نے سنہ ۱۶۷۲ء مین پولینڈ کے خلاف یوکرین کے کاسکون کی امداد کے لئے فوج روانہ کی اور گو زار روس پولینڈ کا شریک ہوگیا مگر ترک ہی فتحیاب ہوئے اور اوسیوقت ترکون نے پوڈولیا (Podolia) کا صوبہ بہی لے لیا۔ مگر سنہ ۱۶۷۵ء مین پھر شاہ پولینڈ جان سابلیسکی (john Sablaski) نے ترکون سے بمقام لمبرگ (Limbrg) جنگ ٹہان لی اور ترکون کو شکست ہوئی۔ اسکے بعد وزیر احمد کی وفات ہوگئی۔ کیوپریلی خاندان مین اب اٹھائیس (۲۸) سال وزارت رہ چکی تہی اور ہر طرح کی قابلیت۔ دیانت و بہادری سے وزراء نے کام کرکے ملک و قوم کی خدمت کر دکہائی تہی۔ مگر سلطان نے احمد کے بعد کالا مصطفیٰ کو قلمدان وزارت عطا کرنا اب مناسب سمجہا جس نے فوراً ہی ویٹینا (Vienna) پر حملہ کر دیا۔ مگر راستہ ہی مین بعد شکست اوسے قتل کر دیا گیا۔ اور یہ ویٹینا کا محاصرہ بہی سنہ ۱۶۸۳ء مین

ترکون کو اوٹھا لینا پڑا۔ اس شکست کے بعد پھر پوپ نے ۱۶۸۴ء مین ترکون کے خلاف اب
پچھوان جہاد مذہبی تیار کر لیا اور شاہزادہ لورین (Lorraine) آسٹریا نے ترکون کے
خلاف اس جنگ مین بڑا نام پیدا کر لیا۔ اور کروشیا (Crotia) ترکون کے ہاتھ سے
نکل گیا۔ بوڈا پیسٹ بھی ۱۶۸۶ء مین ہنگری کے محاصرہ کر لینے سے لورین کے ہاتھ لگ گیا۔
اگرچہ وزرا ہی جنگ کرتے تھے اور سلطنت کے انتظام کے ذمہ دار تھے تاہم سلطان محمد چہارم
کچھ نگرانی رکھتے تھے مگر اب وہ بھی سیر و شکار مین نیز عیش و آرام مین ایسے پڑ کر غافل ہو گئے
تھے کہ پھر شکستون پر شکستین ہونے لگین۔ حالانکہ ۱۶۸۷ء سے یہ مشغلے زیادہ بڑھ گئے تھے۔
چنانچہ اوسی سال کے شکار مین تیس (۳۰) ہزار کاشتکار مہینون ہانکے کے واسطے پکڑ کر بلائے گئے تھے
یہ شکار ایڈریانوپل اور ٹرنووا (Tirnova) کے درمیان جنگل مین کھیلا گیا تھا جسکے واسطے
ایک لاکھ مارکس کا ٹیکس اوس ضلع پر لگایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہزارون کاشتکار اسکے واسطے
پکڑ کر آئے تھے۔ اور اس شکار مین بکثرت جانین بھی گئین۔ ۱۶۸۷ء مین [illegible] وفات پائی

سلطان سلیمان ثانی ۱۶۸۷ء تا ۱۶۹۱ء

۱۶۸۷ء مین سلطان سلیمان ثانی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہونے لگے [illegible]
اور [illegible] دون افسرون کو قتل کرانا شروع کر دیا جس سے پھر امن کی صورت
پھر نظر آئی۔ اسوقت پھر وزارت کوپریلی اچھے ہاتھون مین تھی لیکن [illegible] سلطان نے ۱۶۹۱ء
مین ایک باقاعدہ فوج [illegible] ہنگری پر روانہ کی کیونکہ [illegible] اور ڈالمیشیا (Dalmatia)
بھی قبضے سے نکل گئے تھے۔ [illegible] کریمیا
(Crimea) کے مقام پر ترکون نے [illegible]
نے ایسی شکست دی کہ جس سے [illegible] اور یونان پر [illegible] قبضہ کر لیا اور [illegible]

بحیرہ میڈیٹرینین سے ترکی بیڑہ جہازات کو بھی دبا کر خارج کرا دیا گیا۔ تب ۱۶۸۹ء میں ایک عام کونسل کل سلطنت کی بمقام ایڈریانوپل طلب کیگئی اور زادے کیوپریلی کو سلطان نے وزیر اعظم مقرر کردیا۔ اوسنے جلد سے جلد ہر طرح کا انتظام نہایت ہی خوش اسلوبی سے کر کے خزانہ شاہی کو پُر کرلیا۔ اور فوج و بیڑہ جہازات کو خاصے طور پر آراستہ کر کے ملک میں تجارتی و مذہبی آزادی کا بھی اعلان کر کے رعایا کو بہمواد کرلیا۔ اور جنگ کا بھی اعلان کر کے بلغراڈ تک کل قبضہ کرلیا۔ اب ۱۶۹۱ء میں سلیمان ثانی کی وفات ہوگئی اور عصمت ثانی تخت نشین ہوا۔

سلطان عصمت ثانی ۱۶۹۱ء سے ۱۶۹۶ء

سلطان عصمت ثانی نے صرف پانچ سال سے کچھ زائد سلطنت کی اور زادے ہی کو وزیر اعظم مقرر رکھا۔ مگر ایک جنگ میں جب وہ مارا گیا اور ترکون کی ہار ہوگئی تو سلطان بھی بیحد دلشکستہ ہوگئے۔ انکو گویا لا الہ باعتبار عینک کا مضمون تھا محض وزرا کے اچھے بُرے ہونے پر سلطنت کا دارومدار رہ گیا تھا۔ سلطان میں کسی قسم کی قابلیت نہ تھی ۱۶۹۶ء میں سلطان عصمت ثانی کی بھی وفات ہوگئی۔ اور اوسکے بعد مصطفٰے ثانی تخت نشین ہوا۔

سلطان مصطفٰے ثانی ۱۶۹۶ء سے ۱۶۹۸ء

مصطفٰے ثانی نے تخت نشین ہوتے ہی آسٹریا پر چڑھائی کردی۔ اور فتح بھی حاصل کرلی مگر شاہزادہ یوجین سیوائی (Eugine Savoy) نے پھر بمقام زینٹا (Zenta) ترکون سے جنگ کی اور اوسکو فتح حاصل ہوئی۔ اس شکست میں چھتیس (۳۶) ہزار ترکی فوج قتل ہوگئی۔ اسکے بعد ایک صلح کی کانفرنس بمقام کارلووٹز (Karlowitz) منعقد ہوئی اور ترکون۔ آسٹریا۔ وینس و پولینڈ کے درمیان پچیس (۲۵) سال کے واسطے صلح ہوگئی یہ امر واقعہ ہے کہ اس سترھوین صدی کے ختم کے قریب بیشک ترکون کو ہنگری خالی کرنا پڑا جبکہ بمقام وئینا انہیں شکست بھی ہوئی۔ اہل آسٹریا نے واقعی باسنیا۔ والڈن (Walden)

اور نش پر حملے بھی کر دئے تھے اور اوسکب (Uskuel) تک مقدونیہ مین پہونچگئے تھے اور ٹرنسلوینیا بھی آسٹریا کے نذر ہو گیا تھا - اب روس مین زار پیٹر اعظم (Peter the great) کا زمانہ تھا اور ہرطرف اوسکی شہ ترکون کے خلاف پڑ رہی تھی - لیکن سلطان مصطفےٰ ثانی نے ازخود تخت سلطنت چھوڑ دیا - اور سلطان عصمت ثالث بادشاہ بنایا گیا - جو سلطان مصطفےٰ ثانی کا بھائی تھا -

سلطان عصمت ثالث ۱۶۹۸ء و ۱۷۳۰ء

سلطان عصمت ثالث کی تخت نشینی کے بعد زار روس نے شاہ سویڈن چارلس دوازدہم (Charles XII) کو بمقام پلٹووا (Pultowa) جنگ مین شکست دی جسپر شاہ چارلس بھاگ کر سلطان ترکی کی عملداری مین پناہ گزین ہوا - اور زار روس نے اوسکی واپسی کا سلطان عصمت سے مطالبہ چاہا - مگر سلطان نے انکار کیا - اسپر زار روس نے ۱۷۱۱ء مین اعلان جنگ کر دیا - اور بمقام پرتھ (Purth) ترکی افواج نے خود زار روس کو گھیر لیا مگر اوسکی ملکہ کیتھارائن (Catharine) نے رشوت وغیرہ دیکر اور خدا جانے کن کن قبیح حرکات سے فوج کو مع زار روس کے قتل و غارت سے بچا لیا - اور صلح بھی کر لی گئی - دراصل روس سے ۱۶۹۸ء ہی سے بلکہ اوس سے بھی قبل سے بہت زیادہ مخالفت بڑھنے لگی تھی کیونکہ زار روس کی حرص و طمع اور خود غرضی کے باعث ہر طرف سے اوسکی نیت خراب ہو رہی تھی - اب پیٹر اعظم کی یورپ بھر بڑی قدر کر رہا تھا اور اوسکا سکہ بھی ہر جگہ جما ہوا تھا - بلکہ شاہ پیٹر اعظم نے جب اپنا اختلاف ترکون سے ظاہر کر دیا تھا تو یونانیون تک کو اسکا یقین ہو گیا تھا کہ اونکی کھوئی ہوئی بازنطینیہ کی حکومت بھی پھر اوسکے ہاتھون یونانیون کو ملجاویگی - حالانکہ اس صلح پرتھ سے روس کی حکومت کی انتہائی ذلت بھی دنیا مین ہو گئی تھی -

ترکون کا جبروت اب بھی اونکی بہادری کے باعث اتنا قائم تھا کہ کوئی سلطنت اُنکی طرف قدم نہ بڑھا سکتی - چنانچہ ۱۷۱۵ء مین ترکون نے کارنتھ (Cn..th) کا محاصرہ کر کے اوسے فتح بھی کر لیا - اور وینس کی کسی قسم کی امداد یونان تک نے ترکون کے ڈر کے مارے

نہ کی۔ اسی محاصرہ کے سلسلہ میں ترکون نے موریہ (MOREA) پر بھی حملہ کرکے قبضہ حاصل کرلیا تھا۔ محاصرۂ کارنتھ کا ذکر انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ بائرن نے اپنی ایک نظم مین کیا ہے۔ کیونکہ لارڈ مذکور یونانیون کے بڑے ہمدرد تھے۔ دراصل اس وقت یونانیون کو وینس والون سے سخت نفرت تھی۔ اور اسی سے وہ کسی قسم کی اُن کی مدد کے لیے تیار نہ ہوے۔

ٹرکی مین اب وزرا بھی و دیوان کی ذمہ داریون کو محسوس کرکے خاص خاص کامون مین صلاح لے رہے تھے اور مشورت سے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا رہے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جنگون مین بھی کامیابی ہوئی اور ملک مین کسی قسم کی بد امنی بھی نہ ہوئی۔ مگر خود سلطان کے حملون مین بہ شرکت کرنے سے شکست ہی کا منہ بعض اوقات دیکھنا پڑتا۔ مثلاً اسی وقت جبکہ ترکون نے کارفیو (CORFU) و دیگر جزائر کو فتح کیا تو شاہ آسٹریا چارلس چہارم (CHARLES IV) باوجود صلح کارلووٹز بدعہدی پر تل گیا اور ہارج ہونے لگا۔ اس پر ترکون سے اور آسٹریا سے دیوان کی منظوری سے ۱۷۱۶ء مین جنگ ہوگئی لیکن ترکون کو اس مین شکست ہوئی۔ تب تو ۱۷۱۷ء مین پرنس یوجین سوائے۔ نے بھی موقع پاکر بلغراڈ پر قبضہ کرلیا۔ بارے انگلستان و ہالینڈ نے درمیان مین پڑکر صلح پلیسیرووچھ (PISSOROWITCH) ۱۷۱۸ء مین اس طرح کرادی کہ ٹرکی کو کل ہنگری سے دست بردار ہونا پڑا اور وینس و آسٹریا کو نہ صرف مغربی حصص حکومت ترکیہ دینا پڑے بلکہ لوی پندرہ (LUIS XV) شاہ فرانس کے حق مین فرمان شاہی ہوکر کیتھالک عیسائیون کو بیت المقدس کے مزار مقدس کا بھی قبضہ دیا گیا۔ دراصل اب ترکون کا اصلی زوال شروع ہوگیا تھا۔ اور اُسوقت سے ترکی فوج کا وہ جبروت و قہر آلود دبدبہ جو یورپ کے بچے بچے کے دل مین تھا اور جنکے نام سے بچون کو دہشت دلاکر بلکہ یہ کہکر کہ ترک آگئے ڈرایا کرتے تھے وہ سب فنا ہونے لگا۔ اب تو دراصل ترک محض اپنے بچاؤ کے واسطے صرف جنگ کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ آگے بڑھکر اور حملے کرکے فتوحات کا زمانہ اب نہ رہا تھا۔

روس ٹرکی میں اب کہ نہ میل تھا چنانچہ ۱۷۲۳ء میں روس نے ترکوں کو مجبور کرکے شمالی حصہ سلطنت ایران کی تقسیم آپس مین کرلی۔ جس سے ترکون کو صرف جارجیہ۔ ایریوان۔ تبریز و باکو ہی پر صرف قناعت کرنا پڑی۔ اس کے بعد پیٹر اعظم کی وفات ہوگئی اور ملکہ آین (ANNE) روس مین

تخت نشین ہوئی مگر اب سلطنت عثمانیہ مین بھی پھر گڑبڑ شروع ہوگئی۔ اور جنیسریز نے بغاوت کی نیز ملک وقوم نے چند وزراء کے قتل کیے جانے کا مطالبہ کیا جس مین سے کپتان پاشا سلطان کا ایک داماد بھی تھا۔ سلطان کے تخت سے دستبردار ہونے کی بھی خواہش کی گئی۔ اس پر سلطان نے تخت سے دست برداری کے مطالبہ کو فوراً منظور کرلیا۔ اور اپنے بھتیجے محمود کو ۱۷۳۰ء مین بادشاہت سپرد کردی اور خود علیحدہ ہوگیا۔ یہ محمود سلطان مصطفٰے ثانی کا بیٹا تھا۔

سلطان محمود ۱۷۳۰ء سے ۱۷۵۴ء

سلطان محمود نے چوبیس سال حکومت کی اور ۱۶ سولہ وزیر اعظم اس کے زمانہ سلطنت مین تبدیل کیئے گئے یہ سلطان اپنے خواجہ سرا البشیر کے ہاتھ مین تھا جو بھی وہ چاہتا کرالیتا۔ اب ایران مین نادر شاہ کا زمانہ آگیا تھا چنانچہ اس نے ترکون سے ۱۷۳۳ء سے ۱۷۳۵ء تک جنگ جاری رکھکر تمام وہ صوبے جو ایران سے نکل گئے تھے سب واپس لے لیئے اور ترک صلح ہی پر مجبور ہوئے۔ کیونکہ ۱۷۳۵ء ہی مین روسیون نے بھی کریمیا (CREMIA) پر حملہ کردیا تھا۔ دراصل تو تجارتی حقوق کے حصول کے لیئے کچھ عرصہ سے جنگون کی ابتدا اب ہونا شروع ہوگئی تھی۔ مگر مذہبی پٹ بھی کچھ نہ کچھ نکال لی جاتی تھی۔ اور روسی تجار کی ترقی کا خطرہ انگریزی لیوانٹ (LEVANT) کو جس کے ہاتھ مین اس وقت مشرق قریب کی تجارت بہت کچھ تھی اٹھارہوین صدی کی ابتدا ہی سے نظر آگیا تھا۔ بلکہ سلطان وقت پر بھی برطانیہ کے سفیر نے روس کے تجارتی و مذہبی دونون اثرون کے عیسائی رعایاے سلطانی پر تیزی سے بڑھنے کا خطرہ ظاہر کردیا تھا۔

۱۷۳۶ء سے لیکر ۱۷۳۹ء تک روس اور آسٹریا نے ملکر کچھ حصے سرویا نیز بوکوینا (BOKOVINE) اور باسینا کے حاصل ہی کرلیئے۔ گو شاہ جوزف ثانی (JOSEPH II) آسٹریا کی موت نے ترکون کو جنھین اب یورپ مین "مرد بیمار" کا خطاب مل چکا تھا کچھ موقع ضرور زندگی کا دیدیا کیونکہ آسٹریا کی توجہ اب مشرق سے مغرب کی طرف منعطف ہوگئی تھی۔ اور اسی اٹھارہوین صدی مین بلقان کی کاروائیان بھی بہت گرم ہوگئی تھین۔ حالانکہ ۱۷۳۶ء سے ۱۷۳۸ء تک روسیون و آسٹریا

ہی نے شرکت کرکے ترکون پر حملے پر حملے بھی کرنا شروع کردیئے تھے۔ جس سے ملک مین بدامنی پھر پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ دیگر عیسائی سلاطین یورپ کے پاس روس و آسٹریا نے ترکون کے خلاف ایلچی و پیغامبر بھیجکر اُن کو بھی ورغلانے کی کوشش شروع کردی تھی اور خود ترکی کی عیسائی رعایا کو بھی خفیہ طریقون پر بھڑکانے و بلوؤن پر آمادہ کرانے مین کوئی کسر باقی رکھی تھی جس سے لوٹ مار بھی ملک مین ہونے لگی۔ ان حالات کو دیکھکر ترک پھر مرنے و مارنے کے لیئے دل وجان سے تیار ہوگئے۔ جب بمقام کروٹزکا (KROTZKA) پر ترکون نے آسٹریا کو سخت شکست دی۔ اور بلغراد۔ وحصص سرویا۔ باسنیا اور بڑا حصہ ولاشیا پھر فتح کرلیا اور ان پر قبضہ بھی کرلیا تو زارینۂ روس نے بھی کریمیا۔ مالڈیویا اور آکسز یکافف (OCZAKOFF) سے شہر ترکون کو خاموشی سے نذر کرنے مین عذر نہین کیا اور کرتی بھی تو کیا کیونکہ یہ ایسی شکست آسٹریا و روس کو ہوئی تھی کہ جس سے اُس کی بحری فوج نہ بحیرۂ اسود مین ترکون نے باقی رکھی اور نہ بحیرۂ ازاف (AZOFF) مین بلکہ شہر ازاف کو ویران کرکے ایک جنگل کے طور پر ترکی و روسی حکومتون کے لیئے حد فاصل بنا دیا گیا۔ اس وقت دراصل یورپ نے ترکون کی بہادری اُن کی شرافت اور بے تعصبانہ برتاؤ کو مان تو لیا لیکن اُن اوصاف سے خاصہ نفع بھی اُٹھایا۔ اگر عیسائی حکومتون کی طرح اس وقت ترک بھی متعصب ہوجاتے اور جوش مذہبی دکھلاتے تو یورپ کا نقشہ وہ نہ ہوتا جو اس کے بعد قائم رہا۔ مگر پورٹی یعنی حکومت عثمانیہ اور اُس کے سلطان نے دوسرون کی کمزوری سے کوئی بھی نفع کبھی نہ اُٹھایا اور کینہ پن کو دوسرون کی طرح دخل نہ دیا۔ ورنہ جس طرح ترک چاہتے شرائط صلح پر روس و آسٹریا سے دستخط کرا لیتے اور جہانتک اپنی سلطنت بڑھانا چاہتے بڑھا لیتے۔ نیز اپنے دونون دشمنون کی افواج اور ان کی سلطنتون کو بالکل برباد کردیتے کیونکہ سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۸ء تک آسٹریا مین پورے طور پر پھر خانہ جنگی بھی رہی تا آنکہ صلحنامہ ایلا سیپل (AIXLA-CHAPELLE) ہی سنہ ۱۷۴۲ء نہ ہوگئی۔ اور اب ملکہ میریا تھریسیا (MAREA THRESA) مین آسٹریا کے تخت پر تھی نیز یورپ کی آپس کی جنگ ہفت سالہ (SEVEN YEARS WAR) وغیرہ نے کل یورپ کو کمزور بھی کردیا تھا حالانکہ اسی ہفت سالہ جنگ کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ

برطانیہ کی بحری قوت اس قدر کامیاب ہوگئی اور بڑھ گئی کہ سب منہ دیکھتے رہ گئے اور جس کا اثر تمام دنیا پر پڑا اور آئندہ کے واسطے بھی برطانیہ کا ستارۂ اقبال اسی کی بدولت دنیا نے دیکھ لیا کہ کہاں سے کہاں پہونچا۔ شمالی امریکہ و ہندوستان سے فرانس کا اخراج کیا گیا۔ پرشیا نے بھی فرانس کی مالی حالت کو برباد کر دیا۔ اس ہفت سالا جنگ میں انگریز۔ ملکہ روس اور پرشیا جہان فریڈرک اعظم کی حکومت تھی ایک طرف تھے اور آسٹریا و فرانس دوسری طرف۔ چنانچہ ۱۶ ار جنوری ۱۷۵۶ء کو اس جنگ کی صلح ولسیٹ منسٹر (WESTMINISTER) کے نام سے ہوگئی تھی مگر ترکون نے کچھ بھی ان واقعات سے نفع نہ اٹھایا اور اپنے تمام معاہدون کی عزت کی اور بادشاہ کی زبان و قلم کی عزت ہی ہمیشہ مدنظر رکھی۔ کسی معاہدہ کو توڑنا یا کمزور دشمن پر حملہ کرنا ترک جیسی بہادر قوم کے لیے سخت باعث ننگ تصور کیا گیا تھا۔ اب یہ کہ کوئی اس وقت بیٹھکر اُن کو بے عقل یا غلط کار سے کہے اس کا بیشک اُسے پورا اختیار ہے مگر مسلمان ترکون کو اس کے بعد بھی اگر متعصب و ظالم کہا جائے تو کون صحیح مان سکتا ہے اس کا فیصلہ دنیا خود ہی بخوبی کرسکتی ہے۔ اب ترکی وزارتون کا بھی یہ حال تھا کہ ۱۷۵۱ء میں قاہرہ کے پاشا نے وہان کی صوبہ داری دو لاکھ کی تھیلیان نذر دیکر وزیر اعظم سے خریدی کی تھی پھر ۱۷۵۴ء میں جب سلطان محمود کی وفات ہوگئی تو سلطان عثمان ثانی کو تخت پر بیٹھا لا گیا۔

سلطان عثمان ثانی ۱۷۵۴ء ۱۷۵۷ء

عثمان ثانی نے صرف تین سال تک سلطنت کی۔ حرم کی زندگی کا ایسا بُرا اثر اب سلاطین پر ہورہا تھا کہ نہ رعایا ہی اُن سے واقف ہوتی اور نہ وہ ملک و قوم کے حالات سے زائد دلچسپی لیتے بس دیوان ہی اب پوری حکومت ہوگئی۔ اور اس میں بھی وزیر اعظم کی رائے کے سب تابع ہوتے۔ قلمدان وزارت کے حاصل کرنے کے واسطے بھی حرم میں اثر پیدا کرنے کی ضرورت تھی اور اس میں بڑی بڑی سازشین ہوجاتیں اُدھر یورپ کی ہفت سالا (SEVEN YEARS WAR) جنگ کے بعد پھر وہان سب حکومتون نے کروٹ لی اور اپنا اپنا جال دربار سلطانی نیز حرم شاہی میں پھیلانا شروع کردیا۔ مگر سلاطین ترکی میں جو بھی اب تخت نشین ہوتے

وہ محض ناتجربہ کار ہوتے اور گویا قید کے پنجرے سے نکل کر ایسی دنیا مین آتے کہ ہاتھ پیر ہلانے مین بھی وہ دوسرون کے محتاج ہوتے۔ نہ وزرا سے اختلاف کی قابلیت ہوتی۔ نہ فوج کی ترتیب یا اُس کی کمان کا سلیقہ معلوم ہوتا۔ نہ عوام ملک ہی سے کسی موقع پر دوچار ہونے کی گنجائش نکلتی۔ بس جو کچھ وزیر اعظم کہتا اُس مین کچھ بھی چون و چرا نہ کر سکتے وزیر اعظم ہی تمام پروگرام زندگی کا بنا دیتا اور اُس سے اختلاف کرنا ہر طرح سلطان کے واسطے خطرناک ہوتا۔ سلطان عثمان ثانی تو اورون سے بھی زائد نابلد محض اور کمزور تھا۔ اور کوئی بھی واقعہ اُس کے عہد مین ایسا نہ ہوا کہ جس کا ذکر تاریخ مین تحریر کے قابل ہو۔ بس صرف یہ ضرور ہوا کہ یورپ کی کمزوری سے کسی قسم کے حملے وغیرہ دوسرون نے بھی اس کے عہد مین نہین کیے۔ حالانکہ اگر ترک اور اس کا سلطان اُس وقت چاہتا تو بہت کچھ فتوحات کی بھی آسانی تھی۔ مگر وہ کس طرح ہوتی جبکہ عیش و عشرت سے فرصت نہ تھی اور وزرا بھی سپاہیانہ اوصاف سے متصف نہ چنے جاتے۔ اُن کا چننے والا ہی جب غافل اور نااہل ہوتا تو کسی بہتری کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ تاہم اس سکون و خاموشی کے زمانہ مین روس اور انگلستان نے پھر اپنی حالت کو بہت کچھ سنبھال لیا تھا۔ اور اب اُن کے کھیلون کا وقت قریب تھا۔ دراصل نہ ملک ہی مین نہ باہر کسی کے لیے عثمان ثانی کی ہستی محسوس کی اور اُس کی وفات پر ۱۷۵۷ء مین مصطفیٰ ثالث تخت نشین ہوا۔

سلطان مصطفیٰ ثالث ۱۷۵۷ء تا ۱۷۷۳ء

مصطفیٰ ثالث بھی اپنے چند اسلاف کی طرح دماغی جمود لیکر دنیا مین آیا تھا اور حرم کے تمام قیود کے باعث ہر قسم کی تعلیم و حکمرانی کی تربیت سے محروم ہو کر محض ایک کاٹھ کا پتلا ہی دکھلائی پڑتا تھا۔ پھر سلطنت کی صلح کُل اور محض بچاؤ کی پالیسی سے دوسری حکومتون کی ہمتین اب بہت بڑھ رہی تھین۔ جبتک ترک اپنی بہادری اور فوری حملہ آوریون سے اپنے ہمسایون کی سرکوبی کرتے رہتے تھے اُس وقت تک معاملات درست رہتے تھے۔ مگر جبکہ صرف وقتی بچاؤ کے واسطے فوج طلب ہوتی تو اُس مین بھی جمود اور آرام طلبی کی تمام برائیان پورے طور پر نظر آجاتین۔ اب اٹھارھوین صدی کے درمیانی حصہ مین جبکہ روسی تجارت و سیاسیات کا

حدسے برطانیہ کو کم ہونے لگا تو فرانس اُس کا حریف مقابل بننے لگا۔ ۱۷۷۰ء مین روس کی وہ بحری فوج جس نے کہ ترکی کی بحری فوج کا تقریباً خاتمہ کر دیا تھا وہ بھی بہت کچھ برطانوی افسرون کی نگرانی مین آگئی تھی۔ بدقسمتی سے اسی سال ایران کے حصص جو ترکون کے قبضہ مین تھے وہ بھی نکل گئے۔ نیز مصر مین بلوے ہوگئے اور کریمیا مین روس کی امداد سے تاتاری آزاد ہوتے گئے۔ اور اب گویا زوال حکومت کے سب سامان نظر آنے لگے۔ اور نئے نئے دوست دشمن بننے لگے۔ اور بیرون ملک ہی سے ترکی سیاسیات کا خاکہ ڈھلنے لگا۔ اُدھر روس مین اب ملکہ کیتھرائن ثانی اور پرشیا مین فریڈرک اعظم سے زبردست حکمرانی کرنے والے تخت سلطنت پر آگئے تھے۔ ان دونون نے ایک دوسرے کی امداد کا بھی معاہدہ کر لیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونون نے ملک پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ اور گویا صلحنامہ بلغراد کو پورتی کے نزدیک توڑ دیا گیا۔ تب ترکون نے پھر اپنا دیوان ۱۷۶۸ء مین منعقد کیا تا کہ حالات موجودہ کے لحاظ سے قومی و ملکی حالات پر غور کیا جاوے اور بچاؤ کے [illegible] خاص طرف کے حملے کے متعدد مقامات پر افواج کو بغرض حفاظت روانہ کیا گیا۔

برطانوی بیڑہ جہازات بھی اب زور پکڑنے لگا تھا۔ اور اس سے روسیون وغیرہ کو خاصی امداد پہونچنے لگی تھی۔ چنانچہ روسیون نے اب سب طرف فتوحات پر کمر باندھ لی۔ اور ۱۷۷۱ء تک اُن کی فتوحات خاصی طرح نمایان ہوگئین۔ کہین کہین ترکون سے مقابلے ہوتے اور بند بھی ہو جاتے۔ بالآخر بمقام کوراسن (KORASON) ۱۷۷۳ء مین بہت بڑی جنگ ہوئی اور اسمین ترکون کو سخت شکست ہوگئی۔ اسی سال سلطان مصطفےٰ ثالث کی وفات ہوئی اور عبدالحمید اول کو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان عبدالحمید اول ۱۷۷۳ء-۱۷۸۹ء

عبدالحمید اول کی تخت نشینی کے بعد جب روسیون نے تاتاریون کی خاصی مدد کرنا شروع کر دی تو ۱۷۷۴ء مین ترکون نے روس سے صلح کنیارڈ جی (KANARD Ji) کر لی مگر روس نے پھر بھی تاتاریون کو ترکون سے آزاد کرا دیا۔ اور قسطنطنیہ مین بھی عیسائیون اور اُن کے معابد کے متعلق روسی سفیر متعینہ قسطنطنیہ کو یہ حق حاصل ہوگیا کہ باب عالی یعنی پورٹی کے

حضور میں معروضات یا عذرات وغیرہ کر سکے نیز روس کا اثر بحیرۂ اسود میں بڑھ گیا۔ فرانس نے بھی اس صدی میں دوستانہ تعلقات کی تجدید کی کوشش تو کی مگر سفیر فرانس نے سرویہ کی بغاوت پر اُسے ہیں پشتون تک کے لیئے ترکون کے قبضے میں جانے سے بچا لیا تھا نیز آسٹریا کو بھی شہ بات دی تھی اسی پر ۱۷۷۴ء میں روس نے دربار سلطانی میں فرانس کی جگہ تو لے لی اور روس و ترکی میں پھر دوستانہ تعلقات بڑھنے لگے۔ اور اب گو عرصہ سے تمام یوروپین حکومتون کو کچھ کچھ تجارتی حقوق سلطنت میں حاصل ہو رہے تھے اور وہ بھی محض وزرا کی رشوت ستانی اور سلطان کی کمزوریون سے مگر یہ حق جو روس کے سفیر کو دیا گیا اُس نے تو اب سے ستم ہی ڈھانا شروع کر دیا۔ دراصل تو کسی قسم کے تجارتی و مذہبی حقوق کا حاصل ہونا جنکو کیپی ٹولیشن (CAPITULATIONS) کہتے ہین اکثر کے باعث بدمزگی ہی ہوتا ہے اور جھگڑے بڑھنے ہی لگتے ہین۔ تاہم اب فرانس۔ انگلستان اور روس کو بہت قسم کے حقوق سلطنت ترکیہ میں حاصل ہو چکے تھے اس سے اندرون ملک ہر طرح کی ریشہ دوانیان بھی اُن کے لیئے آسان ہو گئی تھین اور مختلف ممالک کے مذہبی مشن اور تجارتی کمپنیان بھی قائم ہو کر ترک گویا ایک طرح پر اخلاقاً پابند ہو چکے تھے اور اُنکو ابتدا مین اندیشہ کے کوئی خاص اسباب بھی نہ معلوم ہوئے تھے۔ لیکن ان سب کا جال اندرون ملک اب اچھی طرح پختہ ہو چکا تھا اور معاہدون کے باعث زیادہ جانچ و پڑتال بھی ہوتی تھی مگر اس وقت تک سی آئی۔ ڈی یعنی خفیہ کا محکمہ پورے زور زورون مین کام نہین کر رہا تھا جس سے حالات معلوم ہوتے رہتے اور دراصل تو ۱۸۰۰ء ہی سے زوال سلطنت کے آثار پورے طور سے نمایان ہو چکے تھے

بیرون ملک ملکہ کیتھرائن روس سی من چلی شخصیت سے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ نچلی بیٹھتی اُسنے پہلے تو تاتاری خوانین کے آپس میں جنگ کرا دی اور آزاد بھی کرا دیا تھا۔ پھر شورش و فسادات کے بہانے سے کریمیا پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ حقیقتاً اب یورپ مین بیشتر سی بہادری اور شجاعت و مردانگی کے اوصاف کم ہو رہے تھے۔ کیونکہ آلات حرب مین توپ وغیرہ کے اضافہ سے شجاعت اور مردانگی وغیرہ کی گنجائش کم ہو گئی تھی۔ اور دماغی ذہانت کے سبب جنگون مین فریب و چالاکی نیز دھوکا دھڑی اور چکمہ بازی کی طرف رجحان زائد ہونے لگا تھا بلکہ دو کو لڑا کر نفع اُٹھانے کا سبق بڑے سے چھوٹے تک پڑھنے لگ گئے تھے اور اپنے سے کم متمدن اقوام و ملکون مین

پہونچکر بجائے اُن کی تعلیم و تربیت کو بہتر بنانے کے اُنھیں آپس مین لڑوانے کی طرف ابتداہی سے
متوجہ ہو جاتے اور اپنے تجارتی حقوق کے حصول کی طرف بھی زائد کوشش کرتے۔ جیسے ہی ایسے
حقوق حاصل ہوتے اُس ملک مین اپنی دولت کے زور سے نیز چالاکی و ہوشیاری سے اہل ملک
کو آپس ہی مین لڑا دیتے۔ جب مقامی لوگ لڑ بھڑ کر کمزور ہونے لگتے تو اپنا سکہ جما کر اور دھمکی
وغیرہ دیکر بڑے سے بڑے حقوق حاصل کر لیتے۔ رفتہ رفتہ اہل ملک بلکہ حکومتون کو اُنھین کی
دولت گھسیٹ کر اور اُنھین کے آدمیون و رعایا کی مدد سے قابو میں لے آتے۔ اور
اسی طرح کی دیگر کارروائیان کر کے مقامی لوگون کی تمام بہادری وغیرہ جو آزادی کی بدولت
اُن کو نصیب تھی اُس کو فنا کرا دیتے۔ اور جہان کہیں بے ہتھیار کرپاتے وہان تو پھر کچھ کہنا ہی نہین
سب کچھ کر گذرتے۔ چنانچہ ایسی پالیسی ترکون کے ساتھ بھی دیگر اہل یورپ نے اس وقت عمل
مین لانا شروع کر دی اور تاتاری خوانین کے ساتھ تو روس یہ عمل کر ہی چکا تھا تب تو سنہ ۱۷۸۳ء
مین شاہ جارجیہ ہیرکلیس ثانی (HERAKLIUS) اور ملکہ کیتھرائن روس کی آشنائی و میل جول سے
روس نے گورجستان کو بھی اپنا محفوظہ بنا لیا۔ اور کریمیا پر قبضہ کر کے آسٹریا سے سازش کی تھی
اور سلطنت عثمانیہ کی تقسیم کا بھی ایک نیا خاکہ تیار کیا۔ جس کی اطلاع ترکون کو ہو گئی تو ۱۷۸۷ء
مین روس و ترکی سے پھر جنگ چھڑ گئی۔ مگر سرف شاہ فریڈرک اعظم جرمنی نے آپس کے
رشک و حسد سے اپنی شروع حکومت سے ترکون سے ظاہرا دوستی کر رکھی تھی اور آسٹریا کے
خلاف ترکون ہی کو اپنا آلہ کار بنا رکھا تھا۔ بلکہ فریڈرک ولیم ثانی نے ہالینڈ۔ برطانیہ و جرمنی
کا ایک اتحاد ثلاثہ بھی بنوا دیا تھا جو سنہ ۱۷۸۸ء سے لیکر سنہ ۱۷۹۱ء تک قائم رہا تاکہ روس و آسٹریا
کے اتحاد سے یہ دونون تنہا ترکی مین پورا اثر نہ پھیلا سکین جس سے ایک طرح پر ترکون کو وہ نقصان
نہ پہونچ سکا جس کا کہ روس نے خواب دیکھا تھا۔ حالانکہ اُسی لیے سنہ ۱۷۸۸ء مین آسٹریا نے
بھی جنگ مین ترکون کے خلاف شرکت ہی کر لی تھی۔ تاہم بمقام مینڈیا (MENDIA) بمقابلہ روس
و آسٹریا ترک فتحیاب ہو گئے۔ اب سنہ ۱۷۸۹ء میں سلطان عبد الحمید اول کی وفات ہو گئی اور سلیم ثالث
جو مصطفےٰ ثالث کا بیٹا تھا اور خاندان مین سب سے بڑا تھا اُسکو تخت نشین کیا گیا۔

سُلطان سَلیم ثالث

۱۷۸۹ء-۱۸۰۸ء

سلیم ثالث کے والد مصطفیٰ ثالث نے ایک تحریر چھوڑی تھی جسکو سلیم نے اپنی سرگلیو (Seraglio) کی قید میں محض اتفاق ہی سے پاکر خوب اچھی طرح خفیہ طور پر پڑھا تھا۔ اور حسن اتفاق سے زمانہ ولیعہدی میں اُسپر اوس طرح کی سختیاں وبیجا زیادتیاں بھی نہ ہونے پائی تھیں جیسے کہ اوس سے بیشتر کے ولیعہدوں کو نصیب ہو چکی تھیں۔ نیز یہ خود بھی فطرتًا بہادر واقع ہوا تھا۔ سلیم ثالث کو باپ کی تحریر میں کچھ ہدایات بھی لکھی ہوئی ملی تھیں۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اوسنے فوج کی طرف سب سے پہلے توجہ کی اور تھوڑے عرصہ میں اوس کی درستی کر لی۔ خزانہ شاہی کے پر کرنے کی طرف جب خیال کیا تو مشکلات نظر آئیں مگر علاوہ معمولی ومخصوص دیگر صورتوں کے اختیار کرنے کے اوسنے سونے وچاندی کے تمام سامانوں کو جن پر اوس کا دسترس ہو سکا سکہ خانہ میں پہونچا دیا۔ مستورات محل سے بھی قیمتی سامان وجواہر حاصل کر کے خزانہ شاہی کو بھر لیا۔

آسٹریا نے اس سلطان کے ابتدائی زمانہ میں کچھ اور فتوحات حاصل کر لی تھیں۔ جن سے روس اور آسٹریا کے آپس میں کچھ اَن بن بھی ہو گئی تھی۔ پھر عام طور پر یورپ میں حسد و رشک آپس میں بڑھ بھی چلا تھا اور یہی دراصل ہمیشہ ترکوں کی بہت کچھ بچت کا باعث ہوتا رہا۔ انگلستان کے دارالعوام میں مسٹر ولیم پٹ (Mr William Pitt) اور چارلس فاکس (Charles Fox) کی آپس کی مخالفت بھی ترکوں کے واسطے کچھ نہ کچھ معاون ہو گئی ولیم پٹ تو ترکوں کے موافق تھا اور فاکس روس کے۔ فاکس کی دلیل یہ تھی کہ روس سے مخالفت میں انگلستان کا بھی بھلا نہ ہوگا۔ اور پٹ اس پر مصر تھا کہ صوبہ اوکزیکاف (Ukzakaf) جس پر روس نے خلاف معاہدات قبضہ کر لیا تھا۔ فوراً ترکی کو روس سے واپس کرا دینا چاہیے

اور ترکی ہی سے دوستی میں انگلستان کا نفع ہے۔ چنانچہ پٹ کو اپنی پالیسی کی
تائید میں دارالعوام (Parliament) انگلستان میں کامیابی بھی ہوئی۔ اور
۱۷۹۰ء میں ولیم پٹ کا تو مستقل ارادہ بھی ہوگیا تھا کہ اگر عام رائے ملک کی اوس
کا ساتھ دیتی تو وہ ترکی کو اپنا دوست بنا کر روس پر حملہ بھی کر دیتا۔ مگر فرانس کے
حملۂ مصر نے روس۔ برطانیہ و ترکی کو فی الوقت ملا دیا۔ اور گو ۱۷۹۱ء میں ترکی و
روس سے پھر جنگ ہوگئی اور بمقام باباٹاگ (Babatagh) ترک ہار بھی
گئے تاہم ۱۷۹۲ء میں بمقام جیسی (Jassy) دونوں میں صلح ہوگئی۔ اور ڈینسٹر
(Deniester) تک روس کو قبضہ بھی دیدیا گیا۔ جو سب اس کا ثبوت ہے
کہ خفیہ معاہدات سے عیسائی حکومتیں یکدل تھیں اور ہر طرح ترکی کے نقصان پر آمادہ
جب موقع ہوتا کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کو دلوا ہی کر رہتیں۔ دراصل تو روس عرصہ
سے اس فکر میں تھا کہ قسطنطنیہ میں ترکوں کے بجائے یونانیوں کی حکومت کرا دے
اور اسی لئے ترکوں کو سب طرح سے تنگ کر رہا تھا۔ مگر اب یورپ میں نپولین
فرانسیسی (French Napolaan) کے خطرے اور جنگوں نے ایک نیا انقلاب
ہی رونما کر دیا جس سے سلطان سلیم ثالث کو بھی اپنی سلطنت میں اپنی مرضی کے
مطابق انتظامات وغیرہ کا پورا موقع مل گیا۔ فرسودہ و پرانے طرز کی افواج پر سلطان
ترکی کو بھی اب بھروسہ نہیں رہا تھا۔ لہٰذا ایک نئی فوج "نظام جدید" کے نام سے
اوس نے تیار کر لی۔ بلکہ فوجی تعلیمات کے لئے مدارس بھی مختلف قسم کے اوس نے
کھلوا دیئے۔ جس میں ایک انجینیری کا بھی مدرسہ تھا اور اوس میں وہ خود بھی پڑھاتا
تھا۔ صوبہ جات میں انتخابی طریقہ پر کونسل وغیرہ کے قیام کی بھی اوس نے کچھ کوشش
کی۔ مگر ان امور سے پرانی فوج کے افسر وغیرہ اور صوبہ کے گورنر اوس سے ناراض
ہوگئے۔ لیکن اب ایک مدت کے لئے سکون بھی ترکوں کو نصیب ہوا۔ خود نپولین
نے سفرا بھیجکر ہر جگہ ترکوں کے خلاف بھی عیسائیوں کو اکسانے اور امداد کا وعدہ
کر کے فائدہ اٹھایا۔ [illegible] کوئی کسر نہ باقی رکھی تھی بلکہ جزائر آیونین (Ionian)

پر ۱۷۹۸ء میں فرانس نے قبضہ کرلیا۔ اور خود نپولین نے مصر پر حملہ کردیا تھا۔ مگر ترکوں کی خوش نصیبی سے خلیج ابوکر (Abou Kar Bay) پر نلسن (Nelson) کی بحری فوج نے جب یکم اگست ۱۷۹۸ء کو فرانس کو وہ یادگار شکست دیدی جس سے کہ انگلستان کی قسمت کا ستارہ چمک اوٹھا اور فرانس کچھ عرصہ کے لئے ذلیل ہوگیا تو ترکی کی جان پھر کچھ دنوں کے لئے بچ گئی۔ اسکے بعد روس انگلستان و ترکی میں ایک معاہدہ ہوگیا اور سب مل کر فرانس ہی سے جنگ میں جٹ پڑے۔ یورپ میں اب سلطنت ترکی کی تقسیم کا خاکہ نپولین ہی نے اپنی ایک ملاقات میں جو اوسنے زار روس الیگزینڈر اول (Alexander I) سے بمقام ٹلسٹ کی تھی بیان کیا تھا۔ اوسکے ذریعہ سے بس اربیہ (Bas Arabia) مولڈیویا (maldavia) ولاشیا (vallachia) اور شمالی بلغاریہ تو روس کو ملتے تھسلی (Thessaly) والبانیہ فرانس کو اور کچھ حصہ باسینیا و سربیا کا آسٹریا کے نذر کیا جاتا۔ لیکن زار روس نے قسطنطنیہ ہی کے لینے پر اصرار کیا۔ جس پر نپولین نے نقشہ میں قسطنطنیہ پر اونگلی رکھ کر غصہ میں کہا کہ "قیامت تک یہ نہیں ہوسکتا یہ جسکے پاس ہو وہ دنیا کی سلطنت کا مالک ہوگا" اور معاملت ختم ہوگئی۔ پھر نپولین ہی نے شاہ آسٹریا سے ایک معاہدہ راز میں کیا جس سے کم از کم کل حصہ یوروپین ترکی کا بجز قسطنطنیہ و رومیلیا کے آزاد کرا دینا طے پاگیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاہرہ میں نپولین نے اپنے کو ۱۷۹۸ء میں مسلمان ظاہر کیا اور کلمہ توحید سے فرامین و احکامات کی سرخی کو مزین بھی کیا تھا۔ حالانکہ وہاں اوسوقت اوس کی خوانگی زندگی و چلن بیحد خراب مشہور ہوگیا تھا تعفن و اچھ بداطواری کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ اور جس طرح ملکہ کیتھرائن و آرلاف (orlaff) سے عشق و محبت و ناجائز تعلقات کے قصص مشہور ہوچکے تھے ویسے ہی نپولین کے قصے بھی زبان زد عوام تھے یا پیرس میں اوس کی بیوی ملکہ جوزفائن (Josephine) کی زندگی ہر اخلاقی نقطہ نظر سے بدترین بیان کی جاتی تھی۔ تاہم نپولین کی روزانہ ظاہری و پبلک زندگی اوسکی بیوی کی زندگی سے بدرجہا بہتر سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ یوروپین سلاطین کے حالات دیکھتے ہوئے پھر بھی ترکی سلاطین کی اوسوقت کی زندگی غنیمت تھی۔ اودھر بلقانی ریاستوں

میں سب سے پہلے اپ سرویا سے ترکوں کے خلاف باغیانہ کارروائیاں شروع ہوگئیں اور یہی ریاست
دیگر بلقانی ریاستوں کے لئے گویا نمونہ بغاوت بن گئی۔ ترکوں کی جینیسریز فوج سے دراصل سرب لوگوں
کو سخت شکایات رہتی تھیں۔ اونکے سرگروہ یعنی ڈاہی کے مظالم، زیادتیوں و لوٹ مار سے
تمام عوام و خواص بیحد عاجز و پریشان رہا کرتے۔ گو حاجی مصطفیٰ پاشا کی پاشالک یعنی
گورنری کے زمانہ میں رعایا کو کچھ نہ کچھ اونسے نجات ملی تھی۔ مصطفیٰ پاشا کو سرب لوگ اپنی
ماں (Mother Mustafa) کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ اونکے انصاف و نرمی برتاؤ و
ہمدردی سے عرصہ تک سرب قوم بیحد اونسے راضی رہی۔ مصطفیٰ پاشا کے سبب مدتوں
سلطانی حکومت کی کچھ قدر ہوگئی تھی۔ اونھوں نے ڈاہوں کا زور بھی کم کرا دیا تھا۔
نیز انکی بغاوت کے وقت سرویہ کی رعایا کو مصطفیٰ نے مسلح بھی کرا دیا تھا۔ لیکن جب ۱۸۰۱ء
میں پیس وانوگلو (Pasvanoglu) نے سرویہ پر حملہ کیا اور اوسوقت بلغراد میں
شاہی فوج بھی نہ تھی۔ تو جینیسریز نے پاشا مذکور کو قتل کر دیا اور کل صوبہ کو چار حصوں میں
تقسیم کر کے ہر جگہ اپنے ڈاہوں کو سردار مقرر کر دیا۔ اور چونکہ افواج سلطانی فرانس
سے جنگ میں مصروف تھیں تو جو بھی گورنر سلطان کی طرف سے وہاں سرویا میں مقرر ہوتا
وہ کسی نہ کسی طرح جینیسریز کا کپتان ہی نکلتا۔ پھر کیا تھا اونکے مظالم کی وہاں کوئی حد ہی نہ
رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان رعایا میں سے جو زمیندار سپاہی تھے وہ بھی عیسائی سرب
کے ساتھ ہوگئے۔ اور دربار سلطانی میں اپنی مصیبتوں کے دادخواہ ہوئے۔ اوسی
۱۸۰۱ء میں شاہ الگزینڈر اول (Alexander I) روس نے بھی گرجستان
کے بادشاہ جارج ہفتم (George VII) کو تخت سے معزول کر کے اوس کا مشرقی حصہ
لیلیا۔ مگر مصر کو انگلستان کی امداد سے جب فرانس سے خالی کرا لیا گیا اور جزائر آئونین
بھی واپس ہوگئے۔ تو مصر پر ٹرکی کی سیادت پھر قایم ہوگئی اور ۱۸۰۲ء
میں سب میں صلح ہوگئی۔ مگر جس طرح کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کل حصہ ریاست
سرویا میں عرصہ سے جینیسریز کے ظلم نے رعایا کو عاجز کر رکھا تھا اور اب ڈھائی سو سال
کی غلامی کے بعد رعایا بھی بار بار بلووں جنگوں اور انقلابات سے آزادی کا سبق بہت

کچھ حاصل کر چکی تھی یہاں تک کہ سنہ ۱۸۰۴ء میں کرڑا جارج کی سرکردگی میں سرویا نے علم بغاوت بلند ہی کر دیا۔ اور کشت و خون ہونے لگا۔ سلطان سلیم نے رعایا کا ساتھ دیا۔ ڈاہی جو جینیسریز کے افسر کہلاتے تھے اون کو چن چن کر قتل کیا گیا اور تقریباً جینیسریز فوج کا وہاں خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ مگر بغاوت کسی طرح نہ فرو ہوئی۔ رعایا نے اب مجبوراً فوج سلطانی کا مقابلہ کر دیا۔ اور کرڑا جارج (Kara George) نے ملک کے سامنے ایک آزاد حکومت کا خاکہ بھی پیش کر دیا۔ کرڑا جارج ایک معمولی کسان کا لڑکا تھا۔ اور سنہ ۱۷۶۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اوس نے بغاوت ہی کے وقت شاہ آسٹریا کو سرویا کی سلطنت کا تاج تک نذر کیا مگر شاہ کی ہمت ترکوں کے خوف سے اب بھی تخت و تاج سلطنت سرویا کے قبول کرنے کی طرف نہ بڑھی۔ تاہم آسٹریا کا اثر پورا پورا سرویا میں اس وجہ سے پھیل گیا کہ باشندگان سلطنت آسٹریا نے سرویہ کے لوگوں کی روپیہ و اسلحہ سے پوری پوری امداد کی نیز ہنگری کے جو سرب باشندے تھے وہ بھی اپنے بھائیوں کے شریک ہو گئے جس سے سرویا میں ہر جگہ علم بغاوت بلند ہو گیا تھا۔ تب سلطان نے باسنیا کے گورنر کو اس بغاوت کے فرو کرنے کا حکم دیا اور جینیسریز سرویہ سے بھاگ نکلے اور قتل بھی ہوئے اس پر بھی سرب لوگوں نے یہ خواہش کی کہ آسٹریا ہی کے کسی باشندہ کو وہاں کا کمشنر مقرر کیا جاوے جو سلطانی معاہدوں کی وہاں پابندی کرائے مگر وزیر یا گورنر باسنیا نے اس کو قبول نہیں کیا تب سرب لوگ روس سے داد خواہ ہوئے۔ مگر وہاں سے بھی ناامید ہوئے جس پر سلطان نے گورنر نش (Nish) کو وزیر بلغراد بنا کر بھیجا مگر بغاوت نہ فرو ہوئی۔ تب سنہ ۱۸۰۶ء میں سرویہ پر ترکوں نے پھر حملہ کر دیا۔ حالانکہ اب روس و ترکوں سے بھی جنگ ہو رہی تھی۔ سنہ ۱۸۰۸ء میں سلیم نے نظام حکومت کو بدلنا چاہا۔ اصول جمہوریت کی بھی بنیاد ڈالی۔ صوبوں کی رعایا کو کونسلوں کے انتخاب کے لئے حق بھی دیا۔ ادھر سنہ ۱۸۰۷ء میں روس و فرانس سے بمقام ٹلسٹ (Tilsit) صلح ہو گئی تھی مگر سنہ ۱۸۰۸ء میں جب پھر زار روس اور نپولین سے بمقام ایرفرٹ (Erfurt) ملاقات ہوئی تو سابقہ تقسیم پر جو بمقام ٹلسٹ طے ہو رہی تھی نظر ثانی

کی گئی جس کی اطلاع پر ٹرکی و برطانیہ نے جو اوسوقت آپس میں لڑ رہے تھے جنگ کو ختم کر دیا اور ۱۸۰۹ء میں صلح دردانیال کرلی نپولین کے حرکات سے زار روس کو اب یہ پتہ چل گیا تھا کہ اوس کا اور اوس کی حکومت کا اعتبار نہ تھا۔ اور یہی آیندہ جنگ عظیم یورپ کے زمانہ میں نیز اوسکے بعد ہی اتحادیوں کا بھی تجربہ ہو گیا۔ بلکہ نپولین کے روس ہی پر حملہ کرنے کی خواہش کا علم زار کو ہو گیا تھا۔ اس سے ٹرکی کی جان اوسوقت بچگئی۔

اب تو روس و انگلستان کی وہ سیاسی بساط جو عرصہ سے قسطنطنیہ میں بچھی ہوئی تھی خوب بر دست چالیں اوس میں چلی جانے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محل شاہی میں بھی ہنگامے ہونے لگے۔ وہ جنیسریز فوج جو قسطنطنیہ میں تھی اوسنے زور دکھلایا اور شیخ الاسلام سے سلیم کے خلاف فتوے بھی لئے جانے لگے تب سلیم نے تخت سے دستبرداری کا اعلان تو کر دیا مگر پھر سلیم ثالث و مصطفٰے چہارم میں خانہ جنگی ہو گئی۔ ... اپنی جدید فوج جس کا نام "نظام جدید تھا" اوس سے سلیم نے مدد لی جبکہ اوس ... فوج کا سردار علمدار مصطفٰے پاشا تھا۔ تب ہی ایک روایت ... ظاہر ہے کہ پرانی فوج ... سلیم کو قتل کر ڈالا۔ اور دوسری روایت سے آپس کی خانہ جنگی میں ۱۸۰۸ء میں سلیم ... مصطفٰے چہارم دونوں جان بحق تسلیم ہوے۔ تب محمود ثانی کو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان محمود ثانی

۱۸۰۸ء سے ۱۸۳۹ء

محمود ثانی نے تخت نشین ہوتے ہی سلیم ثالث کے زمانہ کی تمام ترقیات و ترمیمات کو بذریعہ فرمان شاہی بدلدیا تاکہ شورش رفع ہو۔ لیکن اس سے جنیسریز کے ہاتھوں میں زارلو تک کا بھی بخشنا پھر آگیا اور سفرائے برطانیہ و روس نے علانیہ خود ... ترکوں کو شطرنج کے پیادوں کی طرح کھلانا شروع کر دیا۔ اور ٹرکی کی کمزوری سے ۱۸۱۰ء میں روس نے گورجستان کا مغربی حصہ بھی اپنی سلطنت میں ملحق کر لیا۔ لیکن اوس کا ساحل بحر ابھی تک ترکوں ہی کے ہاتھ میں رہا کیونکہ ملک جارجیہ پر ترکوں کی سیادت عرصہ سے

چلی آئی تھی۔ روس و ترکی کی جنگیں کچھ تو ۱۸۱۲ء میں صلحنامہ بوخیرسٹ (Bucharest) ہو جانے سے ختم ہوگئی تھیں جس سے بس اربیہ (Bessarabia) اور کچھ حصہ مالڈیویہ (Maldavia) بھی روس نے حاصل ہی کرلیا تھا لیکن اسی وقت سے رومانیہ وروس کے درمیان بھی سخت دشمنی کا بیج بو گیا تھا نیز اس صلح کے ایک ہی ماہ بعد نپولین نے سلطان وقت کی مرضی کے خلاف روس سے بالآخر جنگ شروع کردی جسمیں مجبوراً ترکی کو بھی شریک ہونا ہی پڑا۔ مگر نپولین کی شکست اور ویینا کی کانگریس ہوکر سب قضیے ختم ہوگئے (یہ محمود ثانی ترکی کا پیٹر اعظم کہلاتا تھا کیونکہ اوسنے گورنروں کے غیر محدود اختیارات کو ختم کردیا تھا۔ اور جدید اصلاحات بھی استنبول کی رضامندی سے ہر شعبۂ حکومت میں جاری کردیئے تھے۔ اور ۲۵ نفر ترک یورپ کے مختلف ممالک میں تعلیم کے واسطے بھیجے تھے جدید مدارس بھی قائم کیے۔ ملک کی تعلیم کیواسطے باہر سے پروفیسر بلوا کر رکھے۔ اور فوج میں مغربی لباس اور فیز ٹوپی بھی اوسی نے جاری کی۔ مگر موریا کے مسلمانوں کا قتل عام بھی اوسکے وقت میں ہوا جس سے یونانیوں کی جدید سلطنت کی بنیاد بھی اسی عہد میں پڑی اوسنے علما کو بھی اسی پر مجبور کیا کہ اُس کی اصلاحات کو مذہب اسلام کے منشاء و تعلیم کے مطابق بتلائیں۔ مگر اب مصر میں محمد علی پاشا نے انگریزوں کی مدد سے گو نہ آزادی بھی حاصل کرلی۔ نیز عرب میں وہابیوں نے زور باندھ لیا تھا۔ لہذا سلطان محمود ثانی کو کچھ غیرت آئی۔ اور حرم میں پڑے رہنے کے بجائے سلطنت کی باگ ہاتھ میں یکبارگی نہایت تیزی کے ساتھ لے لی۔ اور جنیسریز کا بالکل ہی قلع و قمع کردیا (یہ ینی چیری یا جنیسریز حاجی بکتاش کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے اور ہمیشہ حکومت کے استبداد و شریعت اسلامی کے پیچیدہ نظام کے مخالف رہتے تھے)۔ اوسنے اب وہابیوں کا استیصال عرب میں کرا دیا۔ نیز محمد علی پاشا کو بھی سلطان کے اقتدار و قوت کا کچھ ایسا احساس ہوا کہ وقتاً فوقتاً سلطان کی امداد میں اوسنے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور تعمیل حکم کی۔ ولاشیا و مالڈیویا تو تقریباً آزاد ہو چکے تھے تاہم سربیا کے معاملات میں سلطان کو دقتیں بھی پیش آنے لگیں۔ صلح بوخیرسٹ سے سربیا کو حکومت خود اختیاری ضرور عطا ہوچکی تھی مگر سلطانی فوج کو بلغراد و

دیگر مقامات کے قلعوں میں رہنا بھی طے ہوا تھا اور بعد میں سبز قوم نے جب کسی حصۂ معاہدہ
کے پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو مجبوراً ترکوں نے جنگ چھیڑ دی۔ سرویہ میں روس
کا ابھی تک خاصہ اثر ضرور تھا اور سرویہ تو روس و آسٹریا کے درمیان ایک حد فاصل اب
نظر آنے لگا تھا۔ بلکہ سیاسیات مقامی میں سرویہ ہی کو حسب موقع استعمال کرنے کا ایک
دوسرے کو بہانہ ہاتھ لگ جاتا تھا۔ لیکن ترکوں کے خوف سے اب بھی کسی کو پوری مداخلت
کی ہمت نہ پڑتی۔ نتیجہ میں ۱۸۱۲ء میں ترکوں نے از سر نو سرویہ کو فتح کر لیا۔ مگر اب ترک
و فرانس بھی دوست نہ رہے تھے۔ تاہم جن ریاستوں میں ترکوں کی حکومت تھی وہاں
امن و اماں قایم تھا۔ یونانیوں کو تو خاص طور پر ہر طرح آزادی تھی۔ قسطنطنیہ وغیرہ
میں تو کل تجارت و دولت کے حصول کے ذرایع اونھیں کے ہاتھ میں تھے بلکہ
اونکے جزائر سیاس (Saias) و پسارا (Psara) کو تو ایک طرح
کی حکومت خود اختیاری ہی حاصل تھی۔ خود یونان کے ساتھ ہر طرح کی رعایت سلاطین
کرتے چلے آتے تھے۔ اور وہاں تعلیم کا بھی خوب چرچا ہو گیا تھا۔ مدارس و کالج
قایم ہو گئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ تعلیم ہی کے باعث مکمل آزادی و
بغاوت کا تخم بھی بو گیا تھا۔ اور یونان کی گذشتہ شاندار تاریخ کے پڑھنے
و پڑھانے نے کل قوم کو ایک حد تک بیدار کر دیا تھا۔ جس سے قوم بھر کی نگاہ میں اُن کا
سیاسی و قومی نصب العین ترقی کر گیا نیز اون کی نزعی مصیبتوں نے اون کو اپنی
حالت کو سنبھالنے کی طرف پورا پورا متوجہ کر دیا۔ گو عیسائی یورپ کے تو وہ ابتدا ہی سے
آلہ کار بنے رہتے تھے۔ بالخصوص مذہبی جوش کی تو وہاں کبھی کمی نہ ہوتی۔ اور پھر
آل عثمان کے مقابلے کے واسطے یہاں تک کہ کل شاہان اور عیسائی اقوام یورپ
ہر طرح کی اون کی امداد پر آمادہ رہتے۔ انھیں قوتوں کے زور پر ۱۸۲۱ء میں یونان
نے بھی ترکوں سے بغاوت کی اور جسقدر بھی مسلم رعایا یونان میں تھی اوس کو ایکدم سے
قتل و برباد کر دیا۔ نیز سلطانی قلعوں کے لینے کی بھی آرزو کی۔ جب اس طرح کی زیادتیوں
کی خبر قسطنطنیہ میں پہونچی تو وہاں بھی آگ لگ گئی۔ اور ترکوں نے بھی بدلا لینا شروع

کردیا۔ یونان میں اب قومی حکومت کے قایم کرنے کا خیال زور پکڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۸۲۲ء میں نمایندگی کے اصول پر اسمبلی کے نام سے قومی حکومت قایم کرہی لی گئی۔ اور ترکوں کو خشکی و پانی میں جہاں بھی وہ مل جاتے تباہ کر دینے لگے۔ انگلستان و فرانس نے بھی نہ صرف یونانیوں سے ہمدردی کی بلکہ ہر طرح سے اُن کی امداد کی۔ لارڈ بائرن (Lord Byron) تو خود بھی یونانی فوج میں جا کر لڑائی میں شامل ہوئے۔ اس بغاوت کے وقت سلطان نے محمد علی پاشا مصر سے امداد کی خواہش کی۔ اور اس نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو فوج کی سرکردگی بخش کر یونان کی سرکوبی کے واسطے روانہ کیا اور سلطان نے محمد علی کو شام۔ دمشق اور طرابلس وغیرہ کی پاشائی دینے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ ابراہیم نے قلعہ نیوارینو (Navarino) کو فتح کر کے ۱۸۲۶ء تک موریہ (Morea) کو اپنے قابو میں کر لیا۔ جس سے گویا کل یونان اُس کے قدموں کے نیچے آگیا۔

ابراہیم کی فتوحات کے باعث نیز خود سلطان کی توجہ سے ترکوں کو بھی اپنی معاشرت و فوج میں یوروپین اصولوں کے اب اختیار کرنے کی طرف مائل ہونا پڑا۔ اور بہت ہی کم عرصہ میں یوروپ ہی کے مثل [illegible] فوج آراستہ کرلی گئی۔ اوقاف اسلامی بھی اب حکومت کے [illegible] سے متعلق کر دیئے گئے۔ اور ترکوں کے سر سے پگڑی اُتروا کر اُن کے [illegible] ترکی ٹوپی [illegible] پہنوا دی گئی۔ بلکہ اب سے ترک قوم یوروپین پوشاک [illegible] اختیار کرنے لگے۔ پھر عدالتی اصلاحات میں سب سے بڑا کارنامہ [illegible] کا یہ تھا کہ عدالتوں میں مقدمہ دائر ہو کر اور کامل تحقیقات [illegible] ارسی کے مقدمات طے ہونے لگے۔ جس سے حکم قتل وغیرہ بھی [illegible] بلا تحقیق ہو سکے جاری نہ ہوتا۔ اور زمانہ کے مطابق دیوانی وغیرہ کے قوانین و ضوابط و قواعد بلکہ کل آئین میں ترمیمات کر دی گئیں۔ یہی وہ زمانہ

تھا کہ یورپ کے درباروں وغیرہ کی طرح ٹرکی میں بھی قاصدوں سفراء اور کانسلوں کو
مع اُن کی بیویوں کے دربار شاہی میں اور دعوتوں میں آنے کی اجازت ہو گئی تھی۔

یونان سے جنگ تو ہو ہی رہی تھی۔ اور ہر طرف سے اُس کی خاصی بربادی کا
سامان مہیا ہو چکا تھا کہ انگلستان و روس نے اوسکے واسطے وقتی اماں کی خواہش
کی مگر سلطان نے اپنی رعایا میں غیروں کی مداخلت کا عذر کر کے اُنکی خواہشات کو ناپسند
کیا اور اس طرح اعلان کر دیا کہ "سلطنت عثمانیہ نے کسی قسم کا فرق یونانیوں اور دیگر
رعایائے سلطانی میں ابتک نہیں کیا ہے۔ اُن کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے جیسے
کہ اسلامی رعایا کو پھر کیا وجہ ہے کسی غیر کی مداخلت ترک قبول کریں" اور اسپنے
یہاں بھی یونانی گرجا کے بڑے پادری کو حقوق دے کر اوس کو اپنے موافق کر لیا۔
مگر چونکہ برطانیہ و روس نے خفیہ معاہدات یونان کی شرکت میں کر لئے تھے اس سے
اُن کی فوج بحری خلیج نیوارینو کے باہر تک پہونچا دی گئی۔ تب اُدھر سلطان نے اور
مصری فوج بھی تیار ہو گئی۔ اور سب میں جنگ ہو گئی۔ مگر جب ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ترکوں
ہی کو شکست ہو گئی تو ابراہیم اپنی بچی کھوچی فوج لے کر واپس ہو گیا۔ اور روس نے
۱۸۲۸ء میں موقع دیکھ کر بحیرہ اسود میں حملہ کر دیا اور بلقان کو طے کر کے ترطیبزاندہ
([illegible]) سے ہوتا ہوا ایڈریا نوپال پر قابض ہو گیا۔ اور ایران کی
طرف بھی آذر بائیجان کے ہضم کرنے کے لئے شہر باکو پر جس میں پٹرول کے کنوئیں
تھے قبضہ کر لیا۔ اب چونکہ ترکوں کو قسطنطنیہ پر حملے کا ڈر ہو گیا تھا اور باوجودیکہ
ہر جگہ کی مسلم رعایا نے کیا بلغاریا اور کیا دارنا ہر جگہ سے افواج سلطانے کا ساتھ
دیا تاہم سلطان نے ایڈریا نوپل پر روس سے صلح ہی کر لی۔ فی الحقیقت اسوقت
ترک دھوکا کھا گئے۔ روس کی فوجی قوت کے بابت اُن کو اصلی پتہ نہ چلا۔ اور اسی
صلح نے تو گویا ترکی سلطنت کے جبروت و اثرات کا خاتمہ ہی کر دیا۔ مالڈیویا اور ولاشیا
تو تقریباً آزاد ہی ہو گئے۔ بلکہ دریائے ڈینیوب پر ترکی کے جو قلعے تھے سب چھن گئے
یونان میں بھی ایک عیسائی بادشاہ کا تخت پر بٹھانا ترکوں کو منظور کرنا پڑا جو ٹرکی کا باجگذار

تو رہتا مگر اُسکے انتخاب کا حق فرانس ۔ روس اور انگلستان کو دیا گیا۔ اس صلحنامہ ایڈریانوپل سے جو ۱۸۲۹ء میں ہوا تھا۔ بکثرت ارمنی اقوام بھی روس کے زیر حفاظت کردی گئی تھیں۔ بلکہ اونکے قاعدِ اعظم کو بھی روس کے ماتحت کرا دیا گیا جس سے ارمنیوں کو بھی اب ترکوں کے خلاف بآسانی سازشوں کا پورا موقع مل گیا۔ آگے چل کر ترکوں اور ارمنی قوم کے مفصل حالات "اناطولیہ وارمنی اقوام" کے باب میں دیکھینگے۔ جس میں کافی ثبوت بھی ارمنیوں کی سازش کے بابت بہم پہونچایا گیا ہے۔ گو اس صلحنامہ ایڈریانوپل سے فرانس و برطانیہ نے اختلاف تو کیا مگر جب سلطان نے محمد علی پاشا مصر سے وعدہ خلافی کی یعنی صرف کریٹ کی پاشائی دینے کو کہا تو محمد علی بھی بالکل ہی فرنٹ ہوگیا۔ اور ۱۸۳۲ء میں شام کے پاشا اور محمد علی سے کریٹ کی پاشائی پر بھی جھگڑا ہوگیا تو ابراہیم پھر فوج لے کر شام میں داخل ہوگیا۔ نیز غازہ و بیت المقدس تک قبضہ کرلیا۔ اور ایکری۔ الیپو و دمشق کو فتح کرتا ہوا پہاڑوں کو طے کرکے ایشیائی کوچک پہنچکر بمقام قونیہ ترکوں کو شکست دے کر بروسا بھی لیلیا۔ اب مجبوراً سلطان نے انگریزوں سے امداد چاہی مگر انکار ہوا تب روس نے موقع پاکر اپنی بحری فوج سے ۱۸۳۳ء میں سلطان کی مدد کردی۔ جس سے روسی اثر دربار سلطانی میں پھر پڑنے لگا اور جسکو فرانس و انگلستان کسی طرح گوارا نہ کرسکتے تھے تب دونوں کے سفرا نے خود سلطان سے کہا کہ وہ محمد علی پاشا کو مجبور کرینگے کہ ابراہیم کو مع افواج کے واپس طلب کرلیا جاوے لیکن جو وعدے سلطان نے محمد علی سے کیے تھے اون کا ایفاء لازمی ہے۔ سلطان نے اسے منظور کرلیا۔ اور ابراہیم واپس ہوگیا محمد علی کی ہمت کا اب کیا کہنا تھا۔ اوسنے بھی آزاد بادشاہت کا پورا خواب دیکھنا شروع کردیا۔ اور جس طرح سلطانی افواج کی ترتیب کرنل مالٹکی (Col maltke) کے سپرد تھی اوسی طرح مصری افواج کی قواعد ترتیب فرانسیسی افسروں کے سپرد تھی بالآخر محمد علی نے ۱۸۳۸ء میں سلطانی خراج کے ادا کرنے سے بھی انکار کردیا اور شام پر قبضہ کرکے قسطنطنیہ پر حملہ کردیا اسپر ترکوں نے ۱۸۳۹ء میں مصر سے جنگ کا اعلان کردیا۔ شام پر بھی حملہ کا حکم ہوا اور مصر کی طرف بھی

فوجیں بڑھیں [illegible] شکست ہوتی گئی۔ اُن کی بحری افواج کا افسر کپتان عصمت پاشا تو محمد علی سے ساز کر گیا۔ جس سے کل بیڑہ جہازات کو سکندریہ کی بندرگاہ میں داخل ہو کے خود [illegible] آپ محمد علی کی طرف چلا گیا۔ جب ۱۸۳۹ء میں سلطان محمود ثانی کا انتقال ہوا [illegible] عبدالمجید کو تخت نشین کیا گیا۔

واقعی سلطان [illegible] کی ذکاوت۔ استقلال۔ لفقت آرائی اور تدبیر کی داد تمام مورخین نے دی ہے [illegible] نقائص کہ سلاطین میں آ چکے تھے اور جو اُس زمانے کے ہر بادشاہ میں موجود تھے۔ اُنسے نیز حکومت کی ہر طرح کی خرابی سے اب ستارۂ اقبال بھی ترکوں کا گھٹ رہا تھا! اور اس سبب سے جو کچھ ہونا تھا وہ ہو کر رہا مگر یہ اُنھیں کے واسطے کوئی خاص بات نہ تھی۔ تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو دنیا میں ایسا ہی ایک دن کسی نہ کسی وقت ضرور دیکھنا پڑا ہے اور دیکھنا پڑے گا۔ بڑھنا و گھٹنا۔ بننا و ٹنا سب کے لئے مقدر ہوا ہے۔ جو ایک نہ ایک دن ہو کر ہی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں غلطیاں۔ چوک اور بے تدبیری کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ اب وہ کارتھیج کی حکومت یا سکندر و دارا یا چنگیز خاں و نادر شاہ کی سلطنت کہاں رہی۔؟

سلطان عبدالمجید

۱۸۳۹ء - ۱۸۶۱ء

سلطان عبدالمجید اپنی سترہ سال کی عمر میں تخت نشین کئے گئے۔ صلاحیت مزاج و سلامت روی اُن کا حصہ تھا۔ دول یورپ کے سفرا کا اُنکے عہد میں بڑا زور رہا۔ مگر سلطنت کو نقصانات ظاہری زاید نہیں ہوے۔ محمد علی پاشا مصر کی یہ خواہش کہ اُن کو شام وغیرہ کی پاشاہی نسلاً بعد نسلٍ مل جاتی کسی طرح اُسکے دل سے نہ جاتی تھی۔ اور سلطان محمود نے جس طرح جبراً و قہراً دول یورپ کے کہنے سے اُن کو گورنری اُس وقت دینا منظور کیا تھا وہ اوپر مذکور بھی ہو چکا ہے نیز دولت عثمانیہ [illegible] نے بھی فی الوقت محمد علی کی خواہش کی منظوری دیدی

تھی۔ مگر اب اپنی مصلحتوں سے سفراے دیگر دول یورپ نے بھی اس نسلاً بعد نسل کی خواہش کی مخالفت کی۔ اور اسی کے واسطے لندن میں ایک کانفرنس بھی ہوئی۔ جس میں یہ طے ہوا کہ محمد علی کو الٹی میٹم (Ultimatum) دیدیا جائے کہ اگر وہ سلطان کے حکم کی تعمیل کرے اور وہ بیڑہ جہازات سلطنت ٹرکی جو اوسنے گرفتار کر رکھے تھے واپس کر دے نیز شام سے اپنی فوجیں ہٹالے تو مصر کی پاشائی نسلاً بعد نسل اور شام کی پاشائی اوس کی زندگی کیواسطے اوسکو دیدی جائے گی۔ ورنہ مصر کی پاشائی بھی صرف اوس کی زندگی بھر کے لئے اوسے ملے گی۔ دراصل اس سلطان نے سفراے غیر کی بجز سفیر فرانس کے اسقدر خاطر و مدارات کرنا شروع کردی تھی کہ جس سے سب خوش تھے اور جو کچھ وہ کرانا چاہتا تھا وہ سب ہی بخوشی منظور کر لیتے تھے لیکن اس تمام کارروائی میں فی الحقیقت برطانیہ نے سلطان کی بڑی امداد کی۔ پھر جب محمد علی نے شرائط کو نامنظور کیا۔ اور فرانس نے بھی اوس کا ساتھ دیا۔ تو ترکوں کی امداد کے واسطے اب انگریزی فوج جو بڑھی تو فرانس نے گو اسکو اپنی توہین تو سمجھا۔ مگر جنگ سے گریز کیا۔ حالانکہ اب شاہ لوئی فلپ (Louis Philip) فرانس کا بادشاہ تھا۔ برٹش بیڑہ جہازات نے بیروت اور ایکری کے قلعوں کو تباہ کرکے ابراہیم کی فوجوں کو شکست دی۔ دراصل اب انگریزوں کے پاس دھواں کش جہازات تھے۔ اور اسیوقت دنیا نے گویا پہلی بار اُنکی قوت اور کرامات سمندر میں دیکھی۔ سلطان نے بھی بذریعہ فرمان شاہی محمد علی کو معزول کردیا۔ تب محمد علی نے مجبوراً ۲۰ ستمبر ۱۸۴۱ء کو روس۔ انگلستان و آسٹریا سے یہ عہدہ کر لیا کہ وہ شرائط مذکورہ بالا پر مصر ہی کا پاشا رہے گا اور سلطان کو چار لاکھ پونڈ سالانہ خراج دیا کرے گا۔ نیز مصر میں صرف اٹھارہ ہزار سے زائد فوج نہ رکھ سکے گا۔ لیکن اُسی وقت یہ بھی طے ہوا کہ کسی دول غیر کا کوئی جنگی جہاز بجز ٹرکی کے بحیرہ اسود سے یا بحیرۂ اسود کو آبنائے (straits) سے نہ جاسکے گا۔ اس معاہدہ سے تقریباً بارہ سال کیلئے ترکی کو گونہ چین بھی اب نصیب ہوا۔ درحقیقت برطانیہ کی ترکوں سے دوستی بلکہ اوس کا خوف سلطان

عبدالمجید پر اسقدر تاری ہوگیا تھا کہ جس کی حد ہی نہیں۔ برطانوی سفیر کیننگ (Canning) جو کچھ چاہتا وہ کرالیتا۔ رشید پاشا وزیر اعظم اور سفیر مذکور سے بیحد میل تھا یہی کیننگ تھا جب بعد میں لارڈ اسٹریٹ فورڈ (Lord stratford) ہوگئے تھے انھیں کے اثر سے روس کی وہ عمر بھر کی خواہشات کہ بیت المقدس کے روضہ مقدس پر روسی قبضہ کرا دیا جائے نیز دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا روس ہی کے احکامات کی مذہبی پابندی کرے کسی طرح نہ پوری ہوسکیں۔ ان دو باتوں کے پورا کرنے کیلئے ہر روسی تاجدار جان تک دینے کو تیار رہا کرتا تھا اور اُس وقت بھی تھا۔

روس میں اب شاہ نیکولس (Nicholas) کا زمانہ تھا۔ اور وہ بھی سلطنت ترکیہ کے حصے بخرے کرانے کا خواب دیکھا تھا مگر پھر وہی یورپ کے آپس کے رشک و حسد نے نیز اب تو انگریزوں کی یورپین و ہندوستانی حکمت عملیوں نے کسی طرح روس کو آگے نہ بڑھنے دیا فی الحقیقت تو اب سلطان وقت بہت کچھ برطانیہ کی شہ پر گمن تھے۔ اور ۱۸۵۳ء میں روس کی ہر خواہش کو ٹھکرانے لگے۔ اس سے شاہ نیکولس بیحد مخالف ہوگیا۔ اور اُس نے دربار سلطانی سے سفیر کو واپس طلب کرلیا۔ بلکہ مالڈیویا اور ولاشیا میں فوجیں بھی اوتار دیں اور اس کارروائی کے واسطے ترکوں کے مظالم عیسائی رعایائے سلطانی پر بطور بہانے کے ڈھونڈھ لئے گئے۔ سلطان نے دیگر دول یورپ کے ذریعہ معاملات کے سلجھانے کی ہر طرح کوشش کی مگر جب کسی طریقہ سے کام نہ چلا تو عمر پاشا کی زیر کمان روس سے جنگ پھر چھڑ گئی۔ اس جنگ کا نام جنگ کریمیا (Creamea) ہے جو ۱۸۵۳ء سے لیکر ۱۸۵۶ء تک جاری رہی۔ اس میں روس کو شکست تو ہوئی مگر بالآخر روسی سلطنت کا استحکام بھی زیادہ ہوگیا۔ کیونکہ ترکستان میں اوسکے فتوحات بڑھ گئے۔ اور افغانستان و ہندوستان تک درمیانی خوانین سے اور روس سے میل جول بڑھنے لگا نیز امام شامل کی بغاوت اور شرکیشیا (Circassia) کیوبا (Kuba) اور سیپوروجیا (saporozgia) کے کاسکوں کی باہمی جنگ و جدال نے بحیرہ اسود کے کل ساحل کو بھی بالآخر ترکوں کے ہاتھ سے نکلوا ہی دیا

فرانس و برطانیہ کو بھی ۱۸۵۴ء میں کریمیا کی جنگ میں پھاندنا ہی پڑا تھا جس میں بالک لاوا (Balaklava) اور انکرمین (Inkerman) وغیرہ کی سی مشہور لڑائیاں ہوگئیں۔ اور ترکوں نے بمقام یوپیٹوریا (Eupatoria) ۱۸۵۵ء میں روسیوں کو سخت شکست دی۔ مورخین کا خیال ہے کہ یہ شکست ہی شاہ نکولس روس کی موت کا باعث ہوئی۔ اور گویا حکومت روس کی دنیا میں بیحد ذلت و توہین ہوگئی۔ کیونکہ فرانس نے سیبسٹوپول (Sebastopol) پر قبضہ کرکے اور روسی بحری فوج کو جو کھو لکر تباہ کرکے مدتوں کا بخار نکالا۔ مگر اب روس نے مجبوراً فرانس سے خفیہ مصالحت کرلی۔ دراصل شاہ الیگزینڈر (King Alexander) روس نے جو اب تخت نشین ہوا تھا مصالحت ہی کو مصلحت سمجھا اور چونکہ برطانیہ کو بھی جنگ کریمیا (Cremea) کے باعث سخت دقتیں پیش آگئی تھیں۔ اس سے بمقام پیرس ۱۸۵۶ء میں سب سے صلح ہوگئی۔ لیکن اب برطانیہ کی ہمدردی کا یونان کے ساتھ تو کچھ کہنا ہی نہ تھا۔ ۱۸۵۶ء میں مسٹر گلیڈ اسٹون تو خود یونان گئے اور واپسی پر جزائر آیونین بھی انھیں دلوا ہی چھوڑے پھر جسطرح لارڈ بائرن (Lord Byron) کی ہمدردی جو ہیلینک (Hellence) تہذیب کی شیدائیت میں ڈوبی ہوئی تھی اور یونانیوں کی آزادی کے لئے ہر وقت دہر طرح ضرب المثل تھی اسی طرح لارڈ روزبری (Lord Rosebury) کا وہ فقرہ جو دوران جنگ عظیم انھوں نے یونان کے بابتہ فرمایا تھا یعنی یہ کہ "انگلستان نے غلط گھوڑے پر داؤں لگایا ہے" بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ سب صحیح ثابت ہو کر رہے اور کس طرح ترکوں نے یونان کی خبر لے لی۔

اس صلح کے بعد سلطان عبدالمجید خان نے بھی ایک فرمان شاہی جسے ترکی میں "ہتی ہمایوں" کہا جاتا ہے جاری کیا۔ اور اُسکے ذریعہ سے اپنی عیسائی و مسلم رعایا کو برابری کے حقوق عطا کردیئے۔ جس کا نتیجہ یورپ میں یہ نکالا گیا کہ ایسے فرمان شاہی کے بعد روس یا کسی عیسائی سلطنت کو یہ حق نہیں باقی رہا کہ عیسائی رعایائے حکومت ترکی کے کسی قسم کے حقوق کی نگرانی آئندہ بھی دوسرے کے سپرد رہے گی۔ حالانکہ تمام یورپ کو تو ہمہ وقت

ایسی فکر ناکرتی تھی کہ جو بھی فساد یا بلوہ مسلمان رعایا کے علاوہ دوسرے مذاہب کی طرف سے ٹرکی میں ظاہر ہوگا وہ یقیناً یورپ کے واسطے موقع مداخلت بھی ہوگا۔ مگر اب خود رعایا کو اُسکے حقوق کی حفاظت کے سپرد کر دینے سے گویا ٹرکی حکومت تمام ذمہ داریوں سے بری ہو جائے گی۔ اور جب فتنہ و فساد بھی نہ ہوگا تو ایسی حالت کا قیام ترکوں کے واسطے تو ایک نعمت غیر مترقبہ ہی ہو جائے گا اور وہ چین سے بسر کر سکینگے۔

بھلا سیاست دانان یورپ اس خاموشی اور صلح کے حالات کو ٹرکی کے واسطے کس طرح جائز رکھ سکتے تھے۔ ا۔ اُنکے نزدیک تو جب تک ترکوں کے مظالم کی داستانیں دنیا میں نہ مشہور ہوتیں تب تک اُنھیں چین ہی نہ نصیب ہوتا اور عیسائیوں کے حقوق کی حفاظت ہی کا حق تو دراصل اُنکے لئے تمام مداخلتوں کا موقع تھا۔

ملک میں بھی سلطان عبدالمجید خاں کی فطری صلاحیت، نیکی، رحمدلی، اور امن و امان قائم رکھنے کی آرزو و حکمت عملی نے اُن کو ہر دل عزیز کر دیا تھا مگر اُنکے اصراف نے بھی یورپ کے مہاجنوں کو پورے طور پر ترکوں کے دروازے پر لاکر بٹھال دیا تھا جس سے قرض کی بھی کوئی حد نہ رہی تھی لیکن ۱۸۶۱ء میں سلطان کی وفات ہو گئی۔

عبدالمجید خاں کی اخلاقی جرات اور مہمان نوازی کے قصے تو تاریخوں میں لکھے گئے ہیں اور اُنکے لکھنے کی یہاں گنجایش نہیں ہے۔ تاہم سر ایڈورڈ کریسی صاحب (Edward Creasy) نے جو لکھا ہے وہ یہاں درج کیا جاتا ہے " یوں تو سلطان اپنے عام برتاوے میں دول غیر کے ساتھ بہت عقلمندی سے صلح و آشتی کا اصول برتتے تھے مگر ۱۸۴۹ء میں بھی اونھوں نے جو کر دکھایا وہ ایسا شریفانہ ثبوت ہے کہ جس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ یعنی جبکہ روس و آسٹریا کی افواج نے ہنگری کی قوم کی جنگ آزادی کو ختم کر دیا تو بہت سے ہنگری کے امراء جو میگیار (Magyar) اقوام کی آزادی کے حامی تھے۔ ٹرکی حکومت میں آکر پناہ گزیں ہوے۔ تب آسٹریا اور روس کی حکومتوں نے اُنکو واپس کر دیئے جانے اور اخراج کی سلطان سے خواہش کی [illegible] نے یہ کہہ کر کہ وہ لوگ اُنکے مہمان تھے۔ آسٹریا و روس دونوں کی دھمکی

کی پرواہ نہ کی اور یہ لکھ کر انکار کر دیا کہ مہمان سے کے ساتھ ایسا برتاؤ اون کی مذہبی و قومی عادتوں کے خلاف تھا۔

سلطان عبدالمجید کے وقت میں سنوسیوں۔ وہابیوں اور بابیوں کا بھی بہت زور ہو گیا تھا اور سلطان کے وزرا بھی بڑے قابل اور ہوشیار تھے۔ بالخصوص مصطفیٰ رشید اور سب ہی نے ہوشمندی اور ایمانداری سے کام چلایا تھا عبدالمجید کے بعد اونکے بھائی عبدالعزیز کو تخت نشین کیا گیا۔

سلطان عبدالعزیز

۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۶ء

سلطان عبدالعزیز کو عمارات کا بیحد شوق تھا۔ قصر دولما باغچہ اونھیں کا تعمیر کردہ ہے اوسکے فرش اور زینے وغیرہ جوز کی لکڑی سے بنے ہوئے کہے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک زینہ تو خالص چاندی ہی کا اوسمیں بنایا گیا تھا۔ جسکے دونوں کناروں سے ستون پر لٹوؤں کی طرح سے دو بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے لیکن فی الحقیقت اب ملک میں یوروپین پالیسی کا پورا تسلط تھا۔ اور یوروپ کے سرمایہ داروں نے جی کھول کر اس سلطان کو بھی قرض دینا شروع کر دیا تھا جسکی تعداد دو سو ملین اسٹرلنگ تک پہونچ گئی تھی۔ اب روس۔ برطانیہ۔ فرانس اور اٹلی پیپر اقبالات کی مہر۔ ریاستوں کو آزاد کرا دینے میں بہمہ وجوہ مصروف ہو گئے تھے۔ کیونکہ پیشتر ہی سے ہر قسم کے مراعات اونکے واسطے حاصل کرا دیئے گئے تھے اور خود دولت عثمانیہ ہی میں جمہوریت کی بنیاد بھی پڑ گئی تھی۔ مدحت پاشا اوسکے اصلی بانی مبانی سمجھے جانے لگے تھے۔ اس لئے سلطان انسے بیحد مشکوک تھے۔ مگر چونکہ وہ بغداد کے گورنر تھے اور دارالسلطنت سے دور تھے اسلئے زیادہ بازپرس نہ تھی۔ بغداد میں مدحت ہی نے کاظمین تک ٹریم گاڑی چلوادی تھی اونکے تعلقات دوستانہ برطانوی حکومت اور اوسکے سفرا سے بیحد گہرے تھے۔

۱؎ دیکھو تاریخ آٹومن ترک (The History of Ottoman Turk) صفحات (۵۲۴-۵۳۳)

اور اونکی آخر زندگی تک رہے۔ اونپر سلطانی خفیہ بھی متعین رہتا تھا۔ وزیر اعظم محمود ندیم پاشا سے اور مدحت سے سخت عداوت رہتی تھی۔ مگر چونکہ استنبول اور یورپ میں مدحت نے اخباری دنیا کو تمام و کمال اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اس لئے محمود ندیم کے خلاف مضامین بھی لکھے جاتے اور اونکی خیانت و اصراف کی داستانوں سے اخبارات بھرے رہتے۔ جس کا نتیجہ آخر کار نکل کر رہا۔ برطانیہ کی پالیسی بھی کامیاب ہوئی اور محمود ندیم علیحدہ کئے گئے نیز برطانیہ کے زور دینے پر مدحت ہی کو وزیر اعظم کرنا پڑا۔ جو کچھ بھی اخراجات ان تمام کوششوں میں ہوئے کہا جاتا تھا کہ برطانوی احباب کی جیب سے یا اونکے ہاتھوں ہوئے۔ اور یہ مشہور ہوگیا کہ مدحت کو قلمدان وزارت انگریزوں ہی نے روس کے مقابلہ میں دلواکر چھوڑا۔ چنانچہ محمود ندیم کا اخراج بھی ملک سے کرادیا گیا۔ اور دباؤ ڈالکر سلطان کے بھی اختیارات کم کرادیئے گئے۔ نیز اونکے ذاتی اخراجات کے واسطے صرف ڈیڑھ لاکھ پونڈ ماہوار دینے کی تجویز بھی کرلی گئی۔ لیکن خود سلطان نے دربار کا رنگ دیکھکر صرف ایک لاکھ پونڈ پر اکتفا کرلی۔ اور محل شاہی کا عملہ بھی کم کردیا۔

اسوقت جنرل اغنایف (General Agnatiff) روسی سفیر استنبول میں متعین تھا جبر اسکے اور مدحت کے درمیان صفائی نہ تھی۔ جنرل مذکور روسی سفارت خانہ میں عیسائی تھا مگر محل سلطانی میں لوگ اوسے مسلمان سمجھتے تھے۔ سلطان سے اور اوسکے بیحد مراسم دوستانہ ضرور تھے۔ اور وقتاً فوقتاً بہت کچھ زر و جواہر نیز تحائف بھی اوس نے سلطان سے حاصل کئے تھے۔ چنانچہ مدحت نے اوس کی رسائی بھی کم کرانے کا سامان مہیا کرلیا۔ جنرل صاحب نے اب مدحت کے قدم بہ قدم چل کر اخباری دنیا میں صرف کثیر کرنا شروع کردیا۔ اور مدحت کی بھی خاصی مذمت اخباروں وغیرہ میں شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک ہی سال کے اندر مدحت علیحدہ کر دیئے گئے اور معزول محمود ندیم ابن نجیب پاشا روسی اثر سے پھر وزارت عظمیٰ پر واپس آگئے بسنہ ۱۸۷۲ء میں ادھر رومانیا (Romania) کی ایک جدید ریاست قایم کرادی گئی تھی۔ اور یورپ کی چال بازی سے بلغراد سے

سلطانی فوج ہٹوا دی گئی جس سے گویا سرویا کو آزاد ہی کرا دیا گیا۔ اب مدحت کا بھی اخراج ہوا۔ اور ترکوں و روسیوں میں ایک دوستانہ معاہدہ بھی ہو گیا۔ جس سے یہ طے ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیا کرینگے۔ نیز تجارت بھی آزادی سے مساوی حقوق کے ساتھ ایک دوسرے سے کرے گا۔ اور کسی غیر سے کوئی فریق قرض نہ لے گا۔ یہاں تک کہ اجنبیت کو استنبول میں بھی لوگ محمو ڈاف (Mahmudoff) کہنے لگے۔ محمود ندیم کی وزارت ہی کے زمانے میں ناصر الدین شاہ قاچار شاہ ایران سلطان وقت کے مہمان ہو کر قسطنطنیہ تشریف لائے اور ترکوں نے بڑی شان و شوکت سے اون کا استقبال کیا۔ اور شاہ کی ایسی شاہانہ خاطر و مدارات کی کہ جس کی کوئی انتہا ہی نہیں کہی جاتی ہے۔ کسی بادشاہ کی آمد میں دولت عثمانیہ نے اتنی خوشی و مسرت کا ہر جانب سے اظہار نہیں کرایا تھا اور شاہ خود بھی اس خیر مقدم وغیرہ سے بیحد مسرور نظر آئے۔ مگر ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو نہ صرف شاہ کی عالی ظرفی سے بعید تھا۔ بلکہ جس کا افسوس سلطان عبدالعزیز مرحوم کو بھی بیحد ہوا۔ ایک شب میں شاہ نے ایسا لباس زیب تن فرمایا جو جواہرات سے پُر تھا۔ اور جسکے ہیروں کی چمک سے نگاہ نہ ٹھہر سکتی تھی۔ دربار سلطان کے وزرا کہ جو فوجی لباسوں کے عادی تھے۔ جواہرات کی نمایش کچھ بھلی نہ معلوم ہوئی اور یہ خیال ہو گیا کہ میزبانوں کی توہین کرنے کے واسطے نیز اظہار دولت کے خیال سے شاہ نے ایسا کیا۔ حالانکہ خود سلطان ٹرکی تو سادہ فوجی لباس ہی عموماً زیب تن کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک شب کی دعوت میں جو صدر اعظم کے محل میں شاہ کو دی گئی۔ اور شاہ نے محمود ندیم پاشا کی عزت افزائی کے واسطے شب کا قیام بھی وہیں منظور فرمایا۔ جو مکان کہ باسفورس کے کنارے ہی پر تھا جب کھانے کی میز پر مہمان جمع ہوئے تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ جسقدر ظروف اور کانٹے چھری وغیرہ سامنے میز پر آئے سب خالص سونے کے اور سب پر بیش بہا ہیرے کے جڑاؤ کے اور کچھ بھی نظر نہ آتا گویا سب بالکل ہیروں کے بنے نظر آتے تھے۔ جسقدر ملازمین میز پر کام کے واسطے

آئے وہ سب بھی ہیروں سے جڑی ہوئی پوشاکوں سے لدے پھندے جس سے شاہ کے لباس اور اونکے لباسوں میں تمیز مشکل ہوگئی۔ غسل خانہ کی کھڑاؤں تک میں اسقدر بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے کہ جنکے دیکھنے سے نگاہ خیرہ ہوتی اور عقل حیران۔ اور اتفاق سے شاہ کے تاج میں بھی اوتنے ہی بڑے ہیرے لگے تھے۔ یہ حال دیکھ کر شاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ اونکی سخت تحقیر کی گئی۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ صبح سے شاہ بھی ترکوں کی طرح سادہ لباس پہنیں اور اس کل واقعہ کے نسبت اپنا ہی قصور ظاہر کر کے کل الزام اپنے سر اوڑھ لیا۔ اور عرض کی کہ در اصل اوسی کا فرض تھا کہ شاہ کو زمانہ کے مطابق اور یورپ کے رواج کے موافق لباس پہننے کا مشورہ دیتا۔ کیونکہ اب عموماً یورپ میں جواہرات کا پہننا مستورات کے واسطے مخصوص ہو چلا تھا۔ مرد عموماً سپاہیانہ وضع میں رہنے لگے تھے۔ اور مہمان ہو کر سلاطین و شاہان یورپ تو تاج وغیرہ بھی نہیں پہنتے تھے۔ تاہم دوسکرے دن وزیر ایران نے محمود ندیم پاشا سے اس توہین آمیز حرکت کا سبب بھی دریافت کیا۔ اور شکایت کی۔ اس کا جواب صدر اعظم ٹرکی نے یہ دیا کہ "ابتدا تو شاہ ہی کی طرف سے کی گئی۔ ترک قوم تو سپاہی ہے اور سادہ لباس کی عادی۔ زر و جواہر کی اوس کی نگاہ میں کوئی بھی وقعت نہیں تھی۔ اور نمایش سے کل قوم کی قوم مبرا ہے۔ اور چونکہ اونکو علم بھی ہو چکا تھا کہ دیگر سلطنتوں کی طرح ایران کی نظر بھی دولت عثمانیہ کی جانب اچھی نہ تھی لہذا یہ بھی ظاہر کر دینا مقصود تھا کہ جہاں سادگی ترکوں کا زیور ہے وہیں دولت بھی ترکوں کے پاس ابھی تک کافی موجود تھی۔ جو جنگ کے واسطے سب سے بڑا لوازمہ ہے۔ محل شاہی کی دولت کا اندازہ وزرا کی منفرداً آسودگی سے بھی کرنا مشکل ہے۔ ہاتھی گو لٹ گیا ہے مگر اب بھی سوا لاکھ ٹکے کا ہے۔"

روس و برطانیہ کی چالوں سے اب ایکدن بھی ٹرکی کو نجات نہ تھی۔ چنانچہ پھر برطانیہ کی شہ پڑ گئی۔ عام رائے کو ندیم کے خلاف کرا دیا گیا۔ اور اب عام رائے کا ملک میں اثر ہو چلا تھا۔ اوسی سے سلطان وقت مجبور ہو جاتے تھے۔ نیز اب بلودن اور

بدنظمیوں کا ڈر بھی پیدا ہو چلا تھا۔ جس سے پھر محمود ندیم کو ہٹا دیا گیا۔ اور شیروانی رشدی
پاشا صدر اعظم کر دیئے گئے۔ مگر نو ماہ کی وزارت کے بعد وہ بھی علیحدہ ہو گئے۔ تب
مترجم پاشا کو قلمدان وزارت دیا گیا۔ اونھوں نے آتے ہی کل اخراج شدہ ترکوں کو
استنبول کی واپسی کی اجازت دلوا دی۔ اور ندیم و مدحت کے درمیان متوصل بن کر
مدحت کو وزیر خارجہ کرلیا۔ نیز حسین عونی وزیر جنگ ہوئے۔ مگر ندیم نے اب کوئی وزارت
قبول نہیں کی۔ اور خود ہی ملک سے باہر چلے گئے۔ مترجم رشدی بجد نیک اور معمر
آدمی تھے جس سے مدحت نے فائدے اوٹھانا شروع کر دیئے۔ اور حسین عونی کے
ساتھ سازش کرکے سلطان کو تخت سے اوتارنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور بھی
ضرورت سے ایک روز عونی کے مکان پر بھی وزرا کو جمع کرکے ایک محضرنامہ بھی دستخطوں
کے واسطے مدحت نے پیش کر دیا۔ اور سب کے دستخط بھی کرا لئے۔ شیخ الاسلام اور
وزارت کی مہر بھی محضر پر لگا دی گئی۔ لیکن اس پر مترجم نے یہ کہا کہ اگر سلطان خود ہی
نصیحت سے وزارت کے حسب لخواہ کام کرنے پر راضی ہوں تو اون کو علیحدہ نہ کیا جائے
چنانچہ سب نے اس پر بھی رضامند ہو کر قسم کھائی۔ اور خود مترجم ہی کو سلطان سے اس
گفتگو کے واسطے تیار کیا گیا۔ لیکن اوسی شب میں کسی ضرورت سے سلطان نے عونی
کو طلب فرمایا۔ جس پر اوسے یہ خیال گذرا کہ غالبًا مترجم نے سازشوں کا بھانڈا پھوڑ دیا۔
اور اوسی وقت وہ مترجم کے مکان پر گیا! اور کہا کہ شاید سلطان کو سب خبر پہونچ گئی۔ اور اگر
اوسی شب میں سلطان کو تخت سے محروم نہ کر دیا گیا تو صبح کو کسی کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ
اوسی وقت جلسہ وزرا طلب ہو گیا۔ عونی نے فوج تیار کرائی۔ اور محل شاہی کا محاصرہ بھی
ہو گیا۔ اب عونی تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اودھر مدحت ولیعہد سلطنت شاہزادہ
مراد کے پاس پہونچا تاکہ اوس کو قبول تاج و تخت پر تیار کرے۔ ردیف پاشا جو محل
شاہی کی فوج کے جنرل تھے اون کو بھی محضر دکھلایا گیا اور انھیں کے ذریعہ سلطنت
کی دست برداری کیلئے سلطان سے خواہش کی گئی۔ چنانچہ وہ سلطان کے پاس گئے
اور عرض حال کی۔ سلطان نے دریافت کیا کہ کس کا حکم ہے۔ ردیف نے جواب میں عرض

کیا کہ غصہ نہ کیجئے۔ جھروکے سے باہر ملاحظہ فرمائیے۔ اوسی وقت وہان عونی بھی داخل ہوا۔ اور محضر کو پیشگاہ سلطانی میں رکھدیا۔ اب سلطان خاموش ہوگئے اور تعمیل میں عذر نہیں کیا۔ ساحل پر جنگی جہازات تیار تھے۔ اور باوجودیکہ شب میں سخت بارش ہورہی تھی۔ سردی بھی خوب تھی تاہم بلاعذر سلطان محل سے باہر ہوگئے اور اون کو اوسکی سرائے فوراً پہونچادیا گیا۔ اوسی شب میں مدحت نے جاکر مراد کو تخت وتاج سلطنت کی مبارکباد پیش کی۔ مگر سلطان مراد کی ماں نے اس کل کارروائی کو دھوکا سمجھا۔ اور مراد ایک صندوق میں جاکر چھپ گیا۔ جہاں سے زبردستی کے ساتھ اوس کو نکالا گیا۔ تاہم اوس نے تخت کے قبول کرنے سے انکار ہی کیا۔ بلکہ یہی کہتا رہا کہ چچا عبدالعزیز زندہ ہے اوسی کا حکم مانا جائے گا۔ اور مدحت کو بھی جھوٹا بناتا رہا۔ مگر مدحت نے اچھی طرح سمجھالیا اور صبحکو سلطان مراد کی تخت نشینی کی توپیں بھی سر ہوگئیں اور اوسے قصر دولما باغچہ میں بطور سلطان وقت لایا بھی گیا۔ تب جاکر اوسے پورا یقین ہوا۔ اب عام ملک کی حالت یہ تھی کہ چونکہ سنہ [illegible]ء سے قبل ہی شیخ جمال الدین افغانی نے ٹرکی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرادیا تھا۔ اور بہت کچھ تعلیمی اصلاحات کرادی تھیں۔ کیونکہ مجلس تعلیم کا اونکو ایک رکن بنایا گیا تھا۔ اور ملک میں تقریروں کا رواج زائد ہوگیا تھا۔ گو اون کی تقریروں کے باعث اونکو خود کو بھاگنا پڑا تھا تاہم ملک میں بیداری بکثرت بڑھ گئی تھی۔ اور عام رعایا سیاسیات پر متوجہ ہوگئی تھی۔ اب ٹرکی سے غلہ ومویشی وغیرہ بیحد باہر جایا کرتا تھا اور ہر ترک بچہ مرد وعورت کوئی نہ کوئی صنعت یا پیشہ ضرور سیکھتا تھا اور بجز چاندی کے تمام خام اشیا ملک میں پائی جاتی تھیں کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی تھی۔ غیر مسلم بیوپاری برآمد کی تجارت عموماً کرتے تھے۔ مثلاً یونانی وارمنی لیکن جب سے کہ مشین سے بنا ہوا مال ملک میں زائد آنے لگا تھا مسلمانوں پر افلاس کا بھی اثر زائد ہونے لگا تھا فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کے باعث عیسائی آبادی بڑھنے لگی تھی اور مسلمان جنگوں کے سبب کم بھی ہونے لگے تھے۔ نیز غیر ممالک واقوام کے خاص حقوق بھی روزبروز ترقی پذیر تھے۔ اسی زمانہ میں پھر حکومت سے مخالف خیالات کے لوگ جلاوطن بھی کئے گئے اور اب نوجوان ترکون کی انجمن نے زور پکڑ لیا تھا۔

جب ۱۸۷۵ء میں بوجہ قرض کے سلطنت کا اعتبار بحد گھٹ گیا تھا سود تک دینے سے بھی حکومت نے معذوری ظاہر کردی تھی تب ہی ایک بین الاقوامی کمیشن بھی مقرر کیا گیا تھا اور کچھ مالیہ حصہ ملک قرض کی ادائی کے واسطے اوس کمیشن کے اختیار میں دیدیا گیا نیز عبدالعزیز ہی سے بلغاریہ کو ایک فرمان شاہی کے ذریعہ سے آزاد بھی کرادیا گیا تھا۔ الغرض ۲۹ مئی ۱۸۷۶ء کو سلطان عبدالعزیز کو شیخ الاسلام کے فتوے سے اوتارا گیا۔ اور سلطان مراد تخت نشین ہوے۔

سلطان عبدالعزیز مرحوم کے آخری زمانہ میں پیر ابوالہدیٰ رفاعی بھی جبکہ مترجم کی وزارت تھی استنبول گئے تھے۔ کیونکہ اون سے اور کامل پاشا گورنر بغداد سے سخت اختلاف ہوگیا تھا۔ وہاں مدحت پاشا نے اُن کی امداد کی اور جو اوقاف وجاگیر وغیرہ کامل پاشا نے ضبط کرلی تھی وہ بفرمان وزارت واپس دلوا دیئے گئے۔ اور حالت پاشا جو اوس وقت سلطان کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔ وہ رفاعی صاحب کے مرید ہوگئے اور ہر طرح کی خاطر اپنے پیر کی کرنے پر تیار ہوگئے۔ چنانچہ اونھیں کے اثرات سے رفاعی صاحب کو سب طرح کامیابی ہوئی تھی۔ اونھیں نے شاہزادہ عبدالحمید خان سے بھی رفاعی صاحب کو ملایا۔ اور شاہزادہ مذکور نے رفاعی صاحب سے استنبول کے آیندہ کے متعلق کچھ دریافت کیا تو پیر صاحب نے جواب میں فرمایا کہ دوسرے دن بتلائیں گے۔ اور جب دوسرے روز شاہزادہ سے ملاقات ہوئی تو پیر صاحب نے فرمایا کہ اوسی سال شاہزادہ صاحب کو سلطان ٹرکی ہونا پڑے گا۔ اور اونھیں یہ بشارت ہوئی ہے۔ چنانچہ محل کی دیوار پر یہ بشارت لکھ بھی دی گئی۔ اس بشارت کے پندرہ یوم کے اندر ہی سلطان عبدالعزیز تخت سے اوتارے گئے۔ سلطان عبدالعزیز کی عمر اوس وقت پچاس سال سے کچھ کم تھی۔ اور رفاعی صاحب کی پیشین گوئی واقعی صحیح ہوئی۔

مشہور تھا کہ سلطان عبدالعزیز اور مدحت پاشا کے درمیان گو وجوہ اختلاف بہت تھے مگر ایک خاص واقعہ اور بھی پیش آگیا تھا۔ ایک روز اپنی صدر اعظمی کے زمانہ میں مدحت پاشا محل شاہی پر حاضر ہوے اور نیچے کے اوس کمرے میں جہاں بادشاہ کے

اوترنے کا زینہ بھا ٹہل ٹہل کر کچھ سوچ رہے تھے۔ اور اونکے جوتے سے خوب چرمراہ آواز بھی نکل رہی تھی۔ جسکے باعث سلطان کے نیچے اوترنے کی مدحت کو خبر نہ ہوئی۔ یہانتک کہ سلطان نیچے آگئے اور مدحت اوسی وقت ٹہلتا ہوا وہاں پہونچا جہاں کہ سلطان نیچے اوترے تھے۔ مدحت کی پشت سلطان کی طرف ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس غفلت اور بے ادبی پر سلطان نے مدحت کے ایک ایسی لات ماری کہ جس سے وہ گرا اور لونڈھک گیا۔ مگر فوراً جھاڑ پونچھ کر اوٹھا اور گھر واپس چلا گیا۔ سلطان عبد العزیز نے سراے بگلر بیگ اور قصر چراغاں کو تو ضرور تعمیر کرا لیا تھا۔ لیکن ۱۸۷۵ء میں کاشتکاروں تک نے بوجہ خرابی پیداوار بلوے اور ہنگامے وغیرہ بھی برپا کر دئیے تھے۔ اون کی دیکھا دیکھی بلغاریہ کی رعایا نے بھی بمقام باٹک (Batak) ۱۸۷۶ء میں بلوہ کر دیا۔ کیونکہ باشی بزوقوں نے جو کریمیا کی تاتاری قوم سے تھے بقول اوسوقت کے انگریز مؤرخوں کے بلغاریہ کے ساٹھ مواضعات جلاکر اون پر بیحد مظالم کئے تھے اور جس کو لندن کے اخبار ڈیلی نیوز (Daily News) نے بڑے چم و خم سے شایع کر کے خوب شہرت دے دی تھی۔ اوس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "بارہ سو زندہ مرد و عورت و بچے جو گرجے میں پناہ گزیں تھے۔ اون کو جلاکر خاک کر دیا اور جس پر سلطان ترکی نے عصمت پاشا کو بڑا انعام بھی دیا" حالانکہ ایسے جھوٹے بیانات کی تردید بھی مسٹر ڈزریلی (Disraeli) نے ایوان عام انگلستان میں مجبوراً کی مگر یورپ کی بالقصد فتنہ انگیزیوں اور ترکوں کے خلاف سازش کا علاج ہی کیا تھا۔ وہاں ترکوں کے موافق بیانات سننے کیلئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ اول تو مذہبی تعصب اور دوسرے لوٹ مار اور تجارتی حقوق لینے کے لئے سب کی رال ٹپک رہی تھی۔ اوسی وقت اتفاق سے سلانیکا میں فرانس اور جرمنی کے کانسلوں کا بھی قتل واقع ہو گیا جس سے آگ اور بھی بھڑک اوٹھی۔

سلطان مراد پنجم

۱۸۷۶ء

سلطان مراد عبد المجید خاں مرحوم کا لڑکا تھا۔ قصر دولما باغچہ میں داخل ہوتے ہی اوسنے دریافت کیا کہ چچا عبد العزیز کہاں گئے؟ تو بتلایا گیا کہ اوسکی اسٹیمر بھیجدئے گئے بس اوسی وقت سلطان مراد نے ایک آدمی چچا کے پاس اس پیغام سے بھیجا کہ جو کچھ حکم ہو وہ تعمیل کے واسطے حاضر تھا۔ عبد العزیز نے تحریری جواب بھیجا کہ "آپ کو تخت سلطنت مبارک ہو مگر میری یہ نصیحت ہے کہ فوج پر کبھی بھروسہ نہ کیجئے گا۔ باوجودیکہ میں نے فوج کو بہت کچھ دیا مگر پھر بھی میری نہ ہوئی۔ مجھے اب قصر چراغاں میں رہنے کی اجازت ہو" چنانچہ خط دیکھتے ہی سلطان نے اجازت دیدی اور یہ بھی حکم دیدیا کہ جو کچھ خدم وحشم چچا طلب کریں سب دیا جاوے۔ مدحت اور عونی نے جب یہ رنگ دیکھا کہ سلطان اپنے چچا کی ہر خاطر کو تیار ہے تو اون کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ کسی دن تخت سلطنت بھی حوالہ کردے۔ یا وزرا کیساتھ بدسلوکی کر بیٹھنے پر آمادہ ہو جاوے۔ اور جبتک عبد العزیز زندہ رہینگے۔ نہ وزرا محفوظ رہینگے نہ ملک ہی کو سکھ نصیب ہوگا۔ نیز عبد العزیز کے استنبول پہونچجانے سے کل وزارت مخالف ہوگئی۔ تب مدحت وعونی نے دوسری سازش کی۔ مگر حالت پاشا اب بھی پرائیویٹ سکریٹری تھے اور وفادار۔

عبد العزیز خاں کو پہلوانی کا بیحد شوق تھا۔ اور خاص خاص زور اب بھی وہ عصر روز چار پہلوانوں سے کیا کرتے تھے۔ جو اونکے ملازم تھے۔ جب عبد العزیز کو قصر چراغاں میں آئے ہوئے صرف تین ہی دن گذرے تھے کہ جمعہ کے دن حسب عادت اونھوں نے داڑھی درست کرنے کے واسطے اپنی ایک بیوی سے جو چرکس حسن کی بہن تھی ایک قینچی مانگی جو بیوی لے آئی اور شوہر کے پاس بیٹھ گئی۔ کہ یکایک چاروں پہلوان محل کے اندر گھس آئے۔ ملکہ فوراً ہی کوچ کے نیچے چھپ گئی۔ جسکو پہلوانوں میں سے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ اب عبد العزیز خود گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور سبب دریافت کیا۔ پہلوانوں نے بجائے معذرت

سے گستاخانہ کہا کہ کچھ زود ہو جاوے۔ عبدالعزیز نے غصہ سے کہا کہ "اس وقت نہیں۔ ابھی جاؤ۔ میں خود طلب کر لوں گا" اور یہ کہہ کر ٹہلنے لگے۔ کہ یکایک ایک نے ٹانگ پکڑ لی دوسرے نے ہاتھ سے زور شروع کر دیا۔ تیسرا چمٹ گیا۔ اور چوتھے نے قینچی کو اٹھا لیا اور سب نے گرا کر دونوں بازوؤں کی رگیں کاٹ دیں۔ جس سے خون جاری ہو گیا۔ اور منہ میں رومال دیکر چیخنے سے بھی مجبور کر دیا۔ اسی وقت مدحت و عونی بھی پہنچ گئے۔ اور جیسے ہی کہ دونوں کو اطمینان ہو گیا کہ عبدالعزیز کا دم نکل گیا۔ وہ دونوں دریا کے راستے سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اور شہزادے بھی شامل ہو گئے۔ اس تمام کارروائی کے درمیان عبدالعزیز کی بیوی ایک کوچ ہی کے نیچے سے تمام تماشہ صبر و استقلال کیساتھ دیکھتی رہی تھی جب سب واقعہ ہو گیا اور لوگ چلے گئے تو وہ باہر آئی اور اپنے بھائی کو بلا کر سب واقعہ کہہ دیا۔

سلطان مراد کو چچا کے قتل کے واقعہ سے سخت صدمہ ہوا اور وہ بیمار ہو گیا۔ اور دماغ جو پہلے سے پورا صحیح نہیں تھا اور بھی اس پر اثر پڑ گیا۔ جب سلطان عبدالعزیز کا جنازہ اوٹھایا گیا تو چرکس حسن اور دیگر وزرا بھی ہمراہ ہوئے۔ بدقسمتی سے عونی پاشا نے دفن کے وقت طنزاً چرکس حسن سے کہا کہ "اب تمہارے سرکار کی کیا حالت ہے" کیونکہ چرکس حسن علاوہ سلطان عبدالعزیز کے سالے ہونے کے سلطانی بادر یا ایڈیکانگ بھی تھا۔ جن کے پاس خاص تمغے رہتے تھے اور جنکی بدولت وہ ہر جگہ پہچان لئے جاتے اور آجا سکتے تھے۔ سلاطین ترکی کی ایک بیوی چراکسہ خاندان سے اکثر ضرور ہوتی تھی۔ یہ قوم بہادر اور حسین بھی سمجھی جاتی تھی۔ چرکس حسن نے عونی سے جواب میں پوچھا کہ "کیا تمکو بہت خوشی ہوئی" اور کہا "تمکو بھی انشاء اللہ اسی کے ساتھ دفن کرینگے" اور فوراً پیچھے تمنچہ نکالا۔ مگر اوس کو اوسی وقت گرفتار کر لیا گیا۔ اور بغداد چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر چرکس حسن نے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی جو چار ناچار دی گئی تاکہ اپنا سب کاروبار سمیٹ لے۔ اب وہ سیدھا اپنی ہمشیر کے پاس گیا اور صبر و تحمل کی تلقین کر کے یہ کہا ہدایت کی کہ کسی شخص سے بھی کچھ نہ کہا جاوے کیونکہ سلطان مراد علاوہ پاگل ہونے کے بیحد کمزور طبیعت انسان تھا۔ اگر چرکس حسن زندہ رہا۔ تو افشائے راز کا وقت اور اوسکی تدبیر بتلائے گا۔ اگر وہ مر جائے تو اس سلطان کے بعد

جو بھی سلطان ہو اوس سے کل واقعہ کہہ دیا جاوے" اب ظاہری طور پر چرکس حسن اپنے کاروبار وغیرہ کی سمیٹ میں مصروف ہوا مگر ایک دن اوسنے کاغذ وغیرہ - خنجر اور تلوار وغیرہ یعنی ضروری ہتھیار تمام اپنے کپڑوں میں مختلف ترکیبوں اور طریقوں سے رکھ لیئے اور سب کے اوپر ایک سیاہ ہاتھی عبا پہن لی اور یکبارگی مدحت پاشا کے مکان کے بالائی حصہ میں جہاں مجلس وزرا کا جلسہ مشورہ ہو رہا تھا پہنچ گیا نیز پہرے والوں کو تمغہ یاوری دکھلا کر بیخوف اندر داخل ہو گیا - نیچے کے حصہ مکان میں جو چپراسی وغیرہ بیٹھے تھے وہ اتفاق سے تاش کے کھیلنے میں مصروف تھے - چرکس حسن کو دیکھتے ہی وہ خوف سے گھبرا گئے اور تاشوں کے چھپانے میں پڑ گئے - چرکس حسن اسوجہ سے بلا روک وبے باکانہ اندر چلا گیا اور زینے پر چڑھ گیا - بالاخانہ پر سنتری نے روکا - چرکس حسن نے کہا کہ "سلطان نے بھیجا ہے" - اس پر سنتری نے کہا کہ اچھا ٹھہریئے دریافت کر لیا جاوے - یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھا چرکس حسن بھی اوس کے پیچھے ہو لیا - جیسے ہی کہ سنتری نے دروازہ کھولا وہ بھی اوسکے ہمراہ دروازہ کھولنے پر اندر داخل ہو گیا - عونی پاشا نے غلطی سے قبل اسکے کہ سنتری کچھ کہے چرکس حسن کو دیکھ کر دریافت کیا کہ "تم ابھی تک بغداد نہیں گئے اور کیا کوئی فرمان لائے ہو" - اس پر سنتری فوراً واپس ہو گیا - چرکس حسن نے جواب میں کہا کہ "عبد العزیز نے تمکو بلایا ہے" اور فوراً ہی طپنچہ سے دو فیر عونی پر کر دیے - اب کیا تھا بھگدر مچ گئی - مدحت مکان کے زنانہ حصہ کی طرف بھاگا - عونی تو وہیں گر گیا - اس پر سنتری فوراً ہی گولیوں کی آواز سن کر لوٹ پڑا اور چرکس حسن کو پیچھے سے پکڑ لیا - موقع پاکر شیخ الاسلام اور محمد رشدی پاشا بھی مدحت کے پیچھے اندر گھس گئے - اور دروازہ بند کر کے جو کچھ بھی فرنیچر کمرے میں تھا اوس کو دروازہ میں رکھ کر ڈھیر کر دیا - چرکس حسن نے سنتری سے کہا کہ "اوس کو کون ایسی عداوت ہے جو اوسکو روکتا ہے" اور اوس سے ہاتھا پائی بھی شروع ہو گئی - چرکس حسن نے سنتری کی گردن میں خنجر مارا جس سے وہ فوراً ہی گر گیا - اور مر گیا - اب جو وزرا کہ مدحت کے ساتھ اندر نہ داخل ہو سکے تھے اون کو چرکس حسن نے تلاش کر کے شہید کیا - یعنی حسن پاشا وزیر بحری اور راشد پاشا وزیر داخلہ اور اور بھی دیگر جو وہاں مل گئے - مگر

اتفاق سے سین عونی ابھی زندہ تھا۔ اوسنے کسی نہ کسی طرح اُٹھ کر کھڑکی سے پولیس کو آواز دی۔ چرکس حسن نے دیکھتے ہی اوسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور زنانہ دروازہ کے پاس جاکر مترجم محمد رشدی پاشا کو آواز دیکر کہا کہ "آپ مت ڈریئے۔ میں صرف مدحت کی تلاش میں ہوں۔ کواڑ کھولدیجئے"۔ جب جواب نہ ملا تو اوسنے پردوں وغیرہ میں اور فرش میں آگ لگادی۔ اس اثنا میں پولیس اور فوج بھی پہونچ گئی۔ کرنل شکری بے نے چرکس حسن کو تسلیم کرنے کا حکم دیا یعنی ہتھیار ڈالنے کو۔ مگر چرکس حسن نے تعمیل نہیں کی۔ اور جنگ شروع کردی۔ جب اوسکے کارتوسوں کا خزانہ ختم ہو گیا۔ اور فوج نے سنگینوں پر دھر لیا تو گرفتار ہو گیا۔ شکری بک نے اوس پر تھوکا اور پشت تلوار کو اوس کی گردن پر رکھدیا۔ اوسی وقت چرکس حسن کو خیال آگیا کہ ایک تپنچہ اوسکے چمڑے کے موزے میں پیر میں محفوظ تھا۔ اوسنے فوراً جھک کر پستول نکال کر شکری بے پر چلادیا۔ اس پر فوج نے سنگینوں سے چرکس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اس واقعہ کے بعد ہی مدحت اور شیخ الاسلام صدر اعظم کے ہمراہ سلطان مراد کے پاس حاضر ہوئے اور چرکس حسن کی بچی کھوچی نعش کیواسطے پھانسی کا حکم حاصل کیا جو محض عبرت دلانے کیواسطے منظور کیا گیا سلطان تو اب تخت چھوڑنے پر ہر لمحہ تیار ہوتا مگر سمجھا بجھا کر اوسے پھر روکا جاتا۔ ایک مرتبہ سفرائے دول غیر کی موجودگی میں محل کی ایک حوض میں پھاند پڑا اور باوجود خوشامد کے دیر تک باہر نہ نکلا۔ اسی طرح دو ماہ تک نماز جمعہ کیواسطے بھی نہیں گیا۔ ان حالات میں جنرل اگنا ٹیف کو پورا موقع پھر سازش کا مل گیا۔ اور تحریک جمہوریت بھی تقریباً پچاس سال پیچھے ہٹتی معلوم ہوئی۔ ورنہ مدحت پاشا اوسی وقت اعلان کر چکے ہوتے۔ مگر قوم کو ایسی تحریک سے اب نفرت سی معلوم ہونے لگی اور سلطان مراد کی دیوانگی کے چرچے بھی عام طور ہونے لگے۔ چنانچہ تبدیل تاج سلطنت ہی کو وزرا نے طے کیا۔ اور ردلیف پاشا کو وزیر جنگ کیا گیا۔

مراد کی حالت کے لحاظ سے مدحت و مترجم فوراً ہی شاہزادہ عبدالحمید خاں کے پاس حاضر ہوئے اور سلطنت کی باگ ہاتھ میں لینے کی درخواست کی لیکن یہ شرط بھی پیش کی کہ

سلطان مراد کی حیات تک وہ بطور ایجنٹ یا وکیل کے کام کریں اور اگر مراد کا دماغ صحیح ہو جاوے گا تو پھر ولیعہدی پر واپس ہونگے - عبدالحمید خاں نے جواب میں کہا کہ "اس طرح کی کوئی نذیر اگر دولت عثمانیہ میں اب تک ہوئی ہو تو ان کو عذر نہ ہوگا" چنانچہ وزرا نے پھر مشورہ کیا اور تحقیقات سے جب کوئی نذیر نہ ملی تو پھر جاکر عرض کیا کہ "آپ اسوقت با اختیار سلطان ہوں مگر مراد کی صحت پر خود ہی علیحدہ ہو جاویں" اس کو بھی شاہزادہ نے نامنظور کیا - اور صاف کہدیا کہ "وہ اس طرح کے وعدے نہیں کر سکتے - اون کی خوشی پر سب موقوف ہوگا اور بیشک بلا شرائط کے وزرا کی خواہش کو قبول کر سکتے تھے" اب وزرا بالکل ہی مجبور ہوگئے - اور فوراً ہی سلطان مراد کو قصر چراغاں میں منتقل کیا گیا اور شاہزادہ عبدالحمید خاں کے نام پر بطور سلطان عبدالحمید خاں ثانی ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء سلامی دغوادی گئی - سلطان مراد اسکے بعد بھی پچیس سال تک زندہ رہے - اسکے زمانہ سلطنت میں بلقانی ریاستوں میں آگ سلگتی رہی تھی مگر کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا -

سلطان عبدالحمید ثانی

۱۸۷۶ء - ۱۹۰۹ء

سلطان عبدالحمید کی والدہ ارمنی تھیں - اونکے دربار میں سفر آکیا معنی کسی کو بھی اختیار و رسوخ نہ تھا - تخت نشین ہوتے ہی تدبر - محنت اور انصاف سے کام کرنا شروع کر دیا - مگر جو ہنگامے کہ پیشتر سے برپا ہو چکے تھے یا جو رعایات و دخل در معقولات کے حقوق دولتہائے یورپ کو سلاطین گذشتہ کی کمزوریوں یا وزرا کی غداریوں وغیرہ کے باعث حاصل ہو چکے تھے اون کا دفعیہ اور مٹانا دراصل ایک ٹیڑھی کھیر تھی - دنیا واقف ہے کہ یورپ کی سلطنتوں کو کسی قسم کا حق حاصل ہونے کے بعد بجز جنگ کے اور کسی طرح بھی کوئی مٹا نہیں سکتا - بس اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیا کیا مشکلات اور مصیبتیں سلطان عبدالحمید کو نہ پیش آئی ہوں گی - قرضہ ہی سلطنت کے ذمہ اتنا تھا کہ جس کا ادا

کرنا آسان نہ تھا۔ اور جس طرف بھی اصلاح کا خیال بادشاہ کرتا تھا اوسی طرف وزرا اور سفرائے غیر ہر قسم کے مذہبی۔ تمدنی مالی اور اقتصادی وغیرہ مشکلات کو آگے لاکر رکھ دیتے۔ وزرا کی عادت تو مطلق العنانی کی پڑ ہی چکی تھی۔ سفرا سے سازش اونکی روزانہ زندگی کا جزو ہو چکا تھا۔ رشوت اور فوجی مظالم سے بھی رعایا عاجز تھی۔ اب انگلستان میں مسٹر گلیڈاسٹون (Mr Gladstone) نے بھی عثمانی عیسائی رعایا کی ہمدردی کا اظہار کر دیا اور اپنی آرامگاہ سے نہایت جوش وخروش کیساتھ قلم ہاتھ میں لے کر اپنا رسالہ "بلغاریہ کے ہولناک حالات" ستمبر ۱۸۷۶ء میں لکھ کر شائع کر دیا۔ جسمیں وہ مشہور فقرہ کہ "ترکوں کو یورپ سے بوریا بدھنا باندھ کر نکل جانے کا" حکم یا مشورہ دیا گیا تھا۔ درج تھا۔ اور جس سے واقعی برطانیہ میں بڑا شور مچگیا۔ روس و آسٹریا کے اوس تحریر کا نہ صرف اثر ہی لیا۔ بلکہ ترکوں سے اظہار خفگی بھی کیا اور نہ مذہبی جوش ہی کی کوئی حد ترکوں کے خلاف رہ گئی۔ سربیا و مانٹی نیگرو نے ترکوں کے خلاف جنگ بھی چھیڑ دی دراصل تو باسینیا و ہرزیگو نیا نے اوسوقت بغاوت ہی شروع کر دی تھی اور اوسی میں دونوں شامل بھی ہو گئے تھے۔ مگر ترکوں نے دونوں جانب سے گھیر کر بمقام الیکسینیا ٹیز۔ (Aleksinaz) سربیا کی فوجوں کو شکست دی تب زار روس بھی درمیان میں پھاند پڑا اور جنرل اغنائیف نے صلح کی خواہش پیش کرا کے سلطان کو مجبور کیا کہ سربیہ و مانٹی نیگرو سے دو ماہ کی وقتی صلح ہو جاوے۔ چنانچہ مجبوراً صلح کر لی گئی۔ مگر لارڈ ڈربی نے ۳۰ر اکتوبر ۱۸۷۶ء کو روس کو یہ لکھا کہ "باوجود ترکوں سے ناراضگی کے اگر برطانوی رعایا کو یہ معلوم ہو گیا کہ قسطنطنیہ خطرے میں ہے یا برطانوی حقوق کو نہر سوئیز۔ (Suez Canal) میں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ تک ہو تو کل ملک کی رائے ترکوں کے موافق ہو جائے گی"۔ اس پر زار روس نے فوراً ہی جواب میں اطمینان دلایا کہ اوس کا ارادہ نہ قسطنطنیہ اور نہ مصر کے خلاف ہے اور نہ بلغاریہ کے الحاق کا۔ تاہم انگلستان میں روس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ تب مجبوراً زار روس نے اعلان کیا کہ وہ تنہا عیسائی رعایائے سلطانی کی حفاظت کے واسطے تلوار ضرور اوٹھائے گا۔ جس پہ سفرا کی ایک کانفرنس ۲۳ر دسمبر

کے واسطے قسطنطنیہ میں قرار پائی۔ مگر ۲۲ر دسمبر ہی کو سلطان عبدالحمید ثانی نے مدحت
پاشا کی صلاح پر اصلاحات آئینی نیز وہ قومی مجلس جو عام انتخابات کے ذریعہ جمع ہوتی
اوس کی طلبی کا اعلان کر دیا کیونکہ مجلس اتحاد و ترقی اب قایم ہی تھی اور درصل سلطان
نے تخت نشینی سے قبل ہی مدحت پاشا سے وعدہ کر لیا تھا کہ آئینی طرز حکومت کی مضبوط
بنیاد وہ قایم کر دینگے۔ چنانچہ طے ہوا کہ مجلس مبعوثین یعنی منتخب شدہ نمایندوں کی کونسل
کے ممبر ہر حصہ ملک سے بلاتفریق مذہب۔ قوم اور رنگ طلب ہوکر سلطنت کو جمہوریت
کے اصول پر چلائیں۔ سلطان وقت کو صرف صدر اعظم اور شیخ الاسلام کے تقرر کا حق حاصل
ہوگا باقی تمام اختیارات مجلس اور صدر اعظم و وزارتوں کو تفویض کر دیئے جائیں گے۔
مدحت نے بھی اوسی وقت اپنے واسطے صدر اعظمی کی شرط کر لی تھی۔ لہذا حسب وعدہ
مدحت کو صدر اعظمی بھی دی گئی اور مجلس بھی طلب ہو گئی۔ مدحت نے فوراً جنرل اغنائیف
سفیر روس کی سفارت کے متعلق اعتراضات کئے جس پر روس نے اغنائیف کو اپنا وزیر
خارجہ بنا کر واپس طلب کر لیا۔ اور یہی سب سے بڑی غلطی ناتجربہ کار سلطان اور عدار مدحت
سے ہوئے۔ دوسرا سفیر اوسکے بجائے آ تو گیا مگر اغنائیف کو پورا موقع عبدالحمید ثانی
کے خلاف سازشوں اور کارروائیوں کا مل گیا۔ جسکے نتائج ہمیشہ کے لئے خراب ہوے
وزرا کی ایسی ذاتی عداوتوں اور خود غرضیوں کا شکار بادشاہ کو ہونا پڑا۔ گو سلطان نے
آئینی طریقوں پر نہایت ہوشمندی۔ محنت اور ایثار سے کام کرنا شروع کر دیا نیز مدحت کو
بھی ملک کی ترقی اور قومی اصلاح کا پورا موقع دیا جس سے برطانوی سیاست مدحت کے
ہاتھوں خوب کامیاب ہو گئی۔ اور مجلس مبعوثین بھی کامیابی سے صدر اعظم کے ذریعہ سے
کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ مگر اغنائیف نے جاتے ہی ادھر بلقان کے عیسائیوں کے
معاملات کو ابھارنا شروع کر دیا اور جسقدر بھی تدبیریں بلقان کی عیسائی رعایائے سلطان نے
کی بہبودی کیواسطے ترک قوم کرتے گئے وہ سب روس نامنظور کرتا گیا۔ اغنائیف کو تو
سلطنت عثمانیہ کا کل کچا چٹھا بھی معلوم تھا۔ وہاں کی خانہ جنگیوں اور وزرا کی نااہلیت
وعداری کا بھی اوسے بخوبی اندازہ تھا نیز ترکی قوم میں اوسوقت اندرونی آگ نوجوان۔

ترکوں کے عملدر آمد سے ستنگ رہی تھی اور مجلس اتحاد و ترقی کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے جو عام رائے پر اثر پڑ رہا تھا اوس سے بھی وہ بخوبی واقف تھا اور انھیں تمام باتوں سے اوسنے نفع اوٹھانے کا ارادہ ترکوں کے خلاف کر لیا۔ بلکہ اوسی زمانہ میں بمقام استنبول ایک بین الاقوامی مجلس باسینا سربیا اور بلغاریہ کے مسائل پر غور کرنے اور اصلاحات پر عمل درآمد کرانے کیواسطے منعقد ہوئی تھی جسمیں تمام دول مغربی نے شرکت کی اور جسمیں یہ طے ہوا کہ ایک کمیشن تحقیقاتی ترکی کی عیسائی رعایا کی تکالیف اور اونکے اصلی حالات کے دریافت کرنے کے واسطے مقرر کیا جاوے اور ایک گورنر جنرل بھی مقرر ہو۔ اور اوسی وقت قسطنطنیہ میں سلطانی اعلانات جو بھی جمہوریت سے متعلق پیش کیے گئے تھے اونکے خلاف سفرائے دول یورپ نے شرائط پیش کیے۔ سلطان نے اون کو اپنے شہنشاہی حقوق کے خلاف کہہ کر نامنظور کیا۔ پھر ۱۸۷۷ء میں روس نے مشرقی معاملات کے طے کرنے کے واسطے ایک مشن لندن روانہ کیا اور دول یورپ نے ایک متحدہ مراسلہ سلطان کو بھیجا اوسکو بھی ۲۴ اپریل کو سلطان نے اس عذر پر نامنظور کیا کہ معاہدہ پیرس کے خلاف تھا۔ اس پر روس نے اعلان جنگ کر دیا۔ اور یورپ و ایشیا دونوں مقامات پر افواج روانہ کر دیں رومانیا بھی روس کا شریک ہو گیا اوسیوقت آسٹریا کو روس نے یہ اطمینان دلایا کہ اوس کی جو جانبداری پر باسینا و ہرزیگوینا اوس کو دلوائے گا۔ اب مدحت نے برطانیہ سے جو اوس کا قدیم دوست تھا مشورہ کیا اور اعلان جنگ منظور کر لیا۔ حالانکہ سلطان بعید خلاف تھے تب مدحت نے جب استعفیٰ کی دھمکی دی اور برطانیہ کی امداد کا بھی سہارا دیا۔ تو ترک لڑائی پر مجبور ہوے اُدھر روس نے بلغاریہ میں داخل ہو کر بلقان کی ریاستوں کو اپنا موافق پایا۔ ہر قدم پر اب جنگ ہونے لگی اور ترکی افواج کو شکست۔ یہاں تک کہ ترنوو ([illegible]) لیکر روس نے بمقام پلونا ([illegible]) عثمان پاشا سے مٹ بھیڑ کی اور ہر طرف جنگ جاری ہو گئی۔ اس جنگ میں اسی ہزار روسی کام آئے مگر بلغاریہ کو روس نے ترکی سے آزاد ہی کرا چھوڑا۔ اور سب طرف سے ترکوں کی شکست کی خبریں بھی آنے لگیں۔

خاص قسطنطنیہ میں عام رائے اب مدحت کے خلاف ہو گئی اور مجلس اتحاد و ترقی بھی

بدنام ہوگئی۔ مجبوراً ۱۸ مئی ۱۸۸۱ء کو سلطان نے مدحت کو موقوف کیا۔ سعید پاشا نے قانون اساسی کی اوس دفعہ کی رو سے جس سے کہ بادشاہ وقت کو ایسے شخص کے اخراج کا حق دیا گیا تھا جو باعث فتنہ و فساد اور ملک کے نقصان کا ہوا ہو اوسی وقت مدحت کے اخراج کا حکم بھی حاصل کرلیا۔ اور یہ الزام لگایا کہ چونکہ مدحت ہی تبلیغ جمہوریت کا باعث ہوا جسکے سبب اتنے سخت نتایج اور اہم واقعات پیش آرہے جیسے کہ ابتک قوم و ملک کو پیش نہ آئے تھے۔ اور ترک شکست پر شکست کھا رہے تھے مدحت کیواسطے اخراج کا حکم ضروری ہوگیا۔ اور ۱۴ فروری ۱۸۷۸ء کو وہ قومی مجلس جو مدحت نے ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پہلے پہل بٹھائی تھی۔ اوس کو ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء تک کیلئے ملتوی کرکے جمہوریت کے دستور کو تعویق میں ڈلوادیا گیا۔ نمایندوں کو بھی برخاست کیا گیا۔ نیز اب سلطان نے مدحت پر عبدالعزیز مرحوم کے قتل کا الزام لگایا اور باضابطہ عدالت میں مقدمہ پیش ہوکر چرکس حسن کی ہمشیر کی شہادت اور پہلوانوں کے اقبال جرم کی بنا پر جرم ثابت کرا یا گیا۔ فیصلہ میں عدالت نے یہ بھی لکھا کہ مدحت کا یہ بیان کہ سلطان عبدالعزیز نے خودکشی کرلی۔ صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر ایک ہاتھ کی رگیں کوئی خود کاٹ لے تو دوسرے ہاتھ کی رگیں کاٹنا اوسکے لئے محال ہو۔ اور عبدالعزیز مرحوم کے دونوں ہاتھ کی رگیں کٹی تھیں۔ لہذا خودکشی کا الزام مرحوم پر ثابت نہیں ہوسکا۔ نہ صفائی کی بحث قبول کی گئی۔ دول یورپ کے وزرا و سفرا نے بھی عدالت کی بحثوں کو اوسوقت معقول سمجھا اور صحیح مانا۔ لیکن حکومت برطانیہ کے اثر سے مدحت کیلئے وقتی حالات پر نظر رکھتے ہوے سزائے موت کے بجائے سلطان نے اخراج ہی پر اکتفا کی۔

اُدھر روس کو رومانیا نے جب اپنی ریاست سے گذرنے کی اجازت دیدی تھی تب ترکوں نے اوس پر بھی حملہ کردیا تھا اور اوس سے بھی لڑائی شروع ہوگئی تھی روس سے بھی پانچ ماہ جنگ رہی تھی غازی عثمان پاشا نے ۹ جنوری ۱۸۷۸ء کو ہتھیار ڈالدیئے تھے کیونکہ محاصرہ کی تاب اوسوقت نہ رہی تھی۔ اور روسی افواج نے سوفیا سے گذر کر شینووا (shinova) کے مقام پر پھر ترکوں کو شکست دی تھی اور ایڈریانوپل پر بھی ۲۸ جنوری کو قابض ہوگئی تھی سرویا نے نش (Nish) اور مانیٹی نیگرو نے اسپرز ([illegible]) پر قبضہ کرلیا تھا روسی افواج

کی کمان یورپ میں گرینڈ ڈیوک نیکولس کے ہاتھ میں تھی - ایشیا میں بھی روسی فوج کارس ۔ اردھان اور ارض روم (Arzeroom) کے قلعوں پر قابض ہو گئی تھی جہاں کہ ارمنی اقوام زاید تر آباد تھیں - لہذا اب ترکوں کو عارضی صلح ۳۱ جنوری ۱۸۷۸ء کو روس سے کرنا پڑی - اور انگلستان کو اب یہ خوف ہو گیا تھا کہ کہیں روس قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کرلے اسی لئے برطانوی جنگی بیڑہ جہازات کو دردانیال میں داخلہ کا بھی حکم دیدیا گیا تھا - مگر ۳ مارچ ۱۸۷۸ء کو بمقام سین اسٹیفانو (san stifano) روس و ترکی میں پوری صلح ہو گئی تھی جس سے بلغاریہ کو آزادی ضرور دی گئی مگر سلطانی شہنشاہیت اوس پر قایم رکھی گئی تھی بلغاریہ تو اوسوقت سے بالکل ہی روس کا حکم بردار ہو گیا - مگر برطانیہ اور آسٹریا کو اس واقعہ سے اطمینان نہ ہوا - سربیا و مانٹی نیگرو کو نہ صرف آزادی کرایا گیا - بلکہ مانٹی نیگرو کی وسعت بھی سہ گونہ کرادی گئی ۔ باسینا و ہرزیگونیا کے بھی حقوق مثل بلغاریہ کے منظور کرائے گئے - اور بقیہ ریاستہائے بلقان کے آئین میں اصلاحات قبول کی گئیں - تھسلی - ایپیرس - اور کریٹ کے قانون اساسی میں بھی اصلاحات منظور کرائی گئیں - رومانیا کو آزادی تو ملی مگر بس عربیہ کو خود روس ہضم کر گیا - حالانکہ رومانیا ہی نے روس کو پلونا میں کامیاب کرایا تھا - ایشیا میں تو روس نے کارس - اردھان - بایزید اور باتوم سب ہی حاصل کرلئے صرف ارض روم ترکوں کو واپس کر دیا گیا - نیز بارہ ملین اسٹرلنگ خرچہ جنگ ترکوں نے روس کو دینے کا وعدہ کرلیا - مگر اس صلح سے تمام بلقان میں اب آپس میں ایک دوسرے سے رشک و حسد کا تخم بھی بو گیا - اور بقول بسمارک "سب نے روس کی امداد سے ترکوں سے گلو خلاصی تو ضرور حاصل کرلی - مگر زار روس کو سلطان کا قایم مقام بنانا منظور نہیں کیا" اور ظاہر ہے کہ ترکوں کی سی رواداری اور بے تعصبی دنیا کی کسی قوم سے ناممکن تھی - جسقدر رعایات و مراعات ترکوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ برتے تھے اور اون میں اور اپنے میں کوئی فرق نہیں کیا تھا - یہ بھلا روس سے کہاں ممکن تھا - بادجودیکہ روس خود ایک عیسائی سلطنت تھی - مگر انگلستان میں بلغاریہ وغیرہ کی اتنی وسعت بھی ناپسند کی گئی بلکہ یہ بھی اس صلح کا نتیجہ نکالا گیا کہ گویا صلحنامہ پیرس کو مسترد کیا گیا تھا -

اور روس کو گویا دریائے ڈینیوب تک رسائی حاصل کرنا نصیب ہوگیا تھا اور قسطنطنیہ لے لینے کا موقع اب اوسے مشکل نہ رہا تھا اس پر فوراً ہی روس نے خفیہ معاہدہ کرکے بلغاریہ کے تین حصے کرا دینا طے کر لیا۔ لہٰذا صلحنامہ سین اسٹفانو کو قایم رکھا گیا۔ تاہم ۱۳؍جون ۱۸۷۸ء کو بمقام برلن دول یورپ کی ایک کانگریس کی گئی۔ جس پر شاہزادہ بسمارک نے ایک ماہ تک صدارت کی اور محمد علی پاشا کو بطور نمایندہ سلطنت ٹرکی شامل کیا گیا! در صلحنامہ سین اسٹفانو کو بھی ترمیم کیا گیا۔ بلغاریہ کے تین حصے کئے گئے۔ باسینا و ہرزیگوینا آسٹریا کو دلوا دیئے گئے۔ جزیرہ سائپرس پر بعوض ادائے قرضہ جنگ برطانیہ کا قبضہ کرایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی وقت روس و برطانیہ میں رقابت کا زور ہو گیا۔ اور ۱۳؍جولائی کو سب کے دستخط صلحنامہ برلن پر ہو گئے۔ اسی صلح سے ایک مشرقی صوبہ رومیلیا (Romania) کا بن گیا اور آرمینیا کے معاملات کو پہلی بار گویا خاص اہمیت دی گئی جس سے ارمنوں کی قومیت علیحدہ قایم کرا کے اون کی قومیت کی جنگ کی بنیاد اناطولیہ میں مثل مخدونیہ کے ڈالدی گئی۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ ۴۳ سال کیواسطے ہر طرف جنگ گویا بند کر دی گئی۔ نتیجہ میں ۴/۵ حصہ ملک یورپ میں ترکوں سے کہنے کو گویا نکل گیا! اور آٹھ ملین رعایا بھی دولت عثمانیہ سے باہر ہو گئی اور روس۔ فرانس۔ برطانیہ۔ جرمنی و آسٹریا نے ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ گویا طے کر دیا بلقان کو آزادی کا پروانہ بھی دیدیا اور سلطان کو صلحناموں کی تعمیل و پابندی پر بھی مجبور کیا جانے لگا۔ مسٹر گلیڈاسٹون نے مانٹی نیگرو تک کو ۱۸۸۰ء میں بحیرۂ ایڈریا نوپل میں ایک بندرگاہ دلوا ہی کر چھوڑا۔ بلکہ ساحل ایڈریانوپل کا محاصرہ اوسوقت تک نہ اوٹھا لیا گیا جبتک کہ بندرگاہ پر اون کا قبضہ نہ کرا دیا گیا۔ اسکے بعد پھر برلن میں ایک دوسری کانگریس ہوئی جسمیں یہ طے کیا گیا کہ یونان کو محض اس صلہ میں کہ اوسنے جنگ بلقان کے درمیان میں خاموشی اختیار کی تھی تھسلی (Thessaly) و ایپرس (Epereso) دیا جاوے۔ اس تجویز کی سلطان نے دو سال تک مخالفت کی مگر بالآخر وہ بھی ماننا پڑی کیونکہ برطانوی سفیر مسٹر گوشن اوسی پر اڑ گئے۔ تاہم سلطان نے باوجود یورپ بھر کے شدید اصرار کے مخدونیا اور بلقان میں بجز کریٹ کے اور کہیں بھی اصلاحات پر عمل کرا دینا

جائز نہ ہونے دیا۔ عبدالحمید کی ہر پالیسی صاف ومعین تھی۔ اون کا یقین تھا کہ یورپ کا جس بات پر اصرار ہوگا اوس سے ٹرکی کا نقصان ضرور ہوگا۔ اور کوئی بھی غیر جانبدار شخص اون کی اس رائے سے اختلاف نہیں کرسکتا۔ چنانچہ سر رابرٹ ونڈہم کی رائے میں بھی سلطان عبدالحمید بیحد محتاط اور صلح پسند آدمی تھے۔ اور یہ اونھوں نے اپنی کتاب میں بھی لکھدیا ہی[1] بیشک اب جنگ اور قوت سے جو کچھ لیا جا سکا۔ اوس کو سلطان دینے پر مجبور تھے ورنہ ملک کی حالت اور یورپ کی وہ پالیسی جو کہ عرصہ سے ظاہر ہو چکی تھی۔ اوسی کی مقتضی تھی جو کہ وہ کر رہے تھے نیز اب حکومت کا مرکز پھر قصر سلطانی ہوگیا تھا۔ نہ کہ "باب عالی" یعنی پارلامنٹ۔ مدحت پاشا کے متعلق کہا جاتا ہی کہ اون کو طائف بھیجکر مقید کرا دیا گیا تھا۔ اور وہیں قتل بھی کیے گئے۔ اگر واقعی ایسا ہوا بھی تو کچھ بیجا نہیں ہوا۔ اوسکے گناہ کی پاداش اسی کی مقتضی تھی۔ اور اوسی کی پالیسی کا یہ سب نتیجہ ہوا۔

نوجوان ترک عبدالحمید کے مخالف ضرور تھے اور سلطان پر بہت سے الزامات اونکے وقت میں لگائے جاتے تھے مثلاً یہ کہ "اونکے عہد میں بہت سے لوگ جلاوطن ہوئے یا تنظیمات کے وہ اسقدر سخت مخالف تھے کہ لغت سے 'دستور'، 'حب وطن' ایسے الفاظ تک کے اخراج کا حکم سلطان نے دیدیا تھا۔ اور جسکے پاس 'تنظیمات' کا لٹریچر یا ادب تک نکل آتا اوس کو باغی سمجھا جاتا اور سزا دی جاتی۔ بلکہ اوس کا کل ذخیرہ بھی جہاں ملا اونھوں نے غارت کرا دیا۔ نیز کورد۔ البانی۔ اور عرب امرا اور رئیسوں پر وہ بہت مہربان تھے۔ اور ترکوں پر سختیاں کیں۔ خلافت اسلامی کے مسئلہ کو بھی اونھوں نے خوب چمکایا اور پین اسلامزم (Pan Islamism) کو دنیا میں پھیلا دینا اون کا مقصد زندگی تھا۔ تاکہ دنیا بھر کے مسلمان اون کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ ارمنیوں کو زیر کرنے کیلئے کردوں کو خوب بڑھایا"۔ ممکن ہی بعض کی نگاہ میں یہ الزامات صحیح ہوں۔ مگر دوسری طرف اگر اوس وقت کی مجبوریوں کو غور کیا جاوے۔ اور یورپ کے ارادوں کو نیز ترکی قوم کی اوس حالت کو کہ بیبازی و دغا تک اپنی قوم کیواسطے وہ جائز سمجھ رہی تھی خوب سمجھ لیا جائے تو جو کچھ بھی سلطان نہ

[1] تاریخ سر رابرٹ ونڈہم

کرتے کم تھا۔ چنانچہ یورپ اور نوجوانوں کی ان ہی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ صلح برلن کے بعد بلغاریہ نے دول یورپ کی منظوری سے شاہزادہ الیگزینڈر بیٹنبرگ (Alexander of Batenberg) کو اپنا بادشاہ بھی بنالیا۔ اور برطانیہ نے بلغاریہ کی پوری امداد کی جس سے روس سے کچھ کاغذی جنگ تک کی بھی نوبت آگئی۔ مگر معاملہ کچھ سے پھسا کر رہ گیا۔ دراصل تو اس وقت جو کوئی بھی ترکوں کے خلاف کچھ کر بیٹھتا یورپ میں وہ سب کچھ جائز تھا۔ نیز سفرائے مشرقی رومیلیا میں ایک عیسائی گورنر کی منظوری بھی سلطان کو مجبور کرکے کرالی۔ مگر جب بلگر قوم کو خود اپنی یہ تفریق پسند نہ آئے اور دونوں جگہوں کے نمایندوں نے اپنی اپنی ملکی مجلس میں اس پر احتجاج کیا۔ کیونکہ ہر طرح کی مالی و جنگی مشکلات سے اب سامنا پڑگیا۔ پس بلغاریہ کی کل رعایا نے خود ہی پھر ایک ہو جانے پر اتحاد کرلیا۔ لیکن روس نے پھر اونکے اس میل سے اختلاف کیا۔ تب برطانیہ نے اپنی سابقہ تجویز یعنی بلغاریہ کی تفریق کو تبدیل کردیا اور روس کے مقابلہ کیواسطے ایک متحدہ بلغاری قومی حکومت کی تائید بھی کی۔ سلطان نے بھی اس میل کی تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ۱۸۸۵ء میں بلغاریہ کی فوج نے بیدھڑک مشرقی رومیلیا پر قبضہ کرلیا۔ اور سلطان نے بھی اب شاہزادہ الیگزینڈر ہی کو ۱۸۸۶ء میں اپنی طرف سے وہاں کا گورنر مقرر کردیا۔ نیز بمقام سوفیا دونوں مقام کی مجلسوں کو اکٹھا کراکے اون کا متفقہ اجلاس بھی کرادیا گیا۔ اب اگر پھر کوئی شخص غور سے ان حکمت عملیوں پر نظر ڈالے تو پتہ چلیگا کہ عبدالحمید کس دماغ کا بادشاہ تھا۔ اور کس طرح یورپ کی چالوں کا جواب دیتا تھا۔ مذکورہ واقعہ کے بعد ہی سرویا میں بلغاریہ کی اس کارروائی سے سخت چراہند پھیل گئی اور دونوں میں جنگ کی ٹھہر گئی۔ تین یوم کی جنگ کے بعد بلغاریہ کی فتح ہوئی مگر روس اب شاہزادہ الیگزینڈر سے سخت ناراض ہوگیا۔ اور تخت سے دست برداری پر نیز روس ہی کو واپس جانے پر اوسے مجبور کیا۔ اور ادھر بلغاریہ نے اوس سے وہیں رہنے پر اصرار کیا۔ جس سے شاہزادہ تخت چھوڑ کر آسٹریا کی فوج میں داخل ہوگیا۔ تب [illegible] نے شاہزادہ فرڈینڈ سیکس کوبرگ (Ferdinand of Saxcoburg) کا انتخاب اپنی شہنشاہیت

کے تحت میں کر دیا۔ کاش اس وقت تو نوجوان ترک سلطان کی قدر کرتے اور سنبھل جاتے۔
صلح برلن کے وقت سلطان نے ارمنوں کے بابتہ بھی وعدہ کیا تھا کہ کردوں اور کوہستانی اقوام کے مقابلہ میں ان کی حفاظت کرینگے نیز ان صوبوں میں کہ جہاں ارمنی لوگ آباد تھے وہاں ایسی اصلاحات کر دینگے کہ جنسے وہ آرام سے زندگی بسر کر سکیں اور انھیں وعدوں کی بنا پر ارض روم وغیرہ روس سے ۱۸۷۷ء میں سلطان کو واپس بھی دلوا دیئے گئے تھے۔ بلکہ بعد میں ۱۸۸۰ء میں لارڈ سالسبری نے ترکوں سے سخت گفت وشنید کر کے فوجی مظاہروں کی دھمکی بھی ارمنیوں کی خاطر ترکوں کو دے دی تھی۔ حالانکہ ۱۸۹۳ء کے معاہدہ روس و فرانس نے برطانیہ و روس کی رقابت کو بہت چمکا دیا تھا جس پر روس نے ارمنیوں کو آزاد کرانے کی جی، پوری کوشش شروع کر دی تھی نیز مرسینا (Mersina) و دردانیال (Dardanelles) میں راستہ نکالنے کی مزید کوشش۔ روس نے قرار واقعی جاری کر دی جس سے روس و جرمنوں میں کاوش کا پورا تخم بو گیا۔
۱۸۸۲ء میں فلسطین (Palastine) میں کچھ عربوں نے عیسائی رعایا پر جہاد کے بہانے لوٹ مار کرنے کا ارادہ کیا مگر رؤف پاشا نے سلطانی وعدوں کی بنا پر پوری روک تھام کر دی۔ دوسری طرف سے ملکی فوج کے بھی کچھ لوگ پہونچے تھے مگر کانسل نے ان کا بھی اخراج کرا دیا۔ اسی زمانہ میں مسیح کے ورود کا بھی بہت سے عیسائیوں کو وہاں انتظار تھا۔ چنانچہ امریکہ کے بہت سے حضرات اسی انتظار میں فلسطین کے دمشقی دروازہ کے قریب بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔ بلکہ ایک عیسائی عورت تو ہر روز صبح کو آفتاب نکلنے سے قبل جبل آلیو (Mount Olive) پر پہونچا کرتی تاکہ سب سے پہلے وہی مسیح کو چائے پلا دے۔ اور اس طرح فلسطین میں بڑے عیسائی مجمع ہونے لگے۔ اور سلطان کی رواداری سے خوب ہی فائدے اٹھائے گئے۔
اب پھر انگلستان و فرانس نے بھی جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں۔ اور دول یورپ کی سازش سے ۱۸۶۹ء میں مصر کے خدیو اسمٰعیل پر بطور بدنظمی و قرضداری کے الزامات لگا کر تخت سے معزول کرانے کی تجویز کی اس سے گویا سلطانی اقتدار

جو کچھ بھی وہاں بچا کھچا رہ گیا تھا اوس کو مٹانا ہی مقصود تھا۔ مگر ۱۸۸۱ء میں خود مصری قوم نے انگریزی و فرانسیسی چالوں سے تنگ آکر باغیانہ احتجاج کیا۔ اور عربی پاشا کی سرگردہی میں بغاوت کی تو برطانوی افواج نے ۱۸۸۲ء میں عربی کو شکست دی اور توفیق پاشا کو خدیو بنا دیا۔ اور اب سے گویا برطانیہ ہی کی نگرانی میں مصر آگیا۔ ۱۹ جون ۱۸۸۲ء کو برطانیہ کی بحری فوج بھی الیگزینڈریا پہونچی جہاں کہ بلوہ ہو گیا تھا۔ نیز دیگر دول یورپ کے بھی جنگی جہازات وہاں پہونچ گئے۔ مگر ۱۳ ستمبر کو قاہرہ میں بھی انگریزی فوج داخل ہو گئی۔ اوسی زمانہ میں ایک خفیہ مشن بھی انگلستان کے فوجی حلقوں سے سینائے کو روانہ ہوا تاکہ اونٹوں پر فوج کے واسطے رسد پہونچائے۔ اور اوس زیر زمین تار برقی کو بھی کاٹے جو سلطان ترکی اور عربی پاشا کے سلسلہ گفتگو کے لئے بچھی ہوئی تھی۔ اس مشن کا نام پامرس مشن (Palmer's mission) تھا نیز دوسرا مشن کپتان گل (Gill) کا کثیر تعداد میں سونا لیکر بھی مصر گیا۔ تاکہ زر پاشی سے مصری قوم کو برطانیہ کے موافق بنائے اور سلطان ترکی کے خلاف کر سکے۔ جو دونوں کامیاب ہوئے۔[1]

مصر کی تقلید میں فرانس نے بھی ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۳ء تک ٹیونس میں کارروائیاں کرا کے بازی جیت لی اور قبضہ کر لیا۔ پھر ۱۸ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مشرقی رومیلیا میں بلوہ ہو گیا اور بلغاریہ کے ساتھ اوس کی آزادی کا بھی اعلان کرا دیا گیا۔ جسکے معنی صاف طور پر یہ تھے کہ صلحنامہ برلن کو یورپ نے خود ہی رد کر دیا اور سلطان کی شہنشاہیت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ درحقیقت ۱۸۷۸ء سے سلطان ترکی سے جنگ ختم ہو چکی تھی اور بلقان آزاد ہو چکا تھا۔ اور ترک اب کسی سے لڑتے نہ تھے۔ مگر اونکے باجگذاروں پر یکے بعد دیگرے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں حملہ کرا کے وہاں کی اقوام ہی سے جنگ کرا رہی تھیں یا سونا تقسیم کرا کے اونھیں خرید کر رہی تھیں لیکن اس درمیان میں سلطان کو بیرونی حملوں سے نجات مل گئی تھی اور عام طور پر بھی ترکوں کو سانس لینے کا کچھ موقع ضرور حاصل ہو گیا تھا۔ تب اون ترکوں میں جنکو قومی درد تھا اور جنکو ملکی حالت نیز ممالک غیر کی نیتوں کا

---

[1] دیکھو صفحہ (۷۸) کتاب سر ولیم ونڈہم

پورا اندازہ اور احساس و علم ہو چکا تھا۔ آئینی طرز حکومت کو شخصی حکومت و استبدادیت پر ترجیح دینے کا خیال پیدا ہوا اور اوسکے عمل کیلئے ۱۸۹۱ء میں ایک کمیٹی اتحاد و ترقی کے نام سے بمقام جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں قائم کی گئی۔ مگر درحقیقت اوس کا کاروبار پیرس سے کیا جاتا تھا۔ اسکے بڑے حامی فری میسن حضرات اور یہودیان ساحل مخدونیا بھی بن گئے تھے۔ اسکے ممبران کو نوجوان ترکوں کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ اس میں وہ بہت سے ترک بھی شریک تھے جو جلا وطن کئے گئے تھے۔ درحقیقت خفیہ طریقہ پر ان سب نے ترکی فوج میں اپنا اثر بڑھانا شروع کیا تھا۔ مگر سلطان عبدالحمید نے اپنی طرف سے جاسوسی کا بھی زبردست جال حکومت میں پھیلا رکھا تھا اور سچ پوچھو تو کہاں اور کس سلطنت میں اب بھی یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسکے بغیر کوئی شخصی حکومت چل ہی نہیں سکتی۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آئینی حکومتوں میں آجکل بھی جاسوسیت ہی پورا کام کرتی ہے اور گو نوجوان ترکوں کو اس سے بیحد نفرت تھی کیونکہ اون کی کل کارروائیاں سلطان کو اکثر معلوم ہو جاتی تھیں تاہم وہ اپنی کوششوں سے غافل نہ رہتے تھے۔

اندرون ملک نوجوانوں میں بیشک بے چینی تھی۔ اور فرزندان ملک اب یورپ کے جدید آئینوں سے متاثر ہو کر بلکہ فرانس وغیرہ کی بغاوت و بلووں کے سبق حاصل کر کے اپنے ملک میں بھی پوری آزاد حکومت کے خواہشمند تھے لیکن درحقیقت کل قوم نہ اسکے واسطے تیار تھی اور نہ اوس میں قابلیت ہی تھی۔ بڑے سے بڑے ترکوں میں سے ایک میں بھی وہ ایثار و قربانی کا مادہ نہ تھا جو آزادی کے حصول کیلئے ضروری تھا بلکہ استبداد پر عمل کرنے سے خود بھی باز نہ رہتا تھا بس صرف سلطان وقت پر حملوں کیلئے تمام ریفارمر تیار رہتے تھے۔ اگر پارلامنٹری اختیارات بھی ملے تھے تو سمجھداری سے مل کر آپس ہی میں صلح و آشتی سے کام تک نہ کر سکے تھے اور درحقیقت تو یہ حالت مدتوں قائم رہی تا آنکہ خود قوم بیدار نہ ہو گئی اور یورپ پھر اپنی مصیبتوں میں مبتلا نہ ہو گیا۔ حالانکہ سلطان عبدالحمید کی کوششوں سے یورپ پھر عاجز ضرور تھا اور خود ترکی سلطنت میں سب آرام سے ضرور بسر کرنے لگے تھے۔ لیکن عیسائی دول یورپ کا پورا داؤں بھی چل چکا تھا۔ عبدالحمید کے تخت پر آنے سے پہلے

ہی سب خرابیے لگ چکے تھے۔ اب صرف یہ ہوگیا تھا کہ نوجوان ترک بھی آزادی کا سبق پڑھ گئے تھے اور یورپ کی تقلید پر آمادہ تھے۔

۱۸۹۲ء میں مسٹر گلیڈاسٹون نے ارمنیوں پر ترکوں کے مظالم کے متعلق پھر زور دینا شروع کیا مگر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا لیکن روس نے اپنی سرحد پر مسلمانوں اور ارمنی عیسائی رعایائے سلطان سے ایک خاصی جنگ کرادی اور ارمنیوں نے ہر جگہ بغاوت بھی کردی نیز باہر سے روپیہ و ہتھیار سے ان کی کافی امداد بھی ہوئی جس پر یورپ میں پھر خاصا چرچا ترکوں کے مظالم کا ہونے لگا کہ مسٹر گلیڈاسٹون نے اپنا اپیل "عبدل سب سے بڑا قاتل" کی سرخی سے شایع کرادیا مگر اس پر بھی یورپ نے سانس نہ لی جس کا سبب محض یہ تھا کہ ہر سلطنت کو روس کی اندرونی سازش کی اطلاع تھی جو اوس نے ارمنیوں سے کر رکھی تھی اور بکثرت ایماندار ارمنی بھی ترکوں کی بے تعصبی سے واقف تھے نیز کسی دوسری حکومت کے دراصل خواہشمند نہ تھے۔ انکو بھلا ایسی آزادی کہاں نصیب ہو سکتی تھی کہ فوج سے سب مستثنیٰ رہیں اور دل کھولکر تجارت کریں اور ہر قسم کا پیشہ بھی بلکہ مذہبی تعصب ہی کو تمام بلووں کی جڑ ارمنی خود سمجھنے لگے تھے تاہم ۱۸۹۵ء میں تمام یورپ میں اس کی شہرت تھی کہ ترکوں نے ہزاروں ارمنیوں کو قتل کر ڈالا حالانکہ بعد میں تمام مورخین نے اس پر اتفاق کیا کہ اوس وقت سلطانی حکومت میں کہیں بھی مسلم و عیسائی کا فرق تک نہ تھا۔ اب قسطنطنیہ سے انگورہ تک سلطان نے ریل بھی بنوادی تھی۔ اور تقریباً تیس ہزار کی آبادی انگورہ میں ہی ہوگئی تھی۔

اتفاق سے ۱۸۹۶ء میں جزیرہ کریٹ میں بجائے ایک عیسائی کے سلطان نے ایک مسلمان گورنر مقرر کر دیا اور فوجی مجلس کو ضرورتاً وہاں موقوف کیا۔ جس سے فوراً یونانیوں نے بلوا کردیا مگر ترکوں نے جب ۱۸۹۷ء میں وہاں بلوا فرو کرنا چاہا تو خاصی جنگ کی اٹھ گئی۔ حالانکہ تیس ہی دن کے اندر ترکوں کی فتح ہوگئی بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مغربی حکومتوں کو ترکوں کی فوجی قوت کا ابھی تک ڈر لگا ہوا تھا اسی سے ترک پھر واپس تھسلی پر بھی قابض ہو گئے کیونکہ ہر وقت جرمن جنرلوں سے ترکی فوج کی تعلیم وغیرہ کرائی جانے لگی تھی۔ مگر دول یورپ نے پھر مداخلت کر کے قضیہ کا تصفیہ کیا۔ یونان و ترکی کے درمیان

کرادیا اور صرف چار ملین اسٹرلینگ ترکون کو دلواکر سب کچھ یونانیون کو واپس کرادیا۔ اور صلح کرادی۔ ترکون نے تھسلی تو خالی کر دیا مگر اوسوقت بکثرت مسلم امرا وہان سے باہر چلے گئے اور پھر کریٹ بھی اُن سے خالی کرا دیا گیا نیز شاہ یونان کے لڑکے ہی کو سنہ ۱۸۹۸ء مین وہان کا گورنر بھی سلطان ہی سے مقرر کردا دیا۔ بلکہ مقامی اسمبلی کے طلب ہونے کی بھی اجازت سلطان سے دلوادی لیکن وہان پھر بلوا ہوگیا اور بمقام کینڈیا (Candia) خوب ہی کشت خون ہوا۔ مسلم بلوائیون نے انگریزی فوج کے سپاہیون کو بھی ختم کردیا جسپر ایڈمیرل نیول (Admiral Neol) جنگی جہازات لیکر ساحل پر پہونچگئے اور ٹرکی کی فوج سے شہر خالی کرالیا اور کریٹ کی آزادی کا اعلان فرانس۔ انگلستان۔ روس و اٹلی نے اپنے زیر سایہ لیکر یونانی شاہزادہ جارج کو ہائی کمشنر مقرر کردیا گویا کریٹ کے چارون کونون کو ہر ایک نے حفاظت کے واسطے آپسمین تقسیم کرلیا۔ یعنی صوبہ کینڈیا پر برطانیہ کو اختیار دیا گیا۔ کینیا (Canea) پر اٹلی کو رےتھی مو (Raythymo) پر فرانس کو اور سیٹیا (Sitea) پر روس کو مگر سلطان کی شہنشاہیت (Suzerainty) پھر بھی قائم رکھی گئی۔ لیکن محاصل و اخراجات قابض حکومتون ہی کے ہاتھ مین رہے پھر جب پرنس جارج نے کریٹ کو شامل سلطنت یونان کرنا چاہا تو شاہ جرمنی کے باعث یہ نہ ہوسکا اور مجبوراً جب دول یورپ نے انکار کیا تو وزیر یونان وِنیزیلاس (Venzelos) سے اور شاہ سے اختلاف ہوگیا۔ جس سے وزیر کو موقوف کیا گیا۔ مگر یکم جون سنہ ۱۹۰۰ء کو کریٹ ہی کی کونسل نے اپنا الحاق یونان سے طے کردیا۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء سے بلغاریہ نے مقدونیا و تھریس مین پھر بلوے کرادئے۔

سنہ ۱۹۰۳ء مین روس نے ارمنی و البانیون کو خوب روپیہ دیکر اسلحہ سے بھی پُر کردیا۔ جس سے البانوی لیڈرون کے ساتھ ساتھ ترکی افسرون کی جان خطرے مین ہونے لگی اور ارمنیون نے پھر فسادات زاید شروع کردئے۔ تب سلطان نے پھر مجبور ہو کر ارمنیون کی سرکوبی کا کام مسلمان کُردون سے لینا شروع کردیا۔ لیکن اسی سال سنہ ۱۹۰۳ء مین سلانیکا کے قریب رکھی

طلعت - جمال - جاوید - اور حاجی عادل جو آئندہ چلکر پانچ سال مین ترکی بغاوت کے بڑے رکن ہونگے - جمع ہوئے تاکہ موجودہ حالات پر غور و فکر کر کے کسی مناسب نتیجے پر پہونچین اور بلغاریہ نے جو مقدونیہ و تھریس مین ۱۹۰۳ء مین خوب بلوے کرائے تھے ان کو دبایا بھی گیا۔

۱۹۰۴ء مین سلطان مراد کا انتقال ہوگیا۔ اور جن محبان وطن نے ابتک ناسازئ روزگار و بخت سے ہجرت کی یا جلاوطن ہوئے تھے سب کے نامون پر آزادی اور ترقئ ملک کے حامی ہونے کی قوم سے پھر بھی ثبت ہونے لگی مگر ادھر یورپ میں بھی انگلستان فرانس و روس نے ترکی حکومت کو "مرد بیمار" کہہ کر پھر حصے بخرے کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا - جرمنی تو صرف مشرق ادنیٰ مین اپنی تجارت ہی کو ترقی دینا چاہتا تھا - خلافت اور پین اسلامزم کی تحریکات کے بھی وہ خلاف نہ تھا۔ مگر ڈیڑھ کروڑ عرب رعایا مین قومیت کے خیال کو پھیلا دینے کا ذمہ برطانیہ نے ضرور اپنے ہی سر لے لیا - جیسا کہ آگے چلکر ظاہر ہوگیا - اُن کے دیکھا دیکھی مغربی سلطنتون نے ترکون کے ہاتھ پیر کاٹنے کے لئے اُن مین قومیت کا جذبہ ہر جگہ پھیلا دینے مین کوشش اور امداد کرنا شروع کردی - حالانکہ ۱۸۹۷ء کی جنگ یونان و ترکی نے یہ بھی دکھلا دیا تھا کہ سلطان نے فوج کو اچھی طرح درست کر لیا تھا اور ترکی فوج پر فتح حاصل کرنا آسان کام نہ تھا - گو پیرس کے نوجوان ترکون کی کمیٹی اور یہود یون کی شرکت سے غیرون کو بڑی امیدین بندھی ہوئی تھین - مجبوری یہ تھی کہ خاص ترکی حکومت میں کسی جگہ بھی سلطانی جاسوسی کے کوئی انجمن نوجوانون کی نہین قائم ہو سکتی تھی - اور نہ عامہ مین انقلاب پیدا کرنے کے لئے اخبارات ہی ان کے پاس تھے - تاہم نوجوانون کے خیال مین ابھی تک تمام ٹرکی مین سیاسی اور مذہبی جذبات مین ہم آہنگی تھی اور سب کا مقصد بھی ایک ہی تھا مگر سلطان وقت کے برتاؤ نے قدیم تہذیب کو ایک قسم کی بلا ہی ان کے نزدیک رکھا تھا - جس سے نوجوان مصلحان قوم بغاوت ہی کی طرف دوڑتے تھے - اور آپس کی جنگ سوا اب کوئی چارہ کار نہین سمجھتے تھے نتیجہ مین خود اہل ملک ہی غدار ہوگئے - جس سے وہ ترکی جمہوریہ جو آیندہ کے لئے خیال کیا جاتا تھا وہ پھر سلطان کے کل استبداد کی بدولت استبداد ہی پر مجبور سمجھا گیا - اور یہ بھی طے کر لیا گیا کہ

مذہب کو حکومت کے احاطۂ اثر مین دیکر منضبط کر دیا جانا ضروری تھا جس سے شیخ الاسلام کو یہ قدرت نہ ہو کہ جسکو وہ چاہے حکومت بخشے یا اُسے محروم کر دے غرض کہ مذکورہ اصولون پر بحث و مباحثے بھی ملک مین ہونے لگے اور نوجوانون کا زاویہ نظر خوب ظاہر ہونے لگا چنانچہ رفتہ رفتہ حکومت اور نوجوانون کی رائے مین اختلاف بڑھتا گیا۔ مگر ۱۸۳۹ء کی نوجوان پارٹی اور ۱۸۹۱ء کی "اتحاد ترقی" کی پارٹی کے اصولون مین ہی بیحد فرق پایا گیا تھا۔ آخر الذکر چھوٹے درجے کے لوگ تھے اور ملازمت پیشہ بھی اُن مین شامل تھے اول الذکر عموماً امرا کے طبقہ سے تھے۔ اور اُن کا نصب العین بہت بلند تھا۔ وہ تعلیم و تلقین سے کام لینا چاہتے تھے یعنی آئینی و تدریجاً انقلاب کو پسند کرتے تھے لیکن بعد کے "اتحاد و ترقی والے" عوام ملک سے یک گونہ وابستہ تھے۔ اور اُنہین زیادہ تر مقدونیہ کے باشندے تھے اُن کو خود بھی سختی۔ ظلم۔ اور بے رحمی مین کبھی عذر نہ تھا۔ مراعات تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ نیز مغربی اقوام سے انھین ہر طرح کی ہمدردی کی امید تھی۔ کیونکہ سلطان عبد الحمید سے مغرب مین بیحد نفرت پھیلائی جا چکی تھی۔ اور خود سلطان بھی مغرب کی چال بازیون سے نفرت ہی کرنے لگے تھے۔ اور قدیم زمانہ کے ترک بھی جدید عالمون کے مخالف ہو گئے تھے بس آپس کی جنگ کے پورے سامان مہیا ہو گئے۔ جب ہی ۱۹۰۸ء کی زار روس و شاہ ایڈورڈ ہفتم انگلستان کی ملاقات سے بھی یہ نتیجہ ہر جگہ نکالا جانے لگا کہ ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ پھر ابھارا جائیگا۔ اور جو ترک کہ جلا وطن بھی ہو گئے تھے وہ بھی گویا زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے۔ شعر

ہوئے قفس سے رہا بھی تو کس مصیبت میں ۔۔۔ اندھیری رات ہے اور آشیان نہین ملتا

اب نوجوان ترکون کی اُمید کے خلاف انگلستان سے بھی اُن کی مخالفت دکھلائی پڑتی تب اُن کو بھی کچھ اندیشہ زاید ہو گیا۔ اور ۲۳۔ جولائی ۱۹۰۸ء کو انور بے نے "کمیٹی اتحاد و ترقی" کی جانب سے "انقلاب" کا اعلان کر دیا۔ اور اُسی دن دوسرا و تیسرا فوجی دستہ آرمی کا جو سلانیکا مین تھا اُس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا کہ سلطان کو پھر اصلاحات آئینی پر مجبور کرے۔ اور دراصل تو ۲۳ جولائی ہی کو میجر نیازی بے نے فوجی خزانہ اور خاصی تعداد اسلحہ

وغیرہ سلطانی فوج سے چھین کر پہاڑ مین اپنے کو مع اپنے ساتھیون کے جا چھپایا جب کہ حکومت کی طرف سے شمسی پاشا جوان کی سرکوبی کے واسطے بھیجے گئے تھے اُن کو انھین کی فوج نے بمقام موناستر (Monastir) قتل کر دیا۔ اور فوج مین بھی بغاوت کے پورے آثار نمایان ہو گئے سلطان کو بھی اب کسی کا اعتبار نہ رہا۔ وزرا افسران فوج بھی ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے۔ بلکہ یورپ کی چال بازیون کے سبب ہی شکار ہو گئے قسطنطنیہ مین اب بھی بات کا زبان سے نکالنا مشکل تھا۔ کیونکہ جاسوسی ابھی تک قیامت ڈھا رہی تھی خود ولیعہد ہی قید میں رکھے گئے تھے۔ غرضکہ ہر طرف سازشون کا زور ہو گیا۔ دول یورپ ہی روپیہ پھیلا کر جسکو پا تین اپنا نے کی پوری کوشش کر رہی تھین کہ تھوڑے دنون مین نوجوانون نے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا۔ درصل تو البنا ریہ کی بغاوت ہی کے بعد اسکو۔ موناستر و سلانیکا۔ تینون صوبون مین سلطان نے اصلاحات منظور ہی کر لی تھین۔ اور انقلابی انجمن تو وہان قائم ہی تھی۔ "چنانچہ" اتحاد و ترقی " کی انجمن کے قیام کی کوئی دقت نہ تھی اور فوجی افسران اوس مین زائد شامل ہو چکے تھے۔ کیونکہ فوج اور سفرا کی تنخواہین بھی اب چڑھ گئی تھین۔ اس سے ۳ جولائی ۱۹۰۸ء کو سلطان کو بھی دستور کی منظوری دینا ہی پڑی۔ اور ۱۸۷۶ء کے قانون اساسی کا پھر اجرا فرما دیا گیا مطابع و اخبارات پر جو بندش لگائی گئی تھی وہ بھی ہٹائی گئی۔ لیکن انقلابیون نے اب اور منھ پھیلایا۔ عثمان پاشا کے ہٹائے جانے کی درخواست دی یہ الزام بر خلاف ورزی اساس کا الزام یون لگایا کہ وزرائے جنگ و بحری کے تقرر کو سلطان پر کیون محو ل کیا۔ اسپر سعید نے کامل پاشا کے واسطے جگہ خالی کر دی جس نے فوراً ہی ایک یونانی اور ایک ارمنی کو بھی وزارت مین لے لیا۔ مگر ابھی تک سلطنت کی وسعت مین باضابطہ کمی نہ ہونے پائی تھی کیسی نہ کسی طرح سلطان کی شہنشاہیت سب جگہ قائم تھی۔ اور ہر چال کو سلطان وقت اپنی خوش تدبیری سے مٹا دیتے تھے۔ اور اسی باعث ترکون کا رعب اُن کی عزت اور فوجی دبدبہ بھی ہر جگہ قائم و برقرار تھا۔ بلکہ سلطان عبدالحمید کے نام سے تو یورپ کے بچے ابھی تک ڈرائے جاتے تھے

اگر اُن سے قبل کے سلاطین اور وزرا نے سلطنت کے معاملات میں دوسری دول یورپ کو دخل نہ دینے دیا ہوتا تو پھر بھی سلطان عبدالحمید ثانی بہت کچھ کر کے دکھلا دیتے۔ مگر اب پیمانہ لبریز ضرور ہو چکا تھا۔ جمہوریت کے خیالات ایسے پھیل چکے تھے کہ اون کا روکنا مشکل ہی تھا۔ تمام یورپ کو ترکون ہی کے آپس کے اختلاف کی پوری خبر بھی لگ گئی تھی اور اُس سے اونھوں نے نفع بھی اوٹھا لیا۔ چنانچہ اس درمیان میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ کسی سرکاری کھانے پر بلغاریہ کے قائم مقام کو قسطنطنیہ میں دعوت نہیں دی گئی۔ اس پر حکومت بلغاریہ کے شاہزادہ فرڈیننڈ نے فوراً شاہ اسٹریا سے ملاقات کی اور مشورہ ہو کر ۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو بمقام ٹرنووو (Tirnovo) زار بلغیریا نے بادشاہت کا خطاب خود ہی لیکر اس کا اعلان کر دیا ادھر شاہ آسٹریا نے باسنیا و ہرزیگوینا کو اپنی سلطنت میں الحاق کرنے کا اور کریٹ نے یونان کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان دے دیا۔ اس پر سلطان نے احتجاج کیا۔ اور اسٹریا کے مال کا ترکی میں آنا بھی بند کر دیا نیز ۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو مجلس مبعوثین کو طلب کر کے اُس کا افتتاح بھی کر دیا اور اپنی تقریر میں اسٹریا کی بے جا حرکت کا بھی ذکر کیا۔ اسی وقت الوزیر نے اعلان کیا کہ اب نہ کوئی بلگر ہے۔ نہ یہودی۔ نہ یونانی۔ نہ رومن۔ نہ عیسائی۔ اور نہ مسلم۔ بلکہ ترکی میں سب برابر ہیں۔ شخصی حکومت اب نہیں رہی اور کل رعایا۔ دولت عثمانیہ اٹومن (Ottoman) ہیں۔ اس کا فوری اثر یہ ہو گیا کہ ترک یہودی اور بلگر وغیرہ سب ایک دوسرے کے ساتھ دعاؤن وغیرہ میں شرکت کرنے لگے۔ نیز ہر حصہ ملک میں عہد و بڑے دن کا لطف آ گیا۔ اور نوجوان پارٹی نے سلطان عبدالحمید کو جمہوریت کا باقاعدہ سلطان بھی تسلیم کر لیا۔ یونانی و ترکی متحد ہیں ایک ساتھ پارلامنٹ میں بیٹھے اور "ترقی و اتحاد" کی حکومت آرائی سے سب کو پھر بڑی امیدیں بندھ ہین۔ مگر بھلا یورپ کی سازشیں اس چپ چاپ بلا چون و چرا بلکہ بلا خون و خنجر انقلاب کو کس طرح ٹھنڈے دل سے شربت کے گھونٹ کی طرح اُتار سکتی تھیں اُن کے یہان تو ترکون کی ذرا سی بھی غلطی قابل معافی نہ تھی اور پھر جب کہ نوجوانان ترک اُمنگوں میں اندھے ہوئے تھے۔

ان کو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ کون کون ہاتھ اُن کی خرابی کے واسطے کوشاں تھا اور کیوں وہ صرف سلطان وقت ہی کو تنہا تمام خرابیوں کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ سلطان وقت کی زندگی کے واقعات تو ایسے نہ تھے کہ وہ غافل کہے جاتے یا حکومت کے بیحد دلدادہ اور وہ اپنی قوم و ملک کے دشمن تھے۔ نہ کسی کا خاص اُن پر اثر ہی تھا۔ سلطان کی پین اسلامزم کی پالیسی جس سے کہ اب تک یورپ گھبراتا ہے۔ اسکو بھی نوجوانوں نے پس پشت ڈال رکھا تھا اور کبھی بھی اسپر اُس وقت غور ہی نہ کیا۔ لیکن اسوقت سلطنت اور فوج پر اب چونکہ ان کا پورا اثر ہو چکا تھا لہذا سلانیکا میں "اتحاد و ترقی" کا مرکز مستقل طور پر قائم ہو گیا۔ اور سلطان پھر اب بلا خوف و خطر گلاٹا پل کے اوپر سے استنبول کو محل شاہی سے آنے جانے لگے۔ اور دار العلوم میں رنگ برنگی نمائندے جن کو ڈیپوٹی کہا جاتا تھا بیٹھنے لگے۔ عرب۔ ترک۔ یونانی۔ یہودی اور بیت المقدس وغیرہ کے نمائندے سب ایک ہی ساتھ بیٹھے ہوئے کام کرتے دکھلائی پڑتے تھے۔

سلطان پر یہ الزام کہ "ان کا محکمہ جاسوسی بڑا زبردست تھا اور اسی کے زور سے وہ سلطنت کرتے تھے نیز اُس کا جال تمام ملک میں اور بیرون ملک خوب قوت سے ساتھ پھیلائے ہوئے تھے۔ جس سے نوجوان ترکوں کی کوئی تحریک پوشیدہ طور پر کامیاب نہ ہونے پاتی تھی۔ اور اسی کے ذریعہ سے وہ تمام استبدادی کارروائیاں کیا کرتے تھے" کس طرح صحیح مانا جا سکتا ہے۔ آج پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وزیر سر سیموئل ہور Sir Samuel Hoare نے ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو دار العوام کے اجلاس میں جبکہ پانچ گوروں کے ملازمین کی موقوفی پر حکومت کے خلاف ملازمت کا ووٹ پاس کرنے کی تحریک پیش ہوئی تھی تو جواب میں فرمایا تھا کہ "[1] خفیہ ملازمتوں یا گوئندوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ کی خطا کے ہم مجرم نہیں کہے جا سکتے۔ دس پندرہ سال کی ناجائز کارروائیوں کا یہ نتیجہ ہے" وغیرہ وغیرہ۔ ایسے جبکہ برطانیہ عظمیٰ کو خود برطانیہ میں اور ہندوستان میں ہر قسم کا مواخذ ذی کا محکمہ زبردست قائم کئے اور اس کی اطلاعوں پر بے دریغ عمل کرنے کا ۱۹۳۶ء میں عقلاً حق حاصل ہے تو ترکی حکومت کو جو کہ تیسیوں دشمنوں میں پھنسی تھی ۱۹۰۸ء سے ۔ و تک کیوں حق حاصل

---

[1] دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمز۔ دہلی مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء (صفحہ ۲ کالم ۲)

ترکون نے اپنی اسوقت کی سلطنت مین کہا جاتا ہے کہ بازنطینی حکومت کی تمام برائیان تقریبًا اختیار کرلی تھین۔ یعنی ترکی ٹوپی۔ نقاب۔ حرم سرا۔ پردہ۔ خواجہ سراؤں کا رواج کاہلی اور علم سے دوری اور ان کی کوئی بھی اچھائی نہین لی تھی۔ بلکہ جسوقت سے کہ قسطنطنیہ کو ترکون نے دارالسلطنت بنایا تھا اسوقت سے برابر ہر قسم کی اخلاقی اور تمدنی وغیرہ حیثیتون مین پستی مین جاکر گرتے ہی گئے۔

انور اور طلعت نے مستورات ملک کو بھی اب اپنے سیاسی پروگرام مین جگہ دے رکھی تھی صنعت و حرفت کی ترقی کا بھی خیال انھین لوگون کو پیدا ہوا۔ کیونکہ ملک ہی کی بنی ہوئی اشیاء کے استعمال پر بڑا زور بھی دیا جانے لگا یعنی سودیشی تحریک ہی ترمیمی پروگرام مین شریک کرلی گئی تھی۔ لیکن جرمنی کے مشن کو قسطنطنیہ لانے اور جرمنی مین طلبا کی تعلیم اور اوس سے دوستانہ معاہدہ نیز مستورات ملک کی آزادی اور تعلیم عام کی تحریک نے انور۔ جمال و طلعت کو ملاؤن اور ترک بلکہ سلطان کی نگاہ مین بھی سخت کانٹا بنا دیا تھا کیونکہ مستورات قسطنطنیہ اکثر تفریح گاہون مین بے نقاب مردون کے ساتھ گھومنے و پھرنے لگی تھین ترکی سفرا بھی اپنی بیویون کو باہر سیر و سفر مین ہمراہ لیجانے لگے تھے۔ اس سے کمیٹی "اتحاد و ترقی" کا ایک حیثیت مقابل بھی ایک بڑا گروہ ملک مین ہوگیا جس نے اپنے کو لبرل یونین کے نام سے مشہور کیا اور اسمعیل کامل بے اوس کے رہنما بنے ان کا مقصد حکومت کی غیر مرکزیت (Decentralization) کا مٹانا تھا بلکہ لوگون کا خیال ہوگیا تھا کہ یہ انجمن خود سلطان نے بنوائی تھی مگر خیر اب ترکی کی بداعمالیوں کا کام بخوبی چلنے لگا تھا کہ یکایک البانیہ مین کمیٹی "اتحاد" کے خلاف احتجاج ہوا۔ باسنیا کی فوج نے ترکی توپ کو عرصہ ہوا ۱۹۰۸ء ہی مین اتار دیا تھا۔ جس سے ترکون مین ہیجان موجود ہی تھا۔ مگر سلطان نے اوسوقت آسٹریا کی حرکتون سے بہت کچھ چشم پوشی اس بنا پر کی تھی کہ اوس نے سنجک نووی بازار سے اپنا قبضہ اٹھا لیا تھا۔ اور ترکی قرضہ کا کچھ بار بھی اپنے ذمہ اوڑھ لیا تھا۔ لیکن رجعت پسندون کی طرف سے جوابی انقلاب کے آثار بھی نمایان ہونے یونانی بطریق کے پروپیگنڈا اور مذہبی جوش کی شورش جو یورپ مین طریقون کے خلاف ان لوگون نے پھیلا دی تھی نے ملک مین پھر ہیجان پیدا کردیا در اصل تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سوائی دول یورپ نے بھی اس شورش سے نفع اٹھایا اور انھی حکومتوں کی نگاہ مین یہ شورش و بے ہنگامہ انقلاب سخت کھٹک رہا تھا اور سلطنت عثمانیہ پر لوٹ رہا تھا بلکہ سبکی آرزو

خون بہتا نظر آتا تھا۔ مدتوں کی وہ کوشش جو ترکوں کی تخریب کیلئے سوچی گئی تھی سب ملیامیٹ ہوتی دکھلائی پڑ رہی تھی اور بھلا اس رہی سہی زبردست مسلم سلطنت کا بیداری اور جمہوریت کی طرف بلا قتل و غارت میلان عیسائی دنیا کس طرح دیکھ سکتی تھی۔ اور جو کچھ بھی حقوق اسوقت تک عیسائی اقوام ترکوں سے حاصل کر چکی تھیں نوجوان ترکوں کے اعلان سے اونکے ہاتھ سے گویا نکل جانے کا پھر سب کو اندیشہ نمودار ہو چلا تھا۔ چنانچہ دوسری طرف نوجوان ترکوں کی ناتجربہ کاری۔ سلطان سے بے اعتباری اور تعجیلِ خواہش انقلاب نے عیسائی دنیا کو پھر پورا موقع دیدیا۔ اور خفیہ تار برقی سے دوڑ جانے والی خبروں نے اپنا کام پورا کر لیا۔ نیز زر پاشی کر کے بغاوتیں بھی کرا ہی دی گئیں۔

۱۹۰۹ء کا شروع ہونا گویا قیامت کا آنا تھا بھلا یہ کون ماننے کی بات ہو کہ ایک طرف تو پارلامنٹ میں ہر قوم۔ فرقہ و مذہب کی خوشی خوشی نمایندگی ہو۔ خود سلطان کو سب بادشاہ تسلیم کریں اور دوسری طرف سلطانی باڈی گارڈ اور قسطنطنیہ کے باشندے بلوں پر تیار ہو جاویں۔ مورخین کا خیال ہے کہ نوجوان ترک بڑی قابلیتوں سے اپنی مجلسوں میں تقریریں اور کام کرنے لگے تھے۔ مگر یہ ضرور ماننا جاوے گا کہ موقوف شدہ وزراء اور سپاہیوں یا سلطانی مخبروں کے جو جھکے پہنچے پیشتر سے تھے وہ چونکہ اب نہیں رہے تھے۔ نیز علماء موجودین کو نوجوانوں سے جو عداوت تھی۔ اون ہی سب نے شرارتوں پر کمر ضرور باندھی ہوگی اور ہنگاموں کو پیدا کیا ہوگا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ سلطان وقت خود ہی تمام خرابیوں کے باعث ہو رہے تھے۔ صحیح نہ ہوگا۔ چنانچہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو دار السلطنت میں ایک نیا انقلاب یہ ہوا کہ ایک لبانی کی سرکردگی میں سپاہیوں نے دار العوام پر قبضہ کر لیا اور "اتحاد و ترقی" کے دو افسروں کو قتل کر دیا۔ کامل پاشا کی وزارت تو ختم ہی ہو چکی تھی اور حسین حلمی جو وزیر اعظم تھے وہ بھی توفیق پاشا کے لیے ہٹ گئے تھے اور سلطان نے مجبوراً فوج کی دار و گیر اوس وقت جائز نہیں کی تھی نیز ایشیائے کوچک میں بمقام ادانا (Adana) ارمنوں کا بھی قتل ہو گیا تھا اور جو محراب کہ جدید آئین کی یادگار میں تعمیر کی گئی تھی اوس کو بھی منہدم کر دیا گیا تھا بلکہ دفتر رجسٹری تک جلا دیا گیا تھا اور والی یا فوج نے اس بلوہ کے روکنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی ان تمام بلووں کی خبر ۱۴ اپریل ۱۹۰۹ء کو سلانیکا

میں اس طرح پہونچائی گئی کہ قسطنطنیہ میں بلوہ ہوگیا۔ اور نوجوان ترکوں کے نمایندوں کو جب کہ وہ کونسل سے نکل رہے تھے تو عوام نے اون پر حملہ کر دیا اور سب کو ختم کر دیا اس پر وہاں کی مجلس "اتحاد و ترقی" نے کوئی بیان بھی سننا منظور نہیں کیا اور نہ کوئی صلح بلکہ محمود شفقت پاشا مخدونیہ کی فوج لے کر قسطنطنیہ پر چڑھ دوڑے۔ اور قسطالجا پہونچ گئے تاکہ قانون اساسی کی پابندی کرالیں مجلس مبعوثین نے بھی اوس کی رائے سے موافقت کی۔ اور بمقام استفا تو مارشل لا کا اعلان ہوا جس سے چالیس فوجی سرداروں کو پھانسی دی گئی اور ۲۴ راپریل ۱۹۰۹ء کو قسطنطنیہ میں فوج نے داخل ہو کر بلووں کو فرو کیا۔ نیز ۲۷ راپریل کو سلطان عبدالحمید ثانی کو تخت سے اوتارنے کا تصفیہ کیا گیا جس میں پارلامنٹ اور شیخ الاسلام کی رائے میں موافقت معلوم ہوئی تب ہی خود عبدالحمید خاں بلا کسی قسم کا کشت و خون کرائے تخت سے اتر گئے اور اونھیں ۲۸ راپریل کو سلانیکا بلا کسی سامان کے پہونچا دیا گیا۔ کیونکہ مجلس کی رائے میں وہ بلووں وغیرہ کے بانی و شریک قرار دیئے گئے تھے۔ اور اوس کی تفصیل بھی فتوی میں کی گئی۔ ساتھی اس کے اونکے چھوٹے بھائی محمد رشاد کو محمد پنجم کے نام سے سلطان بنایا گیا اور اب چونکہ اوس ترکی قوم کا جو اس وقت برسر حکومت تھی فیصلہ یہ تھا کہ عبدالحمید خان ثانی ہی تمام خرابی کے ذمہ دار تھے اور اونھیں نے بلوے وغیرہ کرائے تو اس کی تردید کا حق کس کو ہو سکتا ہے۔ مگر ہر تاریخ کا پڑھنے والا یہ حق رکھتا ہے کہ انصاف سے غور کرے اور اپنا فیصلہ بھی کرے۔ اس لئے یہ چند سطور راقم الحروف لکھنے کی جراءت کرتا ہے۔

وہ سلطان کہ جس نے یورپ کو اپنے دبدبے و جبروت سے ہلا دیا ہو جس کی خود مختاری کے وقت میں ایک چپہ بھر بھی زمین سلطنت سے بلا حقوق شہنشاہی قائم کرائے یورپ کو لینے کی ہمت نہ پڑی ہو۔ اور تخت سے اوترتے وقت کسی ترک کے خون کا ایک قطرہ بھی گرانا جسنے جائز نہ رکھا ہو۔ نیز سلانیکا جاتے وقت ایک حبہ بھی قوم کا نہ لے گیا ہو۔ اور بغاوت کے وقت بھی کسی قسم کا فائدہ نہ اوٹھایا ہو۔ بلکہ قوم نے جس جس وقت جو کہا وہ منظور کیا ہو۔ نیز شہنشاہ جرمنی کی دوستی سے بھی فوجی نفع اپنے قیام کے واسطے نہ حاصل کیا ہو۔ اوس پر ایسے الزام لگانا قرین عقل تو نہیں ہے۔ قومی مصلحت دوسری شئے ہے۔ اب یہ امر کہ استبدادیت کے

واسطے بلوے کرا دیئے۔ یہ کسی کی عقل میں نہ آئے گا۔ جب اپنے تاج و تخت کے واسطے ایک اونگلی کا بھی اشارہ نہ کیا تو اس قسم کے الزامات کے کوئی معنی نہ ہوں گے۔ وہ ضرور فوج سے کر لڑ سکتے تھے۔ قانون اساسی کو ملتوی کر سکتے تھے۔ اور اون کی امداد کو بڑے بڑے تیار ہوتے۔ لڑوانے والے تو چشم براہ تھے ہی۔ پھر اسی کے ساتھ اگر اس پر غور کیا جاوے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد "اتحاد و ترقی" کی مخالفت بھی ہوگئی باوجودیکہ یوروپین مورخین نے عبدالحمید خان کی برائی دکھلانے کیلئے نوجوان ترکوں کی تعریف کرنا بھی شروع کردی تھی اور واقعی وہ تعریف کے قابل ضرور تھے۔ مگر اونکے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے اور انحطاط ہوا کیا اوسکے بھی ذمہ دار سلطان عبدالحمید ہی ہونگے۔ اور اونھیں کے سر تمام برائیاں تھوپی جائیں گی۔ استغفر اللہ۔ یہ سب قصہ و کہانی ویسی ہی ہے جیسے کہ اہل ہند کو بادشاہ اورنگ زیب کے عیوب دکھلائے گئے ہیں اور اوسے سخت سے سخت ظالم اور متعصب بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ کپتان الگزینڈر ہملٹن جو ایک انگریز سیاح شاہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے۔ اور ۲۵ سال رہکر گئے اونھوں نے اپنا سفرنامہ میں لکھا ہے جسکی دوسری طبع سنہ ۱۷۴۴ء میں ہوئی ہے اور جس میں اونھوں نے سچے واقعات لکھے ہیں اور اورنگ زیب کو ایک نہایت عادل محنتی۔ اور بے تعصب بادشاہ ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض مورخوں نے عبدالحمید خان ثانی کو نہایت ہی مدبر اور عاقل بادشاہ لکھا ہے۔

سلطان عبدالحمید کو موضع الاتینی (Allatini) میں نظربند رکھا گیا۔ مگر بعد میں وہ پھر قسطنطنیہ لائے گئے۔ اور اون بیچارے نے پھر بھی محض خاموشی کی زندگی قید ہی میں بسر کی۔ جبتک کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں اون کا انتقال نہ ہوگیا۔ اونکے زمانہ حکومت ہی میں جیسے کہ سنہ ۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں کے ہاتھ میں گویا حکومت آئی تھی اوس وقت دو کروڑ تین لاکھ کی آبادی میں ایک فی صدی پڑھے لکھے لوگ تھے۔

سلطان رشاد یا سلطان محمد پنجم

اپریل ۱۹۰۹ء - جولائی ۱۹۱۸ء

سلطان رشاد محمد پنجم بہت ہی سیدھے سادے مسلمان تھے مجلس مبعوثین کے بندے اور سیاسیات سے قطعًا نابلد۔ اونھیں کے زمانہ میں روس کی تحریک پر تمام سلاو اقوام اور اون کی افواج کا اتحاد بنا اور وہ بھی زور پکڑنے لگا۔ روسی وزیر اسوالیسکی (Iswalaski) [illegible] میں وزیر تھا اس تحریک کی پوری امداد بھی کی۔ اور اس اتحاد نے آیندہ کے انقلابات ترکی میں بہت کچھ حصہ بھی لیا۔ اب سلطان محمد پنجم کے تخت نشین ہوتے ہی احمد رضا بک ایک بہت ہی لائق قانون دان کے زیر صدارت مجلس کا افتتاح پھر ہوا۔ مگر اب اتحاد و ترقی کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو ہر شئے و ہر معاملہ کو ترکی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے تھے اور ترکی ہی کے نام سے تمام رعایا کو متحد کرنا چاہتے تھے۔ اون کو بلا قید مذہب۔ بلکہ با تمام ترکی زبان کے رواج دینے کا غلو تھا۔ یہاں تک کہ البانیہ میں البانی اور عربیہ میں عربی زبان تک کے بولے جانے کی اجازت دینا قرین مصلحت نہ تھا۔ فوج میں بھی عام بھرتی کا حکم بلا کسی مذکورہ قیود کے جاری کر بیٹھے تھے بلکہ بلقان کے تمام عیسائیوں کو سپاہی بنا کر فوج میں بھرتی ہونے کا حکم صادر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں بلغاری۔ یونانی اور سربیا کے نوجوان جو عثمانیہ میں آباد تھے وہ فوجی خدمت کے ڈر کے مارے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تاہم قوم پرستوں نے اونکے بجائے ایشیا کی کثیر آبادی کو جو مسلمان تھی آباد کر لیا۔ دوسرا فرقہ خوشامدی سے کام کرنا چاہتا تھا مگر کمزور تھا۔ اور اعتدال سے درستی کی طرف بڑھنا اون کا اصول تھا۔ دونوں نے ہر محکمہ کی ترتیب کی طرف توجہ ضرور کی تھی مگر اب کچھ ایسی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی کہ رشوت کا بازار ہی نہ بند ہو سکا۔ اور فوجی محکمہ تو انحطاط ہی کی طرف جانے لگا۔ تنخواہیں بھی پوری ادا نہ ہونے لگیں۔ ٹیکس بے فلاح لدتے ہی بڑھتے گئے اور تخفیف اخراجات مشکل ہی نظر آنے لگی۔ حجاز و بغداد ریلوے کا کام تو ضرور دیتی تھیں مگر قرض کا بار بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ عوام اور جہلا پر مذہبی شدادوں کا قبضہ گہرا ہی ہوتا نظر آیا۔ ملک کی کل تجارت یہودیوں و آرمنوں ہی کے ہاتھ میں

اب بھی تھی کہ باوجود یورپ کی سازشوں نیز خفیہ طور پر بلغاریوں کی امدادی کارروائیوں نے
تمام ملک میں نوجوان ترکوں کے لئے بھی ترتیب یا انتظام ملکی میں مصیبت ہی گونہ پیدا کر رکھی
تھی۔ عیسائیوں کو عام طور پر ہر قسم کے حقوق کی خواہش تو تھی ہی مگر ذمہ داری سے دور بھاگتے
تھے۔ بالخصوص اونکے پادری و مقتدایان مذہب اور سیاسی رہنماؤں میں خاص غداری کا
ولولہ پورے طور سے ہر مقام پر ظاہر ہو چلا تھا۔ نوجوان ترکوں نے ابھی تک کچھ بوڑھے
تجربہ کاروں کو بھی رکھ چھوڑا تھا مگر وہ بہت زاید مداخلت امور حکمرانی میں نہیں
کرتے تھے۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک جدید مہدی نے پھر یمن میں خروج کیا اور بلوہ ہوا۔ اسی سال البانیہ
و سرویا والوں کے بادشاہ قسطنطنیہ بھی آئے اور اطمینان بھی دلا گئے کہ وہ صلح کے پابند
رہیں گے۔ نیز اٹلی کی حکومت نے ڈیڑھ سو ترکوں کو دعوت دے کر اپنا مہمان بنایا اور
طرابلس کے مسئلہ پر گفت و شنید کی اور اطمینان بھی دلایا۔ جس پر یمن کے بلوہ کو رفع کرنے
کے لئے وہ ترکی فوج بھیجی گئی جو طرابلس میں متعین تھی اور ۲ ر دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء تک اٹلی کے
وزیر خارجہ نے اپنی قومی مجلس میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ سلطنت عثمانیہ اور اوسکے ساتھ ہی
طرابلس کو ترکی کے قبضہ میں اٹالیہ کی حکومت برقرار دیکھنا چاہتی ہے اسی طرح آسٹریا و ترکی کے درمیان
جو کشمکش تھی اوسکا بھی فروری سنہ ۱۹۱۰ء میں آسٹریا کے زیر اثر بوسنیا و ہرزگووینا کو دے کر
صلح کر لی گئی۔ نیز اوس کو پارلامنٹری حقوق بھی دیدیے گئے۔ بلغاریہ سے بھی معاملت
ہو گئی تھی کہ تین لاکھ اسی ہزار پاؤنڈ (۳۸۰۰۰۰) کا تاوان جنگ جو روس کو ترکوں
سے پانا تھا وہ بلغاریہ نے اپنے ذمہ لے کر دو لاکھ پونڈ کی سالانہ قسطوں میں روس کو ادا
کرنا منظور کر لیا اور ترکی نے اوس کی آزادی بلغاریہ پر کر دی۔ نیز بلغاریہ کے مسلمانوں
کے حقوق کی حفاظت کے لئے صوفیا میں ترکی مفتی اعظم اور مسلم مدارس و مساجد کا قیام و حفاظت
بلغاریہ کی آزاد حکومت نے بھی منظور کر لیا۔ اور کریٹ یونان میں شامل ہو گیا۔ نوجوان ترکوں
کو اب برطانیہ کی ہمدردی پر بھی امید ہو سکتا تھا کہ ان کی اخباری دنیا نے کسی طرح اب
تک ساتھ دیا کیونکہ دول یورپ پھر ایک طاقت متحدہ کی ضرورت تھی مگر ایک

زبردست مدمقابل کی اور ترکی کو تو کسی طرح بھی بطور ایک زبردست سلطنت کے دیکھنا
کسی عیسائی سلطنت کے مان کی بات ہی نہ تھی۔ مگر چونکہ روس کو جاپان نے کمزور کردیا
تھا اس سے کچھ نہ کچھ ترکوں کی جان اور قوت ضرور بچ رہی تھی کہ یکایک اٹلی کے طرابلس پر قبضہ
کرنے کی کیفیت معلوم ہوئی۔ تب جاکر ترکوں کے کان دناک ہوئے اور ہر طرف سے
دباؤ کا منظر سامنے آیا۔ اور یہ بھی سمجھ میں آیا کہ سیاست کے میدان میں قدم اوٹھانا آسان نہ
تھا اب تو تمام حصص مملکت بھی دوسروں کے نذر کردیئے تھے مگر پھر بھی چین کی صورت
نہ دکھلائی پڑی۔ اور موجودہ سلطان تو محض کاٹھ کی پتلی ہی نظر آئے۔ احمد رضا اور حقی پاشا
کو یکے بعد دیگرے قلمدان وزارت دیا گیا۔ مگر ۱۹۱۱ء ہی میں البانیہ کی پہاڑیوں اور
مالتسوری - (Maltsone) والوں نے بھی بلوہ کردیا اور کردوا افواج کو
بیحد نقصان پہونچایا نیز ۲۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے ترکی سے اعلان جنگ کردیا جس سے
پھر بلغاریہ سرویا یونان۔ مانٹینیگرو وغیرہ میں آپس میں چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ اور ہر طرف
مکمل آزادی کا خیال بڑھنے لگا۔ اسی سال تب طلعت پاشا کو قلمدان وزارت عطا ہوا۔

اب ترکی و اٹلی کی جنگ طول پکڑ گئی۔ اور مارچ ۱۹۱۲ء میں طرابلس پر اٹلی نے
قبضہ ہی کرلیا۔ اور آسٹریا نے باسینا پر بلکہ یونان نے بھی کریٹ پر مکمل قبضہ کرلیا۔ روس کے
سفیر (Isvolsky) اسودسکی متعینہ فرانس کی کوشش سے بلغاریہ اور سربیا میں
معاہدہ بھی ہوگیا کہ اکٹھے ترکوں سے جنگ کریں گے۔ ادھر گھر میں نوجوان ترکوں کی
انتہاپسندی کے سبب قدیم وضع کے لوگ تنگ تھے۔ اور قدیم فوج بھی مخالف ہورہی
تھی۔ کامل پاشا کو جو برطانیہ کی دوستی پر بھروسہ تھا وہ بھی غلط نکلا۔ اٹلی نے اپنے قبضے و الحاق
طرابلس کی اطلاع بھی دول یورپ کو کردی۔ بلکہ ساحل البانیہ پر گولہ باری بھی شروع کردی۔
بحیرہ ایڈریاٹک میں بحری فوج نے بڑھکر پریویسا (Praveesa) پر گولہ باری کردی ترکی
بحری فوج نے دردانیال میں پناہ لی جس پر بحیرہ ایجین کے بہت سے جزائر پر بھی اب اٹلی نے
قبضہ کرلیا۔ فرانس و برطانیہ نے ان تمام واقعات سے چشم پوشی کرلی حالانکہ سلطان عبدالحمید کے
وقت میں طرابلس میں کافی فوج رہتی تھی۔ مگر نوجوان ترکوں نے غلط اندازہ کرکے اوس کو بہت

کم کر دیا تھا۔ انور بے نے جو وہاں ہوشیاری سے پہونچ گئے تھے۔ تھوڑی فوج کے ساتھ جانباز مقابلہ کیا تھا۔ اوسی وقت برطانیہ نے بھی مصر کے بابتہ اعلان کر دیا کہ مصر کسی کی طرفداری نہ کرے گا۔ بلکہ ترکی افواج کو مصر کی طرف سے طرابلس جانے تک کی اجازت نہ دی گئی۔ انور بے نے بے قاعدہ عربی فوجوں کے ذریعہ سے جنگ تو جاری ضرور رکھی تھی۔ مگر یورپ میں اب پھر ترکوں کے کے مظالم کے راگ گائے جانے لگے تھے اور عیسائی رعایا کے غیر مذہبی معاملات میں ہر طرف سے مداخلت ہونے لگی تھی نیز ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء کو چاروں دول متحدہ عظمی یورپ نے حسب معاہدات قدیم اپنی اپنی فوجوں کو جیسے ہی کہ جزیرہ کریٹ سے ہٹا لیا تو آنے والے طوفان کے نشانات اگست میں اچھی طرح نمایاں ہو گئے۔ بلقان کی لیگ کی بھی اب تکمیل ہو گئی۔ شمالی البانیہ میں گڑبڑی پھیلی۔ اور ۸ اکتوبر سنہ ۱۲ء کو مانٹینگرو نے ترکوں سے اعلان جنگ کر دیا۔ اور ۱۷ار اکتوبر کو بلغاریہ و سرویا نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ نیز ترک بھی اب اعلان جنگ پر مجبور ہو گئے کیونکہ بلغاری افواج ایڈریانوپل پر بڑھا دی گئیں۔ تب ۱۸ار اکتوبر کو یونان نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ کاظم پاشا کی اب وزارت تھی۔ اونھوں نے ناظم پاشا کو جنگ کے واسطے بڑھنے کا حکم دیا اور جنگ بلقان زور پکڑ گئی۔ ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۲ء کو ترکوں کو ادھر شکست ہوئی تب اُدھر سرب بھی اوسکب (Uskub) پر بڑھ گئے تھے۔ اور علی رضا پاشا کے مقابلہ میں اونھیں بھی فتح ہوئی۔ یونانیوں نے سلانیکا کی طرف قدم بڑھا دیا۔ قسطنطنیہ میں مہاجرین کی کثرت سے ہیضہ بھی پھیلنے لگا۔ اور بلغاریہ بھی وہاں بڑھتا پایا گیا۔ بلکہ ۹ر نومبر سنہ ۱۲ء کو یونانی افواج سلانیکا میں داخل ہی ہو گئیں۔ اور بلغاریہ افواج بھی وہیں پہنچ گئیں۔ جہاں کہ چار سو بیاسی (۴۸۲) سال تک ترک حکومت کر چکے تھے۔ بلقان لیگ جسکا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اوسکے معاہدہ کے مطابق اب ایک مشترکہ مطالبہ پورٹی کے سامنے پیش کر ہی دیا گیا جس میں مختلف اصلاحات کی خواہش کیساتھ ساتھ صوبجات کی مکمل آزادی کا بھی مطالبہ تھا۔ اوسی کو ترکوں نے اعلان جنگ سمجھا تھا اسکی وجہ ترکوں نے ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۲ء کو اٹلی سے مصالحت بایں طور کر لی تھی کہ طرابلس سے اپنی افواج ہٹالی تھیں۔ اور اٹلی نے بھی بحیرہ ایجین کے جزائر سے اپنا قبضہ ہٹا لیا تھا۔ تب سرویا نے اوسکب اور دوریزو (Durazzo) پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ کو مینووا (Kumenovo)

اور موناسٹر (Monaster) پر ترکون کو شکست بھی دیدی تھی۔ جس طرح مغربی دنیا میں یہ سب ہو رہا تھا اوسی طرح مشرق میں بلغاریہ نے تھریس لے لیا تھا اور ۲۲ اکتوبر کو کرک کلیسی پر اوس نے بھی شکست دی تھی جس سے لولوبرگاس (Lulubargas) سے ایکروپیا (Vezia) تک کے ترکوں کے سلسلہ محاذ کو توڑ ہی دیا گیا تھا۔ گویا ان چند ہفتوں میں یورپ میں ترکوں کے پاس صرف ایڈریانوپل اسکوٹری اور جوانینا (Joahnina) کے شہروں کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ تب ہی ۹ نومبر ۱۹۱۲ء کو مسٹر ایسکوتھ (Mr Asquith) وزیر برطانیہ نے یہ بھی فرمایا کہ "نقشہ مشرقی یورپ کو پھر بنانا چاہیئے۔ اور فاتحین کو اونکے فتوحات کے پھل سے محروم نہ کرنا چاہیئے جن کو کہ اونھوں نے بڑی قیمت دے کر حاصل کیا ہے"۔ اب تو مجبوراً ۲ یا ۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ترکوں نے عارضی صلح بمقام شتالجہ بجز یونان کے اور سب سے کر لی۔ نیز ۱۷ جنوری ۱۹۱۳ء کو دول یورپ نے سلطان ترکی کو یہ تحریر کیا کہ "ایڈریانوپل بھی بلغاریوں کو دیدیا جاوے اور کل معاملات کا تصفیہ دول مذکور پر چھوڑ دیا جاوے"۔ اُدھر ۲۲ جنوری ۱۹۱۳ء کو قومی اعلیٰ مجلس یعنی کابینہ عظمیٰ و کانگریس بھی نقرسولما باب عالی میں طلب ہوئی۔ اور اوس نے دول یورپ کے مشورے کی منظوری بھی دیدی اور صلح ہی کو ضروری خیال کیا۔ مگر دوسرے ہی دن انور بے اور طلعت بے نے مجلس پر حملہ کر کے ناظم پاشا وزیر فوج کو معہ اونکے ایڈیکانگ کے قتل کیا اور محمود شفقت کو وزیر عظمیٰ عطا کرادی نیز طلعت بھی وزیر داخلہ ہوگئے۔ اور ۳ فروری کو صلح عارضی توڑ دی گئی اور کامل پاشا سے استعفا لے لیا گیا۔ اور گویا نوجوان ترکوں نے پھر قوت پکڑ لی۔ اب بلغاریوں نے بھی صلح توڑ دی اور پھر جنگ چھڑ گئی۔ یونانیوں نے ۶ مارچ کو جانینا پر اور ۱۵ مارچ کو ساماس (Samos) پر قبضہ بھی کر لیا۔ بلکہ شاہ جارج یونان نے سلانیکا میں بھی جنگ جاری کر دی نیز ۲۶ مارچ کو بلغاریہ نے ایڈریانوپل پر پورا قبضہ ہی کر لیا۔ اسی طرح مانٹی نگرو نے اسکوٹری (Scutari) پر ... اب شتالجہ کی توپوں کی آوازیں قسطنطنیہ میں آنے لگیں۔ جہاں سے صرف ۱۹ میل قسطنطنیہ رہ جاتا ہے۔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بلغاری افواج نے تھریس سے گذر کر جو مظالم ترکی رعایا پر کئے تھے۔ اوس کی مثال دنیا میں مشکل ہی سے ملے گی اور اون کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ترکی سپاہ ہر جگہ کس طرح ہار گئی اور دوسرے اقوام کو جو ... [illegible]

محکوم تھیں آج یکبارگی شیر ہوکر اپنے صدیوں کے فاتحین کو مفتوح بنا رہی تھیں سبب بھی اس کا یہ بیان ہوا ہے کہ ترکی افواج فاقوں سے حیران تھی۔ سامان اور رسد کا بندوبست کمیٹی اتحاد بالکل ہی نہ کر سکی اور فوج میں عیسائی بھی چونکہ بکثرت بھرتی کر لئے گئے تھے۔ وہ بھاگ بھاگ کر ہر دستۂ فوج میں بدنظمی و بددلی پیدا کرا دیتے تھے۔ یا خود چھپ چھپ کر اپنے وطنوں کو چلدیتے تھے۔ نیز بلقانیوں کی ہر طرح امداد بھی کرنے میں دریغ نہ کرتے۔ چنانچہ ۱۳ مارچ کو ترکوں کے سامنے پھر دول یورپ نے شرائط صلح پیش ہی کر دیئے جن کی رو سے تمام مقبوضات یورپ کو اون سے نکال لینے کی تجویز کر دی گئی۔ نقشہ پر اس طرح خط ڈالا گیا۔ کہ اینیاس (Enos) سے لے کر بحیرہ بلیکین پر سے میڈیا تک جو بحیرہ اسود پر ہے اون سے کل ملک نکل جائے۔ کریٹ بھی یونانیوں کو دیا جاوے۔ اور ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء کو مجبوراً بمقام لندن ترکوں کو صلح پر دستخط ہی کرنا پڑے۔ محمود شفقت تو گولی سے شہید کئے گئے۔ سلطان رشاد کے داماد صالح پاشا کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور بہت ہی کشت وخون ہو گیا۔ ان جنگوں میں بہت مال ومتاع ترکوں سے اونکے حریفوں کو ملا جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اب انور بے وزیر فوج ہو گئے۔ اون سے اور جرمنوں سے بیحد اتحاد تھا کیونکہ وہ جرمنی میں فوجی ایجوکیشن حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ فوج میں بھی اونھوں نے جرمنوں کو اچھی طرح داخل کرنا شروع کر دیا بلکہ وہ سوا بعض ترکی فوجی افسروں کو بھی موقوف کر دیا۔ اس سے پھر بڑی برہمی پھیل گئی۔ ادھر یورپ نے ترقی و اتحاد کی موت کا گجر بجا دینے کا پورا سامان بھی کر دیا۔ حالانکہ واقعی اب جمال۔ طلعت اور انور بے کے ہاتھ میں پوری عنان حکومت تھی۔ [۱]

سلطان جدید تو محض کاٹھ کا پتلا سمجھے ہی۔ اور طوائف الملوکی ہی کی حالت میں وہ تخت نشین ہوئے تھے۔ لہٰذا برطانیہ کا اب پورا اثر عام طور پر ترکی میں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجبوراً طلعت پاشا نے خود ارمنی اصلاحات کے واسطے سر ولیم وِنڈہم کو جو برطانیہ کی طرف سے ترکی میں متعین تھے۔ انسپکٹر جنرلی اسی لئے عطا کرنا چاہی تھی کہ ارمنوں کی اصلی حالت سے کل یورپ مطلع ہو سکے۔ مگر برطانیہ نے اون کا تقرر مصلحتاً منظور نہیں کیا۔ [۲]

---

[۱] دیکھو صفحہ ۲۸۹ کتاب سر ولیم ونڈہم مذکور۔ [۲] دیکھو صفحہ ۲۸۷ کتاب سر ولیم ونڈہم مذکور۔

اس وقت بڑے بڑے ترک بھی قومی اور ملکی خزانوں کا زر ونقد لے کر ملک سے باہر چلتے پھرتے نظر آئے۔ اور بالآخر روس کی وہ پالیسی کہ سلافی اتحاد قائم ہو جاوے کامیاب ہی ہوگئی۔ غریب اتحاد و ترقی والوں نے تو ہر قسم کی تحریک کا تجربہ بھی اب کیا کہ جس سے یورپ راضی ہوتا۔ مگر بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ آخرکار اب پھر قومیت کا زور ہر جگہ ترکی حکومت میں دول یورپ نے پھیلانا شروع کرا دیا اور گو عیسائیوں کی اکثریت ضرور کم ہوگئی تھی۔ مگر اُدھر عرب بھی قومیت میں ڈوبے جا رہے تھے۔ اور اتحاد و ترقی والوں سے بدگمان ہونے لگے تھے تب انور پاشا نے اسلامی و تورانی اتحاد کی تحریکات کو اوٹھا دیا۔

مگر پورٹی نے اسوقت ملک کی حالت زار دیکھ کر دول عظمیٰ کی تجویزات صلح کے منظور کر لینے کا وعدہ ہی کر لیا۔ لندن میں پھر کانفرنس کی گئی اور بٹوارے کا وقت آہی گیا۔ دول یورپ نے بلغاریہ کی آزادی کمل پر اصرار کیا۔ اس پر سربیا ناراض ہوگیا۔ نیز بلغاریہ نے سلانیکا کے لینے کی بھی ٹھان لی تھی۔ جو یونان گانٹھے ہوئے تھا۔ ان امور سے آپس میں سخت رشک و حسد کی آگ بھڑکی جس سے کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔ دراصل فتوحات کے نشہ میں سب ہی چور تھے یہاں تک کہ ۲۹ جون ۱۹۱۳ء کو بلغاریہ کی فوج نے نصف شب میں یونان اور سربیا کی افواج پر بلا اعلان جنگ حملہ ہی کر دیا۔ اب کیا تھا مانٹی نیگرو اور سربیا نے ایک طرف سے اور سلانیکا کی جانب سے یونانیوں نے بلغاریہ پر بھی حملہ کر دیا جس سے چند ہی دنوں میں بلغاریہ کو شکست ہوئی۔ اُدھر رومانیا نے روس کی اغوا پر دریائے ڈینیوب سے اپنی افواج پار اوتار دیں۔ اور بلغاریہ ہی پر حملہ کر دیا۔ اس اثنا میں ترکوں نے انور پاشا کی کمان میں تھریس میں فوج اوتار دی اور ایڈریانوپل پر جولائی میں قبضہ کر لیا بلکہ کرک کلسی تک پہونچ گئے۔ لیکن ۳۱ جولائی کو پھر سب میں عارضی صلح ہوگئی۔ اور بمقام بخارسٹ ۱۰ اگست کو و بمقام قسطنطنیہ ۲۹ ستمبر کو آخری صلح ہوگئی جس سے کل مقدونیا کے نصف نصف حصہ پر یونان اور سربیا قابض ہوگئے۔ ایڈریانوپل ترکوں کے پاس رہ گیا۔ رومانیا کو دُوبروجا (Dobruja) مل گیا یعنی یونان کی آبادی و رقبہ دونوں دوگنے ہوگئے۔ اور ترکوں کا چون (۵۴) ہزار مربع میل نکل گیا اور ساڑھے بیالیس لاکھ آبادی کم ہوگئی۔

جنگ بلقان کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ نوجوان ترکوں کی اندرونی و خارجی حکمت عملی کوئی بھی نہ چل سکی ترکوں میں صرف قومیت کا خیال بیشک بڑھ گیا۔ اور قومیت کے خیال کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی اتحاد (Pan-Islamism) یا عام تورانی اتحاد (Pan Turanism) کی طرف سے سب مشغول ضرور معلوم ہونے لگے۔ مگر اب عرب کے مسلمان اون سے علٰحدہ ہو کر اپنی اپنی قومیت کے اعتبار سے اپنی ہی حکومت قایم کرنے کا خواب پھر دیکھنے لگے تھے۔ بیشک اسلامی اتحاد صرف خلیفہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے اوس وقت ہو سکتا تھا لیکن دول متحدہ یورپ تو اوس کو ہر طرح پر خطرناک سمجھتی تھیں۔ جرمنی بھی اوس سے کھٹکنے لگا تھا۔ اور خود ملک میں اوس کی کوئی بھی سیاست کے اعتبار سے وقعت نہ سمجھی جاتی تھی۔ نہ کوئی خلیفہ ہی زبردست تخت نشین تھا۔

تورانی اتحاد کا خیال تو انور پاشا کا دلایا ہوا تھا۔ اس کا مقصد تمام ترکوں کا اتحاد تھا۔ یعنی وہ ترک جو روس کی رعایا تھے اون کا اور سلطان کی ترک رعایا وغیرہ کا اتحاد پھر جس طرح اسلامی اتحاد نہ ہو سکا اور باوجود اعلان جہاد کے دنیا کے دیگر مسلمان تک ترکوں سے لڑ گئے تورانی اتحاد کی کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

ٹرکی میں اب انور پاشا وزیر جنگ ہوئے۔ سلطان محمد خامس تو لاشئے محض تھے۔ در اصل اب انور ہی کی حکومت تھی۔ طلعت پاشا اونکے مشیر تھے۔ لیکن انور پاشا بھی جرمنی کے ہاتھ میں بہت کچھ کھیل رہے تھے۔ اور اون کا مطمع نظر اب مصر اور نہر سویز کا حصول تھا۔ اسی مقصد کے لیے جرمنی جہاز گوبن بھی جرمنوں سے لیا گیا۔ انور و طلعت ہی نے تمام اسلامی دنیا میں مشن بھیجکر چندہ خلافت جمع کرانیکا بھی بندوبست کیا۔ نیز پین اسلامک تحریک کی کوشش پھر جاری کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ اوسی چندے سے گوبن و بریسلو جہازات کی خریداری بھی جرمنوں سے کی گئی تھی۔ اور اندرون ملک کا انتظام بھی ہونے لگا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۱۴ء میں مخصوص غیر ملکی حقوق Capitulations کو نوجوان ترکوں نے بالکل ہی مسترد کر دیا۔ اور اندرون ملک (۲۲۵) جنگی بھی موقوف کر دی جس سے کاشتکاروں کی حالت سنبھلنے لگی۔

ختم مئی ۱۹۱۴ء میں جرمنی کا جنگی جہاز گوبن اور برطانیہ کا جنگی جہاز انفلیکسیبل (Inflexible) دونوں قسطنطنیہ کے ساحل پر پہنچے۔ اس پر سلطان نے

نے آخر الذکر کے کمانڈر کے واسطے قصر شاہی میں شب کا کھانا کیا چنانچہ اسی کھانے کے درمیان
آسٹریا کے ولی عہد اور اوس کی بیوی کے بمقام سیرا جیوو (Serajevo) قتل کی خبر
سب کو ملی۔ اسی واقعہ سے در اصل یورپ کی ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا۔ برطانیہ عظمیٰ اور
سلطان وقت کی یہ کوشش ضرور تھی کہ اس جنگ کی آگ میں ترک نہ پھاندے۔ مگر جب
۱۹۱۴ء میں سعید حلیم وزیر اعظم تھے طلعت وزیر داخلیہ جاوید وزیر مال۔ انور پاشا وزیر جنگ
بلکہ اصلی حکمران تھے۔ سلطان محمد پنجم تو لاشۂ محض تھے اور وزیر اعظم بھی برائے نام ہی تھے۔ اوس وقت
ترکوں نے غیر جانبداری کا اعلان ضرور کر دیا تھا۔ مگر انور پاشا نے جرمنی سے خفیہ معاہدہ بھی
مدافعت کا بھی کر لیا تھا۔ اوس وقت ترکوں نے دو جہاز بقیمت برطانیہ سے خرید رکھے تھے اور روپیہ
بھی ادا کر دیا تھا مگر خلاف معاہدہ برطانیہ نے بوجہ جنگ عظیم اون کو نہیں لیجانے دیئے تب جرمنوں
نے گوبن بسلو دونوں جہاز انور پاشا کے نذر کر دیئے۔ ۱۶ اگست ۱۹۱۴ء کو اون پر جرمن افسران
بھی برقرار تھے۔ اور باوجود برطانیہ کے عذر کے جرمن افسروں نے ترکی ٹوپیاں پہن کر قسطنطنیہ کو اپنی
توپوں کی زد میں لے لیا۔ تیسرے یہ کہ مصر پر گو قبضہ برطانیہ کا تھا تاہم وہ ترکی سلطنت کا جزو تھا۔ وہاں
سے جرمن جہازوں کے اخراج کا کوئی بھی حق برطانیہ کو نہ تھا۔ جبکہ ترکی غیر جانبداری کا اعلان
کر چکا تھا۔ حالانکہ برطانیہ نے پہلے ہی سے اور دول متحدہ کے ہمراہ ۱۸ اگست ۱۹۱۴ء کو پھر پورٹ کو
یہ اطلاع دیدی تھی کہ اوسکی غیر جانبداری کی حالت میں اوس کی آزادی وغیرہ میں کسی طرح خلل
نہ پیدا ہونے دے گا۔ مگر در اصل تو انور پاشا کا منشا ہی غیر جانبداری کا نہ تھا۔ اونھوں نے کل
ترکی افواج کو طلب کر لیا اور آراستہ کر لیا تھا۔ غرضکہ ہر جانب پوری تیاری کر لی گئی تھی یہاں تک کہ
آخر اکتوبر میں گوبن جہاز بحیرہ اسود میں ترکی جہاز حمیدیہ کے ہمراہ داخل ہو کر روسی بندرگاہ پر گولہ باری
کرنے لگا۔ اور مصر کی طرف بھی لوٹ مار شروع کر دی۔ تب ۵ نومبر کو برطانیہ نے اعلان جنگ کر کے
سائپرس کا الحاق کر لیا۔ اوسی کے بعد ۱۷ دسمبر کو قاہرہ میں شاہزادہ حسین کو بجائے خدیو عباس
حلمی کے سلطان بنا کر مصر کو بھی برطانیہ نے اپنا ہی محفوظ ملک بنا لیا۔ پھر فروری ۱۹۱۵ء میں جمال پاشا
نے نہر سویز کے حملے کی بھی کوشش کی۔ مگر اب مصر میں ہندی فوج پہنچ چکی تھی نیز آسٹریلیا
و نیوزیلینڈ سے بھی۔ اسلئے جمال پاشا کو جنگ میں سخت شکست ہوئی اور بہت قیدی چھوڑ کر وہ چلے ہی

نظر آئے۔ روس کے خلاف بھی قاف پر ترک ناکام ہوئے۔ اور سارا کمیشن داردھان میں بھی اسی وقت روس کی فتح ہوئی اب ترکوں نے تبریز پر قبضہ کرکے ایران کو بھی گھسیٹنا چاہا مگر بالآخر وہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ میسوپوٹیمیا میں تو انگریزی و ہندی فوجیں آگئی تھیں۔ نیز ۲۳ر نومبر ۱۹۱۴ء ہی کو اعلان جہاد کی کوشش بھی جو انور نے کی تھی وہ بھی ناکام رہی۔ حالانکہ شیخ الاسلام نے فتوہ بھی دیدیا تھا مگر بدقسمتی سے شیخ الاسلام ملحد مشہور تھے اور اس کی بھی خبر اڑا دی گئی تھی کہ شاہ ولیم جرمنی نے اسلام قبول کرلیا تھا مگر سب سے بڑی دو دقتیں محسوس ہوئیں ایک تو جرمنی سے سامان جنگ کا پہونچانا دوسرے عربوں کی بغاوت کا روکنا کیونکہ ترکوں کو ممکن نہ تھا۔ ان صرف رومانیا و بلغاریہ ہی کو دباکر سامان لایا جاسکتا تھا۔ جو اب ترکوں کے ان کی بات نہ رہی تھی۔

لیکن ادھر اتحادیوں نے بھی دردانیال کے حملہ میں سخت نقصان اٹھایا اور ترکوں کو فوجوں کے لانے کا موقع دے بھی دیا۔ جس سے سخت جنگ پھر ہوگئی۔ اور جنوری ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی میں گویا ترکوں کی فتح ہوگئی۔ ایک لاکھ بارہ ہزار آدمی برطانیہ کی طرف کے اس جنگ میں کام آئے تھے۔ اور نقصانات کی بھی حد نہیں تھی مگر اس فتح گیلی پولی کا سہرہ انور پاشا کے ہی سر رہا گو سلطان کو غازی کا خطاب دیا گیا۔

جمال پاشا کو پھر ۱۹۱۵ء کے موسم گرما میں نہر سویز کے حملہ کا حکم ملا۔ حالانکہ جرمنی کی امداد کے انتظار نے اس مہم کا خاتمہ بھی کرا دیا۔ اب انور نے اپنے بھائی نوری بیگ کو شیخ سنوسی کو ابھارنے کو روانہ کیا۔ مگر مصر سے ان کی بھی خبر لے لی گئی۔ پھر ستمبر ۱۹۱۵ء کی جنگ کے بعد قوت العمارہ انگریزوں نے لے لیا۔ اور بغداد کی طرف وہ بڑھے تھے بلکہ ۲۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو سینٹی فان کی جنگ بھی جو میسوپوٹیمیا کی طرف ہوئی انگریز جیتے تو مگر وہاں سے

ان کو اوس وقت بھاگنا پڑا۔ اور جبکہ قوت میں پہونچے تو بعد نقصان بھی ہوچکا تھا۔ بلکہ جنرل ٹون سنڈ (ommmo ened) مع فوج کے گھر بھی گئے تھے ہندوستان اور یورپ سے کمک بھی گو برابر آئی تاہم بالآخر جنرل موصوف نے ہتھیار ڈالدیئے۔ ہار مان لی۔ بلکہ تقریباً جو نو ہزار سپاہی گرفتار ہوگئے تھے۔ وہ مع جنرل ٹون سنڈ کے قسطنطنیہ روانہ کر دیئے گئے۔ ۱۹۱۶ء میں انور پاشا نے قاف کی طرف حملے کیلئے بہت بڑی فوج بھیجی۔ مگر گرینڈ ڈیوک نکولس

(Grand Duke Nicholas) نے سنہ ۱۹۱۶ء میں ایشیائی قلعہ ارض روم لے لیا تھا۔ نیز تبریز اور
[illegible] اور جالا کہ دوش طلبس تک وہ پہنچ گیا تھا اور بیسو اس کے لے لینے کے بھی خیال میں تھا مگر یہاں بھی
سخت جنگ رہی کبھی جیت کبھی ہار ہوتی۔ یہاں تک کہ اپریل ۱۹۱۷ء سے روسی افواج سب محاذوں سے غائب ہونے
لگی کیونکہ روس میں خود بالشویک انقلاب شروع ہو گیا تاہم اوسکے باعث ترکوں کا بےحد نقصان ہو گیا۔ مگر اس درمیان
میں انگریزوں کو اپنی فوج جمع کرنے کا پھر سب طرف روس کے ترکوں سے چھوٹ جانے کے سبب پورا موقع مل گیا تھا۔

دوسرا بڑا سبب جسنے ترکوں کی کمر توڑ دی وہ عرب کی غداری تھی۔ درمیان ۱۹۱۶ء سے شریف مکہ نے
ترکوں کے خلاف ایک اعلان شایع کر دیا تاکہ عرب اقوام اونسے اپنی گلو خلاصی کر لیں۔ اور آزادی کے واسطے
ترکوں سے جنگ کریں۔ ترکوں نے حتی الامکان عربوں سے جنگ نہیں کی بلکہ ہر جگہ ہٹتے ہی گئے۔ مدینہ طیبہ میں تو
ایک گولی بھی نہیں چلائی اور ہتھیار ڈال دیئے مگر عرب ہر جگہ اُن کو مارتے اور ذبح کرتے تھے۔ اور اکتوبر ۱۹۱۶ء میں
شریف حسین نے اپنے کو شاہ حجاز ہونے کا اعلان کر دیا۔ جسکو برطانیہ نے قبول کیا اور در اصل برطانیہ کی فوج اور
روپیہ سے نیز کرنل لارنس کی نصرت سے شریف حسین کو تمام تر کامیابی ہوئی تھی۔ اونکے صاحبزادے امیر فیصل
نے عربوں کی فوج مرتب کر لی تھی اور اوسی سے معہ انگریزی فوج کے فلسطین اور شام میں بھی بڑھ گئے تھے۔
اور قسطنطنیہ کی پین اسلامک تحریک کو پورا دھکا دیا تھا۔ پھر ۲۴ فروری ۱۹۱۷ء کو انگریزوں نے کوت کو حاصل کر لیا۔
اور بغداد بھی ۱۱ مارچ کو ترکوں سے خالی کرا لیا گیا۔ برطانوی کمانڈر نے ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو اعلان وہاں شایع
کرایا کہ میسوپوٹیمیا کے لوگوں کو آزادی حاصل کرانے کے واسطے برطانیہ نے وہاں جنگ کی ہے۔ اور سامرا پر ۲۴
اپریل کو قبضہ بھی کر لیا۔ اور جو فاتح بغداد تھے یعنی سر ایس ماڈ (Sir S. Maude) نے
وہاں وبائی ہیضہ سے انتقال کیا اور پھر انگریزوں نے موصل تک حاصل کر کے گویا ترکی حکومت کا میسوپوٹیمیا میں پورا خاتمہ ہی
کر دیا۔ پہلے جرمنوں نے ایک فوج یلدرم یا "برق" کے نام سے تیار کی تھی مگر وہ بھی کچھ کام نہ آئی انور پاشا کے
دماغ سے ایک پین تورانین اتحاد (Pan Turanian) کی سکیم بھی ۱۹۱۷ء میں نکلی تھی۔ اور
جرمنوں نے بھی اوسے منظور کر لیا تھا مگر وہ بھی نہ چل سکی۔ کیونکہ جرمن جنرل وان ساندرس نے اونکے دماغ
سے نکلی ہوئی کسی تجویز کو ٹھیک اور درست نہیں پایا تھا۔ مصر کی طرف سے جب جون ۱۹۱۷ء میں حملہ کیا گیا۔ تو
بیرشیبا کو ۳۱ اکتوبر کو اور غازہ کو ۷ نومبر کو لے لیا گیا۔ پھر ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس کا بھی قبضہ حاصل
ہو گیا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں جنگ اکبری اور حیفہ سے گزر کر دریائے جارڈن کو طے کر لیا گیا تو گویا کل ترکی فوج کو تباہ کر لیا گیا۔

اور عربی و برطانوی افواج بے خطرہ دمشق و الیپو میں داخل ہوگئیں سنہ ۱۹۱۸ء کے آخری حصہ ستمبر میں ستر ہزار ترک تین ہزار سے کچھ زائد جرمن قیدی انگریزوں کے ہاتھ آگئے تھے۔

اب ترکی میں جرمنوں کی بے اعتباری بھی بڑھنے لگی کیونکہ سنہ ۱۹۱۷ء میں گیلیشیا (Galacea) سربیا اور رومانیا کے محاذوں پر بھی ترکوں کو جرمنوں نے لڑا دیا تھا۔ اور ہار ہو گئی تھی جرمنی کی فوجی صنعت بھی اب زائد مدد نہیں کر سکتی تھی حالانکہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء میں شاہ جرمنی خود قسطنطنیہ آگئے تھے۔ اور سلطان ترکی سے کل حصہ سلطنت کو واپس دلانے بلکہ خلافت کو بھی واپس کرا دینے وغیرہ کا وعدہ کر آئے تھے اور جبکہ چند ہی ہفتہ کے بعد بیت المقدس ہاتھ سے نکل گیا تھا تو بلجیم کے معاوضہ میں فلسطین کو واپس دلوانے کا بھی اطمینان جرمنوں نے ترکوں کو دلا دیا تھا۔ مگر اب سب بیکار تھا۔

طلعت نے جبکہ وہ بریسٹ لیٹوسک (Brest Litovsk) کی صلح کیواسطے اسٹیپک حکومت سے بات چیت کیلئے گیا تھا اور وہاں سے واپس آیا تو اوسنے جرمنوں سے تین لاکھ فوج بھی اسی لئے مانگی تھی کہ خود ترکی کو بچانے کی ضرورت تھی مگر اسکو ناکامی ہوئی اور اب خود ترکوں کے آپس میں سخت اختلافات ہونے لگے اور ایک دوسرے پر خیانت تک کے الزامات لگانے لگے۔ اب انور پاشا کا اثر کم ہونے لگا کیونکہ اوسکی فوجی پیشینگوئیاں صحیح نہ نکلیں۔ تب طلعت کو فروری سنہ ۱۹۱۷ء میں وزیر اعظم کیا گیا جسکے باعث اسمیں اور انور سے اختلافات بھی بڑھنے لگے۔ اودھر سلطان محمد پنجم کی وفات ہوگئی اور وحید سادس ۳ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء کو تخت نشین کئے گئے۔ کیونکہ ولیعہد یوسف عزالدین نے فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں خودکشی کر لی تھی۔

سلطان وحید الدین محمد سادس

۳ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء

وحید الدین کو محمد سادس کے نام سے تخت نشین کیا گیا اور آخر ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء میں بلغاریہ نے سلانیکا سے صلح کی تیاری کی۔ پھر اسوقت جبکہ سب طرف سے ترک مجبور ہو رہے تھے۔ تو حساب لگایا گیا تھا کہ جنگ کی ابتدا کے وقت میں ترکی فوج تقریباً گیارہ لاکھ تھی جس میں سے (۴۲۷۰۰۰) سپاہی مارے گئے تھے چار لاکھ زخمی تھے۔ اور (۱۱۳۰۰۰) قیدی و لاپتہ تھے تو کل دو لاکھ سے کچھ کم باقی تھے۔ مگر وہ سامان جنگ ہی رہا تھا اور نہ رسد رہی تھی۔ شام مصر وغیرہ نکل جا چکے تھے غرضکہ سب طرح کٹ بن گئی تھی اور اب سب سے بڑے ممبران اتحاد و ترقی یعنی انور طلعت قسطنطنیہ سے بھاگ کر باہر چلے گئے۔

تب برٹش ایڈمیرل کے جہاز پر ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکی وفد سوار ہو کر مدوڈراس کو صلح کرنے کیواسطے روانہ ہوا! وعارضی صلح ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں سے اتحادیوں نے کرلی۔

اس جنگ کے دوران میں ارمنوں نے ترکوں کیساتھ پوری غداری کی۔ اُنکے خلاف سراغ رسانی جاسوسی میں انگریزی فوجوں کی پوری امداد کی بالخصوص فلسطین کی طرف برطانیہ کی فوجوں میں والنٹیر بنکے ہیں انھوں نے غدر نہیں کیا۔ [1]

بعض مورخین نے مثلاً لارڈ ایورسلے و سرولینٹائن چیرول نے ارمنوں پر ظلم کا بڑا رونا رویا ہے مگر کون منصف مزاج شخص ترکوں پر ارمنوں کی مذکورہ کارروائیوں کے بعد الزام دے سکتا ہو۔ ہاں بیشک مذہبی تعصب کے نقطہ نظر سے سب کچھ جائز و درست ہے۔

نوجوان ترکوں نے ۱۹۱۶ء میں باوجود جنگ کے ملک کے کل کاروبار کو ترکی زبان میں کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا نیز قومی خیالات کو بھی خاص طرح پھیلانے لگے تھے جس سے تجارت و تعلیم میں بھی ترقی تھی مزدوروں اور کاریگروں کو بھی کچھ سکھ مل رہا تھا بلکہ پہلا ترکی بنک بھی جاری ہو گیا تھا نیز جنگی سے بعد جدید قانون کے باعث کھانے کی اشیا گراں ہو گئیں تھیں جس سے زمیندار خوشحال ہو گئے تھے بلکہ درآمد کے محصول سے ترکی ہر قسم کی پیداوار کا مقابلہ بیرونی اشیا سے ہونے لگا تھا۔ جسکے سبب سے کی کاریگروں کو بھی نفع تھا ۱۹۱۶ء ہی کے قانون سے ترکی زبان میں تمام کاروبار بیرونی کمپنیوں کو کرنے کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ اس سے نوجوان ترکوں کو ملازمتوں کے ملنے میں بھی بڑی مدد مل گئی تھی نیز مختلف پیشوں کے کالجوں اور صنعت و حرفت کے مدرسے بھی جاری کرنے کی بنیادیں پڑ گئی تھیں بلکہ کچھ کچھ جاری بھی ہو گئے تھے نیز بطور امیدواروں (Apprentices) کے لڑکے بھی اون ملکوں میں بھیجے جانے لگے تھے جن سے تعلقات دوستانہ اب بھی تھے تاکہ تعلیم پاکر اپنے ملک کو واپس آئیں یا خود وہیں پیٹ پال سکتے۔

جنگ کے نتائج سے تمام ملک کی حالت ضرور ابتر ہو گئی تھی لیکن دنیائے اسلام ابھی تک سلطان ترکی کو خلافت اسلامی کا حامل علی الاعلان رہی تھی۔ گو کہ سید احمد خاں مرحوم نے اپنے ہی زمانہ میں ہندوستان میں اس کا اعلان کر دیا تھا کہ سلاطین ترکی کو کسی طرح بھی خلافت اسلامی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نہ خلافت کہیں بھی باقی تھی۔ تاہم ہندوستان و دیگر اسلامی ممالک میں اہل سنت والجماعت بالخصوص اسی عقیدہ سے ہیں تھا کہ سلطان ترکی ہی خلیفۃ المسلمین تھے۔ ابتدائے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں خلافت کمیٹی

---

[1] دیکھو صفحہ ۳۱۲ کتاب سرولیم ونڈہم مذکورہ۔

بھی بنائی گئی۔ بھی بنائی گئی۔

ترکی قوم پرستوں نے اب سلطان کو تخت سے اتارنے کی گفت و شنید کرنا شروع کر دی۔ اور ہر طرف سے احتجاجی وفود وغیرہ انگلستان میں پہنچے گئے۔ تاکہ خلافت کو نہ مٹایا جائے۔ نہ قسطنطنیہ سے ترکوں کو خارج کیا جاوے اور مقامات مقدسہ کو خلیفہ ہی کے زیر اثر رکھے جاویں۔ مگر ساتھ ہی اونکے عیسائیوں نے بھی ارمنیوں پر ترکوں کے ظلم کے بابت سخت ہنگامے مچا دیئے جن سے ۱۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو لارڈ کرزن نے دارالامرا کے اجلاس میں یہ بیان دیا کہ "قسطنطنیہ میں جس طرح اتحادیوں کی بے وقعتی کی جا رہی تھی باوجودیکہ وہ مل کر کام کر رہے تھے اسکو کسی طرح وہ خاموشی سے انگیز نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ قتل و ظلم بھی دوسری جگہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی کے چھ دن بعد جنرل ملنے (Milne) نے قسطنطنیہ میں ایک فوج اتار دی جسنے فوراً محکمہ جنگ، بحری دفتر، نیز ڈاکخانوں وغیرہ و دیگر رسل و رسائل کے محکموں پر قبضہ کر لیا اور مصطفےٰ کمال کے بہت سے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ جس پر پارلیمنٹ نے اجلاس بند کر دیا۔ وزراء نے کچھ مداخلت کی کوشش کی جس پر سلطان نے صالح پاشا کو وزارت سے ہٹا دیا اور داماد فرید کو صدر اعظمی دیدی۔ اور فرمان شاہی کے ذریعہ قوم پرستوں کو باغی بھی قرار دیا۔ نیز شیخ الاسلام سے اونکے ایک کفر کے فتوے کی بھی اشاعت کی گئی۔ اب مصطفےٰ کمال نے انگورہ سے اور جعفر طیار نے ایڈریانوپل سے جواب میں سلطان اور وزراء کے اختیارات کو بے اثر بتلایا کیونکہ وہ کفار کے دباؤ میں تھے۔ جو خلافت کے خلاف عیسائی جہاد کے لئے حلف لے چکے تھے۔ مصر، ہندوستان اور شام میں بھی احتجاج اور بلوؤں کے آثار نمودار ہوئے جس کا عالمگیر تاثر بھی ظاہر ہو گئی۔ اور یہ معلوم ہوا کہ مسلمانان عالم میں سخت بے چینی تھی۔ تب اتحادیوں نے سین ریمو کے مقام پر پنجم اپریل میں کونسل کر کے بمقام پیرس ۱۰ جون ۱۹۲۰ء کو یہ شرائط صلح طے کر کے توفیق پاشا کو دیدیئے۔

اس صلح کے شرائط بھی ایسے سخت تھے کہ جن کا جواب ہی نہ تھا۔ اوس باکورہ ترکی سلطنت جو ۱۹۱۴ء میں (۱۳۵۰۰۰۰) میل مربع تھی اور جس کی آبادی دو کروڑ تھی اوس کا رقبہ اب (۱۷۵۰۰۰) مربع میل اور آبادی اسی لاکھ رہ گئی۔ تھریس میں جو کچھ جنگ بلقان کے بعد ترکوں کو بچ گیا تھا وہ بھی یونان کو بخشا گیا یعنی صرف قسطنطنیہ ترکوں کے پاس بچ گیا۔ اور چند میل آراضی گرد پھیلی ڈرکاس جہاں سے کہ قسطنطنیہ میں پینے کا پانی آتا تھا۔ ایشیا میں۔۔ صرف اناطولیہ کو یعنی وہ حصہ جہاں ترکی آبادی زیادہ ہو۔ آرمینیا کی ایک آزاد حکومت بھی بنانے کی تجویز ہوئی۔ اسمرنا۔ یونان کو سمندر کا کنارہ وغیرہ دیا گیا۔ اس سے ...

طرح یہ تھا کہ دردانیال بارمورہ اور باسفورس کے گرد قصبہ جات کے اوپر انتظام کے واسطے ایک بین الاقوامی کمیشن کی تجویز کی گئی۔ غرضکہ نہ ترکوں کو..... بحری فوج ہی کی اجازت رہی اور بری کی صرف پچاس ہزار فوج اور آٹھ سو سلطانی باڈی گارڈ رہ گیا۔ تمام قلعوں وغیرہ کے انہدام کی بھی تاکید کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عربوں کو آزاد کرنے۔ حجاز کی آزاد حکومت قایم کرنے۔ سوڈان و مصر پر برطانیہ کی حفاظت کے ساتھ سائپرس کو برطانیہ کے زیرنگیں دیدینے کی بھی شرط کی گئی۔ فرانس کی حفاظت میں ٹیونس۔ و مراکش طرابلس میں اٹلی کے حقوق کو بھی منوایا گیا۔ نیز جزائر ایجین و بحیرہ روم کو اٹلی و یونان کو دیدینے کا حکم بھی نافذ ہوا۔

ایسی صلح سے تو گویا سلطنت کا خاتمہ ہی کردیا گیا جبکو سلطان اور وزرا بلکہ ہر ترک نے نامنظور کردیا۔ ادھر ہر جگہ احتجاج ہو گیا۔ ادھر انس بھی گو سائیلیشیا میں ترکوں سے بش پٹش ہو گئی۔ مگر انھوں نے سس ... اور اینتاب (Aintab) ترکوں کے واسطے خالی کردیا۔ ادھر بالشویکوں اور ترکوں سے میل ہو گیا اور جنھوں نے ترکوں سے امداد کا وعدہ بھی کر لیا نیز اتحادیوں نے اور بالخصوص برطانیہ نے تو فوجیں جہاں سے آئی تھیں وہیں کو واپس کردی تھیں۔ نہ تو کوئی سامان ہی جنگ کے واسطے رکھا تھا کہ جس سے صلح کے شرائط کو منظور کرا لیتے صرف یونان ہی کے پاس فوج اتنی کافی موجود تھی کہ جس سے کام نکالا جا سکتا تھا۔ اس لیے اتحادیوں نے ایم۔ وینی زیلاس (M. Venezelos) سے درخواست کی۔ اور اس نے منظور کر لیا۔ اور فوج کو حرکت دیدی۔ اور اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

مغرب کی بوستاں میں جو رنگ خزاں نہیں
سنتے ہیں اس زمیں میں آسماں نہیں

مصطفےٰ کمال کی بہت بڑی فوج جو ایک حصار اور الاشہر کے درمیان تھی اسکو یونانی افواج نے ۲۲ر جون سنہ ۱۹۲۰ء کو بالکل ہی پسپا کردیا نیز تھوانیا کی طرف بھی بحر مارمورہ سے انگریزی بحری قوت کی حفاظت میں یونانی فوج داخل ہوئی اور ۹ر جولائی کو بروسا لے لیا۔ اور پانچ دن میں اڈریانوپل پر یونانی پھریرا اڑنے لگا بلکہ جعفر طیار کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔ سلطان نے اب گرینڈ کونسل طلب کی اور شرائط صلح کو منظور کیا گیا۔ ۱۱۔ تب ہی ۱۰ر اگست سنہ ۱۹۲۰ء صلحنامہ سیورے پر ترکوں کیطرف سے دستخط کر دئے گئے۔ اور گویا جنگ عظیم ترکوں سے ختم کی گئی۔ اور ہر ترک یہ کہتا نظر آیا۔

مٹایا گردشِ دوراں نے اس طرح ہمکو
کہ بےکسی کو بھی اپنا نشاں نہیں ملتا

حالانکہ امریکہ کے صدر مسٹر ولسن نے یہ فرمادیا تھا کہ "ہر مقامی تصفیہ جو اس جنگ کے متعلق ہوگا اوس میں خاص مقامی باشندوں کے مفاد کا لحاظ ضروری ہوگا۔ دعون کے فیصلے باہمی کے لحاظ سے کچھ نہ طے ہوگا۔ او غیر جانبدارانہ انصاف میں اسکی تمیز نہ ہوگی۔ کہ کس کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں۔ اور کس کے ساتھ انصاف نہیں کرنا چاہتے۔ یہ انصاف ایسا ہوگا کہ جو مراعات وطرفداری سے مبرا ہوگا۔ اوس کا کوئی معیار بھی مقرر نہ ہوگا۔ بلکہ مختلف متعلقہ لوگوں کے برابری کے حقوق پر مبنی ہوگا"

دنیا بھر نے اونکے الفاظ مذکورہ کو مغتنم سمجھ کر اونکے چودہ شرائط کا ہر جگہ خیر مقدم کیا۔ مگر بھلا ترکوں کے ساتھ یورپ کس طرح اونکی پابندی کرسکتا تھا۔ اوسکے حصے بخرے تو مدتوں سے زیر غور تھے۔ یہ ہے انصاف!۔ چنانچہ آج تک شام اور الیگزینڈریٹا کا بھی فیصلہ ہو رہا ہے!

بیشک صلحنامہ سیوارنیز پر دستخط ہو گئے مگر تمام دنیا نے اوسے بالکل ہی ناروا قرار دیا۔ اور ہر طرف سے اوس پر یہی اعتراض ہوا کہ محض ترکوں سے سخت بدلا لینے کے واسطے یورپ نے اوسکو جائز رکھا۔ مگر ۱۹۱۸ء میں بعد جنگ ترکوں کی فوج میدان میں بھی موجود تھی اور سب ہتھیار بھی نہیں لئے گئی تھی مصطفےٰ کمال نے ایشیائے کوچک کے قلب میں فوج کی ترتیب بھی کرلی تھی۔ اٹلی کو یونان کا اسمرنا پر قبضہ ہی ۱۹۱۹ء میں کسی طرح دل سے نہ بھاتا تھا۔ فرانس کی بھی ہمدردی یونان کے ساتھ اوسوقت سے کم ہوگئی تھی جبکہ شاہ الیگزینڈر یونان کی وفات کے بعد شاہ کانسٹنٹائن معہ اپنی ملکہ سوفیا کے جو قیصر جرمنی کی بہن تھی۔ ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کو یونان میں داخل ہوا تھا۔ نیز برطانیہ کو بھی یونان سے اب کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی کیونکہ وینی زیلاس قومی انتخاب جدید میں ہار گیا تھا۔ اور برطانیہ کو تو اُس سے اصلی ہمدردی تھی۔ در اصل ترکی و یونان کی جنگ ۱۹۲۲ء تک رہی۔

مصطفےٰ کمال نے بھی انگورہ میں اب قومی پارلامنٹ کو طلب کرلیا تھا اور صلح سیوارنیز کی مخالفت کو طے کرلیا تھا۔ اور اوس تجویز میں وہ "قومی معاہدہ" جو ارض روم میں ہوچکا تھا اوسکی پابندی پر سب نے حلف کرلیا۔ اوسی پر کہا جاتا ہے کہ موجودہ ترکی سلطنت کی بنا ہے اور حلف ہی ہوکر سب کے اوسپر دستخط بھی ہوئے تھے۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے "مرکزی حکومت بالکل دول غیر کے قبضے میں ہے۔ ترکی

قوم نے اپنے ملی جذبے سے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ بیرونی اقتدار و اثر کا پورا مقابلہ کر سکتی۔ لہٰذا تمام قوم کی
قوتوں اور کوششوں کو متحد کرنے کا قوم نے بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اس کی تنظیم کرکے ایک عام ملکی
نمائندہ کانگریس یا کابینہ عظمیٰ کو مجتمع کیا جائے گا تاکہ ملکی حفاظت کے طریقوں پر بحث مباحثہ ہو کر کچھ طے
کیا جائے۔ اسی میں ترکی قوم نے آرمن شہنشاہیت کو ایشیائے کوچک۔ قسطنطنیہ اور تھریس میں واپس
لینے کا جان دینے کا ارادہ بھی ظاہر کر دیا تھا۔ لہٰذا کمال نے ایشیائے کوچک کے شمال میں ارمنیوں کو
بالشویک ماسکو کی امداد سے قابو میں کر لیا۔ اور ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو کمال نے انگورہ کی حکومت
ہی کو صرف جائز حکومت قرار بھی دے دیا تھا۔ قسطنطنیہ میں سلطان کا اثر بھی بالکل زائل ہو چکا تھا۔ کیونکہ
انہوں نے معاہدہ سیوارے پر دستخط کر دیئے تھے۔ عزت پاشا کو انگورہ کے سمجھوتے کے واسطے
قسطنطنیہ سے بھیجا بھی گیا مگر اس نے بھی "قومی معاہدہ" کی پابندی کا اظہار وہاں پہنچ کر دیا۔ چنانچہ
سپریم کونسل (Supreme Council) متحدین کی طرف سے جنوری سنہ ۱۹۲۱ء میں قسطنطنیہ
اور انگورہ دونوں جگہ سے وفد بلائے گئے تاکہ لندن میں صلح کی کانفرنس بہم کی جاوے اور صلحنامہ
سیوارے پر غور ہو تو دونوں جگہ کے وفود بکر سامی کے تحت میں ایک ہو گئے۔ یونان کی طرف سے بھی کوئی
تیاری مفاہمت کی نہ نظر آئی بلکہ شاہ یونان کانسٹنٹائن نے ۲۶ جنوری کو یونان کا ارادہ فتح ایشیائے
کوچک بھی ظاہر کر دیا۔ اور حملہ بھی کر دیا تھا۔ لیکن لندن کی کانفرنس کے درمیان حملہ روک تو دیا گیا اور
متحدین نے مزید شرائط پیش کیے جس سے خفیف ترمیم کر دی گئی۔ امید یونان و ترکی کے نمائندے
شرائط لے کر اپنے اپنے مقام پر واپس گئے۔ یونان نے تو پھر فوج کو جمع کیا اور ترکوں نے "قومی معاہدہ" کو پیش
کر دیا۔ چنانچہ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء میں یونان نے پھر حملہ کر دیا اور جولائی میں جنگ کوتاہیا (Kutahia)
سے کمالیوں کو سخت شکست ہوئی۔ ستمبر تک یونانیوں نے انگورہ تک پہنچنے کا ارادہ کر لیا مگر بعد میں ترک
فتحیاب ہوئے اور یونانی دریائے سکاریہ کے مغرب تک ہٹ گئے۔ بکر سامی نے اب پیرس میں فرانس اور اٹلی
سے ابتدائی معاہدے صلح بھی کر لئے تھے لیکن سالیشیا میں فرانس اور ترکوں سے تصادم ہو گیا۔ تاہم
۲۰ اکتوبر کو فرانس اور ترکی میں صلح ہو گئی اور سالیشیا سے فرانس نے فوج ہٹا لی۔

تاریخ دی ماڈرن ورلڈ ترکی (The modern world turkey) نوشتہ
ٹوائن بی و کرک [illegible] (Ruyndeau [illegible]) [illegible] یونانیوں نے [illegible] ایک

وسیع حصۂ ملک پر جس میں غیر اقوام اور مخالف آبادی تھی پر اپنے کو حکومت کرنے کا نا اہل ثابت کیا۔ جیسے ہی کہ وہ اسمرنا میں داخل ہوئے ہیں ویسے ہی ظلم سے جنگ شروع کر دی اور قتل و غارت بھی جیسے کہ قریب کے مشرقی ممالک کرتے تھے۔ میانڈر (Maeander) کی سرسبز و شاداب گھاٹی کو بالکل برباد کر دیا اور ہزاروں ترکوں کو بے گھر کر دیا۔ تب اناطولیہ میں برہمی پھیل گئی۔ یونانیوں نے در اصل اتحادیوں کی سوپریم کونسل کے حکم کے خلاف بہت زائد حصۂ ملک پر مستقل گویا قبضہ ہی کر لیا۔ ترکوں کی شان و مرتبہ کو جو دھکا اتحادیوں کے قسطنطنیہ کے قبضے سے اس وقت پہنچ چکا تھا۔ وہ کیا کم تھا کہ یونان کی زیادتیوں کو قومیت والے برداشت کرتے۔ لہذا تحریک قومیت کو بہت زور ہو گیا۔ حالدہ ادیب خانم کا ناول دی شرٹ آف فلیم (The Shirt of Flame) اونکی اصلی حالت کو اچھی طرح ظاہر بھی کر چکا ہے۔ یہ جنگ قومی آزادی کی تھی مصطفے کمال کے پاس صرف دو دستے باقاعدہ فوج کے تھے تب اونھوں نے سیواس و یوزگاد (Yozghad) کو اپیل کیا۔ کرنل بکر سامی نے اپنا دس ہزار کا دستہ فوج بھی اپنی سرکردگی میں نذر کر دیا۔ قدرتاً وہ غریب سپاہی جو ننگے پیر۔ بے پوشاک۔ بے ہتھیار ایک عرصے سے ہو رہے تھے سب ہی آکر بھرتی ہو گئے غرضکہ چور۔ بدمعاش اور بھوکے سب ہی تو لڑنے مرنے کو آ گئے۔ متارکہ صلح سے سب بڑے بڑے افسر بھی شاہی فوج کے جو بیکار ہو گئے تھے وہ اوسی طرف ڈھل پڑے اور لڑائی کے تین محاذ کمال نے قائم کئے پہلا سنہ ۱۹۲۰ء میں جس میں یونان کو کامیابی ہوئی۔ دوسرے اور تیسرے میں جو سنہ ۱۹۲۱ء و سنہ ۱۹۲۲ء میں ہوئے انھیں ترکوں ہی کی فتح ہوئی۔ چنانچہ یونانیوں نے بالیکیساری (Balikesir) سے پہلا حملہ کر کے جون سنہ ۱۹۲۰ء میں پانڈرما۔ بروصا۔ مودانیا گیملک اور اسمید لے لیا۔ اور دوسری طرف سے انگریزی بحری فوج کے ساتھ راڈاسٹو، اور دیگر بحر مارمورا کے بندرگاہوں پر قبضہ کر کے تھریس سے ترکوں کو نکال کر ۲۵ جولائی کو ایڈریانوپل پر قبضہ کر لیا اور ایک تیسری فوج یونانیوں کی اسمرنا سے یوشاک تک پہونچ گئی یونانیوں کے پاس زمانہ حال کا سب طرح کا سامان تھا۔ اور ریلوں پر بہت کچھ قبضہ کر چکے تھے۔ قوم پرستوں کے پاس سامان تھا نہ عمدہ پر قابو۔ پھر قسطنطنیہ سے حکومت کی مخالفت اور بروصا سے احمد انزہ وور (Ahmed Anzavour) کی مخالفت اور بھی ستم ڈھا رہی تھی۔ ترک اس صرف اناطولیہ اور انگورہ کی ریلوے خاص پر قابض تھے۔ نہ توپیں ہی کافی تھیں نہ عمدہ اسلحہ لیں ہر جگہ ترک ہارے گو کہ شروع سنہ ۱۹۲۱ء میں جب کہ سنبھلے تب تو اتحادیوں نے فروری میں لندن میں کانفرنس کی جس میں سب کو بلا کر صلحنامہ سیورے کی

ترمیم چاہی تھی مگر ترکوں نے نامنظور کیا تھا اوسوقت سے اتحادی غیر جانبدار ہوگئے تھے

۲۳ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو یونانیوں نے اناطولیہ لینے کے واسطے انگورہ پر حملہ کی زبردست تیاری کی بلکہ آفیام کاراحصار و اسکی شہر پر حملہ کر ہی دیا۔ مگر اپریل ہی میں جنگ ان اونو (In Onu) میں اون کو ناکامی ہوئی حالانکہ کوتاھیا کو اونھوں نے ۱۰ جولائی کو لے لیا تھا مگر پھر خالی کرنا پڑا تاہم آفیام کو وہ لے ہی بیٹھے۔ اور اب ترکی فوجیں دریائے سکاریہ پر جم گئیں تب ۲۴ اگست سے وہاں جنگ ہوگئی۔ ۱۶ ستمبر کو بالآخر یونانی ناکام رہے اور بُری حالت میں بھاگے۔ گرد و اطراف کو جلاتے گئے۔ اور ۲۳ ستمبر کو آفیام و اسکی شہر کے مقابلہ میں ٹھہر گئے۔ گویا ترکوں کی جیت ہوئی۔

اسی جنگ کی بابتہ کلیر پرائس نے "دی ری برتھ آف ٹرکی" کے صفحہ ۱۸۰ (Page 180: Clair Price, The Rebirth of Turkey) میں لکھا ہے "ترکوں کی دریائے سکاریہ کے کنارے کی جنگ نے مشرق قریب وغیرہ کے سیاسی نقشہ کو بالکل ہی بدل دیا دو سو سال سے مغرب برابر آٹومن سلطنت کو تباہ کر رہا تھا مگر دریائے سکاریہ پر خود ترکوں سے اوسکا مقابلہ ہوا۔ اور آویزش ہوتے ہی تاریخ کا رُخ الٹ گیا........"

جنگ سکاریہ کے بعد کمال پاشا انگورہ کو واپس ہوئے۔ گو اس جنگ میں وہ خود آگے آگے ہوتے تھے اور زخمی بھی ہوئے جس سے قوم نے اونکو غازی کا خطاب بھی دیا۔ اور وہ فیلڈ مارشل بھی کئے گئے۔ اوسی وقت کمال نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "ہمکو جنگ نہیں چاہیئے ہم صلح چاہتے ہیں مگر یونانی افواج کا اگر یہ خیال ہے کہ ہم اپنے حقوق چھوڑ دیں تو اوسکی غلطی ہے۔ یہ بالکل مطابق فطرت ہے کہ ہم اپنے ملک کی ہستی کو اسلحہ سے بچائینگے بمقابلہ اوس حملے کے جو ہماری قوم کو تباہ کرنے کیلئے کیا جائے........ اور جس وقت تک کہ ایک بھی دشمن سپاہی ہمارے ملک میں رہیگا ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم یونانی فوج پر حملے کرتے رہینگے"[1]

اب ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء کو فرانس نے تو انگورہ سے صلح ہی کر لی۔ اور گویا انگورہ ہی کو مستقل ترکی اوسنے مان لیا۔ اسپر برطانیہ سے رنجش بھی ہوگئی۔ جو ابھی تک قسطنطنیہ کی حکومت کی امداد کر رہا تھا۔ ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء کو اٹلی نے بھی صلح کر لی۔

مگر اب یونان نے جولائی سنہ ۱۹۲۲ء سے پھر قسطنطنیہ کے حملے کا سامان کیا تب عصمت پاشا نے ۲۶ اگست سے

---

[1] دیکھو صفحات (۲۰۳-۲۰۶) کتاب "ترکی" ٹوائن بی و کرک وڈ۔

پھر یونانیوں پر آفیام میں حملہ کیا۔ اور ۲۶/۲۹ اگست کو ڈملو پونار (Dumlu Pınar) پر جنگ ہو گئی یونانی بھاگ گئے اور ۲ ستمبر کو بمقام پوشنک ترکی سواروں نے جنرل ٹریکوپس اور سب کو حملہ کر کے قید ہی کر لیا۔ جو یونانی بھاگ سکے بھاگ ہی نکلے۔ مگر بھاگنے میں بھی لوٹ مار کرتے اور گاؤں کے گاؤں جلاتے گئے۔ ‡

مارچ ۱۹۲۲ء کے ختم تک ماسکو۔ یوکرین قاف۔ آذربائیجان بخارہ اور ایران سے تعلقات دوستانہ کا اعلان بھی کمال نے ایک تقریر میں کر دیا۔ اب انگلستان میں بھی ترکوں کے موافق خیالات کی لہر دوڑنے لگی۔ اور اتحادیوں کی ایک دوسری کانفرنس پیرس میں کی گئی۔ اور یونان و ترکوں سے تین ماہ کے واسطے عارضی صلح کی خواہش کی گئی۔ یونان نے رضامندی نہیں دی۔ تب ترکوں نے کہا کہ یونانی فوج پیشتر ملک کو خالی کر دے تب صلح کی بات چیت ممکن تھی۔ کہ اس درمیان میں امریکہ کے دو ریلیف فنڈ (Near East Relief) کے ممبران نے عیسائیوں پر ترکوں کے سخت مظالم کے قصے مشہور کر دیئے۔ برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکہ اب تو سب ہی اس پر تحقیقات کرانے کا بندوبست کرنے لگے تب ترکوں نے یونانی مظالم کی تحقیقات کرانے پر بھی زور دیا۔

یونان کی مالی حالت اب خراب ہو گئی تھی کہیں سے قرض بھی ملنے کا سامان نہ رہا تھا سپاہیوں کی تنخواہ چڑھ گئی تھی۔ شاہ کانسٹنٹائن نے تب بھی قسطنطنیہ کی طرف فوج منتقل کر کے اوسکو لینے کا ارادہ کر لیا۔ اسپر اتحادیوں نے اوسکو متنبہ کیا۔ مگر اب انگورہ کو یونان کی حالت کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ کمال نے آفیان کا اسمیا کے ریلوے اتصال پر اگست میں حملہ کر دیا۔ اور یونانی چند دن میں ہانپتے کانپتے بھاگ کر ساحل پر پہونچے۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ترک فاتحوں کی طرح ازمیر میں داخل ہی ہو گئے۔ یونانیوں نے اپنی واپسی میں پھر سخت مظالم کر کے دکھلا دیئے۔ انگورہ پارٹی کی فتح ہوئی اور یونان کی ہار۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۲ء کو اتحادیوں کی طرف سے ایک نوٹ انگورہ کی حکومت کو بھیجا گیا۔ جو ہر طرح مصالحتی طرز تحریر کا نمونہ تھا جس سے یہ بھی صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ انگورہ کی قومی حکومت کو سب ہی نے تسلیم کر لیا۔ اور یہ خواہش ہوئی کہ انگورہ کے قائمقام کو وینس یا کسی جگہ آخری صلح کے واسطے ترکی قومی مجلس بھیجے۔ اور وہاں برطانیہ، فرانس، اٹلی، جاپان، رومانیا، یوگوسلاویا۔ اور یونان بھی اپنے نمائندے بھیجینگے۔ اور ترکوں سے اس صلح کے واسطے ایک زبردست اپیل کی۔ اس کے واسطے کہ دنیا بھر پیاسی تھی!!

ابنائے کی حفاظت کے واسطے بھی اب انگریزوں نے بڑی فوج درہ دانیال کے ساحل پر مقرر کر دی

‡ دیکھو صفحات (۹۲ - ۱۰۶) کتاب "ترکی" از آئی بی ڈی گرگ و دو

بالآخر مدانیہ کے مقام پر ۳ر اکتوبر کو جلسہ ہوا اور صلح عارضی کے شرائط طے ہو گئے۔ انگورہ سے جواب بھی کانفرنس کی شرکت کا آگیا تاکہ آخری شرائط صلح طے ہوں۔ کیونکہ اب مدانیہ کا عارضی صلحنامہ تمام کارروائیوں کو روکے ہوئے تھا۔ نیز اس سے ترکوں کا وہ جرم کہ جنگ عظیم یورپ میں کیوں شامل ہوئے تھے گویا معاف کیا گیا تھا۔

دراصل تو ستمبر ۱۹۱۹ء کی سیواس کانگریس میں ترکی قوم پرستوں نے یہ طے کر دیا تھا کہ "جن علاقوں میں ترکوں کی کثرت تھی اور عارضی صلح کے وقت اتحادیوں نے قبضہ نہیں کیا تھا وہ ترکی حکومت کا جزو ہونگے۔ باسفورس میں ہر قوم و حکومت کے تجارتی جہاز آجا سکینگے بشرطیکہ اتحادی استنبول اور بحیرۂ مرمرہ کو بیرونی دست اندازی سے محفوظ رکھیں نیز ترکی میں اقلیتوں کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو ہمسایہ ملکوں میں مسلم اقلیتوں کو حاصل ہوں۔"

جنگ عظیم یورپ کے اسباب اور ترکوں کی اس میں شرکت کے وجوہات جو کچھ اور بھی ہوں۔ مگر بعض کے خیال میں جرمنی کو ایشیائی کوچک کی بازار کو قابو میں کر لینے کی خواہش بہت زوروں سے تھی اسی لئے اس نے بغداد ریلوے بھی تعمیر کی تھی جس پر برطانیہ و روس کو سخت کاوش تھی کیونکہ برطانیہ کی تجارت میں اس سے سخت خنجر پڑتا تھا اور روس کا قسطنطنیہ کے حصول کا خواب ترکوں کے جرمنوں کی بدولت بیدار ہو جانے سے بالکل ہی ملیا میٹ ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سراجیوو کا وہ واقعہ جسکے باعث جنگ عظیم یورپ شروع ہوئی تھی، روس ہی کی سازش کا نتیجہ تھا۔ عوام نوجوان ترک تو بیشک جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دینے کو تیار تھے۔ مگر روس ہی کی سازشوں نے یہ نہ ہونے دیا حالانکہ ۳ر جولائی ۱۹۱۴ء کو جرمنی نے بھی موقع پاکر انور اور طلعت کی امداد سے باہمی حفاظت کا ایک معاہدہ خفیہ طور پر ترکوں سے ضرور کر لیا تھا۔ اور دراصل وہی ترکوں کے جرمنوں کے ساتھ دینے کا باعث ہوا۔ اس معاہدے سے انور، طلعت اور سعید حلیم ہی واقف تھے۔

جنگ تو صرف آسٹریا اور سربیا کے درمیان تھی مگر بعد کو کل یورپ ہی گویا اس میں کود پڑا۔ انور پاشا نے تو روس سے بھی علیحدہ مفاہمت کی کوشش کی تھی مگر جب اس نے انتانت کی فوجی پارٹی کی یہ وابستگی دیکھی کہ بغیر کسی نہ کسی طرف شرکت کئے نہ گزر ہو سکے گا۔ مگر سلطان محمد سادس نے خود اپنی ایک تقریر میں جو عارضی صلح کی نامنظوری کے بعد انہوں نے کی تھی یہ کہا تھا کہ "ترک قوم نے یا اس کے

سلطان نے جنگ عظیم یورپ میں شرکت کی منظوری نہیں دی تھی"۔ اور یہ تقریر پارلامنٹ کے اجلاس میں کی تھی۔

بعض مورخین کے خیال میں اس جنگ کی بنیادیں تو اوسوقت سے پڑ چکی تھیں جبکہ سلاو اقوام اور جرمن وغیرہ ایرین اقوام کی باہمی رقابت شروع ہوئی تھی۔ بلقان اور ٹرکی میں حصول اقتدار کی خواہشات کے علاوہ معاشی ضروریات بلکہ نوآبادیوں کے حصول کی فکریں نیز السیس (Alsace) و لورین (Lorane) کے جھگڑے بھی تو ہیں تھے۔ غرضکہ ہر ایک حکومت کو ایک دوسرے کے خلاف دل کا بخار بھی نکالنا تھا اور نہ جانے کب کے بدلے لینا تھے۔ ٹرکی کے حصے بخرے کرنا تو گویا سب ہی کے پیش نظر تھا۔ مثلاً یونان کو شرق ادنیٰ میں یونانی سلطنت قائم کرلینے کا ہمیشہ سے ارمان تھا چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر یونانیوں نے لوٹ اور قتل عام ترکی صوبجات میں خوب ہی دل کھول کر کرلیا تھا۔ قسطنطنیہ اور اسمرنا کے بندرگاہوں کو بند کرکے اندرون ملک سے اونکو جدا ہی کرنے کی پوری کوشش کرلی تھی جس سے ترکی تجارت کو بڑا ہی سخت نقصان پہونچا تھا حالانکہ اس سب کا نتیجہ تو یہ ہوا تھا کہ استنبول سے فوجی افسران بھاگ کر بلے اجازت حکومت تھریس میں پہونچگئے تھے۔ کسان اور پہاڑی باشندے بلکہ مستورات تک لڑنے مرنے تک تیار ہوگئی تھیں ہر قسم کا سامان جنگ و رسد عورتوں نے محاذوں پر پہونچایا تھا۔ اور یونان کے خلاف کل بچے و بوڑھے لڑنے و مرنے کے واسطے اور آزادی کیلئے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

اتحادیوں نے جو سب سے بڑی غلطی کی تھی وہ یہ تھی کہ مصطفےٰ کمال کو حکم سلطانی کے ذریعہ ناظر حربی بنوا کر مشرق کی طرف بھجوادیا تھا تاکہ اوس طرف کی فوجوں کو غیر مسلح کردیں۔ اُدھر دراصل تو اوسوقت یہ الزام تھا کہ استنبول کے کمانڈران چیف اور اوسنے خفیہ خط و کتابت تھی بس یہ ہمدرد مورقع مصطفےٰ کمال کو قسطنطنیہ چھوڑنے اور رفعت۔ علی فواد اور رؤف بے کے ساتھ اناسیا کے مقام پر ۱۹۱۹ء ہی میں سازش کامل کیا کہ جسنے اونکے تمام کام بنا دیئے۔ ملک میں اوسوقت ہر طرف بے چینی تو تھی ہی۔ قارا بکر بھی مشرق میں پندرہ ہزار باقاعدہ فوج سے کام لینے کو تیار تھا۔ اور وسط اناطولیہ میں علی فواد۔ چنانچہ ۲۳ جولائی ۱۹۱۹ء کو مصطفےٰ کمال کی صدارت میں کانگریس ارض روم ہوگئی تھی۔

اوسی ۱۹۱۹ء میں مصطفےٰ کمال نے امریکہ کے صدر مسٹر ولسن سے ٹرکی پر امریکہ کی حکمبرداری منظور کرا دینے کا بھی پیغام دیا تھا جبکہ وہ اپنی چودہ مشہور باتیں دنیا سے منوا رہے تھے۔ بلکہ بمقام سیواس بہ ہمراہی جنرل ہاربورڈ (General Harboard) دونوں نے ملاقات بھی کی مگر امریکہ والوں نے اوسکی خواہش کو نامنظور کر دیا۔ جب ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں نے استنبول میں فوجیں اوتار دی تھیں۔ تو سلطان اور برطانیہ میں بجید دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ جسکے باعث ترکی قوم پرست سلطان سے سخت بیزار ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ قومی افواج اور سلطانی افواج میں خانہ جنگی ہوئی۔ اتحادی فوج نے بھی عام طور پر لوٹ مار کی پارلامنٹ پر حملہ کر کے رؤف بے اور کثیر التعداد قوم پرستوں کو پکڑ کر مالٹا تو بھیج ہی دیا تھا جہاں اتحاد و ترقی کے ہزاروں ارکان پہلے سے قید تھے مارشل لا تک جاری ہو گیا تھا۔ عیسائی جتھوں نے اناطولیا کا راستہ بھی بند کر دیا تھا۔ سلطانی حکومت نے ایک خاص عدالت بھی قایم کی تھی۔ جسکے سامنے ایک فہرست قوم پرستوں کی پیش ہو کر سزائے موت کا حکم حاصل کیا گیا تھا۔ مصطفےٰ کمال۔ علی نواد۔ ڈاکٹر ادنان بے اور خالدہ خانم کے نام بھی اوس فہرست میں تھے۔ شیخ الاسلام نے تو یہ فتوے تک دیدیا کہ جو شخص اون قوم پرستوں کو قتل کرے گا وہ جنتی ہو گا۔

اس دور کے مفصل حالات مصطفےٰ کمال کے حصہ کتاب میں جس کی جلد ہی دوسری ہو گی بہت وضاحت سے ملاحظہ میں آئینگے۔ یہاں صرف اسقدر لکھدینا کافی ہو گا کہ مذکورہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو جب عارضی صلح موادانیہ ہو گئی تو گویا جنگ عظیم ترکوں سے اور سے ختم کر دی گئی تھی۔ اور جس طرح ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو اتحادیوں نے ترکوں کی حکومت کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے بطور ایک حکمران قوم کے مٹانے کا گجر بجایا تھا اوسی طرح چار سال کے بعد صلحنامہ موادانیہ سے ترک پھر ایک زندہ قوم کی طرح فتحیاب ہو کر دوسری اقوام یورپ کے شانہ بہ شانہ اپنی ہی بہادری و شجاعت سے کام کرتے نظر آنے لگے۔ دنیا کے مسلمان بھی اوس وقت سجدۂ شکر بجالائے۔ اور اکثر اسلامی مقامات و ہندوستان میں چراغاں بھی ہوئے تھے [۱]

اب ترکی قوم کسی ایسی بات کو جسمیں قومی ذلت کا کوئی بھی پہلو نکل سکتا ہو سہنے کے واسطے تیار نہ تھی۔ پھر فرانس اور اطالیہ نے بھی برطانیہ کا ساتھ قسطنطنیہ میں چھوڑ ہی دیا تھا جس سے مجبوراً ۱۵ ستمبر ۱۹۲۲ء کو

---

[۱] دیکھو صفحہ ۳۲۳ و ۴۲۳ تاریخ ٹرکش ایمپائر از لارڈ ایورسلے و سر ولینٹائن چرول طبع ثالث

کل برطانوی آبادی قسطنطنیہ کو خالی کر گئی۔ یکم و ۲ / دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء کے درمیان بمقام انگورہ قومی مجلس عالیہ (Grand National Assembly) نے سلطان محمد سادس کو لقب سلطانی سے محروم کیا اور ترکی حکومت کو جمہوریہ ترکیہ (Turkish Republic) کر دینے کا بھی اعلان کر دیا۔ اور اوسی دم رفعت پاشا، جو آگے چل کر تھریس کے گورنر ہوئے قسطنطنیہ میں مع فوج کے داخل ہو گئے اور انگورہ کے احکامات کی تعمیل کرانے کا اعلان کر دیا۔ مگر سلطان محمد سادس نے احکامات کے ماننے سے انکار کیا بلکہ سابقہ تزک و احتشام کے ساتھ جمعہ کی نماز اور سلاملیک کے مراسم کی ادائی پر اڑے رہے۔ اب مسجد کے امام نے خطبہ میں صرف خلیفہ کا لفظ اونکے نام کے ساتھ لگایا اور سلطان کا لفظ اڑا دیا۔ پھر فوج نے سلام تو کیا مگر بادشاہ کے نام پر نعرہ خوشی بلند نہیں کیا۔ تب ۱۷ / نومبر سنہ ۱۹۲۲ء کو سلطان محمد سادس برطانیہ کے جہاز "ملایا" پر خفیہ طور سے بھاگ کر جزیرہ مالٹا کو روانہ ہو گئے۔ اور شاہ حسین سے ملنے کے واسطے مکہ بھی گئے۔ بعدہٗ دریائے رالویرا (Riviera) کے کنارے اپنی بود و باش پر قناعت کر کے صفحہ تاریخ سے اپنے کو محو ہی کرا بیٹھے۔

ادھر قومی مجلس نے اونکے چچیرے بھائی عبد المجید کو خلیفہ وقت منتخب کر لیا اور در اصل اب یہی تنہا ہی خاندان سے قسطنطنیہ میں باقی رہ گئے تھے۔ اور وہ سلطان عبد العزیز کے صاحبزادوں میں سے تھے۔

خلیفہ عبد المجید

سنہ ۱۹۲۲ء

قوم نے خلیفہ عبد المجید کا ہز مجسٹی کا خطاب اونکے تخت نشین کرتے وقت باقی رکھا تھا لیکن وہ تلوار سلطان آل عثمان کی جو ہر سلطان کو وقت تخت نشینی نذر کی جاتی تھی وہ اونکو نہیں دی گئی۔

۲۴ / جولائی سنہ ۱۹۲۳ء کو لازان کے صلحنامہ پر دستخط ہو گئے اور ۲۲ / اکتوبر سنہ ۱۹ء کو قسطنطنیہ کا نام استنبول کر دیا گیا۔ دار السلطنت بھی وہاں سے ہٹا کر انگورہ کو دار السلطنت بنایا گیا۔ نیز اب ۲۹ / اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء کو دنیا کے سامنے ترکی دستوری حکومت کا اعلان کیا گیا۔ اوسی وقت یہ خبر بھی گرما گرمی سے مشہور ہو گئی کہ ترکوں نے خلافت اسلامی تک کو مٹا دیا جس پر احتجاج شروع ہو گیا۔ ہز ہائنس آغا خان اور سر امیر علی نے بھی احتجاجی مراسلہ ہندوستان کی طرف سے ترکوں کو بھیجا جس سے انگورہ میں یہ خیال پیدا ہو گیا

کہ خلیفہ عبدالمجید نے لطفی بے سے مل کر کوئی سازش شروع کر دی تھی۔ چنانچہ لطفی بے کے بابتہ تو پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں غائب ہو گئے مگر اعلیٰ مجلس قومی نے ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کے قائم رکھنے کا بھی اعلان ہی کر دیا۔ اور خلیفہ کو معزول کر دیا۔

اسی شب میں حکام مقامی خلیفہ عبدالمجید کی خدمت میں پہونچ گئے اور انکو تخت نشین کر کے باقاعدہ طریقہ پر تخت سے اوتارا گیا۔ اور بذریعہ اسپیشل ٹرین مع بال بچوں کے سوئٹزرلینڈ کو روانہ کر کے ملک کی سرحد سے باہر کر دیا گیا۔ اور کل قوم نے یہ کہنا شروع کر دیا ؎

ہو چکی رعنائی رنگ گلستاں شفق | اب ہے آنکھوں میں فقط خواب پریشان شفق
شام کے خاموش نغمے کیف باری کر چکے | رات کے مدہوش جلوے سحر کاری کر چکے
کنج گلشن میں پپیہے کی فغاں خاموش ہے | وہ صدائے جان ربا پی کہاں خاموش ہے
مٹ چکی رنگینیٔ افسانۂ راز و نیاز | لٹ چکا وہ دل کہ تھا دیوانہ راز و نیاز

جلد دوم

جلد دویم

باب اول

مصطفےٰ کمال آتاترک

یونان اور روما کی سلطنتوں کے مٹنے کیوقت ترک اناطولیہ میں آئے تھے۔ اور آٹھویں صدی عیسوی سے اونکے حملے بڑھنے لگے تھے۔ وسط و مغربی اناطولیہ تو گیارہویں صدی میں بالکل ہی اسلام قبول کرچکا تھا۔ اور اوس کا باعث سلجوقی ترک تھے۔ مگر نہ بہ جبر ٭

اناطولیہ میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کو جو قونیہ کے کہے جاتے تھے بہت مانا جاتا تھا۔ وہ صوفیوں کی "طریقت" کے بانی ہی تھے۔ حضرت محی الدین عربیؒ بھی اونکے وقت میں قونیہ گئے تھے اور وہیں شادی کرکے ٹھہر گئے تھے اسی طرح "طریقت بکتاشیہ" بھی جسکے بانی حاجی بکتاش تھے اور جو جان نثاروں کے پیر تھے اناطولیہ اور بلقان میں سلاطین کیوقت میں بہت رائج رہی تھی۔ دراصل اناطولیہ ہی میں سلجوقیوں کے وقت سے جمہوریت نیز سوشلزم کے کچھ کچھ آثار بھی موجود تھے بلکہ انگورہ میں اقتصادیات کیواسطے ایک "برادری" قائم تھی جسکو اخیلر (Ahilar) کہتے تھے۔ یہ بالکل ہی یورپ کے تجارتی اتحادوں کے مماثل تھے اور اناطولیہ بھر میں وہ خاص طرح مختلف پیشہ وروں کیلئے بنے ہوئے تھے۔ اور جو شخص آہی ہوتا یعنی ان اتحادوں کا ممبر اوسکے واسطے ذاتی ترقی اور دولت حاصل کرنا ضروری تھا وہ ہر قسم کے اخلاق کا بھی نمونہ بننے کی کوشش کرتا۔ اونکے "فتوت نامے" ایک قسم کے ہدایت نامۂ زندگی تھے اُن میں ڈیماکریسی یا جمہوریت کے تمام اصول پائے جاتے تھے۔

قونیہ کی عزت بھی ترکوں کی نگاہ میں بہت تھی! یہاں کی ایک چیلیپی (Chalapi) قوم کو تو یہ خاص حق حاصل تھا کہ ہر سلطان ترکی کی تاج پوشی کے وقت اوسی کا کوئی فرد سلطان کے پیٹی باندھتا جو کہ ایک خاص قسم کی مبارک تقریب تھی۔ ترکوں کی سوسائٹی میں اوس قوم کی بڑی عزت بھی تھی۔ اس طرح گویا اناطولیہ اور قونیہ ترکوں میں بڑے مشہور مقامات سمجھے جاتے ہیں۔

سلجوقی سلطنت کے تیرھویں صدی میں مٹنے پر اوسکے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوکر اونکی علحدہ علحدہ امارتیں بن گئی تھیں۔ تب ہی التشاسے کو چک میں آٹومن ترک آگئے تھے۔ اونکی فطرت میں آزادی تھی وہ کبھی ظلم پسند نہ تھے اونکے تمدن میں ہمیشہ سادگی رہی اور اناطولیہ ہی کے شمالی و مغربی حصہ میں انہوں نے اپنی پہلی حکومت کی بنیاد رکھی تھی

٭ دیکھو تاریخ از ملٹر - دی پریچنگ آف اسلام مضامین ۳-۴

برسا اوس وقت کا دارالسلطنت تھا. اونکے ابتدائی زمانہ کے سلاطین بیحد سادہ مزاج اور سادہ روش تھے انصاف پروری اونکی گھٹی میں تھی. بلقان فتح کرنے کے بعد اونھوں نے بازنطینہ کی خبر لی پھر مقدونیہ کی. افلاطون کی کتاب "ریپبلک" یعنی دستوریت کی قسطنطنیہ میں انھیں تعلیم بھی دیجاتی تھی. پروفیسر لائیبر (Republic) جسنے کہ سلیمان ذیشان کے نام سے ایک کتاب لکھی ہو وہ اس کا قائل ہو کہ ابتداً کے ترکی بادشاہوں پر افلاطون کی کتاب مذکورہ کا خاصہ اثر ہوتا تھا.

تاریخوں میں آٹومن سلطنت کی مکمل ابتدا ۱۳۰۰ء سے مانی گئی ہو اور ۱۷۷۴ء کی صلح کوچک کینارجا (Kuchuk Kaynarja) کے وقت تک سلطنت ترکی کا بڑا زمانہ رہا. مگر افسوس کہ ۱۹۱۹ء میں آکر اصلی شہنشاہیت کا خاتمہ ہی ہوگیا. اون میں فوجی ترتیب سیول حکومت کی قابلیت ہرگز دوسروں سے کم نہ تھی اور بقول مسٹر ایچ. جی. ویلز (H. G. Wells) جو اونھوں نے اپنی کتاب "آوٹ لائن آف ہسٹری" (Outline of history) میں لکھدیا ہو کہ "رسول کریم کے خطبۂ آخری کے باعث لوٹ اور خون خچر اسلام کے پیرؤوں میں سے کافور ہوگئے تھے. ایک عقیدت مند حبشی بھی خلیفہ کا بھائی بن سکتا تھا. بلکہ اونکے الفاظ نے دنیا بھر میں اعلیٰ پیمانے پر صحیح برتاؤ کی روایات قائم کر دی تھیں. اون میں فیاضی کی صحیح بو بھی پائی جاتی تھی اور اونکے باعث ایک ایسی سوسائٹی قایم ہوگئی تھی کہ جو ظالمانہ کیفیات اور جابرانہ حالات سے بالکل ہی مبرّا تھی. اور اوس سے قبل دنیا نے کبھی ویسی سوسائٹی نہ دیکھی اور نہ سُنی تھی" ترکوں نے تو ابتدا میں وہی وہی اخلاق دراصل برت کر دکھلا دیئے اور ویسی سوسائٹی بھی قائم کر کے دکھلا دی تھی جسکی کہ خطبہ نبوی میں تاکید تھی. بیشک سترہ صدی کے سلاطین اور اونکے وزرا و صلاح کاروں نے سب ہی طرح کا خوابا لگا دیا تھا اور اوس کا بھگتان آخر میں بھگتنا ہی پڑا کوچی بک (Kochi Bek) کے فوجی بل سے رہی سہی فوج کو بھی تباہ کر دیا. یہ قانون سلطان مراد کے زمانہ میں پاس ہوا تھا جس سے کہ صرف مسلمانوں ہی کو فوج میں زنگروٹی کے طالعہ پر بھرتی کیا جانے لگا فوجی ترقی میں تنازعات بھی ہونے لگے تھے اور جاں نثاروں (Janissaries) کے گروہ بعد میں بلائے ناگہانی ثابت ہوئے. رفتہ رفتہ فوج بھی بگڑتی گئی. اور آپس کے جھگڑوں میں فوج ہی کی امداد لی جانے لگی جس سے کہ فوج کو یہ محسوس ہوگیا کہ آخری فیصلہ قومی معاملات کا یا محل شاہی کا اوسی کے ہاتھ میں تھا. علمائے قوم بھی آخر آخر بجائے رحمت کے ترکی میں تو زحمت ہی ہوتے گئے. اون کے فتاویٰ سے بجائے اس کے کہ سلاطین کی درستی ہوتی اونکو تقویت

اوتارا ہی جانے لگا۔ اور علما بھی سیاست ملکی کا جزو بن گئے بلکہ فوج سے ساز رکھنا بھی اونکے لئے ضروری ہو گیا ان تمام حالات کے ساتھ اگر غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اچھے اور برے سب ہی طرح کے حکمران ہوئے اور کہاں ایسا نہیں ہوا ہے۔ کس ملک کی تاریخ عیوب سے پاک ہے۔ کہاں انقلابات نہیں ہوئے۔ اگر ترکوں نے یورپ کی رائے میں ارمنیوں پر ظلم کیا تو حال کے اٹلی سے حبشہ پر مظالم بھی یاد کئے جائینگے۔ مگر یہ ماننا پڑیگا کہ اناطولیہ ہی میں آکر ترکوں نے پھر دنیا کو دکھلا دیا کہ وہ ایک زندہ قوم ہیں۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ سنہ ١٥٢٠ء میں سلیمان ذیشان سلطان ترکی کی حکومت البانیہ سے لیکر بحیرہ ایڈریاٹک کے کنارے اور مصر سے کوہ قاف تک پھیلی ہوئی تھی ہنگری اور کریمیا بھی اوسکے باجگذار تھے بلکہ اکثر سلاطین یورپ اپنے آپس کے جھگڑوں میں تحائف وغیرہ بھیجکر اوس کی امداد کی درخواست کیا کرتے اور خود بھی اوسکے پاس حاضری دیتے تھے۔ کل بحیرہ روم میں اوس کی بحری قوت سب پر غالب تھی۔ شمالی افریقہ بھی اوسکی سیادت کو مانے ہوئے تھا۔ سنہ ١٥٢٩ء میں ویانا (Vienna) کے دروازوں کی کنڈی بھی حملہ کرکے اوسی نے کھٹکھٹائی تھی اور عیسائی دنیا کا ہر جگہ گلا ہی گھونٹ رکھا تھا۔

سلیمان کے بعد سلیم اوسکے بیٹے نے بھی خوب نام پیدا کیا مگر بعد کے ستائیس سلاطین ایسے ہو گئے کہ اگر نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ پھر بھی ایک نے انہیں سے کچھ آبرو رکھ ہی لی تھی یعنی عبد الحمید ثانی نے۔ اور بجز اونکے تمام سلاطین کم و بیش عیش پرستی اور بے حساب دولت کے باعث ہر طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتے گئے۔ غریب عبد الحمید کو تو ایکدن بھی چین سے بیٹھ کر عیش کی فرصت نہیں ملی ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی سازشوں کے وہ شکار ہوتے رہے اور خود بھی مجبوراً اون کا جواب و ردو کد کرتے رہے۔ اونکے اگلوں نے ایسا خرابا لگا دیا تھا کہ تمام ریاستوں نے رفتہ رفتہ کرکے بغاوتیں کر ہی دیں۔ اور اونکو تو صرف خزانہ خالی بلکہ بلکہ دیوالیہ ہی ملا قرض کی کوئی بھی انتہا نہ تھی۔ تمام طرح کے معاہدات جنکو کیپی ٹولیشن (Capitulation) کہتے ہیں سلطنت بھر کو گھیرے ہوئے تھے۔ تاہم اونہیں کا کام تھا کہ اتنے عرصہ دراز تک ملک کو اپنی حکمت عملیوں سے بچاتے رہے مگر جب خود قوم نے اون کا اعتبار نہ کیا تو وہ فوراً تخت سے ہٹنے پر بخوشی راضی ہو گئے۔ اون پر اوسی طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر پر۔ یا جرمنی کے قیصر ولیم پر اور یہ ہر سلطنت کے اوس آخری بادشاہ کا مقدر ہوتا ہے جو مدبر ہو اور محب الوطنی میں بے نظیر ہو۔ بیشک غلطیاں انسان سے ہوتی ہیں اور عبد الحمید سے بھی ہوئی ہونگی۔ لیکن یہ بھی تو دیکھا جانا چاہئے کہ عبد الحمید ثانی نے اپنی تیس سالہ حکومت میں بجز یونانی سے جنگ کرنے کے

خود کہیں بھی ترکوں کا خون نہیں کرایا۔ نہ روپیہ ہی اوڑایا۔ وہی آخری زمانہ کے ایسے سلطان ہوئے تھے کہ جنکی اندرونی و بیرونی ہر پالیسی حسب موقع و ضرورت بنتی تھی۔

ترکوں کی بدقسمتی سے صلحنامہ برلن میں ارمینوں کو بھی ایک قومی حیثیت دول یورپ نے دلوا ہی دی تھی جس سے کہ اونکی سیاسی جماعت نے فائدہ اوٹھانا چاہا اور اونکے ذریعہ سے عیسوی دول یورپ کی بھی ہر طرح کی سازشیں تو مدتوں سے ترکوں کیخلاف ہو ہی رہی تھیں مگر عبد الحمید کے وقت میں اور بھی بڑھ گئیں لیکن وہ سب کا تدارک بھی خاموشی سے کیا کرتے تھے چنانچہ کردوں کے ذریعہ سے سلطان عبد الحمید نے ارمینوں کی خوب ہی خبر لیوائی تھی۔ اور وہ مجبوری بھی تھی۔ اور کون قوم بغاوتوں سے چشم پوشی کرتی ہو؟ سنہ ۱۹۰۸ء سے تو مرد بیمار کے مال کی تقسیم بھی برطانیہ فرانس اور روس نے طے ہی کرلی تھی جسمیں پان اسلامزم کا طریقہ بھی بیٹک بجا دیا گیا۔ مگر جب اپنے ہی ہاتھ پیر دشمن ہوگئے تھے تو اونکے اختیار کی بات نہ رہی تھی۔ اونکے بعد کے آنے والوں نے بھی تو کچھ نہ بنالیا۔ نوجوان ترکوں کی ناتجربہ کاری نے بھی بہت کچھ کھیل بگاڑا میسانک لاجوں (masonic lodges) میں بھی ترکی کے مٹانے کی سازشیں ہوتی تھیں۔ غرضکہ انواع و اقسام کے واقعات پیش آگئے تھے اور ہر قسم کے الزامات عبد الحمید ثانی پر لگائے گئے اور بہت ممکن ہو کہ کچھ صحیح بھی ہوں۔ کیونکہ قوم نے آخر آخر اونکے ہٹانے ہی کا فیصلہ کر دیا تھا۔

قیصر ولیم جرمنی ۱۸۹۸ء میں سلطان عبد الحمید سے ملنے کے واسطے قسطنطنیہ آئے تھے۔ اور اوسے پہلے بھی ملاتے مگر یہ عجیب اتفاق ہو کہ دونوں ہی کو تخت سلطنت چھوڑنا پڑا۔ دراصل تو ۱۸۷۸ء ہی میں روس نے سلطنت عثمانیہ کا گویا خاتمہ کر دیا تھا جبکہ قسطنطنیہ سے دس میل کے فاصلے پر وہ سین ستفانو (San Stephano) پہونچگیا تھا اور سلطان عبد الحمید کو تو اوس وقت چند ہی ماہ تخت نشین ہوئے گذرے تھے۔

اوسکے چار سال بعد ۱۸۸۰ء یا ۱۸۸۱ء میں (کیونکہ تاریخ میں اختلاف ہے) سلانیکا میں علی رضا اور اوسکی بیوی زبیدہ سے وہ لڑکا پیدا ہوا تھا جس نے کہ پھر ترکی کو زندہ کر دیا اور جس کا نام مصطفیٰ ہی ماں باپ نے رکھدیا تھا علی رضا ایک غریب مگر غیور ترک تھا۔ لڑکپن ہی میں البانیہ کے پہاڑوں سے آکر سرحد پر بطور ایک محرر کے ترکی قرضہ کے انتظامی محکمہ (Ottoman debt administration) کے دفتر میں ملازم ہوگیا تھا اوسکی تنخواہ قلیل تھی اور وہ بھی چڑھ پڑھ کر ملتی تھی جسکے باعث کچھ تجارت بھی وقت فرصت اوسنے شروع کر دی تھی۔

اب ترکی مستورات عموماً برقع میں پھر کچھ نکل رہی تھیں زبیدہ کی عمر تیس سال کی تھی جب مصطفیٰ پیدا ہوا تھا زبیدہ گو پڑھی لکھی نہ تھی مگر حکومت کا مادہ بخوبی قدرت نے اوسکو عطا کیا تھا نیز اوسیکے ساتھ غصہ اوس کا باپ ایک چھوٹا سا کاشتکار جنوبی البانیہ میں تھا اور ماں مقدونیہ کی خاتون تھی۔ زبیدہ ایک تندرست بیوی تھی۔ پابند مذہب اور وطن پرست مصطفیٰ کے ایک بہن بھی تھی جس کا نام مقبولہ تھا بچپن ہی سے مصطفیٰ ایک خاموش بچہ تھا۔ دبلا اور کمزور مگر دو لاڈ میں خراب بھی کر دیا گیا تھا۔ وہ دوسرے بچوں کیساتھ کھیلتا بھی کم علی رضا نے بعد چندے مجبوراً ملازمت کو ترک کرکے تجارت کا پیشہ ہی اختیار کر لیا۔ اور بیٹے کو بھی تاجر بنانا چاہا۔ مگر زبیدہ اوس کو مذہبی ملّا بنانا چاہتی تھی اسلئے مسجد کے مکتب خانہ میں حفظ قرآن کے واسطے بٹھلا دیا گیا۔ پھر شمسی آفندی کے مدرسے میں داخل کرا دیا گیا۔ اتفاقیہ علی رضا کی وفات ہو گئی۔ لکڑی کی تجارت کی جو دکان تھی اور جس سے روٹی چلتی تھی اوسمیں نقصان بھی معلوم ہوا تب زبیدہ بچوں کو لے کر اپنے میکے موضع لینزن ([illegible]) میں جہاں اُسوقت اُنکا بھائی کاشتکاری کئے ہوئے تھا چلی گئی تھی وہاں مصطفیٰ کے سپرد اصطبل کی صفائی جانوروں کا چرانا۔ کھیتوں سے کوؤں اور چڑیوں کے ہانکنے کا کام ہوا۔ اوس کو تو یہ زندگی بہت پسند تھی۔ اور اوسکی تندرستی بھی وہاں ٹھیک ہو گئی۔

دو سال کے بعد جب مصطفیٰ گیارہ برس کی عمر کو پہنچا تو زبیدہ نے اپنی کسی عزیزہ بہن سے امداد لے کر مصطفیٰ کو سلانیکا کے ایک مدرسے میں داخل کرا دیا جہاں معلّموں اور طلبا سے لڑائی جھگڑا اوس کا روزمرہ ہو گیا جس پر کسی اوستاد نے خوب مرمت بھی کر دی تب تو حضرت مدرسے ہی سے بھاگ نکلے۔ اور پھر مدرسے واپس جانے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے حالانکہ اس پر ماں سے برابر لڑائی ٹھنی رہتی۔ تب ماموں نے ایک فوجی مدرسے میں داخل کرا دینے کی تجویز کی جسکو ماں تو کسی طرح نہ مانتی۔ لیکن خود مصطفیٰ کے دماغ میں فوجی خدمت کا خیال جم گیا۔ بلکہ ہمسایہ کے ایک احمد لڑکے کو زرق برق فوجی پوشاک پہنے دیکھ کر اور بھی اوسکی لپک بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ بلا کسی سے کچھ کہے سنے ہوئے ایک فوجی افسر کی سفارش سے جو اوسکے باپ کا ملنے والا تھا۔ فوج کے امتحان میں جا کر بیٹھ ہی گیا۔ خدا نے کامیاب بھی کر دیا۔ اس مدرسہ میں داخل کر لیا گیا مگر بد مزاجی کے باعث وہاں کسی سے بھی نہ بنتی اور اگر کوئی پوچھتا کہ بد مزاجی کا سبب کیا ہے تو جواب دیتا کہ "میں تم لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہتا بلکہ کچھ اور ہی ہونا چاہتا ہوں"۔ لیکن تاہم پڑھنے میں اور فوجی کاموں میں وہ سب سے ہوشیار اور اوّل ہی رہتا۔ بالخصوص فوجی پریڈ میں نیز امتحانات میں کامیاب ہوتا چنانچہ دوسرے ہی سال فوج کے ایک کپتان نے جس کا نام بھی مصطفیٰ تھا اور وہ زبیدہ کے لیسر مصطفیٰ کا اوستاد بھی تھا

اپنی خاص توجہ کردی بلکہ شاگرد کو ایک دنی درجہ بھی پڑھانے کیواسطے دیدیا اور اپنے سے تمیز کرانے کیلئے اوس کا نام مصطفےٰ کمال رکھدیا۔ اور اوسی نام سے اوس کو یاد کرنے لگا۔ کمال تو اوسی وقت سے کسیکو اپنے سے بڑھ کر نہ دیکھ سکتا اور کسی کا اوس سے مقابلے پر آنا تو اوس کو کسی طرح گوارا ہی نہ ہوتا سب سے اونچے رہنے کی خواہش گویا اوس کی فطرت ہی ہوگئی۔ عمر کے چودھویں سال سے عورتوں سے میل جول کا بھی شوق چرّایا۔ بلکہ ایک ہمسایہ کی لڑکی سے الجھ بھی گئے اور تاک جھانک نیز اشارے بازی کا مشغلہ تو روز بروز اور بھی پکڑتا گیا۔

سترہ سال کی عمر میں کیڈٹ (Cadet) اسکول سے ترقی کر کے اعلیٰ حربی مدرسہ موناستر کو مصطفےٰ کمال بھیجدیئے گئے تھے۔ جبکہ یونان نے کریٹ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور ترکوں سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ فوجیں برابر بھیجی جا رہی تھیں اور گویا آٹومن سلطنت کے آخری گھنٹے تھے عیسائی حکومتیں بوٹے بیٹے اور پنجے گاڑے ہوئے ایک دوسرے پر غرّا بھی رہی تھیں۔ بلکہ ترکی سلطنت کے بڑے سے بڑے ٹکڑے کو لے بھاگنے پر تیار نظر آتی تھیں۔ ملک بھر میں غربت بے اطمینانی۔ بدامنی۔ رشوت۔ لوٹ کھسوٹ۔ نوجوانوں کا اصلاحات کیلئے شور وغل اور دھوم دھکا وغیرہ بھی ایک عجیب سماں باندھے ہوئے تھا۔ بیچارے سلطان عبدالحمید ثانی کو نہ اپنوں پر اونکی غداری کے باعث اعتبار تھا اور نہ غیروں پر بھروسہ ہی تھا کسی صلاح کا موقع ہی اونکو نہ ملتا۔ اگر ملک میں اصلاح کرتے تو باہر والے غل کرتے یا اپنے ہی اونھیں بدنام کرنے۔ ہر جگہ بلوے اور بدامنی پر لوگ آمادہ کئے جارہے تھے بالخصوص بلقان میں موناستر کے گرد تو بغاوت کی آگ ہی بھڑک رہی تھی۔

زبیدہ نے اپنی مجبوریوں پر غور کر کے اب رہوڈس (Rhodes) کے ایک دولتمند تاجر کیساتھ عقد ثانی کرلیا تھا تحصیل کے زمانہ میں کمال جب سلانیکا ماں کے گھر میں کم جاتا اور اپنی ناخوشی کا اظہار بھی ماں کے فعل سے کرچکا تھا جس سے ماں سے لڑائی بھی ہوگئی تھی۔ سوتیلے باپ سے تو بول چال تک ترک تھا۔ مگر سلانیکا میں کمال نے فرانسیسی زبان ضرور سیکھ لی اور نجی بے سے بیمی دوستی بھی ہوگئی تھی۔ وہ فرانسیسی زبان خوب جانتا تھا پس ہر دونوں نے فرانس کی بغاوت کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا۔ حالانکہ حکومت کی طرف سے اسکی سخت ممانعت تھی۔ نیز کمال نے تقریر کرنے کی بھی خوب مشق کی اور نوجوانوں کو اپنے ملک کو ہر قسم کے ظلم، جبر اور مداخلت سے آزاد کرنے کے سبق بھی پڑھانے لگا۔ بلکہ آزادی پر مضامین۔ کتابیں اور عمدہ سے عمدہ نظمیں بھی لکھنا شروع کردیں جس سے موناستر میں اوسکی قابلیت اور ذہانت کا شہرہ ہوگیا مگر سب کے خیال میں وہ ایک بے قابو نوجوان ہمیشہ نظر آیا۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال یعنی ۱۹۰۵ء میں قسطنطنیہ کے عام اسٹاف کالج سے بطور ایک سب لفٹنٹ کے

بذریعہ گزٹ جیسے ہی اوس کا تقرر ہوگیا تو وہاں پہونچتے ہی خراب صحبت کا شکار بھی ہوگیا۔ راتوں کو قمار بازی اور منہیات شرعیہ کا شغل رہتا۔ صورت و شکل یا حسن و ملاحت سے اوسکو سروکار نہ تھا۔ صرف خواہش نفس سے مغلوب تھا۔ مگر عشق کے پھندے میں کہیں نہ پھنسا۔ عورتوں کے خیال ہی سے کبھی اپنے دماغ کو پریشان کیا۔ گو با کھلا کھیل فرخ آبادی پر عمل کرتا۔ مگر باوجود اس سب کے اور بدترین صحبت میں پڑجانے کے یکبارگی ایسا انقلاب ہوا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کام کی طرف بھی اوسی غلو اور محنت سے مشغول ہوگیا۔

ترکی میں اس وقت ہر شخص اپنی ذاتی قابلیت اور محنت سے ترقی ضرور کرسکتا تھا۔ امیر و غریب کا بھی کوئی فرق مدارس تک میں نہ تھا۔ نہ حکومت میں شرکت کیلئے کوئی خاص فرقہ مخصوص تھا۔ صرف دماغی قابلیت اور کریکٹر ہی ترقی کی شاہراہ پر ہر کس و ناکس کو لگا سکتا تھا۔ چنانچہ کمال نے جب تمام امتحانوں میں کامیابی حاصل کرلی تو خاص جنرل اسٹاف کی تعلیم کیواسطے بھی وہ اہل سمجھا گیا۔ اور کپتان بنادیا گیا۔ اب اسٹاف کالج کا ہر نوجوان طالب علم اور معلم دول غیر کی مداخلت اور سلطان وقت کے طریقوں سے اختلاف ہی رکھتا تھا بلکہ یہاں در اصل انکی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ کمال بھی اوسی سے متاثر ہوا۔ اور ہر ترک کو وارث حکومت سمجھنا اور دن کی طرح اوس کا بھی مسلک ہوگیا۔ اور گویا اپنی وراثت کی بربادی کا دل میں درد لے کر اور دن کے ساتھ وہ بھی اساتذہ اور دیگر طلبا کا ہم خیال بن گیا۔

کالج میں ایک سوسائٹی بھی "وطن" کے نام سے بنی تھی جس میں وطنیت کے متعلق نیز ترکی کی موجودہ پستی اور انقلابی تحریکات کی تائید میں بلکہ سلطانی طریقہ حکومت کی نکتہ چینی پر دستی و قلمی تحریرات لکھی جاتی تھیں نیز مذہبی ملاؤں۔ مذہبی قیود اور بوسیدہ قوانین و قواعد اور درویشوں وغیرہ کے قوم و ملک پر تسلط کی برائیوں پر بلکہ زمانہ حال کی تمام ترقیوں کے بابوں کے مسدود ہونے پر تقریریں بھی کی جاتی تھیں۔ اور آخر میں تو یہانتک ہوگیا کہ "وطن" کے ممبروں نے سلطان کی علیحدگی۔ رائے عامہ کے مطابق دستوری حکومت کے قیام۔ ملک کو مذہبی ملاؤں اور درویشوں کے اثرات سے پاک کرنے اور مستورات قوم کو پردے و حرم سے آزاد کرانے پر حلف بھی کرلیا تھا۔

کمال بھی "وطن" کا ممبر ہوگیا تھا۔ اور عمدہ سے عمدہ مضامین اور نظمیں بھی اوس نے لکھیں۔ اسی درمیان میں سلطان عبدالحمید کو "وطن" کا کچا چٹھا اُن کے جاسوسوں نے پورا پورا پہونچا دیا۔ جس پر اصل ... پاشا کو "وطن" کے بند کرنے کا حکم بھیجا گیا۔ اور کالج میں اس کے جلسے تک روک دیئے گئے مگر اب وہ باہر ہونے لگے...

پھیلاؤ خوب بڑھنے لگا۔ اُدھر مصطفےٰ کمال کو کالج سے کامیاب ہوکر نکلنے پر فوج میں ملازمت مل گئی۔ اور اب اوسکی ماں بھی روپیہ پیسہ دینے لگی جسپر کمال نے "وطن" کے پھیلانے کی ذمہ داری خود اپنے ہی سر لے لی۔ اور خفیہ طریقوں پر کرایہ کے مکانوں میں یا قہوہ خانوں میں اوسکے جلسے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ایک بار کل ممبران گرفتار ہوکر استنبول کے سرخ جیل میں بھی بند کرا دیئے گئے۔ کمال کے متعلق تو پولیس کے پاس بکثرت تحریری ثبوت موجود تھا اسلئے اوسکو قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اور ایکدن یکبارگی اسمٰعیل حقی کے سامنے پیش کر دیا گیا پاشا مذکور نے کمال کی گذشتہ خراب زندگی اور سلطان سے بغاوت پر اوسکو لکچر بھی دیا کہ "تم خود باغی ہو۔ دوسروں کو تم نے باغی بنایا۔ تاہم سلطان نے تمپر شاہانہ رحم کرکے تمکو دمشق کے سواروں کی فوج میں بھیجدینے کا حکم دیا ہے۔ تم ایک نوجوان بیوقوف اور ضدی آدمی ہو مگر خراب نہیں ہو۔ آیندہ ہوشیاری سے کام کرنا ورنہ پھر معافی نہ ہوگی" اوسی رات میں پولیس نے کمال کو وہاں سے چلتا کیا۔ اور جہاز پر سوار کرکے انتہا یوم میں بیروت پہنچوا دیا گیا۔ جہاں سے بسواری اسپ وہ دمشق جاکر اپنی فوج میں داخل ہوگیا۔ اوسی وقت اوسکی فوج دروزیوں (Druses) [illegible] کے خلاف مہم پر جارہی تھی۔ جو دمشق کے جنوب پہاڑوں میں تھی اور وہ فوج کے مقابل کہیں بھی نہ آتے۔ بلکہ چھپ کر نشانہ لگاتے تھے۔ جنگ کسی مقام پر بھی نہ کرتے جس سے ترکی سپاہ تو صرف اونکی کھیتی اور مکانات کو برباد کر سکتی اور مجبوراً موسم سرما میں دمشق ہی کو بلا سر کئے ہوئے واپس ہوجاتی۔ لیکن اس مرتبہ کمال نے یہاں بھی "وطن" کی جمعیت قایم کرا دی۔

کمال کی مذہبی عقیدت میں اب بڑا انقلاب ہوگیا تھا۔ نہ وہ خدا ہی کا قائل رہا تھا اور نہ انسان اور اوس کا نہ کسی رسم و رواج کو مانتا۔ نہ کسی شئے کی عزت یا مذہبی توقیر اوسکی نگاہ میں باقی رہی تھی۔ بلکہ صرف عملی کام کی راہ سے اوسکی عقل جس بات کی ہدایت کرتی اوسی کو وہ کرنے لگتا۔ اب مفید لطفی بے کی امداد سے تمام ملک شام میں وطنی خیالات کی ترویج بھی اوسنے خوب طرح کرا دی۔ بلکہ فوج تک کل شام میں بلوہ کیواسطے تیار ہوگئی حالانکہ عوام ملک ابھی اوسکے واسطے آمادہ نہ تھے۔

سلانیکا سے اسی زمانہ میں کمال کے احباب نے اسپر اصرار شروع کردیا کہ وہ اپنا تبادلہ جلد سے جلد وہیں کرالے۔ چنانچہ احمد بے سے ملنے کی غرض سے رخصت لے کر کمال جافہ پہونچا جہاں کہ احمد بے بندرگاہ کا کمانڈر تھا اور وہ بھی ایک بڑا رکن "وطن" کا تھا۔ یہاں سے کمال نے اپنا نام تبدیل کیا اور تاجروں کی وضع میں مصر تک پہونچا۔ پھر وہاں سے ایتھنز (...) ہوکر سلانیکا پہونچا مگر پہنچکر اوسے خفیہ جا عیش

بغاوت کے واسطے تیار ہی ملیں سلانیکا میں ماں اور بہن سے ملا۔ نیز اونکے بہانے سے اپنے وطنی ساتھیوں سے بھی ملاقات کا موقع نکالتا رہا۔ اور تبادلہ کی درخواست بھی بھیجدی سلطانی جاسوسوں نے بھی ادھر قسطنطنیہ میں کمال کی سرگشت اور کارروائیوں کی اطلاع بھیجدی تھی۔ چنانچہ وہاں سے کمال کی گرفتاری کا حکم آگیا۔ مگر جمیل بے نے وقت کمال کو اوسکی اطلاع کردی تھی۔ کیونکہ وہ خود وطنی تھا اور ایڈجیوٹنٹ (Adjutant) اوسنے دو دن تک سرکاری حکم کو بھی ڈالے رکھا۔ تب کمال سرحد یونان پر نکل گیا اور بذریعہ جہاز جافہ پہونچکر احمد بے سے جہاز ہی پر ملاقات کرلی۔ احمد بے نے خفیہ طور پر جہاز سے کمال کو باہر کراکے غازہ پہونچوادیا۔ دراصل احمد بے ہی کے سپرد کمال کی گرفتاری بھی تھی۔ اوسی نے قسطنطنیہ میں اطلاع بھی بھیجدی کہ کمال تو غازہ میں موجود ہے۔ اور اوسنے شام کو چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اوسکی تائید مفید لطفی بے نے بھی کردی۔ اور سال بھر تک وطنی احباب کی بدولت اچھی ہی قسم کی رپورٹیں کمال کے بابتہ صدر میں پہونچتی رہیں جس سے بالآخر سلانیکا کو تبادلہ کی کوشش میں کمال کامیاب ہوگیا۔

سلانیکا میں تیسری آرمی کور کے اسٹاف میں کمال کو جگہ دی گئی۔ اور معائنہ جات مقامی کیواسطے ریل کے سفر کی بھی اجازت مل گئی۔ اب وہ اپنی ماں اور بہن کے ہمراہ بھی رہنے لگا۔ کیونکہ اوسکے سوتیلے باپ نے خاصہ مال و زر چھوڑکر انتقال کیا تھا۔ اور اوسکی ماں اب گویا خوشحال تھی۔ مکان بھی ذاتی تھا لیکن "وطنی" کام کی ترقی بیشک اب یہاں ممکن نہ ہوئی کیونکہ سنہ ۱۹۰۶ء سے "اتحاد و ترقی" کے نام سے جو دوسری مجلس انقلابی اصولوں پر یہاں قایم تھی اور اوسکے ممبر بکثرت وہ یہودی تھے جو اطالوی رعایا تھے۔ اُن پر سلطان کو کوئی اختیار نہ تھا نیز وہ سب فری میسن تھے یہودیوں ہی کے گھروں میں وہ سب جمع ہوتے اور جلسے وغیرہ کرتے۔ اور انقلابی بحث و مباحثے ہوتے۔ اونکو کسی قسم کا بھی ترکی حکومت کا خطرہ نہ تھا۔ نہ تو اونکی تلاشی ہی ہوسکتی اور نہ گرفتاری۔ تمام دنیا کے یہودی روپیہ و پیسہ سے اونکی امداد و حفاظت کا بندوبست رکھتے تھے۔ جو بھی "اتحاد و ترقی" کا ممبر شہر بدر وغیرہ ہوتا اوس سے انہیں یہودیوں کے ذریعہ تعلقات قایم رکھے جاتے تھے۔ مصطفےٰ کمال کو یہاں اوس وقت "وطنیت" کی تحریک کے چلانے کی کوئی صورت نہ نظر آئی تب اوسنے "اتحاد و ترقی" ہی کی ممبری منظور کرنا مصلحت سمجھا۔ چنانچہ جب اونکی ہر طرح جانچ و پڑتال کرلی گئی تو اون کو بھی کمیٹی میں شامل کرلیا گیا۔

دراصل تو سلانیکا کی "اتحاد و ترقی" کی کمیٹی روس کی اوس انقلابی پارٹی کی شاخ تھی جن کو کہ نیہلسٹ (Nihilists) فرقہ کہا جاتا تھا یعنی ویڈیڈا لاجز (Vededa Lodge) کا گروہ۔ مگر کمال

کو تو صرف ٹرکی کی خیر منانا تھی اور وہ خود ایک نہایت ہی غیور فرزند قوم وملک ترک تھا۔ اوسے کسی طرح بھی کوئی دلی ہمدردی اوس پارٹی سے نہ تھی۔ اور اسکو وہ کسی طرح بھی اپنے مقاصد کیلیے کارآمد نہ سمجھتا تھا۔ اُسکے خیال میں وہاں تک بکد زائد بھی کام نہ تھا۔ انور بے جاوید بے یعنی نیازی بے اور طلعت بے وغیرہ کو جو یونین کے بڑے سرگرم ممبر کا تھے۔ اونکو تو وہ ہمیشہ سے نظر حقارت ہی سے دیکھتا تھا بلکہ اونکے موقعوں پر اونکی خود غرضی اور نام ونمود کی خواہشات کا ذکر کرکے اونکی توہین میں کبھی بھی تکلف نہ کرتا۔ مگر یہاں کچھ ایسی مجبوریاں تھیں کہ "وطن" کی کوششیں جب چلتی نہ نظر پڑیں تو اونھیں کے ساتھ نا تھے میں شریک رہا۔

زبیدہ سے بھی مذہب اور سلطانی وفاداری کے مباحث پر اکثر جنگ ہو جاتی تکرار ان بھی پھر ان بھی تاہم آزادی خیال وعمل سے ہمیشہ اپنے کو مجبور پاکر گھر چھوڑنا ہی اوسنے مصلحت سمجھا۔ حکمبرداری بھی اوسکی خلقت کے خلاف تھی لیس ان کے یہاں آمد ورفت تو قایم رکھی مگر انقلاب کے جلسوں میں خفیہ طور پر بڑی دلچسپی لیتا رہا۔ اوسکے زمانہ ممبری میں تقریبا تین سو ممبر "اتحاد وترقی" کے تھے۔

اب ۱۹۰۸ء میں نیازی بے نے انقلابیوں کو جمع کرکے جنوبی مقدونیہ میں حکومت کے خلاف احتجاج کردیا اور انقلابی اعلان کیساتھ جدید قانون بھی شایع کردیا۔ اور انور بے نے مشرقی مقدونیہ میں مطبوعہ اعلان انقلاب وقانون جدید بھی شایع کردیا۔ اور جو فوجیں کہ اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بھیجی گئی تھیں وہ بھی باغیوں سے مل گئیں جسکا بڑا سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مدتوں سے سپاہیوں کی تنخواہیں نہ مل سکی تھیں۔

اس طرح کے حالات دیکھ کر سلطان عبدالحمید خان نے فورا جمہوریت کا اعلان کرادیا تھا۔ جاسوسوں کی موقوفی کا بھی حکم دیدیا اور جو ترک ملک سے باہر بھاگ گئے تھے یا خارج کیے گئے تھے اونکی واپسی کی بھی اجازت دیدی تھی۔ تب عیسائی اور مسلم رعایائے سلطانی نے خوشی خوشی جمہوریت کا خیر مقدم کیا تھا۔ انور بے اور نیازی بے بھی ملک میں آرام کام کرنے کیلیے پھر واپس آگئے تھے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اون کا بھی اخراج ہوا تھا۔ بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انور بے ہی نے نصر آلپس (Olympus Palace) کے برآمدے سے جدید اصلاحات کا اعلان بھی پڑھا تھا اور مصطفیٰ کمال بھی اونکے پیچھے خاموش کھڑا اعلان کو سُنا کیا تھا۔ چنانچہ بیس بیس سال کے ملک سے نکلے ہوئے ترک اب واپس آگئے تھے۔ نیازی بے تو فورا البانیہ کو روانہ ہوا مگر کسی نے وہاں اوسکو قتل کردیا۔ انور بے کو حکومت نے برلن کا فوجی اٹیچی (Attache) مقرر کرکے بھیجدیا۔ اور کمال کو شمالی افریقہ افواج طرابلس کے حالات کی رپورٹ کے واسطے رخصت کیا گیا تھا لیکن خاص قسطنطنیہ میں جمہوریت کے خلاف لامذہبی کا الزام لگایا جانے لگا اور یہ شہرت

دیدی گئی کہ اسلام و خلافت کو مٹانا ہی جمہوریت کا مقصود ہے۔ نیز یہودیوں اور فری میسن اصحاب ہی کی بدولت تمام نقصانات تھے۔ اور اس سبب کا الزام "اتحاد و ترقی" کی کمیٹی کے سر تھوپا گیا۔ اور گو پہلی پارلامنٹ بھی عام انتخاب کے ذریعہ استنبول میں جمع ہوئی مگر نوجوان ترکوں کی ناتجربہ کاری سے بیرونی حکومتوں کا داخل ہو گیا۔ اور اونکے ساتھ یونان کے پادریوں نے بھی اخباروں کو رشوت دے کر خوب نوجوانوں کی بدنامی کرائی تھی جس سے خوب کشت و خون بھی ہو گیا۔ نوجوان ترکوں کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ گلے میں کالر لگانے لگے تھے جسکو کہ اونکی لامذہبی پر مبنی کیا گیا تھا۔ اور قسطنطنیہ کی فوجوں نے "اتحاد و ترقی" کے ممبروں کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی بلکہ اپنے ہی افسروں کو فوج بھی گرفتار کرنے اور مارنے لگی تھی تب کمیٹی نے بھی مقدونیہ کی فوجوں سے امداد چاہی مصطفےٰ کمال بھی اب واپس آ گیا اور اوسکے ساتھ ان حالات میں دیگر افسران نے محمود شوکت پاشا کو مجبور کیا کہ مقدونیہ کی دوسری و تیسری آرمی کو قسطنطنیہ پہنچایا جاوے تاکہ جمہوریت کی امداد ہو سکے۔ انور بے بھی برلن سے واپس آئے اور ایک حصہ فوج کی کمان اونھوں نے بھی اپنے ہاتھ میں لے لی نیز کمال کو اپنے اسٹاف تک میں لینا منظور کر لیا۔ وہ سب ہی نے مل کے سلطان عبدالحمید کو خطا کار قرار دیکر تخت سے اتار اور صبح اللہ تینی ([illegible]) سلانیکا میں مقید کر نیکا تصفیہ کیا اور اونکو تخت سے معزول کر کے فتحی بے کی نگرانی میں دیکر سلطان رشاد کو تخت نشین کرا دیا جس سے گویا "اتحاد و ترقی" کی کامل حکومت کا دور ۱۹۰۸ء میں آ گیا۔ نیز 3 انور بے کے اقبال کا ستارہ بھی آسمان پر چڑھ گیا۔ کہ نوجوانوں نے استبدائیت و شخصی حکومت کے بجائے گویا آئینی حکومت کی حقیقی بنیاد رکھدی تھی حالانکہ سلطانیت کو ابھی تک آئین کا جزو ضروری قایم رکھا گیا تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ مشرقی طریقے کے ساتھ ساتھ مغربی طریقے کو ملانیکا خیال نوجوان ترکوں میں غالب ہو گیا تھا۔ ابتدائی مہینے تو ایسے گذرے کہ گویا بلا خون خرابے کے جدید آئین ترکی قوم کو حاصل ہو گیا جس سے ہر مذہب و قوم کے لوگ ایک دوسرے سے خوشی و خرمی کے ساتھ ظاہری طور پر گلے تو ملنے لگے۔ مگر دلوں کا حال بالکل ہی مختلف تھا۔

عیسائی رعایا تو دو صدیوں سے گویا فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھی اسیطرح ترکی زبان کا ابتدائی مدرسوں میں جاری کرا دینا بھی اونکے پادریوں کو کسی طرح پسند نہ آیا تھا۔ عرب و البانی اور کرد جنکو کہ سلطان کی رعایا ہونیکے بڑے بڑے نفع تھے وہ بھی نوجوانوں کے اثر سے سب رعایتوں سے گویا یکدم محروم ہو گئے تھے جن اسباب کے باعث نوجوانوں سے بہت کچھ نفرت پھیلنے لگی۔ یورپ کے اخباروں اور یورپ کی امداد کا اور مصر نوجوانوں کو جو بھروسہ تھا وہ بھی پورا ہوتا نظر نہ آتا کیونکہ اسیوقت آسٹریا نے بوسنیا کو ہضم کر لیا کریٹ جاکر یونان سے مل گیا حالانکہ ۱۹۱۸ء میں بلغاریا اور سیاہ دولت بادشاہ ترکی میں آئے تھے اور صلح پسندی کا اعلان لاگئے تھے۔ نیز اٹلی نے ڈیڑھ سو نوجوانوں کو دوستانہ دعوت دیکر یقین

دلایا تھا کہ اگر خود ترک طرابلس کو اونکے نذر کرینگے تب بھی وہ نہ لینگے اسی بنا پر ترکی فوجیں طرابلس سے یمن کو بھیجوا دی گئی تھیں۔

کمال بھی اب تیسری آرمی کور میں چیف آف اسٹاف مقرر ہو گیا تھا اور ۱۹۱۰ء میں اسکی عمر تیس سال کو پہونچ چکی تھی۔ تب فوراً اسکو جنرل علی رضا کے اسٹاف میں دیگر فوجی کاموں کے دیکھنے کیلئے فرانس روانہ کیا گیا جہاں سے واپسی پر سلانیکا کے افسروں کے مدرسے کا مکمل چارج وہ پا گیا علی رضا نے اوسکی قابلیت قوت فیصلہ اور پیش بینی کی بڑی تعریف بھی کر دی تھی۔ مگر وہاں تو سیاست انی کے غرور اور مزاجی کیفیت کے سبب اب بھی کہیں کسی سے نہ بنتی تھی نہ اپنی رائے و خیالات میں کسیکی پیروی گوارا تھی اور اسکا علاج بھی ناممکن ہی تھا۔ "اتحاد و ترقی" کے زمانہ میں انور۔ جمال اور طلعت ہی کی گویا حکومت تھی جاوید یہودی تو وزیر مالیات تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اوسی کی معرفت جرمنی نے تقریباً بغداد ریلوے کی خرید و فروخت وغیرہ کی معاملت ترکوں سے کی تھی۔ اسی سے جرمنی کا اقتدار ملک میں زیادہ ہونے لگا تھا۔ انور پہلے بھی جرمنی کے بڑے قائل تھے اور اوسکی دوستی کو ترکوں کے واسطے مفید سمجھ کر اوسکی مداخلت کو خاص طرح گوارا کر چکے تھے۔ مگر ملک کی سیاسی و اقتصادی حالتوں میں کوئی نمایاں ترقی کمیٹی اتحاد ابھی تک نہ پیدا کر سکی تھی بلکہ افلاس قومی تو اور بڑھ گیا تھا۔ ملک کے بہت حصے نکل جا چکے تھے۔ نہ فوج ہی کی حالت درست ہو سکی تھی۔ ملازمین کی تنخواہیں اب بھی مشکل سے ادا ہونے کا سامان ہوا تھا۔ لیکن کمال کی مزاجی حالت میں اب بڑا انقلاب ضرور ہو گیا تھا۔ اوسنے سب سے میل جول کرنا اختیار کر لیا۔ دوسروں کے مشوروں کی سماعت کرنے لگا۔ اور حتی المقدور وقعت بھی۔ مگر اس کا سبب کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ ممکن ہے کہ یہ سیاست ہی کا ایک پہلو ہو۔

جب قسطنطنیہ میں محمود شفقت پاشا کو جو اس وقت فوجی وزارت پر تھے۔ کمال کے مزاجی انقلاب کا علم ہوا تو انہوں نے ۳۸ نمبر کی پیدل فوج کا کمانڈنگ افسر کمال کو مقرر کر کے سلانیکا ہی میں پھر تعینات کر دیا لیکن کمال نے وہاں پہونچتے ہی "اتحاد و ترقی" کے خلاف سازش شروع کر دی کیونکہ وہ دراصل ترکی کو ترکوں اور صرف ترکوں کے واسطے دیکھنا چاہتا تھا اور اب یہاں تو جرمنوں اور یہودیوں کا تصرف اوس کو زیادہ نظر پڑا۔ اوسکی روش کو دیکھ کر افسروں نے اوسکے مخدوش ہونے کی رپورٹ کر دی اور کمیٹی نے اوسکی سزا کا مطالبہ کیا جس پر محمود شفقت نے کمال کو قسطنطنیہ کے دفتر جنگ میں حاضری کا پروانہ بھیجا۔ کیونکہ وہ بھی کمال کی ذہانت۔ طباعی اور عوام پر اثر رکھنے سے واقف تھا۔

۱۹۱۲ء میں قسطنطنیہ میں تو اب وزارتیں برابر بدل رہی تھیں۔ جرمن افسران بھی فوجی تعلیم دینے کیواسطے بلوائے گئے تھے جس سے گو جمال پاشا کو بھی اختلاف تھا اور کمال نے اونکی رائے سے موافقت بھی کی تھی۔ مگر انور وغیرہ اوسکے موید تھے۔ کہ اوسی وقت اٹلی نے طرابلس میں شمالی افریقہ کی طرف اپنی فوجیں اوتار دیں تھیں اوسپر انور اور فتحی دونوں وہاں پہونچ گئے تھے۔ کمال بھی ایشیائی کوچک ہو کر شام و فلسطین میں مع اپنے دو ہمراہیوں کے

اسکندریہ تک پہونچگیا تھا کیونکہ مصر کو غیر جانبدار قرار دیکر انگریزوں نے سرحدوں پر بندش کر دی تھی حالانکہ مصر ابھی تک ترکی حکومت کا جزو مانا جاتا تھا۔ کمال نے عربی لباس پہنکر سرحد سے پار ہونے کی کوشش کی مگر ایک مسلمان مصری افسر نے کمال کو پہچان لیا۔ اور گو انگریزی حکومت کی طرف سے کمال کی گرفتاری کا حکم بھی اوسکو مل چکا تھا۔ مگر افسر نے ایک دوسرے شخص کو جسکی آنکھیں بھی کمال کی طرح نیلگوں تھیں گرفتار کر کے کمال کے بجائے بھیجدیا اور کمال کو سرحد کے پار خفیہ طریقہ پر کرا دیا۔

جنگ طرابلس میں شمالی افریقہ کی مسلم آبادی اسلامی جنگ سمجھکر جہاد کیلئے آمادہ ہوگئی تھی۔ انور پاشا نے وہیں کمال کو میجر کمال بنا کر ساحل درنا (Derna) کے مقابل تعینات کر دیا تھا گو وہاں اوسوقت ہر جگہ انور پاشا کا بول بالا تھا شیخ سنوسی نے بھی اونھیں بھائی کہا اور کچھ عرصہ تک اطالوی فوجوں کو ترکوں نے سمندر کے کنارے سے بڑھنے نہیں دیا۔ کمال نے یہاں انور پاشا کی پوری وفاداری سے ماتحتی کی۔ حالانکہ وہ انور سے عمر میں ایک سال بڑا تھا۔ اور اب باوجود دونوں میں البانی خون ہونے کے نیز لڑنے میں کسی وقت بھی اتحاد نہ ہونے کے کمال نے انور کی ہر طرح اطاعت اختیار کی۔ گو یہ جنگ ایک سال تک تقریباً قایم رہی اور اطالوی بڑھتے ہی گئے۔ یکایک اکتوبر ۱۹۱۲ء میں مانٹینگرو (Montenegro) نے ترکوں سے اعلان جنگ کر دیا۔ بلکہ تمام بلقانی عیسوی ریاستیں پہلی بار اب یکدل ہوکر ترکوں پر ٹوٹ پڑیں اور جنگ بلقان شروع ہوگئی مجبوراً ترکی نے اطالیہ سے صلح کر لی۔ اور تمام ترکی افواج طرابلس سے واپس بلالی گئیں۔ کیونکہ اٹلی کا طرابلس پر توقبضہ ہو ہی چکا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب کمال بھی براہ فرانس و آسٹریا و رومانیا بلکہ بحیرۂ اسود تک پار کر کے دسمبر ۱۹۱۲ء کے پہلے ہفتہ قسطنطنیہ میں داخل ہو گیا تھا۔ اوسوقت سربیا نے شمال سے یونان نے جنوب سے بڑھکر ترکوں کو دبا یا تھا اور سلانیکا لے لیا تھا۔ بلغاریہ تو سیدھا قسطنطنیہ ہی کی طرف بڑھا تھا اور چٹالجہ کو جو صرف پندرہ میل شہر سے تھا خطرہ میں ڈالدیا تھا۔ یونان نے تو پچیس ہزار ترک بھی گرفتار کر لئے تھے۔ فی الحقیقت تو اوسوقت ترک گویا یورپ سے کلیتاً باہر کر دیئے گئے تھے۔ شہر قسطنطنیہ میں ہزارہا زخمی آچکے تھے۔ سامان خورد و نوش تک کی قلت تھی۔ بخار اور ہیضہ پھیل چکا تھا۔ خود ملک کے ارباب سیاست میں باہمی جنگ تھی۔ اوسوقت کمال کو یہ خبر ملی تھی کہ یونانیوں نے سلانیکا کی تمام سیویلین آبادی کو قتل کر دیا بس صرف جو بھاگ گئے سو بچ گئے اور اونھیں میں زبیدہ اور مقبولا بھی تھیں۔ کمال اوس وقت گیلی پولی میں چیف آف اسٹاف تھا۔ لہذا اوسنے ماں اور بہن کو تلاش کرا کے اور آرام سے اونکے قیام کا انتظام کرا کے خود بولیر پہنچ گیا جہاں کہ بلغاریہ نے اوسوقت حملہ بھی کر دیا تھا۔ مگر اب عارضی صلح بھی

ترکوں سے اور سب سے ہو گئی تھی نیز دول عظمیٰ نے صلح کی کانفرنس بھی طلب کر لی تھی۔ کیونکہ ترکی کا صدر اعظم کیامل پاشا ہر طرح صلح کے واسطے آمادہ تھا۔ گو نوجوان ترک رضامند نہ تھے۔ انور پاشا نے کمیٹی اتحاد و ترقی کے اراکین کو قسطنطنیہ میں اب جمع کیا اور سلطان کے یہاں خود اوسی وقت پہونچ گیا جبکہ وزرا کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ناظم پاشا وزیر افواج نے اوسکو روکنا چاہا تب انور نے وہیں تمنچہ سے اوسکو ہلاک کر دیا نیز دیگر وزرا کا بھی تعاقب کیا۔ مگر وہ سب بھاگ نکلے انور نے اب جمال اور طلعت کیساتھ وزارت قایم کی بلکہ کل اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں گویا لے لیا۔ اور جس کسی نے بھی اختلاف کیا اوسکو پھانسی دیدی گئی۔ شرائط صلح جو کچھ پیش ہوئے تھے اونکو نامنظور کیا۔ کیونکہ بلقان کی کل ریاستیں ترکی کے یوروپین حصہ حکومت کو اپنے آپس ہی میں تقسیم کر لینے پر اصرار کر رہی تھیں اور بلغاریہ تو ایڈریانوپل کو فتح کرنے پر تیار تھا۔ اس پر انور نے ایک اسکیم اوسکے بچاؤ کی تیار کی۔ اوس سے کمال نے اختلاف کیا جس پر انور کو سخت ناگوار ہوئی اور اوسنے کمال سے کہا کہ "بات کم کرے اور تعمیل حکم کرے" چنانچہ۔ فروری ۱۹۱۳ء کو جب بولیر کی فوجوں نے بلغاریوں پر حملہ کر دیا۔ تو کمال بھی اوسمیں شریک ہوا جب ترکوں کو اوسمیں واپس ہونا پڑا۔ تو گویا انور کی اسکیم ناکام ثابت ہوئی۔ اور بلغاریوں نے ایک ماہ بعد ایڈریانوپل پر قبضہ ہی کر لیا۔ اور وہی شرائط صلح جو کیامل پاشا نے طے کئے تھے وہ مجبوراً ترکوں کو بمقام لندن ۱۹۱۳ء میں ماننا پڑے۔ اب کمال بھی قسطنطنیہ کو واپس ہوا مگر تقدیر سے اُدھر خود بلقانیوں میں آپس میں بٹوارے پر ان بن ہو گئی۔ بلغاریہ ہی نے سربیا اور یونانیوں پر حملہ کر دیا۔ تب اُدھر موقع دیکھ کر انور نے پھر ایڈریانوپل پر قبضہ کر لیا۔ اور بطور فاتح کے وہاں داخل ہوا۔ کمال بھی اس داخلہ میں شامل تو ہوا مگر انور کی یہ نمایش اوسے کچھ بھلی نہ معلوم ہوئی۔ تاہم قسطنطنیہ میں واپسی پر اوسے اب لفٹنٹ کرنل بنا دیا گیا۔ اور انور طلعت و جمال کی تگڈم خوب اچھی طرح بن کر کام ہونے لگا۔

اس دوسری جنگ بلقان میں بلغاریہ کو شکست ہوئی اور دوسری صلح بھی بمقام بخارسٹ (Bukharest) اگست ۱۹۱۳ء میں کی گئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جنگ بلقان گویا جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کا پیش خیمہ تھی۔ کیونکہ برطانیہ۔ فرانس اور جرمنی نے اپنی اعتدال کی پالیسی سے آسٹریا کو اس جنگ بلقان میں پھاندنے سے روک رکھا تھا۔ اور صرف بلقان ہی تک وہ جنگ محدود رہی تھی۔ اور اب گو یا ترکی تو بلقان سے خارج ہوا تھا لیکن سربیا کی حکومت کی توسیع ہو گئی۔ اور ترکوں کیساتھ جو ظلم اوس وقت کیا گیا تھا۔ اوسکے علاوہ بلقانیوں نے جو اپنی عام مسلم رعایا کا قتل و غارت کیا یا بھوکا مارا اوسکی کوئی حد ہی نہ رہی جنگ کے قیدیوں کو نہ صرف مار ہی ڈالا ہاتھ پیر کاٹ ڈالے۔ بلکہ اونپر ہر طرح کا ظلم کیا گیا۔ بس بقول شخصے کہ بیسویں صدی میں یہ واقعہ اپنی مثال ہوا۔

اور طرہ یہ ہوا کہ مغرب سے ایک آواز بھی اوسکے خلاف نہ سنی گئی۔ گو ترکی عورتوں تک نے استنبول سے یورپ کی شاہزادیوں سے اپیل کی تھی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اور جب ترکوں نے بدلا لیا تو سب ہی چیخ اٹھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اناطولیہ کی مسلم و عیسائی رعایا میں تصادم ہو گیا۔ اور اب جس طرح ترکوں میں قومیت کی لہر دوڑنے لگی تھی ویسے ہی عربوں میں بھی اقتصادی اور تعلیمی اصلاحیں ضرور کر دی گئی تھیں بلکہ ستمبر ۱۹۱۴ء میں ترکوں نے دیگر دول یورپ کے تجارتی ہرقسم کے معاہدوں کو یعنی "کیپی ٹولیشن (capitulations)" تک کو توڑ دیا تھا مگر جلد ہی پین اسلامزم کا خواب پورا نہ ہوا نہ دنیا کے مسلمان یکدل ہو سکے نہ ۔ پین ٹیوٹینین تحریک بھی چل سکی تاہم ترکوں میں قومیت کی تحریک ہونے سے غریب محمود شفقت کو موت کے گھاٹ اتروا دیا گیا اور انور ہی پیپسر وزیر فوج ہو گئے بلکہ سلطان وقت کے داماد بن کر محل شاہی میں براجنے لگے۔ نیز سلطان وقت کو اب حقیقی خلیفہ اسلام کہہ کر پین اسلامزم کی تحریک کے بھروسے پر ترکی سلطنت کے مکمل احیا کا اون کو پورا خیال بھی بندھ گیا اسی وقت جرمن جنرل لیمن وان سانڈرس (Liman von Sanders) کو جو پرشیا کا باشندہ تھا ترکی فوجوں کی ترتیب کیلئے انور ہی نے طلب کرا لیا۔ کمال نے اوسکی بھی مخالفت کی تب اوسکو فوجی اٹیچی بنا کر فتحی بے کے پاس صوفیا بھینک دیا گیا تاہم کمال نے یہاں بلغاری کمانڈر وغیرہ سے خاصی دوستی پیدا کر لی اور ناچ بھی سیکھ لیا۔ اور سوسائٹی میں داخل ہو کر عیش کی زندگی بسر کرنے کی فکر میں پڑ گیا۔ مگر یہاں کی مستورات عموماً ترکوں سے متنفر رہتی تھیں پھر کمال کی مزاجی حالت کے باعث کسی سے بھی میل جول نہ ہو پایا۔ مجبوراً ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں کمال نے زندگی گذارنے کا سامان کیا جس سے تندرستی خراب ہو گئی۔ اور بیماریاں بھی مول لے بیٹھے۔

۱۹۱۴ء میں نوجوان ترکوں نے سیاسی حالات میں بجید صلح کی حکمت عملی برتنی شروع کر دی۔ زار روس کے پاس لیوا ڈیا ([illegible]) کو ایک وفد بھی صلح کیلئے گیا۔ آبنائے ([illegible]) کے کھلے رکھنے کی بحثیں بھی اخبارات میں ہونے لگیں جسکے واسطے روس جان ہی دے رہا تھا۔ انگلستان۔ فرانس اور یونان تک سے اختلافات کے وجوہ رفع کرنے کی پوری کوشش بھی کی گئی۔ مگر آخر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم یورپ شروع ہو گئی اور ترک بھی مجبوراً اوسمیں شریک ہو گئے۔ فروری ۱۹۱۵ء میں کمال کو قسطنطنیہ میں پھر طلب کر لیا گیا۔ کیونکہ حقی پاشا ہمیشہ سے کمال کی قابلیت وغیرہ کے قائل تھے۔ کمال نے جیسے حقی پاشا کا تار پایا فوراً واپس گیا۔ اور اوسکو وان سانڈرس کی سپردگی میں دے دیا گیا۔ جنہ کر جنوبی حصہ گیلی پولی کی طرف کمال کو نصف کمان بھی دیدی کیونکہ اب انگریز گیلی پولی کے حملے کی تیاری کر رہے تھے اور مصر میں فوجوں کا خاصہ اجتماع تھا۔ کمال اور سانڈرس

سے بھی برابر یہاں اختلاف رہتا مگر وہ کمال کی قدر بھی کرتا تھا۔ کیونکہ اوسکی رائے میں کمال صرف ایک پکا سپاہی نہ تھا بلکہ نہایت ہی عمدہ افسر بھی۔ فروری ۱۹۱۵ء میں برطانیہ کا بحری حملہ دردانیال پر اسی ہزار بحری فوج سے باون میل کے ساحل پر شروع ہو چکا تھا اور سانڈرس کی رائے میں مقابلہ تقریباً غیر ممکن ہی تھا۔ ملک بھی پہاڑی اور ترکی فوج صرف ساٹھ ہزار تھی لہذا سانڈرس نے فوج کے تین حصے کرکے بچاؤ کا صرف بندوبست کیا۔ اسی ۱۹۱۵ء میں انگلستان، فرانس اور روس نے ایک معاہدہ کر لیا تھا جسکو کہ معاہدہ قسطنطنیہ کہتے ہیں جس کی رو سے آبنائے (Straits) روس کو دیا جاتا، قسطنطنیہ کو آزاد بندرگاہ تجارت عام کیلئے بنایا جاتا، مقامات مقدسہ کو ایک مسلم عرب حکومت قایم کرکے اوسکے سپرد کیا جاتا۔ اور جسکے بابتہ عرب قومیت کے لیڈروں اور شریف مکہ میں کچھ مفاہمت بھی ترکوں کے جنگ میں پھاندنے سے قبل ہی ہو چکی تھی۔ پھر اپریل ۱۹۱۵ء میں ترکی کی تقسیم کا لندن میں ایک معاہدہ ہوا جس سے کہ اطالیہ کو ادالیہ (Adalia) دلوانے کا وعدہ کرکے اوسے بھی جنگ میں شریک کرایا گیا۔

اس درمیان میں انور پاشا جو روس کے خلاف جنگ کرانے قاف گئے ہوئے تھے واپس آگئے اور آتے ہی مصطفےٰ کمال کے درجے کو کم کرنے کا حکم بھی سانڈرس کو بھیجدیا لیکن سانڈرس نے تعمیل نہیں کی جس سے کمال کے دل میں سانڈرس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اب کمال کے پاس ایک ترکی اور دو عرب رجمنٹ تھیں جنکو دو ہفتوں میں سچے اوّل درجہ کی فوج بنالیا تھا چنانچہ ۲۵ر اپریل ۱۹۱۵ء کو اتوار کے روز انگریزی فوج نے حملہ شروع کردیا۔ ایک حصے نے بولیر کے شمال میں، دوسرے نے جنوب میں اور تیسرے بڑے حصے نے مرکز یا قلب پر اور یہ کل فوج آسٹریلیا کی تھی جس وقت کہ کمال اپنی ستاونوی (۵۷) رجمنٹ کی قواعد لے رہا تھا کہ کچھ ترکی سپاہی دوڑ کر اوسکے پاس آئے اور کہا کہ اری بیورن (Ari Burnu) پر آسٹریلین فوج اتر کر آگئی تھی اور چونک بیر (Chunuk Bair) پر پہونچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس پر کمال بھی اوسی طرف فوج لے کر بڑھ گیا اور لڑائی شروع کردی جس سے آسٹریلین فوج کا آگے بڑھنا رک گیا۔ اور سمندر کی طرف بھاگنا بھی مشکل ہو گیا۔ اور نہ وہ اوپر ہی چڑھ سکی۔ کمال نے بھی اپنی تینوں فوجوں کے حصوں کو آرام دے دے کر شب بھر خوب ہی لڑایا جس کا اعتراف تمام ماہرین کو کرنا پڑا۔ کیونکہ اگر آسٹریلین فوج اوپر چڑھ آتی اور چونک بیر کی چوٹی پر پہونچ جاتی تو دردانیال پر قابو حاصل کرنا اوسکے واسطے مشکل تھا اور پھر تو قسطنطنیہ کا لے لینا انگریزوں کیلئے بالکل ہی اختیار میں ہوتا۔ لطف یہ تھا کہ کمال کے پاس یہاں نہ نقشہ ہی مکمل تھا اور نہ کافی سامان محض اپنی

ریاضی دانی اور ہوشیاری سے کل کام اُس نے بنالیا۔

دونوں طرف کی فوجوں نے اب خندقین تیار کرلی تھین جس سے بعد کے چند ہفتے دونوں طرف کے لئے سخت آزمائش کے گذرے یہاں تک کہ موسم گرما ایکدم سے شروع ہوگیا۔ اور پانی کی کمی نظر آگئی۔ اسی درمیان مین عارضی صلح بھی ہوگئی تھی تب کمال نے ایک مسیت کے ہمراہ جاکر آسٹریلین فوج کی بنائی ہوئی خندقین بھی بہانے سے دیکھ لین۔ مگر اس درمیان میں نہ خود کسی وقت غافل ہوا اور نہ فوج ہی کو غافل ہونے دیا بلکہ خود کو تو ہمیشہ فوج کے ساتھ خطرے مین ڈالدیتا تھا۔ جس سے فوج کی ہمت ہمیشہ بڑھتی رہتی۔ چنانچہ اسی وقت جرمن جنرل ہر کنینگوسر Herr Kannenguser نے کمال کے فن سپہگری۔ ریاضی دانی اور بہادری کی بڑی تعریف بھی کی تھی یہ افسر لونین ڈویزن فوج کی کمان پر تھا۔ کمال تو کبھی گولیوں کی بوچھار کی زد مین کبھی اُنکے گرنے کی جگہ کے قریب دکھلائی دیتا اور کبھی خود بندوق سے نشانہ تک لگانے لگتا۔ غرضکہ نہ خود خوف کھاتا اور نہ فوج کو خوف پیدا ہونے دیتا۔ اس کی جرأت کے باعث فوج بھی اُس کے حکم سے مارنے اور مرنے پر تلی رہتی ٭

۲۷ رجون ۱۹۱۵ء کو جب انور پاشا بطور وزیر فوج گیلی پولی کے محاذ پر بغرض معائنہ پہونچے تو اونکو معلوم ہوا کہ کمال نے ۲۸ رجون ہی کو کسی نازک مقام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ فوراً ہی انور نے اوس تجویز کو نامنظور کردیا۔ اوس پر کمال نے استعفا دیدیا۔ مگر ساندرس نے استعفے کی واپسی پر کمال کو مجبور کیا۔ جو کمال نے کسی طرح نہیں مانا۔ تب انور کو اپنی نامنظوری ہی واپس لینا پڑی۔ اور کمال کی تجویز کے مطابق حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے ناکامی ہوئی اور ۱۸ نمبر کی ریجمینٹ بھی ماری گئی۔ اب انور نے کل الزام کمال ہی پر رکھا۔ اوسپر پھر کمال نے استعفا دیا۔ ساندرس نے پھر واپسی استعفے پر مجبور کیا۔ مگر کمال نے کسی طرح نہ مانا تب کاظم پاشا سے کہا گیا کہ کمال کو راضی کردیں چنانچہ جب کاظم نے کمال کو مجبور کیا تو اُس نے کہا کہ اگر کاظم اپنی کل فوج کمال کے سپرد کردے تو وہ راضی ہوسکتا تھا۔ جسکا جواب کاظم نے یہ دیا کہ تب تو کمال کے واسطے اور بھی زائد مشکل ہوگی۔ مگر کمال نے کہا کہ نہیں بلکہ پھر بھی فوج بہت کم ہوگی۔ اس درمیان میں انور پاشا قسطنطنیہ واپس گئے اور ساندرس نے کمال کو منالیا۔ اودھر اسی مباحثے میں شروع جولائی ۱۹۱۵ء میں انگریزی فوج کو بھی بڑی کمک پہونچگئی اور ۶ر جولائی کو ہوجاچمین (Hoja Cheman) کی چوٹی پر رات کے اندھیرے میں اون کی سولہ[16]

٭ دیکھو کتاب گریز وولف از ایچ۔ سی آرم اسٹرانگ حصہ مصطفٰے کمال ۱۹۳۲ء

ہزار فوج تازہ دم پہونچ جانے کی خبر ترکوں کو ملی۔ اب مجبوراً سانڈرس نے حملہ کر ہی دیا مگر نیوزیلینڈ (New Zeland) کی فوج نے چونک بیر پر کچھ جگہ حاصل ہی کر لی۔ اور سب طرف اب جنگ چھڑ گئی۔ یہانتک کہ ۸۔ اگست کو انگریزی فوجوں نے بھی زور کا حملہ کر دیا۔ تب ادسی شام کو سانڈرس نے کمال کو بلایا اور موضع آنافارٹا (Anafarta) کی پناہ میں اُس سے ملاقات کی۔ اُس وقت کمال کے غصے کی کوئی حد ہی گویا نہ تھی۔ کیونکہ فیضی بے (Fezvi Bey) نے وہ امداد فوجی جو کمال نے بولیر سے مانگی تھی، وہ نہ بھیجی تھی اور محاذ ساوہ بالکل کمزور ہو گیا تھا جسکے مضبوط کر دینے کی فوراً ضرورت تھی۔ اوسی وقت سانڈرس نے کمال سے کہا کہ اب یہاں تمھاری ضرورت ہے اور تم ہی کمان لے لو اور بولیر سے فوراً فوج بھی منگوانے کا حکم دیدیا۔ اور گویا کمال کی قسمت کی یاوری کا پورا وقت آگیا۔ حالانکہ اب انگریزی فوج کے کمانڈر ان چیف سر آئین ہیملٹن (Sir Ian Hamilton) خود وہاں پہونچ گئے تھے اور ۹ر اگست کو اُنکے دو حملے برابر ہوئے مگر ترک جہاں تھے وہیں جمے رہے۔ تاہم چونکہ اب چونک بیر پر انگریزی فوج کے حملے برابر ہو رہے تھے اُس سے ترک بیحد پریشان ہوئے اور کمال کو ٹیلیفون سے مطلع کیا گیا۔ کمال نے اوسکا جواب یہ دیا کہ "اپنی طرف ختم کر کے وہ فوراً وہاں پہونچیگا مگر کسی نہ کسی طرح چوبیس گھنٹے حملوں کا مقابلہ کر کے دشمن کو روکا جاوے" چنانچہ شب ہی میں وہ آٹھ بجے چونک بیر پہونچگیا۔ اور جس موقع پر کہ گولیوں کی بارش ہو رہی تھی بلا اپنی جان کی پرواہ کئے ہوئے معائنہ موقع وغیرہ کرنے لگا۔ اسٹاف نے بیحد روکا مگر کچھ نہ مانا اور ٹہلتا ہوا واپس آگیا۔ حالانکہ اور لوگ اسی جگہ گولیوں سے نشانہ بنکر جاں بحق تسلیم ہو رہے تھے۔ یہ عجیب خدا کی قدرت تھی کہ کمال پر ایک گولی بھی نہ گرتی تھی۔ غرضکہ تمام شب اسپطرح کوشش وغیرہ میں گذری کہ نیوزیلینڈ کی فوج کو وہاں سے ہٹا دیا جائے جہاں کہ وہ پہونچگئی تھی مگر کامیابی نہ ہوسکی حالانکہ سانڈرس نے آٹھویں ڈویژن فوج بھی کمال کے پاس پہونچوا دی تھی۔

کمال نے اب فوج سے خطاب کر کے کہا کہ "عجلت نہ کرنا دوڑکر نہ چلنا جب میں خود آگے ہوں اور ہاتھ اُٹھاؤں تب سنگین اوٹھانا اور اپنی خندقوں سے باہر آنا اور میرے پیچھے ہو لینا" اسوقت مقابلہ میں دو نئی تازہ دم انگریزی فوجیں یعنی چھٹی لانکاشائر (6th Lancashire) اور پانچویں ولٹشائر (5th Wiltshire) بلٹن افواج نیوزیلینڈ سے تبادلہ کر رہی تھیں۔ چنانچہ تین بجے صبح کمال خود خندقوں سے باہر نکلا اور آگے چلا۔

دشمنوں کی طرف سے ایک گولی کمال کے ہاتھ کی گھڑی کے شیشہ پر لگی اور گھڑی چکنا چور ہو گئی اور بس۔ تب وہ ایک منٹ تنہا کھڑا رہا اور فوراً ہی ہاتھ اٹھایا اور آگے بڑھا۔ ترکی فوج نے بھی پیچھے سے یلغار کیا اور مذکورہ دونوں انگریزی فوجوں پر سب کے سب ٹوٹ پڑے اور اونکو بالکل ہی ختم کر کے چونک بیر کو دشمنوں سے صاف کر دیا[1]

کمال کو اب ترکوں نے پاشا کا خطاب دیا اور آنافارطا کے محاذ کی کمان کمال ہی کے سپرد رہی۔ تین ماہ کامل تک پھر خندقوں میں سے جنگ ہوتی رہی بلکہ دو زبردست حملے پھر انگریزی فوج نے کئے مگر سخت نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں انگریزوں نے گیلی پولی کے محاذ کی جنگ کو ختم کر دیا اور کل محاذ خالی ہو گیا۔ تب کمال پاشا بھی قسطنطنیہ واپس گئے۔ اب تو دنیا کے اخباروں نے اونکو دردانیال اور دارالسلطنت کو بچانے والا (The Saviour) لکھنا شروع کر دیا۔ نیز کمال نے بھی انور پاشا کے بابت یہ کہنا شروع کر دیا کہ "قوم کے لئے ایک خطرہ تھے اور ملک کو تباہ کر کے رہینگے۔" اودھر ملک کی عام رائے بھی کمال کی تائید کرنے لگی نیز جرمنوں کے بھی خلاف ہو گئی۔ بلکہ اب جرمنوں کو بورپا بدھفا باہر دھکا ملک بھر سے خارج کرنے کی تحریک جاری ہو گئی۔ اور انور پاشا کے خلاف سازش بھی ہونے لگی۔ انکا گھر سے باہر نکلنا بھی خالی از خطرہ نہ رہا۔ اودھر کمال پاشا نے بھی وزارت جنگ کی ہوس کی اور طلعت پاشا سے جو اوسوقت وزیر اعظم تھے اپنی خواہش بھی ظاہر کی بلکہ اپنے کو اوسکا مستحق بھی جتایا مگر جب ناامیدی ہوئی تو اسکا بیحد ملال انھیں ہوا اور اب انور پاشا کی علانیہ مخالفت پھر انھوں نے شروع کر دی جسپر ۱۹۱۶ء میں انھیں کو سولہ آرمی کور کی کمان دیکر قاف بھیجا گیا۔ اور دوسری آرمی کور کے ہمراہ دیار بکر کو روانہ کئے گئے۔ اسی ۱۹۱۶ء میں زبان کے متعلق نیا قانون جاری کیا گیا جس سے ملک کی تمام کمپنیوں وغیرہ کے لئے یہ لازمی کر دیا گیا کہ ترکی زبان ہی میں اپنا حساب و کتاب رکھیں اور کاروبار کریں۔ اسکا اثر یہ ضرور ہو گیا کہ ملک کے نوجوانوں کو ملازمتوں کے حاصل کرنیکا موقع زائد مل گیا۔ اور اب نوجوان ترکوں کو غیر ممالک میں تعلیم کے واسطے بھی بکثرت بھیجا گیا تھا۔ تجارتی کالج اور صنعتی مدارس بھی بہت کھول دیئے گئے تھے۔ پہلا ترکی بنک قومی قرضہ National Credit کا بھی اسی وقت جاری ہوا۔ نیز کوآپریٹیو اور تجارتی اتحاد بھی پھیلنے لگے۔ جنمیں کہ قدیم ترکی گلڈز (Guild) کا احیا سمجھا گیا۔ مگر بدقسمتی سے آگے چلکر ۱۹۱۸ء میں سلطان وقت نے سب منسوخ کر دیئے۔

---

[1] دیکھو صفحات ۱۰۰-۱۰۸-۱۸۱ کتاب گرے وولف از ایچ۔ سی آرم اسٹرانگ۔ مصطفٰی کمال ۱۹۳۲ء

مئی ۱۹۱۶ء میں۔ روس انگلستان فرانس اور اطالیہ کے درمیان ایک جدید معاہدہ بھی ہو چکا تھا جس کو کہ سائکس پکیٹ (Sykes Pact) کہتے ہیں اور جسکی رو سے عرب کے متعلق کچھ امور طے ہوئے تھے اور روس کو کچھ حصص عرب کے دیئے گئے تھے مگر اس معاہدہ کو عربوں سے راز رکھا گیا تھا لیکن جب بالشویک حکومت نے اُسے شایع کر دیا تھا تو اسی سے شاہ حسین نے معاہدہ سیوارئیز پر بھی دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کمال پاشا کے قاف پہونچنے سے ایک سال قبل انور پاشا وہاں جا ہی چکے تھے اور روس پر حملے کے لئے ایک لاکھ کے قریب وہاں فوج بھی جمع کی تھی جسکا اصل مقام ارض روم تھا مگر وہاں کی سردی کے باعث کہا جاتا ہے کہ صرف بارہ ہزار سپاہی صرف بچ گئے باقی مر گئے۔ یا بھاگ گئے تھے۔ وہاں بد نظمی کے باعث کوئی سامان راحت وخورد و نوش تک مہیا نہ ہو سکا تھا۔ زیادہ تر تو اناطولیہ کے سپاہیوں سے یہ فوج تیار ہوئی تھی اور یہی لوگ ہمیشہ بہترین قسم کے لڑنے مرنے والے سپاہی سمجھے جاتے تھے۔ اودھر روس نے آگے بڑھ کر اور سڑکیں وغیرہ درست کر کے نیز ریل بنا کر وین (Van) بطلس (Bitlis) موش اور ارض روم پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ نیز ارض روم میں ایک زبردست اور بڑا قلعہ بھی بنا لیا تھا۔ لہذا کمال پاشا نے جب اوس طرف پہونچکر ہر طرح حالات کو خراب پایا۔ اور در اصل تو وہیں کا سامان جنگ وغیرہ دردانیال بھیج دیا گیا تھا۔ نیز فوج کے ٹھیکہ داروں اور افسروں نے بھی ملکر چوری اور دغابازی کر رکھی تھی۔ نہ تو سامان جنگ ہی تھا نہ فوج کے پاس کچھ کھانے و پہننے تک کے لئے تھا۔ غریب بیماروں کے واسطے طبی امداد کا بند وبست یا موسمی حفاظت کا کوئی ذریعہ تک نہ تھا۔ جس سے کمال کو مصیبت پڑ گئی اور یہ بھی وہاں اندازہ ہو گیا کہ روس پھر ۱۹۱۷ء کے موسم بہار میں حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تب اُنھوں نے فوراً دفتر جنگ قسطنطنیہ کو بذریعہ تار اصلی حالات کی اطلاع کر دی مگر کوئی جواب ہی نہ ملا تو خود ہی انتظام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کرنل عصمت اور جنرل کاظم کارابکر دو ایماندار اور قوم کے فدائی افسر بھی اُنکے شریک کار ہو گئے۔ بلکہ تقدیر ہی نے پھر یاوری کی کہ روس میں انقلاب عظیم شروع ہو گیا جس سے کمال نے جو بھی فوج تیار کر لی تھی اوس سے پھر بطلس اور موش پر قبضہ کر لیا بلکہ باطوم کی طرف بھی بڑھ گیا۔ اور گو روس کا خطرہ ترکوں کو کم تو ہو گیا تھا۔ مگر شام کی طرف دول یورپ نے اب چڑھائی بول دی تھی۔ اور حکومت کی طرف سے کمال ہی کو شام کے محاذ پر فوراً پہونچنے کا حکم ملا۔ حالانکہ یہاں ارمنوں نے بھی ترکوں سے جنگ کر رکھی تھی۔ لہذا اپنا محاذ قائم کر کے کاظم کارابکر کو اپنی جگہ کمان دیکر براہ قسطنطنیہ وہ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔
برطانیہ نے ہندوستان کی فوجوں کی مدد سے اب بغداد پر قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ اور موصل کی طرف بڑھ رہا تھا

نیز مصر کی طرف سے بھی فلسطین اور شام کے حملوں کی تیاری تھی۔ تب مصطفےٰ کمال کو ساتویں آرمی کور کی کمان دیکر متعین کیا گیا۔ انور پاشا نے جرمنوں کے مشورے سے بحکم جنرل فالکنہے (Falkenhayn) بہ اجازت جرمن اعلیٰ کمان ایک جدید فوج بمقام الیپو جسکا کہ نام یلدرم (بجلی) رکھا گیا تھا بنانے کے لئے حکم دیا۔ کمال نے اس تجویز سے اختلاف کیا۔ جسپر افسر مذکور نے ایک بکس سونے کے سکوں سے بھرا ہوا کمال کو بھیجکر راضی کرنا چاہا مگر کمال نے رشوت کو قبول نہیں کیا نتیجہ میں اسٹاف کے پہلے جلسے ہی میں جسمیں جمال۔ کمال۔ انور اور فالکنہے سب موجود تھے۔ اختلافات پیدا ہوگئے۔ کمال نے استعفا بھی دیدیا۔ اوس پر اوسکو دیار بکر جانے کا حکم دیا گیا مگر کمال نے انکار کردیا تب انور نے اونکو رخصت علالت دیکر قسطنطنیہ ہی کی واپسی کی اجازت دیدی۔ اُسوقت کمال کے پاس واپسی تک کا خرچ نہ تھا۔ لہٰذا جمال نے اُسکے گھوڑوں کے عوض میں روپیہ دیکر گھوڑے خرید لئے اور کمال پاشا قسطنطنیہ واپس آگئے اور کچھ دنوں اپنی ماں اور بہن کے ہمراہ رہکر پھر پیرا پیلس ہوٹل میں اُٹھ گئے اور تنہا رہنے لگے۔

انور پاشا کے بابتہ عام خیال یہ ہے کہ وہ پین اسلامزم (Pan Islamism) اور پین ٹیورینیزم (Pan-turanianism) کے بانی مبانی تھے۔ مگر پین اسلامزم یعنی تمام دنیا کے مسلمانوں کو ملانے کی تجویز سلطان عبدالحمید نے زوروں میں چلانے کی کوشش کی تھی اور تورانیوں کے میل کی اسکیم دراصل آئینی انقلاب کے بعد توق آلپ ضیا کی سرکردگی میں سلانیکا سے شروع ہوچکی تھی اور اوسکا قول تھا کہ ریاست کوئی شے نہیں ہو جماعت اصل چیز تھی نہ حقوق ہی قابل خیال تھے بلکہ فرائض قابل غور اور عمل تھے وہ ایک ہی پارٹی کی جمہوریت کا بھی قائل تھا یعنی بالفاظ دیگر آجکل کی ڈکٹیٹرشپ کا بانی خیال کا آدمی تھا اسلئے انور پاشا کی طرف دونوں تحریکوں کا منسوب کرنا تاریخ کے اعتبار سے صحیح نہ ہوگا۔

جب ۱۹۱۷ء میں شاہزادہ وحیدالدین ولیعہد سلطنت کو جرمنی بھیجنے کی تجویز ہوئی تو انور پاشا نے کمال ہی کو انکے ہمراہ بھیجا جانا تجویز کردیا اور اس طرح پھر اوسکو صدر مقام سے باہر نکالا گیا۔ روانگی سے دو دن قبل شاہزادے نے کمال کو طلب کیا۔ اور گفتگو کی چنانچہ اسی پہلی ملاقات میں کمال نے محسوس کیا کہ شاہزادے صاحب کچھ بھی بال برتے اور عقل تو گویا انکے پاس سے ہوکر بھی نہیں گذری تھی اور وقت ملاقات وہ اونگھتے ہوئے بھی نظر آئے مگر جب ریل پر سوار ہوکر شاہزادے نے اونکو اپنے پاس بلایا تو کمال پاشا کو حیرت ہوگئی۔ اب شاہزادے صاحب وہ نہ تھے جو پہلی ملاقات میں نظر آئے تھے۔ اصلیت یہ تھی کہ خوف کے باعث گھر پر انہوں نے اپنے کو بالکل ہی باؤلا سا بنا رکھا تھا۔

در اصل میں انکو انور اور شفقت سے سخت نفرت تھی کیونکہ وہ دونوں اُسکے علم میں شاہزادہ عبدالمجید کو ولیعہد بنا کر سلطان بنانے کے پھیر میں تھے۔ اب ریل میں وحیدالدین نے خوب دل کھولکر کمال سے خاص باتیں کیں۔ اون کی کامیابیوں پر مبارکباد دی۔ اور پیشتر سے ملاقات نہ ہونے کی معافی چاہی۔ اسطرح دونوں گویا بڑے دوست ہوگئے اور ایک دوسرے کے رازدار۔ سفر بھی اب اچھی طرح گذرا اور کمال کو یہ خیال ضرور ہوگیا کہ موجودہ بوڑھے سلطان کے بعد جب وحیدالدین تخت نشین ہونگے تو ممکن ہے کہ اوسکی رایوں کو مانیں چنانچہ موقع کو غنیمت جان کر اُسپر اپنا اثر جمانے کی کوشش شروع کردی۔ اور یہ بھی یقین دلایا کہ جرمن قوم اس جنگ عظیم یورپ میں کبھی جیت نہ سکیگی۔ اُن سے دوستی بڑھانا غلطی تھی۔ نیز انور پاشا اور اُنکے جرمن احباب کو ترکی سے باہر کردینا ہی ملک کے واسطے مفید تھا۔ پھر جس وقت کہ وحیدالدین اور کمال پاشا جرمنی پہونچے تو ہنڈن برگ (Hindenburg) نے اس سفارت کا بڑا ہی زبردست خیر مقدم کیا اور جنگ کے حالات کی تصویر بھی بڑی ہی خوشنما کرکے دکھلائی۔ مگر کمال یہی کہتے رہے کہ یہ سب ٹیپ ٹاپ تھی۔ بالخصوص شام کی مہم تو محض ڈھکوسلا تھی۔ پھر جب وہاں لیوڈنڈارف (Ludendorff) سے ملاقات ہوئی اور اوس سے کمال نے کچھ سوالات کیئے نیز اعتراضات بھی اور شاہزادے کو یہ بھی بتلایا کہ جرمن افسران محض قسمت آزمائی کررہے تھے۔ اور کوششوں نیز واقعات سے صحیح نتائج نہیں نکال رہے تھے۔ بلکہ جرمن جنرل اسٹاف کا افسر اعلیٰ تک مقصد اصلی سے ناواقف ہی نظر آتا تھا۔ چنانچہ شاہزادے کو بیحد حیرت رہتی۔ ایک شب کے کھانے میں جو قیصر جرمنی نے شاہزادے کو دیا تھا کمال نے اپنے پاس ہنڈنبرگ کو دیکھکر کہا کہ "جناب والا" نے جو واقعات کہ شاہزادے صاحب کو بتلائے ہیں وہ صحیح نہ تھے۔ شام کے واقعات کے متعلق میں خود وہاں رہا ہوں اور اُن سے بخوبی واقف ہوں۔ جن سواروں کی فوج کا جناب نے ذکر فرمایا ہے وہ محض کاغذی رپورٹوں میں ہے۔ تاہم کیا جناب مجھے اس عظیم الشان حملے کا مقصد بطور راز کے بتلا سکتے ہیں؟ اس پر ہنڈنبرگ نے سر سے پیر تک کمال پاشا کو دیکھا اور ایک سگریٹ دیکر اوسکو ٹالدیا۔ پھر ایک دن جب مغربی محاذ جنگ کی طرف شاہزادے کو معائنہ کرانے کے لیئے لیگئے تو کمال نے وہاں ایک درخت پر چڑھکر دیکھا اور شاہزادے سے اوتر کر کہا کہ "ظاہری ٹھاٹھ باٹھ جو بھی ہو مگر حالت اچھی نہیں ہے" نیز شاہزادے صاحب کو تیار کرکے قیصر جرمنی تک سے سوالات کرائے اور ہر موقع پر شاہزادے کے دل میں یہ خیال کردیا کہ [illegible] انور اور ہمراہیوں کو نکالنا ہی مصلحت تھا اور وہ خود اپنے ہاتھ میں [illegible] کی باگ لیکر اور خود کمال کو اپنا دست راست بناکر [illegible] کچھ نہ کر گیا تھا۔

کام بن سکتا تھا۔ چنانچہ جب سفر ختم ہو چکا تو انہوں نے پھر یہ صلاح دی کہ جس طرح جرمنی کے شاہزادے فوجوں کی کمان خود کرتے تھے اوسی طرح ایک فوج کی کمان وحید الدین بھی خود لے لیں۔ اور قسطنطنیہ کی پانچویں آرمی کو رکو لینے کا مشورہ دیا۔ اسپر شاہزادے نے کہا کہ "اگر نہ دیں" تو کمال نے کہا کہ "کیوں نہ دینگے آپ زور دیجئے اور مجھے اپنا اسٹاف افسر بنا لیجئے پھر تماشہ دیکھئے۔" اسی کے ساتھ اپنی آیندہ کی اسکیم بھی شاہزادے کو بتلا دی۔

قسطنطنیہ پہونچکر کمال پاشا علیل ہو گئے۔ اور عرصہ تک علیل رہے۔ گردوں پر اثر ہو گیا تھا۔ در اصل تو یہ اعتدالیوں کے سبب نتائج تھے۔ غرضکہ جب ۱۸ جولائی میں سلطان کی وفات ہو گئی تو وحید الدین تخت نشین ہو گئے۔

اپریل ۱۹۱۷ء میں معاہدہ سینٹ جین ڈو ماریئن (St. gean Du-mauriemne) ہو چکا تھا جسکی رو سے اتحادیوں نے مغربی ایشیائے کوچک اور سمرنا بھی اطالیہ کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر روس چونکہ اتحاد سے علیحدہ ہو چکا تھا لہذا اس نے ایسے معاہدہ پر عمل کرنے سے فرانس اور انگلستان سے انکار ہی کر دیا۔

۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو لائڈ جارج وزیر انگلستان نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ تمام علاقہ جہاں ترک خود آباد تھے نیز قسطنطنیہ ٹرکی کے قبضہ میں رہنے دیا جائیگا۔ اور پریسیڈنٹ ولسن صدر امریکہ کا یہ قول تھا کہ "جو ممالک جنگ میں شریک تھے اونکی تقسیم ریاستوں کے مطالبات کے اعتبار سے نہیں ہوگی بلکہ رعایا کے مفاد کے لحاظ سے کی جائیگی اور انکا فیصلہ بالکل ہی بے لوث ہوگا۔ . . . انصاف ایسا ہوگا کہ جسمیں کسی کی رعایت نہ ہو جس کا معیار یہ ہو کہ قوموں کے حقوق میں مساوات برتی جائے۔" مگر بقول مسٹر آرنلڈ (Mr Arnold) "جس طرح بھوکے بھیڑیے شکار کی تاک میں اسکے گرد چکر کاٹتے ہیں اسی طرح اب مغربی حکومتیں ٹرکی پر گدوں کی طرح ٹوٹ پڑنے پر تیار تھیں کیونکہ ٹرکی بڑا ہی زرخیز ملک ہے اور اس میں ہر قسم کی کانیں ہیں جو ابھی تک کھودی نہیں گئی تھیں۔"

شرائط صلح پیش کرنے سے پہلے اتحادی یہ فیصلہ بھی کر چکے تھے کہ مشرقی اڈلی میں ایک یونانی سلطنت قائم کرائیں گے۔ اور آبنائے کو اتحادیوں کے واسطے کھلا رکھینگے۔ ترک۔ بلغاریہ۔ روس یا کوئی بھی اس کے پاس نہ پھٹک سکے گا۔ نیز مشرق میں ثمسوں سے لیکر بحیرۂ احمر تک اور بحیرۂ روم سے سائیلیشیا تک جو بحر اسود کے کنارے ہے آرمینیا کی ایک خود مختار ریاست قائم کرینگے۔ مگر خدا کا کرنا کچھ اور ہی تھا جو آگے چلکر ظہور میں آیا۔ در اصل تو یورپ کے معاہدوں اور سیاسی رہناؤں کے کسی فعل کا اس زمانہ میں اعتبار کرنا عقل کے خلاف ہی ثابت ہوا ہے مثلاً لندن میں جو ۱۹۳۵ء میں بحری کانفرنس ہوئی تھی اور تخفیف اسلحہ کا معاہدہ ہوا تھا پھر بحری طاقتوں میں تخفیف کی تجویز ہوئی اور اسکا معیار بھی قائم ہوا، مگر امریکہ نے چار لاکھ ٹن کے اضافہ کی

کی منظوری دے دی کیونکہ برطانیہ نے اپنی بحری طاقت میں کمی نہیں کی اور امریکہ کے استفسار پر برطانیہ نے یہ جواب دیا کہ اٹلی اور فرانس نے کوئی کمی نہیں کی تھی جب اتنی اتنی بڑی حکومتوں کا یہ قول و فعل ہو تو اوروں کی بابت کیا کہا جائے۔ اسیطرح اب ۱۹۳۸ء مین ہر سلطنت اپنی پرواز کی اور بحری طاقت بڑھا رہی ہے۔

اب عزت پاشا چونکہ وحیدالدین سلطان وقت کے صاحب اڈیکانگ ہو گئے تھے اس لئے انور پاشا کو عہدہ وائس جنرلیزیمو (Vice Generalisimo) سے ہٹا دیا گیا اور وحیدالدین نے اب ہاتھ پیر بھی نہیں نکالے۔ بلکہ ذہانت بھی دکھلانا شروع کئے اوس وقت کمال پاشا اپنے علاج کے واسطے ویانا اور کارلسباد میں گھوم رہے تھے جہاں سے مبارکباد کے ایک خط کے بھیج دینے کے کوئی بھی واسطہ سلطان وقت سے نہ رکھ سکے۔ مگر عزت پاشا نے اب ان کو طلب کر لینا ہی مصلحت وقت سمجھا جس سے کمال کو واپس آنا پڑا اور آخر جولائی ۱۹۱۸ء میں جب اون سے اور سلطان سے ملاقات ہوئی اور سلطان نے بہت گرمجوشی اور خلوص کا برتاؤ کیا بلکہ خود ہی دیاسلائی جلا کر سگریٹ عطا فرمایا جو خاص مراسم خسروانہ کی شان تھی۔ نیز پھر کئی بار ملاقاتوں میں کمال نے انور اور جرمنوں کے علیحدہ کئے جانے کا مشورہ پھر دیا تو سلطان نے بالآخر یہ دریافت کیا کہ کیا دیگر افسران فوج بھی ایسے ہی مشورے کے مؤید تھے کمال نے عرض کیا کہ بہت سے اسی رائے کے تھے نیز ایک سالار کی دھمکی بھی وہی جو سلطان کو پسند نہیں آئی تب سلطان نے یہ ظاہر کر دیا کہ انور اور طلعت دونوں سے وہ ایک طرح کی معاہدت کر چکے تھے اور در اصل سلطان نے اپنے بہنوئی داماد فرید پاشا سے اس معاملہ میں جب مشورہ کیا تھا تو انھوں نے یہ رائے دی تھی کہ اس وقت تک انور پاشا کا اثر اور "کمیٹی اتحاد و ترقی" کی قوت بہت زائد تھی اور کمال کے ساتھ کوئی بھی زبردست پارٹی نہ تھی چنانچہ ایک جمعہ کے دربار میں سلطان نے کمال پاشا کو بڑی عزت سے مخاطب کر کے فرمایا کہ شام کی فوجی کمان کے واسطے انھوں نے کمال ہی کو بطور منتخب کیا ہے اور یہ کہکر رخصت بھی کر دیا۔ مگر وہیں قریب دوسرے کمرے میں انور اور جرمن افسران بھی موجود تھے۔ جاتے وقت کمال نے انور سے کہا "پاشا آپ خوب بدلا لیا شام میں تو فوج بھی برائے نام ہے۔ آپ کو مبارک ہو آپ جیتے" اتنے میں ایک جرمن افسر نے یہ بھی کہدیا کہ "ترکی فوج کو کیا جائے مثل مویشیوں کے وہ صرف بھاگنا جانتی ہے۔ کوئی بھی اسکی کمان کرے مجھے حسد نہیں ہوگا"

اسپر کمال کو غصہ آگیا اور وہ اُس جرمن افسر سے بھڑ گیا اور کہا کہ "میں بھی سپاہی ہوں اور ترکی فوج کی کمان کر چکا ہوں۔ ترک سپاہی کبھی نہیں بھاگتا۔ وہ بھاگنے کی لفظ ہی نہیں جانتا۔ جنرل صاحب اگر آپنے ترک سپاہی کی پشت کسی جنگ میں دیکھی ہے تو اُسی وقت کہ جب آپ خود بھاگے ہوں گے۔ اپنی بزدلی کیلئے آپ ترک سپاہی پر کیوں الزام دیتے ہیں" یہ کہکر غصہ اور غضب میں بھرا ہوا کمال پاشا محل شاہی سے باہر ہو گیا۔ اور آخر اگست ۱۹۱۸ء میں شام میں داخل ہو گیا جہاں کمانڈر سانڈرس اس کو دیکھکر بہت مسرور ہوا۔

کمال نے شام میں جنرل فوزی سے ساتویں آرمی کو لے تو لی مگر فوج کی حالت ہر طرح اس کے خیال میں قابل افسوس تھی دوسری طرف برطانیہ کی فوجیں مقابلہ کیلئے ہر طرح کے ساز و سامان جنگ سے لیس اور آراستہ تھیں۔ نیز امیر فیصل اپنی عربوں کی فوج بھی لئے ہوئے اُس کے ساتھ تھا صحرائی عرب بھی کرنل لارنس کی سرکردگی میں نہ صرف تار اور ریل کی پٹری اُکھاڑنے میں مصروف تھے بلکہ ہر طرف سے فوجوں کی رہنمائی اور ترکی فوج پر چھپ چھپ کر حملے بھی کر رہے تھے بلکہ پلوں کے توڑنے اور رسد کے سامانوں کے لوٹنے میں تو عربوں کو خاصی دلچسپی تھی۔ غرضکہ تمام عرب اقوام ترکوں سے بغاوت پر تلی ہوئی انگریزی فوجوں کی ہر طرح اور ہر طرف سے مدد کر رہی تھیں پھر بدقسمتی سے کمال پاشا کو گردوں کی سخت شکایت ہو گئی اور وہ سخت بیمار ہو گئے۔ مگر اسی درمیان میں ایک ہندی سارجنٹ نے جو انگریزی فوج سے باغی ہو کر ترکوں میں پہونچ گیا تھا اُس نے یہ اطلاع دی کہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کو انگریزوں نے ترکوں کے خلاف بہت ہی بڑے حملے کا ارادہ کر لیا تھا۔ سانڈرس نے اس اطلاع کو ہلکا سمجھا مگر کمال نے یقین کر کے مقابلہ کا انتظام تو کیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ واقعی ترک سب طرف سے گھر گئے تھے تو لڑتے بھڑتے جس طرح ہو سکا اور جو بھی بچے اُن کو لیکر وہ دیرا آ (Deraa) اسٹیشن پر پہونچکر دمشق میں نکل گیا اور سانڈرس کو بھی مشورہ دے گیا کہ شام کا خیال ترک کر دے اور فوج کو اپنے پیچھے پہونچا دے۔ نیز اس حکم کی ذمہ داری بھی اپنے ہی سر لیلی۔ چنانچہ سانڈرس نے تعمیل کی اور اب گویا عرب، فلسطین اور شام جو دراصل عربوں کے ملک تھے وہ ترکوں سے نکل ہی گئے۔ اور اب ۱۹۱۸ء میں ترکی آبادی ۱۲ ملین رہ گئی گو تعلیم بیس فیصدی ہو گئی تھی۔

کمال نے اب سلطان کو تار دیا کہ انور وغیرہ کو علیحدہ کیا جاوے اور حکومت کی بساط پھر نئے طریقہ پر بچھائی جاوے مگر اسکا کوئی جواب تک نہ ملا۔ تاہم یہ خبر اس کو ملگئی کہ انور، جمال، اور طلعت قسطنطنیہ سے

بھاگ نکلے اور کپتان رؤف بے کیساتھ جنرل فقوی بھی وزارت مین داخل کئے گئے۔ اور کل نوجوان
ترک نیز "اتحاد و ترقی والے" سب ہی قریب قریب ملک سے باہر چلے گئے یا سیاست ملکی سے علیحدہ ہو گئے

یہان تھوڑا سا ذکر غازی انور پاشا کا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ۱۹۰۸ء سے انور پاشا کا نام دنیا کے سامنے آگیا تھا۔ "اتحاد و ترقی" کے وہ بڑے حامی تھے۔ ۱۹۱۲ و ۱۹۱۵ء مین ارمنون کے استیصال مین بھی اُن کا نام ہو چکا تھا۔ بلکہ جنگ بلقان، طرابلس و جنگ عظیم یورپ مین ترکون کے اُلجھنے کے وہ بہت کچھ ذمہ دار سمجھے جاتے تھے۔ طاقت و جمال کے ساتھ توان کی تیکڑی مشہور ہے۔ کوہ قاف کی فوج کی بربادی نے انکو بہت بدنام بھی کر دیا تھا۔ ۱۹۱۹ء مین وہ قسطنطنیہ سے بھاگ کر اوڈیسہ (Odessa) کی طرف گئے مگر وہاں نہ پہونچ سکے۔ تب وہ جرمنی چلے گئے اور وہان سے ماسکو جہان کہ وہ پورے طور پر بالشویک تحریک کے مؤید بنگئے اور ترکی اور بالشویک حکومت کے درمیان دوستی کرانے کے ڈورے ڈالنے لگے۔ مگر چونکہ مصطفیٰ کمال ہی اس کام کے واسطے بالشیوکون کے نزدیک زائد اور اہل مفید ثابت ہو چکے تھے اسلئے انور کو اپنی تحریک مین ناامیدی ہی ہوئی جس پر ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو جبکہ بالشویک روس نے ٹرکی سے مستقل صلح کر لی تو اُسی وقت انور نے سوویٹ روس کو چھوڑ دیا اور باتوم کو چلا گیا اور وہان سے کمال کے خلاف سازش شروع کر دینے کا ذکر بعض مؤرخین کرتے ہین نیز وہان سے وسط ایشیا کی تحریک آزادی مین وہ بخارا تک پہونچ گئے اور سُرخ افواج کی ترتیب کا ارادہ بتلا کر کام کرنے لگے لیکن بعد مین ایک بسماچ (Basmach) امیر دانیار بیگ (Dunian Beg) کے گروہ مین داخل ہو گئے۔ یہین امیر بخارا نے جو اسوقت بھاگ کر کابل کی سلطنت مین جا کر مقیم ہو گئے تھے اور وہان سے بخارا و خیوہ وغیرہ مین جو بالشویک تحریک پھیل رہی تھی اُس کی مخالفت کر رہے تھے انور سے پر پرزے ملائے اور اُسکو خلیفۃ المسلمین کا گویا خطاب ہی دیدیا۔ اور خود انور پھر یہان سے ایک "وسط ایشیا کی اسلامی سلطنت" کا خاکہ درست کرنے کی صورتین تجویز کرنے لگے۔ اور دنیا بھر کے مسلمانون کے اتحاد کا خواب پھر اُنھون نے دیکھنا شروع کیا بلکہ سوویٹ روس کے خلاف اب اُن کی تحریکات چلنے لگین۔ نیز برطانیہ کی شہنشاہیت کے مٹانے کا بھی ولولہ پیدا ہوا۔ اور بالآخر شرقی بخارا کے والی کے طور پر مانے جانے لگے۔ وہان کے متعدد اُمرا اُن کے ساتھ بھی ہو گئے جنمین سے ایک ابراہیم بیگ تھے مگر اُن سے پیشتر تو بنی رہی مگر بعد مین جب ابراہیم کی بادشاہت مین کمی ہونے لگی تو اختلاف ہو گیا اور جنگ کی نوبت آگئی۔ سُرخ فوجون اور باشمچی

فوجوں میں اُدھر جنگ بھی ہو گئی۔ ابراہیم بک نے سُرخ فوجوں کی فتوحات سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ انور سے علیحدگی
کر لی جس سے انور کو خطرہ زیادہ بڑھ گیا اور وہ مجبور ہو کر افغانستان کی سرحد پر نکل گئے۔ یہانتک کہ
اب ہر جگہ اُنھیں کسی نہ کسی سے جنگ کے بغیر گذارہ ہی نہ تھا اور اگست ۱۹۲۲ء میں کسی جنگ میں
شہید ہوئے مگر حقیقتاً پتہ نہیں ہے کہ کہاں۔ اسکے متعلق متعدد روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تاشقند
کے عجائب خانہ میں اُن کی پوشاک وغیرہ محفوظ دیکھی جاتی ہے۔ اور سار خوسور دم ([illegible]
[illegible]) کے مقام پر جہاں کہ اُن کا شہید ہونا بیان ہوتا ہے وہاں ایک لمبا سا ستون
بنا یا گیا ہے جسپر ایک سفید جھنڈی لگی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان بزرگ کا مدفن
بنا ہے اور اسی کو انور پاشا کا مزار کہتے ہیں غازی مذکور نے جو خط بخارا سے اپنی بیوی
بخیہ سلطانہ کے نام بھیجا تھا اور جو مختلف اخبارات میں بھی شائع کرا دیا گیا تھا وہ بھی قابل دید ہے
یہ خط شہادت سے ایک دن قبل کا بیان کیا جاتا ہے اور جو ۳ یا ۴ مئی ۱۹۲۶ء کے
خلافت اخبار میں بھی شائع ہوا۔ اسمیں انور پاشا نے بعد اظہار محبت و پیار یہ لکھا تھا "سنو!
میں تم سے اسلئے جدا نہیں ہوں کہ مال و دولت کا طالب ہوں۔ اسلئے بھی جدا نہیں ہوا ہوں کہ
اپنے لئے ایک تخت شاہی حاصل کر رہا ہوں جیسا کہ میرے دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے میں
تم سے اسلئے جدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرض مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھکر
کوئی فرض نہیں۔ یہی وہ فرض ہے کہ جس کی ادائگی کی محض نیت ہی آدمی کو فردوس بریں کا مستحق
بنا دیتی ہے۔ الحمد للہ کہ میں اس فرض کی صرف نیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اُسے عملاً بھی انجام دے
رہا ہوں۔ تمھاری جدائی ہر وقت میرے دل میں آرے چلایا کرتی ہے مگر میں اس جدائی سے
جتنا خوش ہوں اُتنا کسی چیز سے نہیں کیونکہ تمھاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم
و ارادے کیلئے سب سے بڑی آزمائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اُس آزمائش
پر پورا اُترا اور اللہ کی محبت و حکم کو اپنی محبت و نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہو گیا تمھیں بھی خوش
ہونا اور شکر کرنا چاہیئے کہ تمھارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمھاری محبت کو بھی
اللہ کی محبت پر قربان کر سکتا ہے۔ تم پر تلوار سے جہاد فرض نہیں ہے لیکن تم بھی جہاد سے مستثنیٰ نہیں
ہو۔ کوئی مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہے تمھارا جہاد یہ ہے کہ تم بھی

اپنے نفس کو مقدم نہ رکھکر اپنے شوہر کی محبت کرتی رہو۔ دیکھو یہ دعا نہ کبھی کرنا کہ تمھارا شوہر میدان جنگ سے کسی طرح صحیح وسالم تمھاری آغوش محبت مین واپس آجائے کیونکہ یہ دعا خود غرضی و خود مطلبی کی دعا ہوگی اور خدا کو پسند نہ آئیگی البتہ دعا کرتی رہو کہ تمھارے شوہر کا جہاد اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اُسے فتحیاب واپس لائے ورنہ جام شہادت اُس کے لبون سے لگائے وہ لب کہ تم جانتی ہو کہ شراب سے کبھی ناپاک نہین ہوئے بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی سے ہمیشہ آشنا رہے ہین۔ پیاری نجیبہ۔ آہ وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی راہ مین یہ سر جسے تم خوبصورت بتایا کرتی تھین تن سے جدا ہوگا۔ وہ تن تو تمھاری محبت کی نگاہون مین سپاہیون کا نہین تھا بلکہ نازنینون جیسا نظر آتا تھا۔ آہ! آنور کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ وہ شہید ہو جاوے اور حضرت خالد بن ولید کے ساتھ اُسکا حشر ہو۔ دنیا چند روزہ ہے موت یقینی ہے پھر موت سے ڈرنا کیا ؟ جب موت آنیوالی ہی ہے تو آدمی بستر مرگ پر پڑے پڑے کیون مرے شہادت کی موت موت نہین۔ زندگی ہے۔ لازوال زندگی ہے۔ نجیبہ میری وصیت سن لو۔ اگر مین شہید ہو جاؤن تو اپنے دیور نوری سے شادی کر لینا۔ تمھارے بعد مجھے سب سے عزیز نوری ہے مین چاہتا ہون کہ میرے سفر آخرت کے بعد وہ زندگی بھر وفاداری کے ساتھ تمھاری خدمت کرتا رہے۔ میری دوسری وصیت یہ ہے کہ تمھاری جتنی بھی اولاد ہو سب کو میری زندگی کے حالات سنانا اور سب کو میدان جہاد مین اسلام و وطن کی خدمت کیلئے بھیجدینا۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو یاد رکھو کہ مین حقیقت مین تم سے روٹھ جاؤن گا۔ میری تیسری وصیت یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا کی ہمیشہ خیر خواہ رہنا۔ اُنکی ہر ممکن مدد کرتی رہنا کیونکہ اسوقت وطن کی نجات خدا نے اُن کے ہاتھ مین رکھدی ہے۔ اچھا پیاری رخصت، نہین معلوم کیون میرا دل کہتا ہے کہ اس خط کے بعد تمھین پھر کبھی خط نہ لکھ سکونگا۔ کیا عجب ہے کہ کل ہی شہید ہو جاؤن۔ دیکھو صبر کرنا۔ میری شہادت پر غم کھانے کے بجائے خوشی کرنا کیونکہ میرا اللہ کے کام آجانا تمھارے لئے بھی باعث فخر ہے۔

نجیبہ! رخصت ہوتا ہون۔ اپنے عالم خیال مین تمھین گلے لگاتا ہون۔ اب انشاء اللہ جنت مین ملینگے اور پھر کبھی جدا نہ ہون گے"

کمال پاشا کو جب دمشق مین یہ معلوم ہوا کہ اہل بیروت عرب بھی ترکون کی مخالفت پر آمادہ ہیں تو

وہ کٹما ([illegible]) مین ہو رہے اور جب ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جو دھیوری
اور مائسوری پلٹنون نے موضع ہری ٹین ([illegible]) مین اُن کی فوج پر
حملہ بھی کر دیا گو اُن کو ناکامی ہوئی۔ تب بھی کچھ انتظار کے بعد کمال کو یہ اطلاع ملی کہ بمقام موڈراس
(Mudros) اتحادیون اور ترکون مین عارضی صلح اکتوبر ۱۹۱۸ء مین ہو گئی
نیز جرمن افواج کو جرمنی حکومت نے واپس ہی طلب کر لیا۔ اور سانڈرس نے بھی کمال ہی کو بمقام
اڈانا (Adana) کل کمان سپرد کر دی اور عزت پاشا نے بھی اسکندریا کو انگریزون کے سپرد
کر دینے کا حکم بھیجا۔ مگر پھر بھی کمال نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا۔ اور لکھ دیا کہ "ہم خوشامد نہ کرینگے
اور اگر کی توسط جائین گے"۔ اُدھر قسطنطنیہ مین سلطان کے اور عزت پاشا کے بھی اختلاف ہو گیا
جس سے توفیق پاشا کو صدر اعظمی سپرد ہوئی جو انگریزون کے بڑے دوست تھے۔ عزت نے جاتے
جاتے کمال کو واپس ہی طلب کر لیا۔ اس صلح عارضی کے ایک ماہ بعد دول متحدہ کی فوجون نے
ہر جگہ جہان ترکی پھریرا اُڑتا تھا وہاں قبضہ کر کے اپنا پھریرا اُڑا دیا اور مجلس اتحاد و ترقی بھی
اب ختم ہی ہو گئی۔ مصر تو پورے طور پر ترکون کے ہاتھ سے نکل ہی گیا جب اتحادیون کی فوجون نے
استنبول، سائیلیشیا اور چنک پر قبضہ کر لیا تو ترکون کو بے ہتھیار بھی کر دیا۔ اور چھ مہینہ تک ترک یہی سمجھتے
رہے کہ یہ قبضہ صرف چند روزہ تھا اور مستقل صلح کے بعد ختم ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا اب حکومت
ہی سلطان کے ہاتھ مین گویا پھر آ گئی جنھون نے پارلامنٹ کو برخواست کر دیا اور جدید انتخابات کا بھی
حکم نہین دیا لیکن اب اتحادیون نے ایک یونانی شہنشاہی سلطنت کا خاکہ قائم کر کے اُسکا خواب
دیکھنا شروع کر دیا اور مشرق مین ایک آرمنی حکومت بھی بنائے جانے کی تدبیرین ہونے لگین قسطنطنیہ
پہونچتے ہی کمال کے سامنے سلطنت کے خاتمہ کا پورا منظر تھا چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء مین جب کمال نے
وہان عزت پاشا سے ملاقات کی تو کہا کہ "سلطنت تو جا رہی تھی ترکی قوم کی عزت بچانا اب ہمارا فرض
ہے" اور اُن کو اپنا پورا ہمراز اسے ہی بنا لیا۔ شہر مین بھی منتشر دیکھا پارٹیاں اب بن گئی تھین۔ کوئی امریکہ
کی حکمبرداری کا مؤید تھا۔ کوئی انگلستان کی۔ کوئی فرانس کی اور کوئی اٹالیہ کی اور دلیل یہ تھی
کہ بغیر بیرونی امداد کے اب بچاؤ غیر ممکن ہو گا۔ کمال نے ممبران مجلس سے بھی گفتگو کی۔ وہ بہت کچھ
سب کو ڈرایا اور دھمکایا بھی مگر کوئی گروہ بھی اپنے پیرون کھڑے ہونے پر رضامند نہ پایا گیا۔ سلطان کی

جب ملاقات کی نوبت آئی اور سلیم لینک کے اوپر گفتگو ہوئی تو کمال نے پھر درخواست کی کہ اس کو وزیر جنگ کر دیا جائے اور ایک مضبوط حکومت کی بنیاد پھر ڈالی جاوے تو اب بھی وہ ٹرکی کو بچا لیگا لیکن موجودہ مجلس قومی کو بھی برخواست کرنا لازمی ہوگا" اسپر سلطان نے یہ سوال کیا کہ "تمھارا اثر فوج مین کیا ہے اور کیا فوج میری وفادار ہے" کمال نے کہا کہ "مجھے علم نہین۔ مین ابھی آیا ہون اور کیا حضور کو کوئی ثبوت فوج کی غیر وفاداری کا ملا ہے" سلطان نے مکرر پھر وہی سوال کیا۔ تب کمال نے عرض کیا کہ "کوئی بھی وجہ فوج کی غیر وفاداری کی اسکو نہین معلوم ہوتی" تب تو سلطان نے جواب مین صاف کہہ دیا کہ "وہ کمال کے اس قول پر بھروسہ کرینگے کہ فوج خلاف نہ ہوگی اور انھین امید تھی کہ دیگر معاملات مین بھی کمال اپنا اثر استعمال کرینگے" چنانچہ دوسرے ہی دن سلطان نے مجلس کو برخواست کر دیا اور داماد فرید کو پھر وزیر اعظم کرکے کل اختیارات اپنے ہی ہاتھ مین رکھ لئے کمال پاشا کا کہین بھی ذکر نہ آیا کیونکہ دراصل سلطان کے خیال مین وہ انگریزون سے میل ہی کرکے اور خوشامد سے خلافت و سلطنت دونون کو برقرار رکھ سکتے تھے مگر اب قسمت کا کھیل ہی دوسرا تھا۔

جنوری سنہ ۱۹۱۹ء مین خود دول عظمی کے دار السلطنتون مین گڑبڑ شروع ہوگئی۔ پیرس مین جرمنی کے معاملات پر زائد توجہ کی جا رہی تھی۔ دیگر مقامات سے جو فوجین آئی ہوئی تھین وہ واپس بھی ہو رہی تھین ٹرکی کے معاملات کو گویا سب ہی درست سمجھکر بھول سا گئے تھے حالانکہ شرائط صلح ہی ٹرکی سے نہین طے پا چکے تھے لیکن ٹرکی کے بٹوارے کے متعلق یورپ کے آپس مین جھگڑے ہو رہے تھے۔ بیشک سلطان اب برطانیہ کے پورے طور پر قبضہ مین تھے لیکن مصطفے کمال کے خیال مین اناطولیہ کی طرف اور اندرون ملک بھی کچھ انتظام فوج کی درستی کا ممکن تھا اور اسی کے متعلق قسطنطنیہ مین مشورہ ہوکر کمیٹیان بھی بننے لگین تھین عصمت، فیفوزی، بیچی اور رؤف بے جو بحری کمانڈر تھا سب ہی تو کمال کے ساتھی تھے اور دوست۔ چنانچہ سب اُس کے ہم خیال ہوکر اُس کی امداد کے لئے تیار ہوگئے۔ کیاظم کارابکر کی فوج بھی قفقاز مین درست حالت مین معلوم ہوئی تھی اور وہ بھی کمال کی تائید مین ہر طرح تیار نظر آیا۔ لیکن قسطنطنیہ مین [illegible] عیسائی اپنے مسلمان ہمسایہ ترک سے ہر طرح بدلا لینے اور مسلم مستورات کی توہین کرنے مین بلکہ بے عزتی تک مین دریغ نہ کیا جاتا تھا [illegible]

لوگون کی تیار کرائی گئی جن کی بابت حکومت کے خلاف شکوک تھے اور اُنہین کمال پاشا کا بھی نام تھا۔ حالانکہ اب کمال تو سلطان کے ایڈیکانگ بھی تھے تاہم ایسے لوگون کو مالٹا پہونچا دینے کی تجویز طے ہی پا گئی اور ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانی فوج بھی اتحادیون کی منظوری سے سمرنا مین داخل ہو گئی اور اُسکے ظلم کی حد ہی نہ رہی مگر خود اہل ملک نے وہان اب ہر جگہ احتجاجی جلسے کرنا شروع کر دئیے اور عورت، مرد، کسان اور سپاہی سب ہی نے سمرنا مین ایک محاذ قائم کر لیا اور لڑنے اور مرنے کیلئے کل عوام ملک تیار ہو گئے۔ ہر طرف سے فوجی افسر بھی وہان پہونچنے لگے اور بچاؤ کی تدبیرین کی جانے لگین ایک لاکھ کے قریب باہر کی فوجین اب ترکی حکومت مین قبضہ کئے ہوئے تھین اور ادھر وسط اناطولیہ مین علی فواد پاشا کے پاس کچھ باقاعدہ فوج تھی اور کیاظم کارابکر کے ساتھ مشرق مین ایک فوج بھی خاصی تعداد مین تھی۔ باقی اور نکالے ہوئے پانچ سپاہی موجود تھے۔

اب اناطولیہ مین بھی گویا بغاوت کے آثار اتحادیون اور سلطان کو معلوم ہوئے اس لئے وہان کی روک تھام کا خیال سلطان کو پیدا ہوا۔ اور سلطان نے کمال پاشا کو وہان بھیجنے کے واسطے نامزد کیا مگر انگریزون نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور کمال کو مخدوش و ناقابل اعتماد ظاہر کر دیا۔ لیکن داماد فرید پاشا نے سلطان سے اتفاق کر لیا اور انھون نے انگریزون کو بھی راضی کر لیا اور اسی کو مقدر کا کھیل کہتے ہین چنانچہ کمال پاشا کو انسپکٹر جنرل شمالی حصہ ملک اور گورنر جنرل مشرقی صوبہ جات حکومت بنا کر فوراً روانگی کا حکم ہو گیا۔

کمال پاشا بھی عارف بے اور کرنل رفعت کو ساتھ لیکر اور پروانہ تقرری کو خوشی خوشی حاصل کر کے جہاز پر سوار ہو گئے کہ اسی شب مین ایک اطلاع پر سلطان نے اپنی اس تجویز مین ترمیم کرنا چاہی اور انگریزون کو بھی اطلاع دیدی کہ کمال کا ارادہ اندرون ملک گڑبڑ کرا دینے کا ہے اور اسلئے اسکو روک لیا جائے نیز صدر اعظم اور دول متحدہ کی بحری فوج نے کمال وغیرہ کو سمندر مین روکنے کی بھی کوشش کی مگر قدرت خدا سے کامیابی نہ ہو سکی۔ ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء کو باوجود سمندر مین طلاطم کے وہ لوگ بندرگاہ سمسون مین جہاز سے اتر ہی گئے۔ یہان انگریزی فوج بھی تھی اور کمال کے واسطے نگرانی بھی کی جا رہی تھی تاہم کمال پاشا نے کوساد (Havsa) اور پھر اماسیا (Amassea) مین داخل ہو کر اپنے کو دشمنون کے چنگل سے محفوظ کر ہی لیا اور فوج کی

دوستی اپنے آزادی سے مقابلہ کا ہر پہلو بھی مضبوط کرکے علی فواد کو انکارہ یا انگورہ سے جہاں کہ وہ بیس نمبر کی آرمی کور کے ساتھ تھا۔ نیز رفعت کو جو اب سیواس پہونچ گئے تھے فوراً اپنے پاس طلب کر لیا۔ رؤف بے نے بھی بحری کمان سے استعفا بھیج دیا۔ اور علی فواد کے ہمراہ وہ بھی کمال کے پاس پہونچ گئے اور سب ہی نے دول یورپ سے مقابلہ کرنا یا مٹ جانا ہی طے کر لیا۔

۱۹ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء کو مصطفیٰ کمال، رفعت، علی فواد اور رؤف بے نے بمقام اماسیا ایک پروٹوکل (.......) یا معاہدہ کی تحریر پر دستخط کر دیئے تھے اور در اصل وہی آئین جدید کی بنیاد ہے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرکزی حکومت بیرونی دول کے ہاتھ میں تھی اور ترکی قوم نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ بیرونی مداخلت کا ہر طرح مقابلہ کریگی۔ قوم اور ملک کی تمام تحریکات اور قوتوں کو یکجا و منظم کرکے اور ایک کانگریس طلب کرکے بچاؤ کی تدابیر کرنا چاہیئے۔

اسی وقت ایک قومی فوج کی تیاری اور سمرنا کے محاذ پر یونانیوں کو روکنا بھی فرض سمجھ لیا گیا علی فواد کا مغرب میں۔ کیا ظلم کار اکبر کا مغرب میں اور مصطفیٰ کمال کو مرکز میں کام کرنے کا تصفیہ بھی ہو کر لیا اور چونکہ سلطان وقت اور ان کی کل حکومت کو اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلنا ظاہر کر دیا گیا۔ اسلئے انا طولیہ میں عارضی ترکی قومی حکومت کا بنا لینا بھی سب سے قرین مصلحت سمجھکر اسے دیدی چنانچہ ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء کو بمقام ارض روم ایک تمام ترکی قومی کانگریس یا کابینہ نمائندگی کے اصولوں پر منعقد کرنا بھی سب نے منظور کر لیا۔ اور بذریعہ تار سب جگہ سے منظوری بھی منگوالی گئی۔ دیار بکر سے کاظم بکر نے۔ ایڈریانوپل سے جعفر طیار نے اور قونیہ سے وہاں کے متعینہ جنرل نے اور اسی طرح سب نے پوری تجاویز سے اتفاق کا اظہار بھی کر دیا یعنی ترکی فوجوں کے تمام افسروں نے گویا موافقت کر لی۔ ادھر کمال پاشا خود مواضعات میں گھوم گھوم کر قوم کو اصلی حالات سے واقف کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں مصروف ہو گئے بلکہ اپنے مذکورہ سلطانی پروانوں کی بنا پہ سلطان کی طرف سے انگریزوں کے مقابلہ کی مہم کے سر کرنے پر اپنا تقرر ظاہر کرتے جاتے تھے اور یہ بھی سمجھاتے تھے کہ سلطان نے ان کو ملک و قوم کے بچانے کے لئے بھیجا ہے تاہم ترکی قوم خود اپنے کو بچا سکتی تھی۔ محض خاموش بیٹھنے سے نہ قوم ہی بچ سکتی تھی اور نہ ملک نہ باہر والوں کی امداد کا بھروسہ کرنا قومی غیرت کے موافق تھا بس صرف مقابلہ ہی کرنے سے ترکی قوم کی عزت و آبرو اور گھروں کا

بچاؤ ہو سکتا تھا۔ بس جس موضع میں وہ پہونچتے وہاں تقریر کرکے اور سمجھا بوجھا کے ایک مقامی کمیٹی بنوا دیتے اسی درمیان میں ازمرنا سے یہ خبر بھی آگئی کہ یونانیوں نے تمام مواضعات میں آگ لگا دی اور ترکوں کا قتل عام بھی بولدیا۔ ابتو تمام خلقت جوق جوق اور افسران فوج وغیرہ سب ہی کمال کے گرد جمع ہونے لگے اور جون جون ایسی خبروں کی تشہیر ہوتی گئی لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

قاف کی طرف روس کے انقلاب سے انگریزوں نے جو ارمینون کی ایک جمہوری حکومت قائم کرادی تھی اُسپر ارض روم کے نواح کے ترک بھی بگڑے ہوئے تھے اور اُدہر کاظم بکر کی فوج بھی خوب لیس تھی چنانچہ ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء کو ارض روم میں کانگریس ہوگئی اور یہ طے ہوگیا کہ ایک منتخب شدہ جماعت بنادی جائے جو وقت ضرورت اناطولیہ میں وقتی حکومت کے طور پر کام کرے اور بچاؤ کا پورا بندوبست کرے نیز ایک قومی معاہدہ بھی تیار کرے۔ ابتو ہر طرف یہ ہوگیا کہ جہان جہان کمال پاشا پہونچتے اور تقریر کرتے تو تمام سپاہی خود ہی جمع ہو کر قواعد کرنے لگتے اور دوسروں کو سکھلاتے اور سب ابھارہ پہونچتے۔ بہت سے مقامات پر جہان دول متحدہ کے گارد کی حفاظت میں فوجی ڈپو تھے اُن پر وہ حملے کرکے اسلحہ لینے لگتے اور لیے پڑتے کیونکہ ارض روم سے تو سلطان ہی کے نام سے احکامات جاری کرادئے گئے تھے۔ کہ ہتھیار وغیرہ انگریزوں کو نہ دئے جائیں اور ترکی فوجیں خود بھی تیار رہیں نیز کمال پاشا نے والنٹیرون کے بھرتی کرنے کا حکم بھی دیدیا تھا۔

اس سب کی جب خبر سلطان کو پہونچی اور یہ معلوم ہوا کہ مصطفٰے کمال نے بحیثیت گورنر جنرل وغیرہ سلطان ہی کے نام سے تمام کارروائیاں کی تھیں تو فوراً کمال کے نام واپسی کا تار دیا گیا۔ انگریزوں نے بھی سلطان سے کہا کہ یہ تو بڑا ہی غضب ہوگیا اور دول عظمٰی ایسی صورت میں ٹرکی کا بالکل ہی خاتمہ کردینگی۔ تار کے جواب میں خود کمال پاشا تار گھر پہونچگئے اور سلطان کو تار کا جواب یون دیا کہ "آپ بطور ایک بادشاہ۔ سلطان اور رہبر ملک خود اب باہر نکلیں اور ملک کی رہبری کرکے بیرونی دشمنوں سے ملک اور اہل ملک کو بچادیں" نیز تار کا جواب سننے کے واسطے رات بھر تار گھر میں خود ہی ٹھہرے رہے۔ جب صبح کو سلطان نے پھر اُن کی واپسی ہی کا تار دیا تو اُنھوں نے واپسی سے صاف انکار کردیا۔ اور یہ بھی کہدیا کہ "وہ اناطولیہ ہی میں ٹھہرینگے تاوقتیکہ قوم اپنی آزادی حاصل نہ کریگی"۔ اسپر سلطان نے کمال کی موقوفی کا حکم جاری کردیا اور اُس کے احکامات کے نہ مانے جانے کی بھی ہدایت کی۔ کمال نے بھی اپنے

فوجی کمیشن تک سے استعفا دیدیا اور فوراً ہی تمام اپنے مددگار فوجی افسرون وغیرہ کو جمع کر کے یہ تقریر کی کہ وقت آگیا ہے مرکزی حکومت ہمارے خلاف ہے اور بہت ممکن ہے کہ ترکون کے آپس مین جنگ بھی ہو۔ بڑی بڑی قربانیان کرنا ہون گی اور بڑے سے بڑے خطرون کا سامنا ہوگا ایک مرتبہ جب شروع کر دین گے تو ساتھ نہ چھوٹے۔ اسی وقت فیصلہ کر لیجئے اور ایک شخص کو اپنا لیڈر یا راہبر بنا لیجئے کامیابی کے واسطے یہ ضروری ہے اگر مجھے بناتے ہو تو میرے مقدر کا ساتھ دینا قبول کرو۔ اب مین ہی صرف ایک سیولین یا غیر فوجی حاکم ہون اور مین باغی بھی قرار دیا جاؤن گا۔ میری شرط یہ ہے کہ میرا حکم بلا چون وچرا ماننا ہوگا جس طرح کہ فوج کے کمانڈر کا حکم مانا جاتا ہے" اسپر سب نے کمال کو اپنا لیڈر بنانا منظور کر لیا اور اُس کے شرائط بھی قبول کر لئے مگر ایک شرط یہ بھی لگادی کہ سلطان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچایا جائے گا" کمال نے اس شرط کو قبول کر لیا مگر یہ بھی کہا کہ "سلطان تو دشمن کے ہاتھ مین ہین اور اُن کے صلاح کار خراب ہین ہم کو اُن کے بُرے صلاح کارون اور باہر کے لوگون کا مقابلہ کرنا ہے"

اب چونکہ تمام اضلاع مین بذریعۂ تار کمال نے خطرون کی اطلاع کر دی تھی اور ہر ضلع سے تین نمائندے بحیثیت راز اور احتیاط کے ساتھ مقامی قومی کمیٹیون سے کارروائی کر کے طلب کئے تھے کیونکہ باضابطہ طریقہ پر کمال کو ابھی تک جمہوریہ اصولون پر اختیارات نہین حاصل ہو سکے تھے اس لئے کمال نے کیا ظم کا را بکر کے مشورے سے ہر ضلع کے فوجی لیڈرون اور ہمسایہ اضلاع کے نمائندون کی ایک کانفرنس ارضروم مین طلب کرائی مگر اسی درمیان مین مرکزی حکومت سے کمال کی گرفتاری اور کانفرنسون وغیرہ کے بند کرنے کا حکم کیا ظم ہی کو بھیجا گیا جس نے وہ حکم کمال کو دکھلایا یعنی دراصل تو اب کیا ظم کے ہاتھ مین معاملہ آن پڑا۔ کمال نے اُس سے صاف کہدیا کہ "اب قوم کے ہاتھ مین ملک ہے سلطان تو انگریزون کے قیدی ہین۔ یہ حکم اُن کا نہین ہو سکتا بلکہ انگریزون کا ہے اور اب تو ارضروم کی کانفرنس کے یا سیواس کی کانگریس کے ہاتھ مین قانوناً اختیار ہونا چاہیئے" اسی طرح کیا ظم کو خوب سب طرح سے سمجھا بجھا لیا اور بالآخر بمشکل تمام کیا ظم نے یہ طے کر ہی لیا کہ وہ کمال اور رؤف بے نیز قوم کے ساتھ رہیگا اور کبھی اس ارادے سے نہ پھریگا۔ سیواس کی کانگریس مین جو ۴/۱۴ ستمبر ۱۹۱۹ء سے شروع ہوئی اور جسمین کل ملک کے نمائندے آنے لگے۔ اور ہر طرح کے زبردست مباحثے ہوئے اور بالآخر کمال نے اپنی تقریرون اور ذہانت سے سب کو

ایسا مرعوب کر لیا کہ جو چاہا منوا لیا اور اُسکے حسبِ دلخواہ تمام تجاویز منظور ہوگئیں۔ اس درمیان میں مالاشیا
(Malatia) کے گورنر کے نام مرکزی حکومت سے سیواس کی کانگریس کے بند کرنے کا بھی حکم
ہوچکا تھا۔ یہ مالاغیا بھی ایک ضلع تھا اور کردوں کی یہاں زائد آبادی تھی۔ اس حکم میں بھی تھا کہ علی غالب
گورنر کردوں کی ایک فوج مرتب کر کے کمالی نوجوان اور کانگریس سیواس پر حملہ کرے اور نمائندوں کو بھی گرفتار
کرے چنانچہ جب یہ خبر سیواس میں مشتہر ہوئی تو سخت برہمی پھیل گئی اور کمال کو قوم نے ہدایت کی کہ فوج کا مقابلہ
فوج ہی سے کیا جائے اسپر کمال نے سواروں کی فوج بھیجکر کردوں کو پسپا کر دیا اور چونکہ سیواس کی
کانگریس میں بیرونی حکومتوں کی مخالفت پر ووٹ یا راستے بھی دیدی گئی تھی۔ قومی "معاہدہ" جو کہ تیار کیا گیا تھا
اور جسمیں دل غلطی سے صلح کے شرائط مرتب ہوئے تھے وہ بھی منظور کرایا گیا۔ نیز سب نے قسم بھی کھائی کہ جبتک "قومی
معاہدہ" کے مطابق صلح نہ ہوگی بلکہ کوئی بھی صلح قوم نہ تسلیم کرے گی۔ ایک کارکن کمیٹی بھی بہ صدارت کمال پاشا
بنائی گئی تھی نیز علی غالب اور داماد فرید کے درمیان جو خط و کتابت کردوں کی فوج کی تیاری وغیرہ کی بابت
ہوئی تھی اور جو اتفاق سے کمال پاشا وغیرہ کو حاصل ہوگئی تھی اُسکو بھی کانگریس کے سامنے ظاہر کر دیا گیا تھا
اسلئے کانگریس کی طرف سے آخری پیغام بھی مرکزی حکومت کے پاس قسطنطنیہ بھیجا منظور ہوا تھا اور اسمیں داماد
فرید پاشا کی برخواستگی چاہی گئی تھی نیز اعلیٰ مجلس قومی کے جدید انتخاب کی بھی خواہش کی گئی اور چند سے انتظار
کے بعد جب قسطنطنیہ سے آخری پیغام کا کوئی جواب نہیں آیا تھا تو کمال نے پورے اختیارات کو ہاتھ میں لیکر
کانگریس کی تجاویز پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھکر کام شروع کر دیا تھا اناطولیہ تو اب سلطان کی حکومت سے گویا
علیحدہ ہی ہو گیا اور سیول و فوجی حکومت دونوں سے ہونے لگی مگر سلطان نے بھی اب داماد فرید سے ۵ اکتوبر
۱۹۱۹ء کو وزارت نکال لی اور قومیت کے لوگوں کی وزارت قائم کر دی۔ نیز جدید انتخابات کا اعلان کر دیا
اور علی رضا پاشا کو قلمدان صدر اعظمی عطا ہوا۔ بدقسمتی سے اس سبکے ساتھ ساتھ اتحادیوں کی اعلیٰ کونسل نے
یونانی اور ارمنی مقتدایان مذہب کی مالی امداد سے بھی انکار کر دیا تب تو آخر ستمبر ۱۹۱۹ء میں کمال پاشا کے
کاموں میں بڑی مدد مل گئی اور ترکی قومیت کا زور ہر طرف بڑھنے لگا۔ جنوبی روس میں بھی اب ڈینکن (Denikin
Denikin) کی فوجیں بھی ختم کر دی گئی تھیں جس سے اُدھر کا بھی کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ چنانچہ قسطنطنیہ سے تمام
مقامات کے تار کاٹ دینے کیلئے فوج کو حکم دیدیا گیا تھا نیز مالیہ ملک کی وصولی اور تمام وہ خط و کتابت جو حکومت
ترکی سے کی جاتی تھی وہ سب کمال پاشا ہی کے حکم سے کئے جانے کا حکم بھی کمال نے جاری کر دیا نیز سیول

افسروں کی تقرری و موقوفی بھی کمال ہی کے حکم اور منظوری پر موقوف کی گئی۔ انقرہ کی کانگریس کا صدر دفتر انگورہ ہی میں منتقل ہو گیا۔

جدید انتخاب سے جو نمائندے منتخب ہوئے تھے اُن کا اجتماع ہو کر دو باتیں اور بھی طے پا گئیں اور وہ یہ کہ قسطنطنیہ ہی میں جدید پارلامنٹ کا پہلا جلسہ کیا جائے اور کانگریس کو توڑ دیا جاوے۔ حالانکہ کمال نے ہر دو تجاویز سے اختلاف کیا مگر جب سب نے اُنھیں پر اصرار کیا تو مجبوراً کمال کو بھی منظور کرنا پڑا لیکن کمال نے خود اپنے لئے قسطنطنیہ جانا کسی طرح منظور نہیں کیا۔ چنانچہ رؤف بے کی سرکردگی میں ۱۱ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو تمام نمائندے وہاں گئے اور جنوری سنہ ۱۹۲۰ء میں استنبول میں پارلامنٹ بیٹھی مگر پہونچتے ہی سب کو یہ اطلاع ملی کہ فرانس نے شام کے حصہ سلطنت ٹرکی کو اپنے زیر سیادت (Mandate) رکھنے کی منظوری برطانیہ وغیرہ سے لیلی۔ نیز کمال کی پارٹی کی طرف سے ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو الکارہ کا قومی معاہدہ پارلامنٹ میں پیش ہو کر شائع کرا دیا گیا اور پارلامنٹ ہی کی طرف سے گویا شائع ہوا جسکا خلاصہ یہ تھا کہ جن مقامات پر کہ ترکی آبادی کی کثرت ہو اور وہاں اتحادیوں وغیرہ کا قبضہ بھی بوقت عارضی صلح نہ ہوا ہو وہ ترکی سلطنت کا حصہ رہیں گے اور جہاں قبضہ اتحادیوں کا ہوا ہو اور عرب آبادی زائد ہو وہاں عوام کی آزاد رائے کے مطابق تصفیہ ہو۔ آبنائے باسفورس تجارت کے واسطے عام طور پر کھلے رہیں مگر اس شرط سے کہ استنبول اور بحر مارمورا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو جو حقوق کہ پوری مسلم اقلیتوں کے ہمسایہ ملکوں میں ہوں وہی حقوق دوسری اقلیتوں کو ٹرکی میں حاصل رہیں گے اور اس معاہدہ کی اطلاع اتحادیوں کو بھی دیدی گئی اور دراصل یہی آخری پارلامنٹ تھی جو قسطنطنیہ میں بیٹھی تھی۔

قسطنطنیہ میں اب اعلیٰ مجلس قومی کے اجلاس ہونے پر سلطان کے ساتھ حلف وفاداری لیکر جدید پارلامنٹ جو بیٹھی تھی اُسنے سلطان کو اسکا پیغام تو پہونچایا لیکن مجلس نے اسکا بھی اظہار کر دیا کہ سلطان یا انگریزوں کی طرف سے اگر کوئی بھی حکم مجلس کو بھیجا جائیگا تو اس کے ماننے کیواسطے قوم تیار نہ ہوگی اور نہ مجبور ہوگی۔ بلکہ اعلیٰ مجلس قومی ہی اب ترکی پارلامنٹ کے طور پر ملک کا انتظام کریگی چنانچہ فوراً مذکورہ اعلانات پر دول متحدہ نے وزیر جنگ کی علیحدگی طلب کی جسکو پارلامنٹ نے نامنظور کر دیا۔ اسلئے اگر دول متحدہ کی کسی بات کو سلطان مان بھی لیتے تو نمائندے احتجاج کرتے اور ہنگامہ ہوتا۔

شمالی شام میں مقامی ترکوں نے اُدھر فرانسیسیوں پر حملہ کر کے اُن کا اخراج کرا دیا نیز اورفا ([illegible])

اور اینتاب (Aintab) مین بھی فرانسیسیون پر حملہ ہوگیا۔ اور انگریز بھی قاف، کریمیا، اور اناطولیہ سے رخصت ہونیلگے
بلکہ دول متحدہ کے احکامات اب کہین بھی نہ مانے جاتے جس سے اتحادیون نے ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۰ع کو باضابطہ طریقہ پر قسطنطنیہ
پر قبضہ ہی کر لیا اور یہی ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۰ع کی وہ تاریخ تھی کہ جبکہ کی پارلامنٹ نے گویا سلطان وقت کے اختیارات سلب
کر لئے تھے اور گویا اُنکو سلطانیت سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ مگر رؤف بے اور فتحی بے نیز بکثرت قومیت والونکو بھی اب گرفتار کرکے
اتحادیون نے مالٹا روانہ کر دیا تھا۔ اور پارلامنٹ کو بھی بند کرا دیا تھا۔ استنبول مین اب فوج بھی اتحادیون کی زائد ہو چکی تھی
بلکہ تمام قومیت والون کے گھرون تک پر حملہ کر دیا گیا تھا۔ اور اُنکے بسترون پر سے اُن کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا تھا اور مارشل لا جاری ہوا
اور یہ بھی حکم ہوا کہ جو کوئی بھی قومیت والون کو پناہ دیگا وہ پھانسی چڑھ جائیگا۔ اناطولیہ کے راستون پر عیسائیون کو ہتھیار
بند کرکے راستے روکے گئے۔ لیکن ترک بھی مفرورین کی امداد کیواسطے اب جمع ہونے لگے اور بھاگنے والون کو پوری مدد دیتے
نیز ہتھیار بھی اناطولیہ پہونچوانے لگے۔ جنرل ملنے (Milne) بھی ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۲۰ع کو اتحادیون کی طرف سے
فوج لیکر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے تھے جسمین زائد تر برطانیہ کے سپاہی تھے اور دراصل قومی معاہدہ کے خلاف گویا احتجاج
کے طریقہ پر یہ قبضہ کیا گیا تھا اور جو کچھ کارروائی اسکے بعد ہوئی اس کو تو ترک کبھی نہین بھول سکتے۔ اس پر تمام مشہور
اور سر برآوردہ ترک یا تو اناطولیہ کو بھاگ نکلے یا چھپ رہے عصمت و فوزی دفتر جنگ سے اور میڈم
خالدہ خانوم مع اپنے شوہر ادنان بے کے انگورہ پہونچ گئے۔ سلطان نے بھی اتحادیون سے روپیہ
لیکر غیر از ترک اقوام کی ایک فوج کی بھرتی شروع کرادی اور اسکا نام "افواج خلافت" رکھدیا۔ نیز اُس کو
اناطولیہ وغیرہ جنگ کے واسطے روانہ کیا۔ تب ہی فرانس نے کمالی افواج سے سائلیشیا مین پیش بس کر لی۔ نیز دیگر
اتحادیون نے باسفورس مین لڑائی تک چھیڑ دی۔ اب سلطان نے اسلام کے نام پر مُلاؤن کو تقریرین کرنے اور لوگون
کو جمع کرنے کیلئے سب اطراف مین روانہ کیا جس سے اسلامی خلافت اور تاج شاہی کے نام پر گروہ کے گروہ سلطان
کے طرفدار ہوگئے۔ حالانکہ دوسرے گروہ قوم کے نام سے بھی ہر جگہ تیار تھے جس سے آپس ہی مین کشت و خون جھگڑون
کی نوبت آنے لگی۔ بلکہ قومی فوجون نے بمقام پانڈرما (Panderma) قسطنطنیہ سلطانی فوجون کو جا بجا
شکست بھی دی۔ سلطان نے انگورہ کی حکومت کو باغیون مین شمار کرا کے کمال اور اُس کے ساتھیون کو باغی
قرار دلوا دیا نیز یہ بھی اعلان کرا دیا کہ اُن کا قتل ہر شخص کا مذہبی فرض تھا اور دنیا و آخرت مین موجب ثواب و نجات۔
اور ایک خاص عدالت کے ذریعہ قومیت کے لوگون پر موت کا حکم بھی جاری ہونے لگا۔ شیخ الاسلام نے یہ فتویٰ تک
دیدیا کہ جو مسلمان اُن سات اشخاص مین سے جنکے واسطے ایک فہرست تیار ہوئی تھی کسی کو بھی قتل کردیگا وہ جنتی ہوگا۔

چنانچہ پہلی فہرست میں مصطفےٰ کمال۔ علی فواد پاشا۔ ڈاکٹر ادنان اور خالدہ خانم کا بھی نام تھا۔

ٹرکی کے مذکورہ خراب حالات دیکھکر یونانی بھی پھر اسمرنا سے قتل و غارت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ فرانسیسیوں نے جنوب میں بھی کچھ کامیابی حاصل کر لی۔ کرد بھی مشرق میں بغاوت پر تل گئے بلکہ خود انگورہ میں بھی مذہبی تحریک سے کچھ کچھ خطرہ ہونے لگا اور بولیو(Bolshevism) میں تو خاصہ بلوہ ہی ہو گیا۔ نیز اسکے رفع کرنے کو جو فوج بھیجی گئی وہ بھی ناکام ہی رہی۔ اور سلطانی فوجوں کو اب کچھ کچھ کامیابی ہونے لگی اسمید اور بگھار(Bagshar) پر قبضہ کر کے وہ بروسا تک پہونچ گئی جس سے قونیہ آدابازار اور دیگر شہر سلطانی فوج کے ساتھ ہو گئے۔ سمسون کی پندرہ ڈویژن فوج بھی کمالیوں سے اب منہ موڑ بیٹھی بلکہ انگورہ کے گردونواح کے مواضعات بھی خلیفہ کی فوج کا دم بھرنے لگے تب تو کمال پاشا اور عارف بے کیلئے ہر وقت گھوڑے کھنچے تیار رکھے جانے لگے کہ اگر کوئی بُرا وقت آگیا تو وہ سیواس کو روانہ ہو جائیں گے۔ ایک روایت یہ بھی تھی کہ خالدہ خانم تک نے تپنچہ لگانے کی مشق کر لی تھی اور اُن کے شوہر تو زہر کی پڑیہ تک ساتھ رکھتے تھے تاکہ دونوں خودکشی میں بھی دریغ نہ کرتے۔ مگر کمال پاشا نے پھر ہمت کی اور قومیت کا جھنڈا بلند کر کے یہ کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے کہ "جیتو یا اپنی کوشش میں مٹ جاؤ" بس کیا تھا پھر ہوا بدل گئی اور قوم بھی جاگ اُٹھی۔ ہر طرف سے دشمنوں کو زیر کر کے میدان کو صاف کر لیا گیا اور ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو انگورہ میں جس جدید پارلامنٹ کے جمع ہونے کا اعلان ہو چکا تھا اُسکی شرکت کیواسطے نمائندے جمع ہونے لگے اور اعلیٰ قومی مجلس کا اجلاس ہو کر اُس کو باضابطہ طور پر حکومت ترکیہ ہونے کا اعلان کر ہی دیا گیا۔

اور یہی گویا ٹرکی کی پہلی منتخب شدہ قومی مجلس یعنی کانسٹیچوئنٹ اسمبلی (Constituent Assembly) کہلائی گئی کیونکہ مشرق میں پہلی بار یہی ایسی جماعت قائم ہوئی تھی جسکو خود اہل ملک نے بنایا ہو اور جو اہل ملک کے واسطے کام کرے۔ اُس کو قانون سازی اور حکومت دونوں کا اختیار تھا۔ صدر مجلس حکومت کا اعلیٰ حاکم ہوا اور نائب صدر کو اسپیکر (Speaker) بنایا گیا۔ اور ایک مجلس انتظامی بھی بنائی گئی جس کا کہ ہر ممبر اسمبلی سے انتخاب کیا جاتا اور وہ خود اسمبلی کو ذمہ دار ہوتا۔ اس قومی مجلس نے صلحنامہ سیورا ریز کو نامنظور کر دیا تھا اور اُن تمام رعایات و حقوق یعنی کیپچولیشنس (Capitulations) کو جو دیگر دول یورپ نے وقتاً فوقتاً ترکوں سے حاصل کر رکھے تھے اُن کا انفساخ بلکہ تمام ترکی قرضوں تک کا معقول تصفیہ وغیرہ لازمی جز مصالحت طے کر دیا تھا۔ اور کمال پاشا کو اسمبلی کا صدر بھی

منتخب کر دیا گیا۔ یہان مختصر ذکر ٹرکی و یونان کی جنگ کا جو ۱۹۱۹ء سے شروع ہو کر ۱۹۲۲ء تک رہی تھی اور جسکا ذکر آئندہ مفصل آئیگا۔ کر دینا بھی ضروری ہے۔ یہ تو اوپر معلوم ہی ہو چکا ہے کہ یونانیون نے مئی ۱۹۱۹ء مین اسمرنا پر قبضہ کر لیا تھا اور سخت سے سخت مظالم کر کے ترکون کو تقریباً وہان سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ علاوہ سنجک ایدن لی اور کاذا کے جو اتحادیون کی اعلیٰ کونسل نے اُن کو دئیے تھے وہ بہت آگے بڑھ گئے۔ حالانکہ یہ قبضہ بھی وقتی کرا دیا گیا تھا۔ انھون نے تو اسمرنا مین مستقل قبضہ حکومت کا انتظام کیا اور ختم ۱۹۱۹ء مین ایشیائے کوچک مین انکی فوج کی تعداد اسی ہزار ہوگئی اُسی زمانہ مین ہالدہ خانم نے ایک مضمون جسکی سرخی شعلے کا کرتہ (The Shirt of flame) تھی لکھا تھا اور اسمین ترکی قوم کے اصلی جذبات جو مظالم سے ہو گئے تھے انکو دکھلایا تھا۔ فی الحقیقت یہ جنگ بھی خفیہ معاہدون اور اتحادیون کی شہنشاہیت کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ یہی وہ وقت تھا کہ پیرس مین مسٹر ولسن صدر امریکہ مسٹر لائڈ جارج وزیر برطانیہ اور موسیو کلیمنسو وزیر فرانس تینون بیٹھے ہوئے دنیا کی جدید تہذیب کا خاکہ تیار کرنیکے ساتھ ہی خدائی فوجدارون کی طرح احکامات جاری کر رہے تھے۔ بلکہ صلحنامہ سیوار یز کو بھی شائع کر چکے تھے مگر انگورہ اور قسطنطنیہ کے انقلاب عظیم سے ناواقف تھے اور جبھی تک کہ اُن کو یہ خبر ملی کہ ترکون نے صلحنامہ سیوار یز کو نوچ کر اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تب تو صحیح نظر آگئی۔ مگر صلحنامہ سیوار یز کے واقعات بھی بہت ہی دلچسپ ہین چنانچہ جبکہ ایشیائے کوچک مین یونانی سخت اودہم مچا رہے تھے اور ترک بھی اناطولیہ مین اپنی فوجونکو چپکے چپکے جمع کر رہے تھے تو اتحادی حکومتین ابتدائے ۱۹۲۰ء مین صلح کی کڑیان جوڑ رہی تھین جنوری و فروری مین لندن مین کانفرنسین ہوئین اپریل مین بمقام سین ریمو ایک جلسہ کر کے انگلستان و فرانس نے پٹرولیم کے حقوق کے متعلق ایک معاہدہ بھی کر لیا۔ اگست ۱۹۲۰ء کو جبکہ صلح کا مسودہ ترکون کو بھیجا گیا اور اُنکے عذرات نامنظور کئے جا چکے تو ایک مکمل صلحنامہ بمقام سیوار یز اُس وفد کے سامنے جو سلطان کی طرف سے قسطنطنیہ سے بلوایا گیا تھا پیش کیا گیا اور اُس نے بلا چون و چرا غلامانہ طریقے سے اسپر دستخط کر دئیے تھے۔ تین ترکی سلطانی نمائندے تھے جنھون نے اسپر دستخط کئے تھے جسمین سے ایک رضا توفیق بے تھے اور اسکو سلطان کو مجبوراً ماننا پڑا تھا۔ اس صلحنامہ کے بعد ہی انگلستان فرانس اور اٹلی کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہو گیا جو مغربی شہنشاہیت کے اصولون کی سچی مثال تھا۔ اور جس سے فرانسیسی اطالوی دائرۂ اثر کی پوری توسیع بھی ایشیائے کوچک مین مقصود تھی۔ اس سے تمام بندرگاہ اتحادیون کے سپرد ہو گئے۔ عرب صوبہ جات کی سیادت یا حکم برداری دوسرون کے سپرد ہوئی۔ آرمینیا اور کردستان کی آزاد ریاستین بنا دی گئین۔ اٹلی کو اسمرنا اور تمام شاداب زرخیز انگور و زیتون کے باغات و حصہ جات آراضیات جنوبی و مغربی اناطولیہ و اڈالیہ کے غلہ کی آراضیات دیدی گئین۔ آبنائے اور [illegible] کی مستقل رعایات ایک اتحادی کمیشن کے تحت مین دی گئین و مشرقی و مغربی حصہ تھریس یونان کا مقدر ہوا وغیرہ وغیرہ لیکن ٹرکی مین اسکے دستخطون کا دن یوم ماتم قرار پایا تھا اور ہر طرح کا اسپر احتجاج بھی ہوا۔ قومیت والون نے تو اسکی نامنظوری کا نہایت سختی سے اظہار کر دیا اور یہ ایسا سخت تازیانہ

بلکہ قومی ذلت کا باعث ہوا کہ کل ترک قوم نے اس کی مخالفت کی اور تمام دنیا نے صلح سیورے کو غیر واجبی ہی قرار دیا تھا۔ در اصل اب کمال پاشا نے ہر ترک کے دماغ میں ایسی آزادی کی روح پھونک دی تھی کہ وہ اپنے ہی کو کمال پاشا سمجھنے لگا تھا۔ ادھر کاظم نے ارمنوں سے سرحد پاک کر دی۔ جنرل جعفر طیار اور علی فواد نے بھی حملوں کے ذریعہ سب طرف سے سلطانی فوجوں اور دشمنوں سے ملک بھر صاف کرا دیا۔ اسلیئے پیرس کے اچنبھے کی کوئی حد ہی نہیں رہی مگر اب چونکہ اتحادیوں کی فوجیں واپس ہو چکی تھیں اور ہر ایک اپنی خود مصیبت میں مبتلا تھا اپنے گھروں کے سنبھالنے کی سب کو پڑی ہوئی تھی جنگ سے سب ہی تنگ آ گئے تھے نہ روپیہ ہی کا انتظام آسان تھا نہ فوجوں کے رٹانے کی کسی میں ہمت تھی۔ تاہم وینیزیلاس (Venezellas) وزیر اعظم یونان نے جو اپنے غرور کے نشہ میں سرشار تھا سب کو ہمت دلائی اور تمام ذمہ داری اپنے سر لیکر یقین دلایا کہ اسمرنا میں ابھی بکثرت یونانی فوج مع اُس مکمل سامان جنگ کے موجود تھی جو برطانیہ اور فرانس سے اُس نے خرید کرا دیا تھا اور وہی فوج وہ اتحادیوں کے سپرد کر سکتا تھا اگر کچھ مشرقی حصہ ٹرکی اُس کے عوض فتح کے بعد یونان کو نذر کرنے کا وعدہ کیا جاوے۔ بلکہ اُسی فوج کی مدد سے وہ صلحنامہ سیورے پر ترکوں سے دستخط کرا ہی چھوڑیگا بس یہ سنتے ہی سب کے سب اُچھل پڑے اور وینیزیلاس کے شرائط کو بھی سب نے بخوشی منظور کر لیا مگر تعجیلت کارروائی کی بھی خواہش کر دی۔ شعر

مغرب کی بوستاں میں جو رنگ خزاں نہیں ۔ سنتے ہیں اُس زمین میں یہ آسماں نہیں

اب جیسے ہی کہ کمال پاشا نے قسطنطنیہ پر فوج بڑھائی یونانی فوج بھی ۲۲ جون سنہ ۱۹۲۰ء کو بڑھ کر تھریس میں داخل ہو گئی اور وہاں سے حملہ کرکے جعفر طیار کو مع پہلی آرمی کور کے گرفتار ہی تو کر لیا اور فوراً وہاں سے ایڈریانوپل میں داخل ہو گئی نیز اسمید کے سامنے سے اسمرنا کی طرف سے ترکوں کو بھاگنا بھی پڑا۔ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ سے بھی قومیت والے اب باہر کئے گئے کیونکہ قسطنطنیہ کے یورپین اور ایشیائی دونوں طرفوں سے گویا ترک بھاگنے پر مجبور ہوئے مگر چھ ماہ تک ترکی فوجیں بھی خندقوں کے اندر سے مقابلہ کرتی ہی رہیں۔ کمال پاشا نے قوم سے جو اُسوقت اپیل کی تھی وہ بھی قابل ذکر ہے اُنھوں نے کہا کہ تم ترک ہو۔ یہ یونانی جو کل تمھاری رعایا تھے اور غلام۔ کیا تم اُن کے سامنے ناک اور گھٹنے رگڑو گے۔ مجھے یقین نہیں ہے۔ بلجاؤ۔ تیار رہو اور فتح ہماری ہے۔ بس کیا تھا کل اسمبلی اور پھر قوم اُن کے ساتھ ہو گئی۔ اسی درمیان میں ادھر ایک سرکیشین نے بغاوت کوتاہیا (Kutahia) ایک "بڑی فوج"

(Greece Army) تیار کرلی تھی اور اسی سے اس نے یونانیوں سے جنگ بھی شروع کردی تھی بلکہ انگورہ کو بھی بلوائیوں سے بچایا تھا مگر اب وہ بھی خود مختار بنکر کسی کی نہ سنتا تھا ٹیکس بھی رعایا سے خاطر خواہ وصول کرنے لگا بلکہ جس کسی کو بھی چاہا پھانسی دینے تک کی جرأت کرنے لگا۔ کمال پاشا نے پیشتر تو اس کو راضی کرنا چاہا مگر جب اس نے نہ مانا تو دسمبر ۱۹۲۰ء میں لڑائی کرکے اس کی فوج کو ختم کردیا مگر یونانیوں سے اسنے شرکت کرلی۔

سلطان نے اسی زمانہ میں عزت پاشا کی سرکردگی میں ایک وفد انگورہ بھیجا تھا تاکہ آپس میں عارضی صلح ہوکر تمام ترک میل کرکے یونان سے جنگ کریں اسپر اسمبلی میں وفد سے ہمدردی ہونے لگی۔ اور لوگوں کو پھر سلطان کا خیال آگیا۔ لیکن شروع ۱۹۲۱ء ہی میں یونانیوں کے فوجی محاذات کے متعلق اتحادیوں نیز خود یونانیوں کو ذرا فکر پیدا ہوگئی کیونکہ ترکوں کی قوت کے بڑھنے کے باعث یونانیوں کو ایشیائی صوبوں میں کامیابی بھی آسان نہ ہوسکی۔ تب ماہ فروری میں بمقام لندن ایک کانفرنس طلب کی گئی جسمیں یونانی اور قسطنطنیہ کی حکومت کے نمائندے نیز کمالی ترک بھی بلائے گئے۔ اتحادیوں نے صلحنامہ سیواریز کے شرائط کو تبدیل اور نرم کرکے پھر شرائط تجویز کئے۔ مگر کمالیوں نے اصولاً کچھ بھی منظور نہیں کیا تب یونانیوں نے ایک بڑے حملے کی تیاری کردی اور ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو آفیوم کا احصار (Afium Karahisar) اور اسکی شہر (Eskishehr) پر حملہ کرکے ریلوں پر قبضہ کرلیا۔ یعنی جو ریل کہ قسطنطنیہ سے اسمرنا جاتی اور انگورہ قونیہ ریلوے پر۔ اور آفیوم کو تو لے ہی لیا لیکن ابتدائے اپریل میں جبکہ جنگ این او نو (In onu.) میں ترکوں کو فتح ہوئی تو یونانیوں کو آفیوم خالی ہی کرنا پڑا۔ پھر جولائی کو کوتھیا کی طرف یونانی بڑھے اور اسکو بالآخر لے ہی لیا۔ اور آفیوم کا احصار کو بھی۔ حالانکہ عصمت پاشا نے دس دن تک یونانیوں کی فوج کو ترکی فوج سے بچہ پسپا کردیا تھا مگر اب یہاں سے ترک دریائے سکاریہ پر جاکر رک گئے اور اپنی تمام قوتوں کو یہیں یکجا کردیا یہانتک کہ ۲۴ اگست ۱۹۲۱ء کو اسی جگہ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے بھڑ گئیں۔ اب یہاں خود کمال پاشا نے کمان کی اور عصمت پاشا ان کے ماتحت تھے تین ہفتہ تک گھمسان لڑائی رہی۔ خود کمال پاشا برابر میدان میں جاتے تھے اور ایک بار زخمی بھی ہوئے اور دیکھنے والوں کو مشرق و مغرب کی قوت آزمائی کا رنگ نظر آگیا ایک طرف مغرب کی ایک قوم تمام زمانہ حال کے اسلحہ اور سامان سے آراستہ مگر دوسری جانب قوم کی قوم بغیر بڑے سامانوں کے حب الوطنی کے لئے مرنے اور مارنے کو تیار۔ یہانتک کہ ۱۲ ستمبر کو

یونانی واپس ہوگئے اور ۲۳ ستمبر کو آفیوم اور الیسکی شہر کے محاذون پر اُنھون نے دم لیا اور یہین سے وسطی اور قریبی ایشیا کی قسمت پلٹ گئی اور نقشہ بدل گیا۔

اس جنگ یونان کے وقت مصطفٰے کمال کو قوم نے تو جنریلزمو بنا کر تمام وقتی اختیارات دیدئے تھے عصمت پاشا کمانڈر ہوئے تھے فقوی اور رفعت کو بھی فوجی عہدے دئے گئے تھے مگر ترکون کو بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ مشرق سے اسلحہ اور افواج کا لانا تھا یعنی چار سو میل سے زائد پہاڑ اور چٹیل میدان اور ویرانے کو طے کرکے بالخصوص اسوقت کے سخت ترین خراب موسم مین ۔ مگر قوم بھر نے جو ارادہ کر لیا تھا تو سب قسم کی دقتین آسان ہوگئی تھین مرد اور عورت بچے سب ہی تو وطن کے بچانے پر آمادہ ہوگئے تھے ہر قسم کے ذرائع سامانون کے لانے کیواسطے مہیا کردئے گئے تھے ۔بیلون پر لاد لاد کر بھی لانے مین مستورات تک نے عذر نہین کیا تھا بلکہ بخوشی ہر طرح کا کام سب کرنے لگے تھے ۔ریلون کو نکال کر اُس کے اسلحہ تک بنائے گئے تھے۔ اور یونانیون کے پاس ہی ہزار تازہ دم فوج اور نہایت اعلی درجہ کا سامان تھا ۔توپون کی تعداد بھی دو سو تھی ۔ریلین بھی سب اُن کے قبضے مین تھین ۔لاریون ہی پر وہ سامان لاتے تھے اور اُن کے خورد نوش کے واسطے بھی کسی شئے کی کمی نہ تھی ۔اُدھر ترکون کے پاس صرف پچیس ہزار فوج اور کچھ توپین اور پُرانی بندوقین اور مختصر و محدود دیگر قسم کا سامان تھا اور ۲۳ تیئیس دن کی میدانی جنگ مین ساڑھے سولہ ہزار ترک کام آئے تھے پھر بھی جب ۲۴ اگست ۱۹۲۱ع کو دریائے سکاریہ پر ترکون کی فتح ہوئی تھی اور یونانی ہارے تھے تو وہان سے واپس ہوتے ہوئے سخت سے سخت مظالم کے بھی مرتکب ہوتے گئے تھے۔

مصطفٰے کمال بھی اب انگورہ واپس آگئے اور قوم نے اُن کو الغازی کا خطاب دیا اور وہ فیلڈ مارشل کئے گئے۔ اپنی ایک تقریر مین اُسی وقت مصطفٰے کمال نے یہ کہا کہ "اُن کو جنگ کرنا منظور نہین ہے ۔وہ صلح کے خواہشمند تھے اور اُس کا حاصل ہونا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اگر یونانی یہ سمجھین کہ ہم اپنے جائز حقوق کو چھوڑ دین تو اُن کی غلطی تھی۔ ہم بھی فطرتاً مجبور ہین کہ اپنے ملک کو اسلحہ ہی کے ذریعہ بچائین جبکہ ہماری قوم کو غارت و برباد کرنے کی کوشش ہے۔ ......حضرات مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ ہم دھاوے پر دھاوے کرین گے جبتک کہ ایک بھی دشمن سپاہی ہمارے ملک مین باقی رہیگا۔" اب یونانیون نے واپسی پر تمام مواضعات مین آگ لگا دی تھی ۔سخت کشت و خون اور لوٹ مار بھی کی تھی جس کی مثال مشکل سے تاریخ مین ملیگی اور ایشیائے کوچک مین گو یونانی موجود ضرور تھے ۔مگر بے اطمینانی کے ساتھ فوجین لئے ٹھہرے تھے ۔تمام دنیا نے انگورہ کی حکومت کو گویا اب مان ہی لیا تھا اور مارچ ۱۹۲۲ع

مین اتحادیون نے پھر ایک کانفرنس پیرس مین طلب کر لی تاکہ کچھ طے ہو سکے مگر ناکامی ہوئی۔ ترکون نے اب سب طرح اپنی فوج کی درستی بھی کر لی۔ نیز فرانس جس نے کہ مارچ ۱۹۲۱ء ہی مین انگورہ سے براہ راست مراسلت کرنا جاری کی تھی کیونکہ یونان کی امداد کی حکمت عملی دراصل برطانیہ عظمیٰ کی تھی نہ کہ فرانس کی لہذا جنگ سکاریہ کے بعد اُسنے فرینکلن بوئیلان (Franklin Bouillon) کو انگورہ بھیجکر علیحدہ فرانس اور ترکی کے درمیان صلح کے شرائط طے کر کے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء ہی کو صلح کے دستخط کر دئے تھے۔

فرانس و ترکی کی صلح سے فرانس نے سائلیشیا سے اپنا قبضہ اُٹھا لیا تھا اور اُس کو کچھ اقتصادی حقوق بھی ملگئے تھے مثلاً نوے سال کا ٹھیکہ لوہے۔ کروم جپٹے۔ اور چاندی کے کانون کا جو ہرشائٹ (Herchite) کی گھاٹی مین بحر اسود کے کنارے پر تھین پندادریلوے کے بنانے کا بھی کچھ حصہ اس کے ہاتھ آیا تھا مگر سائلیشیا سے اُس کے ہٹنے سے ترکون کی اسی ہزار فوج گویا اس طرف کے محاذ جنگ سے آزاد ہو کر کمال پاشا کو ملگئی تھی اور اتنا سامان جنگ بھی ترکون کو فرانس کے کمانڈر سے حاصل ہو گیا تھا کہ جس سے چالیس ہزار ترکی فوج کو ہر طرح کا سامان جنگ کافی ہوا۔ اور فرانس کا واقعی ترکی قومی حکومت کو تسلیم کرنا بھی ظاہر ہو گیا تھا نیز برطانیہ و فرانس کی موافقت مین ایک طرح کا رخنہ پڑ ہی گیا تھا کیونکہ برطانیہ ابھی تک قسطنطنیہ کی حکومت ہی کی امداد کر رہا تھا۔ جون ۱۹۲۱ء ہی مین اطالیون نے بھی اَدالیہ سے اپنی فوج ہٹالی تھی کیونکہ کمالیون سے دوستانہ صلح کے پیغام جاری ہو چکے تھے جسکے باعث ترکون کو کچھ آسانی ہو گئی تھی۔ ۲۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو اتحادیون نے ایک اور تجویز بھی صلح ایشیائے کوچک کے طے پانے پر انگورہ روانہ کی تھی۔ نیز یونانیون کا ایشیائے کوچک کو صلح کے ساتھ خالی کر دینا طے کر دیا تھا تاکہ یہی عارضی صلح کے چار ماہ کے اندر یونانی اُسنے خالی کر دیتے اور ترکی حکومت اُسپر تسلیم کر لی جاتی۔ اور جس کو یونان اور قسطنطنیہ کی حکومتون نے مان ہی لیا تھا مگر یوسف کمال بے نے جو انگورہ کی حکومت کا وزیر خارجہ تھا اُسنے یونان کے فوراً ہی وہان سے رخصت ہونے پر اصرار کیا جسپر اتحادیون نے چار ماہ کی میعاد کے کم کر دینے کو لکھا مگر عارضی صلح پر فوراً دستخط کرنے پر اصرار کیا لیکن چونکہ جولائی مین یونانیون نے پھر جنگ ہی سے تصفیہ کا اعلان کر دیا۔ اور ۱۷ جولائی کو یونانی ہائی کمشنر متعینہ اسمرنا کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جس رقبہ پر یونانیون کا قبضہ تھا اُس کو ایک آزاد حکومت مگر محفوظہ سلطنت یونان قرار دیکر اس کا نام آیونیا (Ionia) رکھدے اور اس کا اعلان کر دے جسپر انگورہ نے بیشک احتجاج کیا مگر یونان نے اب قسطنطنیہ پر بھی قبضہ کے ارادہ کا اعلان کر دیا اور اسی لئے تھریس مین فوجین بھی جمع کرنا شروع کر دین۔ گو سر الیگزینڈر ہارنج نے اتحادیون

کی طرف سے اُسی وقت اُس کا اعلان ضرور کر دیا تھا کہ دارالسلطنت کے قبضہ کی اجازت کسی طرح اتحادی نہ دینگے اور اتحادی فوج بھی قسطنطنیہ میں کچھ نہ نافذ کر دی گئی تھی تاہم ۱۸ اگست ۱۹۲۲ء کو یونان نے پھر جنگ شروع ہی کر دی بر دسا اور میانڈر (Maeander R.) کی گھاٹی میں کچھ چھیڑ ہو چلی تھی کہ عصمت پاشا نے ۲۶ اگست کو آفیوم کارا حصار پر زبردست حملہ کر دیا۔ اور ترکی قوم کو گویا اس طرح پکارا شعر

ماناشب ادبار کا ہر سمت اثر ہے
گر خواب سے بیدار ہوا ب بھی تو سحر ہے

بس کیا تھا ترک جان لینے اور جان دینے پر تیار ہو گئے اور اسی مقام سے یونانی سر پر پاؤں رکھکر ایسے بھاگے کہ کہیں پناہ نہ ملی۔ اور ترکوں نے ۲۹ و ۳۰ اگست ۱۹۲۲ء کو بمقام تو تلو پونار (Dumlu Punar R.) پھر اُن سے جنگ کی۔ وہاں سے بھی یونانی بھاگے اور یوشک (Ushaq R.) پر رُکے لیکن پھر وہاں سے بھاگے کیونکہ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ترک وہاں بھی پہونچ گئے اور بھگاتے ہوئے یونانی جنرل ٹرکوپس (Tricoupis) اور اُن کے اسٹاف کو گرفتار کر لیا۔ یوشک سے ڈیڑھ سو میل آٹھ دن میں یونانی بھاگے تھے اور فیفوی پاشا نے فوج سے اُنکا تعاقب کیا تھا مگر یونانیوں نے گاؤں کے گاؤں جلا کر نہ صرف خاک کر دیئے بلکہ کوئی ظلم قتل و غارت ایسا نہ تھا جو کہ کیا نہ ہو۔ یہ بھاگنا ہی گویا ایک خدائی جھٹکا تھی جسمیں یونانی اور ترکی رعایا دونوں مبتلا کر دیئے گئے تھے اور اس کو سوائے غضب الٰہی کے اور کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ سمرنا میں داخل ہو کر ترکوں نے ارمنوں اور یونانیوں سے بھی ملک کو خالی کرانا ہی طے کر لیا۔ چند دنوں میں نصف شہر تو جلا کر خاک کر دیا گیا تھا اور ۹ ستمبر کو ترک سمرنا میں داخل ہی ہو گئے تھے مگر یونانیوں کے اناطولیہ سے مکمل اخراج کے بعد مصطفٰے کمال نے مشرقی تھریس سے بھی اُنکے اخراج پر زور دیا اور اسی لئے قومیت کی فوجیں شمال یعنی آبنائے کی طرف بڑھیں گو یہاں برطانیہ کی فوجیں جنگ کے مقام پر سد راہ تھیں تاہم کمال پاشا نے ترکی فوج کو یونانیوں کے تعاقب میں تھریس میں داخل ہونے پر اصرار کیا۔ مگر جنرل ہیرنگٹن (Harington R.) نے اجازت نہ دی کیونکہ ۵ ارمئی ۱۹۲۱ء ہی سے اتحادیوں نے غیر جانبداری کا اعلان کر کے اُس حصہ ملک کو جیا سفورس اور در دانیال کے اردگرد تھا اُسکو بھی جنگ کے دونوں فریقوں کیلئے ممنوعہ قرار دیدیا تھا۔ تب کمال نے اسمید پر جبرت فوج جمع کر دی اور گویا برطانیہ سے لڑائی چھڑنے کا مضمون آ گیا۔ فرانس نے اسوقت سے باوجود برطانیہ کو اطمینان دلانے کے چنک سے اپنی فوج ہٹا لینے کا ارادہ کر لیا۔ بلکہ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو فرانس اور اٹلی کی فوجیں گیلی پولی میں سے ہٹ گئیں۔

مگر برطانیہ موقع پر اڑا ہی رہا اور ۳۰ اکتوبر کو جنرل ہیرنگٹن نے مع دیگر اتحادی احباب کے مودانیہ جا کر عصمت پاشا سے عارضی صلح کی گفتگو چھیڑ دی اور کچھ گفت و شنید بلکہ روٹھا روٹھی کے بعد ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو عارضی صلح ہو ہی گئی اور یہ سب انگورہ کی مرضی سے ہوا اس صلح سے مشرقی تھریس سے یونانیوں کا فوری اخراج طے پایا اور دریائے میرٹزا (Maritsa) تک کل تھریس ترکوں کو دلایا گیا اس طرح گویا ترکی کا یورپ میں بھی قدم جما رہا - یونانیوں نے بھی اس صلح پر دستخط کر کے تھریس اور اسمرنا سے اپنا باز دعویٰ ہی دیدیا اور ترکوں کے قومی معاہدہ کی بھی پوری تعمیل گویا ہو گئی - اسی کے بعد مسٹر لائڈ جارج نے ۱۹ اکتوبر کو اپنا استعفا بھی وزارت انگلستان سے داخل کر کے بادشاہ سے منظوری کی خواہش کر دی کیونکہ اُن کی مشرق قریب کی حکمت عملی ناکام ہی رہی تھی اور بجائے ترکوں کے مٹانے کے سب کچھ یونان ہی کے سر گئی اور اب تو انگلستان میں بھی جدید انتخاب ہو کر صلح اور آشتی کی پالیسی کا دور آ گیا تھا بلکہ لازان کی کانفرنس کی نومبر ۱۹۲۲ء میں تیاریاں ہونے لگیں در اصل تو مصطفےٰ کمال کا ستارۂ اقبال اب اوج ترقی پر یوماً فیوماً چڑھ رہا تھا اور ترک قوم بھی ایک جان نثار اور سچے خادم قوم و ملک کی سرداری کی محتاج تھی - اب اُن کی بہادری شجاعت اور مردانگی میں کون شک کر سکتا ہے شعر

نام مردوں کا ازل سے ہے ابد تک زندہ
لوگ دنیا کو عبث دارِ فنا کہتے ہیں

اسی وقت برطانوی سفرا بہجرت عیسائی یتامیٰ اور آرمنیوں کو ہمراہ لیکر کارفود ([illegible]) روانہ ہو گئے اور امریکہ کے مشنری بھی (۳۵۵۵) یتامیٰ کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آئے مگر اسی وقت اطالیہ نے کارفو پر قبضہ کر لیا - اور یونانی منہ دیکھتے ہی رہ گئے -

جب ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو آٹومن حکومت قسطنطنیہ اور ترکی حکومت انگورہ دونوں کو کانفرنس کی شرکت میں دعوت دی گئی تو انگورہ سے اس پر سخت احتجاج کیا گیا کیونکہ ایک طرح پر سلطانیت کا تو ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء ہی کو خاتمہ کر دیا گیا تھا اور اسی بنا پر ۴ نومبر ۱۹۲۲ء کو قسطنطنیہ کی کیبنٹ ([illegible] cabinet) نے استعفا دیدیا اور سلطان وحید الدین بھی ۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء کو حکومت ترکی سے باہر تو ہو گئے مگر جانے سے قبل اُنھوں نے انگورہ کے احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا بلکہ سابقہ قومی تزک و احتشام سے نماز جمعہ کیواسطے گئے اور سلاملک کے مراسم کی ادائی پر بھی اڑ گئے لیکن مسجد ہی میں امام نے خطبہ میں صرف خلیفہ کا لفظ اُنکے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا اور سلطان کا لفظ اُڑا دیا تھا - فوج نے بھی سلام تو کیا تھا مگر

بادشاہ کے نام پر نعرۂ خوشی بلند نہیں کیا تھا۔ افسوس کہ ملک و قوم سے غداری کا نتیجہ بُرا ہی نکلا کہ سلطان وحیدالدین محمد سادس اب برطانیہ کے جہاز ملایا پر خفیہ طور سے بھاگ کر جزیرۂ مالٹا کو روانہ ہو گئے تھے۔ پھر شاہ حسین سے ملنے مکہ مکرمہ بھی گئے۔ اور بعدہٗ دریائے راؤیریا (Reeeeeee) کے کنارے اپنی بود و باش پر قناعت کر کے صفحات تاریخ سے اپنے کو بالکل ہی گویا محو کر گئے۔ اور قسطنطنیہ میں رفعت پاشا نے بحیثیت گورنر مقرر کردہ انگورہ حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیلیا تھا۔ اور وہ دو قصلی حکومت جو ۱۹۲۰ء سے چل رہی تھی وہ گویا اب ختم ہو گئی۔

۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو لازان کی کانفرنس بیٹھ گئی۔ لارڈ کرزن ہی بطور نمائندہ برطانیہ اور عصمت پاشا بطور نمائندہ حکومت انگورہ اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مگر ۴ فروری ۱۹۲۳ء کو لارڈ کرزن تو تین ماہ کی سخت جانکاہی محنت اور تو تو میں میں کے بعد انگلستان کو واپس چلے گئے اور عصمت پاشا انگورہ کو اور کانفرنس ناکام ہوئی۔ لیکن ۲۳ اپریل کو پھر کانفرنس بیٹھی اور اب برطانیہ کی طرف سے سر ہوریس رمبولڈ (Sir Horace Rumbold.) آئے اور ترکوں کی طرف سے وہی عصمت پاشا۔ پھر تین ماہ تک جھائیں جھائیں رہی اور ٹرکی کے نمائندے نے قومی معاہدہ سے ایک انچ بھی ہٹنا منظور نہیں کیا بالآخر ۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء کو صلح لازان طے ہی پا گئی اور دستخط ہو گئے در اصل پالمرسٹن (Palmerston) اور گلیڈاسٹون (Gladstone) وغیرہ کا وہ خواب کہ ترک بوریا بندھنا لیکر یورپ سے باہر ہو جاویں غلط ہی ہو گیا کیونکہ ایڈریانوپل اور مشرقی تھریس پا کر ترک یورپ میں جمے ہی رہے۔ نیز وہ ترکوں کی وہ اندرونی مداخلت جو دول یورپ کو ترکوں کی حکومت میں حاصل تھی وہ بھی اب بالکل ختم ہو گئی اور ترک ہر طرح اپنے معاملات کے لئے آزاد ہو کر ان لڑائیوں کی بدولت ہارے ہوئے کے بجائے فتحمند ہو کر دنیا کے سامنے آ گئے۔

یہ ضرور ہوا کہ ترکوں کی شاندار چھ سو سال کی عظیم الشان سلطنت کے اب ٹکڑے ہو کر تقریباً ایک درجن آزاد حکومتیں بن گئی تھیں اور جو قومیں اس سے پیشتر ترکوں کی رعایا تھیں اب ان سے برابری کی ٹکر لینے لگیں تاہم لازان کی کانفرنس میں ترکوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی قوم سے دماغی، سیاسی یا حربی قوتوں میں ویسے پیچھے نہ تھے جیسے کہ یورپ سمجھ رہا تھا۔ عصمت پاشا نے اس کانفرنس میں اپنا رویہ اور طرز تقریر وہ رکھا کہ گویا وہ بھی جنگ یورپ کے ایک فتحمند رکن تھے۔ نیز ان کی سیاست دانی دلائل اور معقول پسندی کا شرکا پر بڑا اثر ہوا تھا۔ در اصل تو یا ہمی ریشہ دوانیاں اور ذاتی اغراض کے حصول میں کل یورپ اس وقت دو بارہ ہو رہا تھا۔ نیز جنگ کا اب کسی میں بجز ترکوں

سکے ہمت نہ تھی۔ ہر ایک دور بھاگتا تھا بلکہ سب کی بوٹی بوٹی لرزتی تھی اسی سے ترکوں کے ذمہ جو کروڑوں سے بھی زائد پونڈ کا قرض تھا اس کی ادائی فرانس کے نوٹوں میں کرنے کا ترکوں نے بھی اعلان کر دیا۔ اور تعداد میں بھی سبکی کی گئی اور تبادلہ رعایا بھی یونان سے طے پا گیا۔ پس اب کیا تھا مصطفیٰ کمال ہی کا نام ملک بھر میں لیا جانے لگا۔ اسی وقت مستورات ملک کو پردے سے باہر آنے اور اٹھارہ سال کے ترک کو رائے دینے یعنی ووٹ کے حق کا اعلان بھی کرا دیا گیا تھا۔

بس یہی وہ سبق ہے جو تمام قوموں کے واسطے قابل تقلید ہے کہ جبتک عوام ملک کی پوری امداد لیڈروں کو نہ ہو کوئی ملک یا قوم اپنی عزت قائم نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا ان کی کانفرنس میں عصمت پاشا حقیقتاً نہیں بولتے تھے بلکہ کل قوم کی وہ ترجمانی کرتے تھے۔

ترکوں کی خوش قسمتی سے اگر غور کیا جائے تو سنہ ۱۹۲۰ء ہی میں یونان میں شاہ کانسٹن ٹائن تخت پر واپس آ گئے تھے اور اس کے باعث دول متحدہ میں یونان سے ہمدردی بھی جاتی رہی تھی پھر سنہ ۱۹۲۲ء میں شاہ مذکور کو اپنے بیٹے جارج ثانی کے حق میں تخت چھوڑنا بھی پڑا اور بلوے اور ہنگامے ہو کر بادشاہت بھی ختم ہو گئی تھی نیز دستوری حکومت کا وہاں بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔ ادھر ترکوں کو اسی درمیان میں سوویٹ روس سے بڑی مدد ملی تھی بلکہ روپیہ بھی ملا تھا اور اتحادیوں کی آپس کی رقابت نے ان کی نہ صرف جان ہی بچا دی بلکہ ان کو سامان بھی جنگ کیلئے مہیا کرا دیا تھا کیونکہ اگست سنہ ۱۹۱۹ء ہی میں برطانیہ کی افواج ماورائے قاف کو خالی کر چکی تھیں اور جنرل ڈینکن بھی ہار چکے تھے۔ نیز اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں روس کے باکو آذربائیجان کے لے لینے سے ارمنی دستوری حکومت ایریوان کمزور پڑ گئی تھی اور سنہ ۱۹۲۰ء کے ستمبر میں کاظم قرابکر نے بھی ایریوان پر حملہ کر کے کارس پر قبضہ کر لیا تھا پھر ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کو سرخ افواج روس نے جنرل ہنگیل کی فوج کو نکال کر کریمیا پر قبضہ کر لیا تھا اور دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں سوویٹ حکومت ایریوان قائم ہو گئی تھی جس نے کہ انگورہ سے صلح کر لی تھی تب ہی سنہ ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کی فوج باطوم سے بھی سرخ فوج نے ہٹوا کر کارس۔ اردھان اور باطوم ترکوں کے سپرد کرا دیئے تھے یعنی ترکوں کو ہر قسم کی سیاسی اخلاقی اور مالی امداد سوویٹ روس سے مل چکی تھی بس جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو سب ہی طرح کا سامان غیب سے مہیا ہو جاتا ہے شعر

مرد باید کہ ہراسان نہ شود مشکلے نیست کہ آسان نہ شود

صرف ہمت مرداں مدد خدا پر عمل ہونا چاہیئے جس وقت کہ جنرل ٹریکوپس اور ان کے لفٹننٹ کمانڈر ڈائی اونس (Dionis . ڈ) گرفتار کر لیے گئے تھے تو کمال پاشا نے ان کو اپنے پاس بلا کر اور خود کھڑے ہو کر انسے

تعظیم و تکریم کے ساتھ ہاتھ ملایا سیگریٹ دیا تھا کافی پلائی اور دریافت کیا تھا کہ ضرورت کا کل سامان آسایش موجود تھا یا نہین اور اُن کے جاتے وقت کہا کہ جنگ بھی ایک اتفاق کا کھیل ہے - آپنے اپنی والی پوری کوشش کی قسمت کے ہاتھ نتیجہ تھا غم نہ کیجئے" اور پھر ایک جلوس کی صورت مین کمال پاشا خود اسمرنا مین داخل ہوئے تھے - اسی اسمرنا کے لوگ تھے جو سنہ ۱۹۱۹ء مین یونانیون کے خلاف جنگ کے واسطے ہتھیار اٹھاکر جان دینے اور اپنے ملک کو بچانے کے واسطے سب سے پہلے تیار ہوئے تھے اور آلومن ترکون پر اُن کے مظالم کے خلاف جد و جہد کرتے تھے - ان کو وہان زیبک یا الففی کہا جاتا تھا - یہ وہان کے پہاڑون کے رہنے والے تھے جن کو تواریخون مین ہائی لینڈر (Highlander) کہا جاتا ہے - اب گویا سنہ ۱۹۲۰ء مین قسطنطنیہ کی سلطانی حکومت کا تو خاتمہ ہی ایک طرح پر ہو گیا تھا مگر مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان ہی نے درصل یونانیون کو ترکی سے مقابلہ کرنے اور ان کی اصلی حکومت پر حملہ کرنے کی ہمت بندھا رکھی تھی جسکے معنی یہ تھے کہ صلحنامہ سیوآریز کو وہ ترکون سے منوانا چاہتے تھے - مگر طرہ یہ تھا کہ انگریز اسوقت یونان کی کوئی مدد بھی نہین کر سکتے تھے اور نہ اُنھون نے مدد کی تھی - ہان صرف حکمت عملیون سے سب کو راضی رکھ رہے تھے - اور بالآخر برطانیہ عظمیٰ اور ترکی مین مصالحت ہی ہو گئی -

اسی جنگ کے زمانہ مین کمال نے ہالیدے ادیب بانوم کو جو قونیہ مین تھین تار دیکر طلب کیا تھا کیونکہ اُن کو ایسے وقت مین وہ اپنے ہی پاس دیکھنے مین ایک مبارک فال سمجھتے تھے اور واقعی اس سے قبل بھی جب وہ کامیاب ہوئے تھے تو وہ اُن کے ہمراہ تھین - درصل کمال پاشا کو ایسے توہمات اور نیک و بد فال کا اکثر خیال رہتا تھا گو کسی قسم کی مذہبی عقیدت وغیرہ کا تو اُن کے یہان وجود بھی نہ تھا -

اسمرنا مین داخلے کے تیسرے ہی دن ایک خاتون نے کمال سے ملاقات کرنے کے لئے اُن کے اردلی سے خواہش کی اور قبل اسکے کہ وہ جواب لائے وہ خاتون کمال پاشا کے دفتر مین اُن کے سامنے جا موجود ہوئین یہ لطیفہ بانوم تھین - اُنھون نے پہونچتے ہی کمال کو اپنے مکان مین قیام کی دعوت دی جس کو کہ کمال نے بخوشی منظور کر لیا اور فوراً وہین اُٹھ گیا - لطیفہ کا مکان اسمرنا مین بورنوود (Bornova) پہاڑی پر تھا جہان بجز خاموشی کے اور کچھ بھی نہ تھا - اور لطیفہ اُسی زمانہ مین پیرس سے تعلیم حاصل کرکے گھر آئی تھی اُس کا باپ جہازون کا ایک مشہور مالک تھا لطیفہ نے کمال کی ہر طرح پر اور بڑی عمدگی سے مہمان نوازی کی - کمال کو بھی اُس کی خوش گفتگو اور صحبت سے بہت لطف آیا - یہان تک کہ دو ہی دن مین کمال پاشا لطیفہ پر لٹو ہو گئے اور واقعی

وہ ہر طرح محبت اور عزت کے قابل بھی تھی حُسن صورت اور سیرت دونون ہی اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا کئے تھے علم و فضل۔ متانت وحیا عقل کے ساتھ بچپن اور نزاکت نے تو اور بھی غضب ڈھا رکھا تھا اور کمال پاشا گو اپنے کو اب بوڑھا سمجھنے لگے تھے بلکہ زندگی کے نشیب و فراز و تکلیفات نے ہر طرح سے صورت اور مزاج کو خراب ہی کر رکھا تھا تاہم لطیفہ کی خاطر اور میل نے اُسے پھر جوان مزاج کر دیا۔ شراب تک سے اس کی صحبت مین محترز ہو گئے۔ اور گویا زبان حال سے یہ کہنے لگے قطعہ۔

تمھین سے ہوئی مجکو الفت کچھ ایسی — نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی
گرے میری نظرون سے خوبانِ عالم — پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

لطیفہ کی طرف سے محبت کا جواب بھی خاطر خواہ ملنے لگا اور وہ علانیہ کمال کی دلدادہ بن گئی۔ کمال تو اُس کے ملک کا بچانیوالا اور قوم کا مانا ہوا ہیرو ہی تھا اسلئے اُس نے کمال کو اور سب طرح پر تو آزادی دے رکھی تھی مگر وہ سب بھی ایک خاص حد تک اور بس حقیقتاً کمال پاشا کو تو کسی دنیاوی اخلاق یا دینی تاکید کی پرواہ ہی نہ تھی ایسی مخدرات عالیہ کی عصمت ہی کا خیال تھا۔ نہ کبھی عشق و عاشقی کے کوچے سے وہ ہو کر نکلے تھے۔ گناہ و ثواب تو اُن کے یہان کوئی معنی ہی نہ تھے بلکہ بُری سی بُری صحبت مین زندگی بسر کر کے اپنی صحت تک کو ہر طرح خراب برباد کر چکے تھے۔ نیز مستورات عالم تو اُن کے خیال مین اسی واسطے خلق ہوئی تھین کہ اُن سے لطف زندگی اُٹھایا جاوے اور جسطرح چاہین مرد اُنھین استعمال کرین۔ اپنا کام نکال کر اُن کو دھتا بتانا اُن کی رائے مین کچھ بھی معیوب نہ تھا وہ روپے پیسے سے خاموش کی جاسکتی تھین مگر یہان تو اب اُن کو طور ہی نرالا نظر آیا۔ ایک یورپ کی نوجوان تعلیم یافتہ با عصمت خاتون عطر و خوشبو سے ہر وقت معطر۔ اخلاق حمیدہ سے معمور۔ بات چیت۔ پوشاک سلیقہ اور ہنرمندی بلکہ ہر ادا مین حد درجہ کی تمیز علم و فضل کی گفتگو مین کسی سے کم نہین خود کمال پاشا سے ہر طرح پر ٹکر لینے والی آزاد خیال اور صاحب منش بلکہ اچھے خاندان کی خوبصورت حیادار اور دولتمند خاتون جو بطور ایک مخلص و ہم راز دوست کے نہ صرف شریک زندگی ہونے بلکہ ہر طرح شوہر کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار نظر آئی۔

ابتو کمال پاشا کے دل مین بھی پہلی بار محبت کیا عشق کا تیر گویا پار ہو چکا تھا وہ کریا تو کیا مجبور ہو گیا۔ اسی درمیان مین فقری کے آنے کی خبر معلوم ہوئی جن نے کہ اپنی وفاداری۔ ایثار اور قربانی سے ایک مرتبہ کیا بلکہ مدتون کمال کی ہر طرح خدمت۔ خاطر اور تیمار داری کی تھی اور کمال کو اُس کے آنے پر سخت بےچینی ہو گئی گویا اُس کے بنے بنائے کھیل مین خلل پڑ جانے کا اندیشہ ہو گیا کیونکہ کچھ ایسی ہی بات تھی کہ جس کو وہ زبان سے نہ کہہ سکتے تھے۔ بس

غصہ آ ہی چلا تھا کہ لڑکی کی محبت اور وفاداری کا اثر دل پر ہو گیا۔ اور غصہ جاتا رہا۔ بس اپنے عقیدے کے مطابق نقدی معاوضہ دیکر اُسے رخصت اور خاموش کر دیا اور وہ واپس چلی گئی۔

ایک شب میں جب کمال اور لطیفہ برآمدے میں بیٹھے تھے اور عیسائیوں کے مکانوں میں جہاں کہ ترک ٹھہرے ہوئے تھے اور جنہیں عیسائیوں نے گولہ اور بارود محض اسی خیال سے جمع کر رکھا تھا کہ ترکوں کے آجانے پر ان میں آگ لگا کر ترکوں کو ہلاک کر سکیں گے اور آگ بھی لگا چکے تھے۔ جس کی روشنی میں ساحل بحر تک کے دول یورپ کے جنگی جہازات نظر آ رہے تھے اور مُردوں کی لاشیں تک سمندر میں بہتی دکھلائی دیتی تھیں جس سے کہ ہر انسان کا قلب متأثر ہو جاتا اور اس ظلم کے منظر سے خوف خدا ہو کر دل دہل جاتا۔ اُسی وقت کمال نے لطیفہ پر دست درازی کرنی چاہی مگر اُس نیک اور پاک باز لڑکی نے اپنے کو علیحدہ کر کے کہا کہ "کیا آپ نہیں سمجھتے کہ مجھے آپ سے محبت ہے مگر میں آپ کی آشنا نہیں ہو سکتی۔ آپ نکاح کر لیجئے میں آپ کی ہوں" کمال نے اسپر جواب میں کہا کہ "نکاح کیا ہے چند خالی خولی الفاظ ہیں جو ایک کثیف داڑھی والے مولوی کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اُن سے کیا بڑا فرق ہو جاتا ہے علاوہ ازیں میں نے قسم کھائی ہے کہ شادی اُسوقت تک نہ کروں گا جبتک کہ ٹرکی کے لئے میرا کام نہ ختم ہو لیگا مجکو تمھاری ضرورت ہے اور وہ ضرورت بھی اسی وقت ہے" لطیفہ نے جواب دیا کہ "میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ بغیر نکاح کے راضی نہ ہوں گی میری بھی یہ شرط ہے۔ اور جس طرح آپ کی قسم ہے ویسی ہی میری" کمال اُسی وقت پیچ و تاب میں اُٹھکر باہر چلا گیا اور صبح کو اسکا کمرہ خالی تھا۔ اور اب وہ فوج میں تھا۔[۱]

لطیفہ بانوم زخم خوردہ ہو کر قانون اور فرانسیسی ادب کے پڑھنے نیز مجروحین و مفرورین کی امداد میں مشغول ہو گئی اور کمال باستثنائے جنگ کے اُن سنگین واقعات کے سبب جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کبھی بروسا اور کبھی انگورہ کی
۱۴ دوڑ لگانے یا دل کے غم کو غلط کرنے کیلئے مشغلۂ نوشی میں پڑ جاتے۔ مگر لطیفہ کا خیال اب پورے طور پر کمال کو ستانے لگا اور اُٹھتے بیٹھتے ستانے لگا تھا کہ جنگ کے خاتمہ پر ایک دن انگورہ سے موٹر پر بیٹھ کر زناٹے بھرتا ہوا ایک دم بلا کسی سے کچھ کہے اسمرنا میں داخل ہو گیا اور بورنوود پہونچکر لطیفہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا کہ "اب بلا تاخیر و تامل وہ نکاح کر لیگا۔ نہ کسی کو بلایا جائے اور نہ کوئی رسم ہو گی" لطیفہ اسپر بالکل حیران و ششدر رہ گئی کیونکہ نہ سلام تھا نہ پیام تھا نہ کچھ بھی یکبارگی یہ گفتگو چہ معنی دارد۔ تاہم اُس نے چند گھنٹوں کی مہلت چاہی۔ اُسے

---

[۱] دیکھو صفحات (۲۰۳-۲۰۴) کتاب گریز وولف از ایچ۔ سی۔ آرم اسٹرانگ۔ مصطفی کمال ۱۹۳۲ء۔

بیشک کمال نے منظور کر لیا مگر پھر بھی تھوڑی دیر کے بعد اُس نے لطیفہ کا ہاتھ پکڑا اور باہر سڑک پر آ کر ایک چلتے داڑھی والے مولوی کو جو مسجد جا رہا تھا پکڑ لیا۔ اور کہا کہ وہیں اُسی دم دونوں کا نکاح پڑھ دے۔ چنانچہ مولوی نے تعمیل حکم کر دی اور دونوں اسمرنا کے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گئے اور گھومتے رہے کسی کو بھی نکاح کی اطلاع نہ ہوئی۔ تا وقتیکہ وہ فوج کے معائنہ کے واسطے نہ گیا اور لطیفہ کو شاہی گاڑی میں بطور اپنی بیوی کے بٹھلا کر نہ لے گیا اور تب ہی لوگوں نے جانا۔ کمال نے اسمرنا وغیرہ کی فتح کے بعد حکومت یا بادشاہی کے خیال تک کو اپنے دماغ میں گذر نہ ہونے دیا تھا حالانکہ تمام عالم سے مبارکباد یں آ رہی تھیں اور اسلامی دنیا نیز تمام ایشیائی اقوام کو یہ خیال بندھ گیا تھا کہ وہ گورے رنگ کے عیسائیوں سے تمام مشرقی دنیا کو ضرور نجات دلا دیگا چنانچہ ایک موقع پر اُن کی تقریر یہ ہوئی تھی "نہ کوئی ظالم ہے نہ کوئی مظلوم وہی مظلوم ہیں جو اپنے کو مظلوم بنانے کی ظالم کو اجازت دیں۔ ترک اُن میں نہیں ہیں وہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ دوسرے بھی وہی کریں۔"[۵۱]

ایک بار ہالدے ادیب نے کمال پاشا سے کہا کہ صلح کے بعد آپ اب آرام کر لیجئے۔ آپ نے بڑی مصیبت جھیلی ہے۔ کمال نے جواب دیا کہ آرام۔ کیسا آرام۔ یونانیوں سے لڑنے کے بعد ہم آپس میں لڑینگے اور ایک دوسرے کو کھا جائیں گے۔[۵۲]

سلطان وحید الدین کے تخت سے اُتارے جانے کا ذکر او پر ہو چکا ہے مگر پھر بھی کچھ مختصراً زائد بیان کی حاجت ہے۔ انگریزوں اور یونانیوں سے مل کر انھوں نے قوم سے غداری کی تھی اور ہر ترک اُن کو قوم فروش اور ترکوں کا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ انگریزوں نے انھیں سے خواہش کی تھی کہ لوزان کی کانفرنس میں حکومت قسطنطنیہ کی طرف سے وہ بھی کوئی نمائندہ بھیجیں اور انگورہ کی قومی مجلس سے بھی بھیجنے کی وہی خواہش کریں چنانچہ یہ خبر ملک بھر میں بجلی کی طرح کوندھ گئی تھی اور اُن سے نیز اُن کی حکومت سے قوم بھر اس قدر ناراض ہو گئی تھی کہ اُن کے سپاہی اُن کے وزراء اور کوئی بھی جو اُن سے وابستہ تھا عوام کے سامنے تک نہ آ سکتا تھا اور جو آیا پٹ گیا۔ نیز حکومت انگورہ یا قومی مجلس نے جیسے ہی کہ الفاظ "حکومت قسطنطنیہ" کو سنا تھا تو تمام نمائندے آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ اور ہر ڈپٹی یہ دریافت کرنے لگا تھا کہ یہ کونسی حکومت ہے وہ سب تو صرف ایک ہی قومی مجلس اعلیٰ انگورہ کو اب جانتے تھے اور توفیق پاشا صدر اعظم کو حکومت انگورہ کو طلب کرنے کا کیا حق تھا۔

---

۵۱ دیکھو صفحہ (۲۱۹) کتاب آیم اسٹرانگ مذکور۔
۵۲ دیکھو صفحہ (۲۲۰) کتاب آیم اسٹرانگ مذکور۔

قسطنطنیہ کی ناجائز حکومت نے کس طرح ملک کو بچایا تھا" وغیرہ وغیرہ۔ کمال نے بھی اسی وقت مجلس میں یہ تجویز پیش کر دی تھی کہ "سلطانیت کو ختم کیا جاوے اور خلافت کو بھی اس سے جدا کیا جاوے اور وحید الدین کا اخراج ہو" مگر اسمبلی نے اس تجویز کو مخصوص قانونی کمیٹی میں بھیجنا تجویز کیا تھا جو دوسرے ہی دن بیٹھ گئی تھی اور وہاں قانون و قرآن پاک اور احادیث سب ہی پیش ہو کر بحث و مباحثے ہونے لگے تھے۔ ممبروں نے سخت سے سخت لفظی و معنوی دلائل و براہین پیش کئے۔ کمال پاشا بھی اس کمیٹی میں اپنی فوجی پوشاک پہنے ہوئے ایک کونے میں خاموش بیٹھے ہوئے سب کچھ سنا کئے۔ یہاں تک کہ بالآخر ایک شخص بھی ان کی تجویز کے موافق نہ نظر آیا تب تو کمال سے نہ رہا گیا اور وہ کود کر ایک بنچ پر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ "حضرات! آلِ عثمان سلطان نے قومی سلطنت کو بذریعہ قوم سے حاصل کیا تھا۔ اب قوم نے بھی بزور اس سے واپس لے لیا۔ خلافت کو سلطانیت سے ضرور جدا کرنا پڑے گا اور اسے ختم بھی ہونا پڑیگا۔ آپ موافق ہوں یا مخالف بہر حال یہ تو ہو کر رہیگا۔ صرف آپ میں کے چند سر اس کارروائی میں صاف ہو جائیں گے"۔ بس صدر جلسہ نے جو ایک عالم تھا کہا کہ "حضرات! غازی نے ہمارے سامنے ایک دوسرے نقطۂ نظر سے مسئلہ کو صاف کر دیا" اور کمیٹی نے بھی کمال کی پوری تجویز کے مطابق اعلیٰ مجلس قومی کو رپورٹ کر دی تاکہ اسی کے مطابق قانون نافذ ہو۔ جب اسمبلی میں یہ معاملہ پہنچا تو وہاں بھی صدر نے کمال کی طرف دیکھ کر رائے طلب کی تو کمال کے ساتھیوں نے چلّا کر کہا کہ "سب کو بالاتفاق منظور ہے"۔ ویسے ہی صدر صاحب نے کہہ دیا کہ "تجویز بالاتفاق طے ہو گئی"۔ اسی کے پانچ دن کے اندر رفعت پاشا نے قسطنطنیہ میں حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور سلطانی حکومت کا خاتمہ کر کے سلطانیت کو ختم کرا دیا تھا۔ سلطان وحید الدین نے انگریزوں ہی کی مدد چاہی تھی اور اپنی جان کو خطرے میں ہونا ظاہر کیا تھا چنانچہ دو دن کے بعد ایک انگریزی "ایمبولنس کار" محل کے پشت کے دروازے پر آئی تھی اور سلطان مع اپنے لڑکوں وغیرہ و کچھ اسباب کے باہر آ کر اس میں بیٹھ گئے تھے۔ اور سمندر میں ایک موٹر بوٹ پر سوار ہو کر انگریزی جنگی جہاز پر پہنچ گئے تھے جو ایک گھنٹہ میں آخری سلطان کو لیکر ہمیشہ کیلئے ۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء کو ترکی سلطنت کو خیرباد کہہ گیا تھا۔ اسی دن وحید الدین کے بجائے عبدالمجید کو صرف خلیفۃ المسلمین ہی بنا دیا گیا تھا۔ اب گویا سلطانیت تو ختم ہو چکی تھی اور صرف خلافت رہ گئی تھی اور عبدالمجید صرف خلیفۃ المسلمین ہی بنائے گئے تھے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ کمال پاشا نے سلطان وحید الدین کے تخت سے اتارنے کیواسطے ڈپلیٹیوں کے ساتھ انگورہ میں کیا تھا اور جس طرح مجلس کو مجبور کیا تھا اس سے ہر طرح پر نفرت عام طور پر ہونے لگی تھی اور لوگ

مشکوک بھی ہونے لگے تھے اور درصل تو اب بھی سلطان کے بجائے کمال پاشا کو کوئی دیکھنا نہیں چاہتا تھا اسلئے مجبوراً کمال بھی اُن مقامی کمیٹیون کو جن کو کہ اس نے ۱۹۱۹ء مین قائم کرایا تھا مضبوط اور مستقل کرنے پر تل گیا تھا اور ملک کے دورے کرنے کیلئے نکل کھڑا ہوا تھا مگر جہان کہین بھی وہ پہونچا لوگ اُسکا گرمجوشی سے استقبال کرتے تھے اور اس کو ملک و قوم کا نجات دہندہ بھی بتلاتے تھے۔ کمیٹیون کا اقتدار بھی اس کارروائی سے ہر جگہ قائم اور مستحکم ہوتا گیا تھا۔ لوگ بھی کمال کے سامنے اپنے خیالات رائین اور معروضات آزادی سے بیان کرتے تھے جس کے جواب مین وہ یہ صلاح دیتے کہ " اپنی ترتیب کو خوب مضبوط کر لو۔ بیرونی دشمن تو خارج ہوا مگر ملک مین نمکحرام موجود تھے جنگ ابھی ختم نہین ہوئی ہے۔ سب اپنی کمیٹیون کی توسیع کرو میرے ساتھ رہو اور حکم مانو..... بس آخر مین تم ہی ملکی پارٹی ہوسگے اور تمھاری ہی حکومت ٹرکی مین ہوگی "

جب کمال پاشا نے دورہ کرکے اپنے منصوبہ کی تکمیل کرلی تھی تو پھر انگورہ واپس آگئے تھے اور اسی دورہ کے بعد لازان کانفرنس مین عصمت پاشا کو ترکی حکومت کا نمایندہ بنا کر بھیجا تھا اُن کی کامیابی سے واپسی پر کمال پاشا نے آپکی شہر حاکران کا خیر مقدم کیا تھا اور دونون ساتھ ہی واپس ہوئے تھے عصمت پاشا کی عدم موجودگی مین رؤف بے اپنے کو وزیر اعظم سمجھنے لگے تھے نیز رؤف بے کی مرضی کے خلاف عصمت پاشا لازان بھیجے گئے تھے۔ لہذا کمال سے اور رؤف سے اختلاف ہو گیا تھا اسپر رؤف بے اسمبلی مین مخالف پارٹی کے لیڈر بنے اور بجز عصمت اور فیفوزی کے سب نے کمال کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تب اسمبلی کو کمال نے برخواست کر دیا تھا اور جدید انتخاب کا حکم دیدیا تھا جب دوسری اسمبلی آئی تو اُس نے بھی کمال کا ساتھ نہین دیا۔ تو کمال نے ایک شب کے کھانے پر وزراء کو جمع کرکے کہا کہ " آئندہ سے ڈپٹیون کو یہ اختیار نہ دینا چاہیئے کہ وزراء پر اعتراض کرسکین نہ اُن کے کامون مین مداخلت کا حق ہی اُن کو رہے " بس اس تجویز سے خوشی خوشی سب وزراء متفق ہوگئے اور دوسرے دن کمال کے مشورے سے سب وزراء نے استعفا دیدیا۔ اور کمال نے اسمبلی سے دوسری وزارت بنانے کی خواہش کردی موجودہ وزراء مین سے کسی نے بھی جب وزارت قبول نہین کی تو اسمبلی مین کئی دن تک جھگڑے رہے اور کچھ طے نہ ہوسکا۔ بالآخر اسمبلی نے کمال پاشا ہی کو خود وزارت کے انتخاب کا اختیار دیدیا۔ درصل تو کمال کی سیاست دانی کا یہ پورا کھیل تھا۔ اور اس سے سب پر یہ ظاہر ہوگیا کہ کمال سے اختلاف کرنا مصلحت وقت اور قرین عقل نہ تھا۔ اسی وقت کمال نے اسمبلی سے یہ وعدہ بھی لیلیا تھا کہ جو بھی فیصلہ وہ کریگا اُس کو سب منظور کرلین گے اس کارروائی مین خود ایک لمحہ چین لیا اور نہ دوسرون کو چین لینے دیا۔ آخر مین ممبر پر چڑھ کر ایک خطبہ دیا جسمین

وزارت کی مشکلات بیان کرکے موجودہ اساس حکومت کے تبدیل کرنے اور حکومت کو بجائے جمہوریت کے دستوریت (Republic) کر دینے کی طرف بھی سب کو راضی کرلیا۔ اور جبکہ صدر کلیتاً بااختیار ہوتا چنانچہ ایک بل بھی جو عصمت اور کمال نے تیار کر رکھا تھا اُسی وقت مجلس میں پیش کرکے دستوریت کیواسطے پاس کرالیا اور وہی آئندہ کے واسطے حکومت ترکیہ کا قانون اساسی قرار پا گیا۔ نیز ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو انگورہ کو مستقل دار السلطنت قرار دلوایا۔ اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو دستوری حکومت ہونے کا اعلان ہوا۔

۶ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو بیرونی افواج نے قسطنطنیہ کو خالی بھی کر دیا تھا اور ملک بھر کو تو خود ایسی اپنی حکومت جو اپنے ہی واسطے ہو اور جسپر وہ خود حکمران ہوں اسکی تمنا اور آرزو بندھ چکی تھی مگر ظاہر تھا کہ ترکی عوام ابھی تک ایسے تعلیم یافتہ نہ تھے جیسے امریکہ یا یورپ کی دیگر دستوری یا جمہوری سلطنتوں کے عوام تھے۔ لہذا کہا جانے لگا کہ یہ دستوریت تو چند فوجی افسروں کی ایجاد تھی۔ تب ترکی سے اس ترتیبی نوعیت کی حکومت یا ارتقا کی اُمید کرنا جو فرانس یا امریکہ وغیرہ میں ظاہر ہو چکی تھی غلطی ہوگی ہاں یہ ممکن تھا کہ ارتقائی طریقہ پر جو آزادی یا اساس حاصل کیا جاتا ہے وہ اس سے بہتر اور پائدار ہوتا جو کشت و خون اور غدر سے زبردستی بنا لیا جاتا ہے۔ اسکا جواب یہ دیا گیا تھا کہ ترکی میں مدتوں سے کچھ کچھ رفتہ رفتہ ارتقائی صورتیں بھی پیدا ہوتی رہی تھیں مثلاً نوجوان ترکوں کے اصلاحات۔ پھر اتحاد و ترقی کے زمانہ کے اصلاحات بلکہ خود سلاطین کا جمہوریت کی اجازت دینا نیز بیرونی معاہدات وغیرہ کی تنسیخ یا غیر مسلم اقلیت کی حقوق شناسی۔ اسکے بعد سلطانیت کا اختتام وغیرہ۔ تب اگر ان سب باتوں کا لحاظ کیا جائے تو ایک قسم کی ارتقائی کیفیت بھی مانی جاسکتی تھی۔ اب یہ خیال کہ موجودہ طریقہ پر حاصل کی ہوئی دستوریت کتنے دنوں چلیگی اور آیا استبدادیت کس وقت اس سے دور ہوگی یہ سب وقت اور زمانہ کے ہاتھ میں ہے لیکن اُسی زمانہ میں ترکوں نے شیخ الاسلام کا عہدہ بھی توڑ دیا تھا اور جو فرائض کہ اُن کے تھے وہ سب وزارت انصاف کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ اوقاف و مدارس وغیرہ بھی سب اُسی سے متعلق ہوگئے تھے جو تمام واقعات ترتیبی نوعیت حکومت کیلئے عام طور پر کافی مان ہی لئے گئے تھے بلا رائے باعث قوم نے دستوریت کے اعلان کو تسلیم کرلیا تھا۔

فی الحقیقت تو اب ترکی کی عام رعایا کو اسمبلی کی بک بک اور قسطنطنیہ کے جھگڑوں سے کوئی بھی واسطہ نہ تھا وہ تو روٹی کے بھوکے کپڑوں کے محتاج اور جنگوں نیز باہر والوں کی لوٹ مار سے بیزار ہو چکے تھے۔ عام رعایا اور کاشتکار کو اپنے گھروں کھیتوں اور بال بچوں کی عافیت مقصود تھی اور حکومت کے طرح طرح کے مظالم سے نجات اُن کی آرزو تھی۔ فوج تنگ لڑنے سے عاجز آ گئی تھی۔ ملک تو ہر طرح برباد ہی ہو چکا تھا اور سپاہی کو تنخواہ سے بحث

تھی چاہے کمال صدر ہوتے یا سلطان تخت نشین۔ اخبارات کو اب حکومت کی طرف سے تاکید کر دی گئی تھی کہ دستوری حکومت کے خلاف وہ کچھ بھی نہ لکھیں بلکہ اسکو ملک سے منوانا ہی اُن کا فرض تھا۔ نیز قومی پارٹی خود بھی اب ہر جگہ با اختیار ہو کر کام کرنے لگی تھی۔ "غازی" اور "صدر یا پریسیڈنٹ" کے الفاظ کی بھی دھوم مچ گئی۔ عوام نے تو سڑکوں پر نعرہ ہائے خوشی بلند کئے اور جیسے کہ نئے سلطان کے واسطے سلامی ہوتی تھی ویسے ہی ایک سو ایک توپ کی سلامی ہوئی کمال پاشا نے اب اپنی پوری توجہ مذہب کی جا و بیجا سیاست میں مداخلت اور مذہبی نعروں کے غلط استعمال کی طرف مبذول کی کیونکہ اُن کے خیال میں مذہب کے معاملات اور خیالات کو سیاست ملکی میں غالب رکھکر اور مذہبی مراسم و طریقوں سے یورپ کی قوموں سے متصل اور مقابل ہو کر زمانہ حال میں اُن کی قوم کی ترقی ناممکن تھی۔ جاپان کی تقلید ان کے واسطے صحیح نہ تھی۔ جاپانیوں کے مذہبی عقائد اسلامی عقائد سے بالکل ہی مختلف تھے۔ اُن کے یہاں حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کے خیالات کا وجود ہی نہیں ہے۔ خودکشی ہی اُن کا مذہبی فرض ہے۔ جو اسلام میں حرام ہے۔ نہ وہ قوم یورپ ہی سے اتنی قریب تھی جتنے کہ ترک۔ نہ اُس کے تعلقات ہی یورپ سے اتنے دیرینہ تھے جیسے کہ ترکی کے۔ یورپ اور ترک دونوں کو ایک دوسرے سے میل کی ضرورت تھی اور ترک تو کسی طرح بھی پکے ایشیائی بنکر صدیوں سے طرز و ماندہ بود و باش و عادات کو خیرباد نہیں کہہ سکتے تھے۔ نیز اب بھی ان کے دلوں میں اپنی گئی گذری شان و حکومت کو واپس لینے کا ولولہ موجود تھا۔ پھر وہ مٹیں داستوں میں رہ کر دوسروں کی تقلید کس طرح کرتے۔ اس لیے اُن کے واسطے اپنے حالات کے مطابق اپنا دستور اپنا قانون اپنا رویہ اور اپنی خاص قومی تشکیل ضروری تھی۔

ملک میں اسی زمانہ میں یہ خبر بھی گشت کرنے لگی کہ مصطفےٰ کمال خلیفہ کو بھی نکالنے والے تھے بلکہ اسلام کو بھی مٹا دینگے چنانچہ درویشوں۔ ہوجوں۔ اور ملاؤں نے ہر جگہ کمال کے مذہبی خیالات اور مستورات کی بے پردگی اُن کے ناچ و رنگ لیوں میں شرکت وغیرہ پر اعتراضات کے علانیہ پل ہی باندھ دئیے۔ اُن کے مخالفین اور بیرونی سلطنتوں نے بھی خوب ہی اس طرح کے پروپگینڈا میں جی کھول کر اور روپیہ صرف کر کے شرکت کی۔ خلیفہ عبدالمجید کے دربار میں بھی ایسے ہی لوگوں کا مجمع زائد ہونے لگا جو کمال کے مخالف تھے اُن کو بھی تو سلاطین کی طرح سلیم لیک قسطنطنیہ میں کرایا گیا اور واپسی پر کمال کے مخالفین اُن کے یہاں جمع بھی ہوئے۔ رؤف بے رؤف اورنان اور کیا ظم کارابکیر نے عبدالمجید کو پھر سلطان ہی بنا دینے کی سازش کی اور شخصی حکومت کے قائم کرا دینے کا گویا پھر ڈھچر ڈالدیا۔

جب کمال پاشا کو اسکا علم ہو گیا کہ اُس کے ساتھی تک اُس سے خلاف ہو گئے تو وہ گونہ پریشان ضرور ہوا۔ مگر قسمت نے پھر یاوری کی کہ اتفاق سے ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خان بالقابہ اور مسٹر امیر علی مرحوم کی طرف سے انگلستان میں بیٹھکر خلافت اسلامی کو برقرار رکھنے کے متعلق مسلمانان ہندوستان کی نیابت میں ایک اپیل شائع ہو گئی جو احتجاج بھی متصور ہو سکتا تھا۔ اور وہ تحریر قسطنطنیہ کے اخباروں میں شائع ہو گئی۔ تب کمال پاشا نے دونوں بزرگوں کو انگریزوں کا آدمی کہکر قوم کو یہ دکھلایا کہ ہندی مسلمانوں کی طرف سے احتجاج کرا کے انگریز قوم ترکوں کو آپس ہی میں لڑانا چاہتی تھی اور دونوں بزرگوں کو جو سنی المذہب نہ تھے خلافت کے مسئلہ سے بے تعلق رہنے کی دلیل بھی پیش کی بلکہ مجلس قومی میں ان تمام معاملات کو پیش کر دیا۔ جسکے باعث وہاں برہمی بھی پھیل گئی اور یہ تجویز پاس کر دی گئی کہ دستوریت کے خلاف جو بھی ہمدردتک پایا جائے وہ باغی قرار پائے اور جسکی سزا صرف موت ہو گی پھر جن اخبارات نے وہ مضامین شائع کیے تھے انھیں سزائیں بھی دی گئیں۔ اور قوم بھر کا ملاؤں وغیرہ نیز خلیفہ تک سے ناراضگی کا اظہار کرایا گیا۔ گویا مصطفےٰ کمال کی پھر جیت ہوئی۔ اسی کے بعد یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو دستوری حکومت ترکیہ کے صدر نے جبکہ قومی اعلیٰ مجلس کے پانچویں سالانہ جلسے کا افتتاح کیا گیا تو اپنی تقریر میں اسکا اعلان کر دیا کہ "خلافت کی بھی اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔ خلیفہ کے اختیارات اور فرائض بھی سب سلب کر لئے جا دیں اور اسکا بھی اخراج ہونا ضروری تھا" چنانچہ بالاتفاق قومی مجلس نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور عبد المجید آفندی کو خلافت سے بھی برطرف کر دیا گیا اور گورنر استنبول کو ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو حکم بھیجدیا گیا کہ "خلیفہ صاحب کے لیے جو کچھ بھی تزک احتشام ہوتا ہے اور جوجمع وغیرہ اُن کے یہاں ہوا کرتا ہے سب ایکدم سے موقوف کیا جاوے۔ روما کی طرح قسطنطنیہ میں کوئی پایائے اعظم نہیں رہ سکتا جو کہ حکومت انگورہ کا حریف مقابل ہو" اور اسی کی بابت اسمبلی میں ایک بل بھی پیش کر دیا گیا تھا چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلیفہ عبد المجید مع اپنے تمام سامان و بال بچوں کے ملک سے باہر ہو کر سوئٹزرلینڈ کو روانہ ہو گئے اور اسی کے دو دن بعد تقریباً تمام خاندان شاہی بھی سرحد سے باہر کرا دیا گیا اور وہ سب یورپ کی طرف چلے گئے۔ یہ خلیفہ عبد المجید سلطان عبد العزیز مرحوم کے صاحبزادے تھے۔

۳ مارچ ۱۹۲۴ء کے تار نے جس سے کہ دنیا کو یہ خبر ملی کہ خلیفہ اسلام کو چند ہی گھنٹہ کی مہلت دیکر ملک سے باہر کرنے کا حکم ترکوں کی قومی مجلس نے دیدیا بکل دنیائے اسلام میں ایک ہیجان ضرور پیدا کر دیا تھا۔ بعض نے تو یہ کہکر کہ "امور مملکت خویش خسروان دانند" خاموشی اختیار کی اور بعض نے یہ بھی سمجھا کہ مصطفےٰ کمال

کا دماغ خراب ہوگیا اور یہ رائے زنی کی کہ نہ صرف دنیائے اسلام میں سخت تہلکہ پڑ جائے گا بلکہ بغاوتیں کر کے خلافت کے قیام کیلئے مسلمان ہر طرح کی قربانی کریں گے۔ یورپ نے بھی عام طور پر خلافت کے قیام کے واسطے ٹرکی کے آئندہ کو بالکل ہی تاریک جان لیا۔ بلکہ اسکو ہی کو اسکا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مگر سمجھدار مسلم دنیا نے صبر سے کام لیا اور واقعات کے معلوم ہونے پہ دم بخود رہ گئے۔ معزول سلطان اور خلیفہ دونوں ہی در اصل اتحادیوں کے ہاتھ میں آلہ کار بنکر قوم کے خلاف محض اپنی ذاتی شان اور مرتبے کے بچانے کیواسطے محل شاہی میں چھپے بیٹھے تھے اور ملک و قوم پر دوسرے قابض و حاکم ہوگئے تھے۔ اب یہ کہ اس علم کے بعد بھی ترک قوم اُن کی عظمت کرتی ذرا قابل غور رہی۔

در اصل تو ترک اپنے آخری سلطان محمد سادس کے بابت عام طور پر یہ رائے رکھتے تھے کہ اُن میں ملک کی عام رائے کے ساتھ چلنے کی قابلیت تھی اور وہ ایک وسیع الخیال انسان تھے بلکہ کمال کے ساتھ مغرب کا سفر کر کے حالات سے واقف ہو چکے تھے۔ اُن سے قوم کو یہ توقع نہ تھی کہ وہ منحرف ہو کر دول غیر کے ہاتھ میں کھلونا بن جائیں گے۔ غرضکہ صرف مغربی اناطولیہ میں کچھ دردیشوں میں شورش اور بغاوت کے بعد سب طرف خاموشی ہی ہوگئی۔

اصل تو یہ تھی کہ ایک صدی سے زائد ہو چکا تھا کہ عیسائی دول یورپ کی ہر قسم کی ریشہ دوانیوں اور سیاسی چالوں کی کل سلطنت شکار بن گئی تھی۔ کوئی حصۂ ملک اور کوئی محکمۂ حکومت خرابی اور نقص سے خالی نہ رہا تھا۔ اور ہر جگہ عیسائیوں اور یہودیوں کا ہاتھ دکھائی پڑتا تھا۔ اور بقول مولوی شبلی مرحوم شعر

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جان کبتک

دنیا اسی کی منتظر تھی۔ بس شکر ہے کہ یورپ نے ترکوں کی نامردی سے اُن کو ختم نہیں کرایا اور قوم نے خود ہی اپنے کو بچا لیا۔ ورنہ وہ بھی طوق غلامی پہنکر دوسرے مسلمانوں کی طرح رہ جاتے جس سے نہ ملک کا صرف خون ہی چوسا جاتا بلکہ مذہب بھی برائے نام باقی رہتا۔

حقیقتاً تو جس طرح انقلاب روس ۱۹۱۷ء ہوا جسمیں کہ لینن (Lenin) کا بہت بڑا حصہ تھا اسی طرح کا یہ انقلاب ٹرکی بھی تھا یعنی ہر قسم کی معاشرتی اور اقتصادی تعمیر مقصود تھی لیکن ٹرکی میں ابھی تک چونکہ بہت کچھ قوانین کیا حکومت کے اور کیا انصاف کے اور کیا ترکہ اور کیا صنعت و تجارت کے سب میں ساتویں صدی عیسوی کے

مذہبی پہلو ہی سب طرح نمایاں تھے۔ اسلئے یہاں کی سیاسی تعمیر کا پہلو ہی دوسرا ہو گیا۔ روس میں تو پوپ کا حکم بھی کچھ کچھ تھا مگر ٹرکی میں تو خلیفہ اور سلطان کے فرائض ایک ہی شخص کے ہاتھ میں تھے۔ اور وہی دینی و دنیاوی پیشوا تھا۔ نہ صرف بادشاہ کو تخت سے اُتارنا ہی مشکل تھا بلکہ ترکی قوم کا مطمح نظر ہی بدل دینا تھا جو کوئی آسان کام نہ تھا۔ صدیوں کا بنا بنایا دارالسلطنت اُجاڑ کر انگورہ کو بسانا تک گویا پہاڑ کا کاٹنا تھا۔ سلطان محمد سادس کے یکم نومبر ۱۹۲۲ء کی شب کو برطانیہ کر روسنر پر سوار ہو کر خفیہ طور پہ بھاگنے اور عبدالمجید خلیفہ آخر جن کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی اُن کو صرف خلیفہ بنا دینے نیز پھر اُنھیں کو دو سال کے اندر خلافت سے ہٹا دینے اور چند ہی ماہ بعد ترکی ٹوپی کو تا لونا سروں سے اُتروا دینے کا قوم بھر کو رنج تھا لیکن قوم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس تمام کارروائی کے جلو میں مصطفیٰ کمال اور اُس کے ساتھیوں کا کوئی بھی ذاتی نفع یا فروغ کا پہلو نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ٹرکی اب اسلامی حکومت و اقتدار کا مرکز نہیں رہا۔ اور نہ اسلامی اتحاد کا خیالی ملجاو ماویٰ۔ اس سے بیشک یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس کارروائی کا اثر نہ صرف ٹرکی ہی پر ہوا بلکہ تمام اسلامی دنیا پر۔ اور آجتک پھر کوئی بھی خلیفہ اسلام کا مسلمانوں نے نہیں مقرر کیا۔ شاہ حسین حجازی نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا مگر اکتوبر ۱۹۲۴ء ہی میں جبکہ وہ بھی تخت سے محروم ہوئے اُن کا بھی حق جاتا رہا۔ اور ابھی تک کسی کی ہمت خلیفہ بننے کی نہ ہو سکی۔

اسلامیوں کے علاوہ تمام دنیا کا خیال خلافت کے بابت عجیب و غریب تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمان اپنے کو ایک خاص دائرہ دنیا کی ہستی سمجھتے تھے اور اللہ کے پیارے۔ باقی تمام دنیا اُن کے نزدیک کافر تھی یا دارالحرب کی رہنے والی جسکو نظر حقارت سے دیکھتے جس سے جزیہ یا خراج کے وصول کرنے اور انکار پر قتل کر دینے تک کا مسلمان کو حق تھا۔ اور گو ممکن ہے کہ خلافت سے تنہا اسلامیوں کا اتحاد متصور ہوتا۔ تاہم غیر اسلامیوں اور اسلامیوں کے درمیان خلافت ایک گہری اور وسیع خلیج ضرور دوسری قوموں کی نگاہ میں تھی۔ کفار تو در کنار ایران تک اس دائرہ سے بعض کے نزدیک باہر سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی کے باعث برابر اختلافات اور جنگ تک رہتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھیں خیالات کے باعث دنیا بھر ترکوں سے اختلاف رکھتی تھی۔ اور ترکوں نے اُسکا پورا اندازہ صدیوں سے کر لیا تھا۔ تب ہی تو موجودہ ترکی قومی حکومت کا خیال یہ ہوا کہ وہ اس عمیق خلیج کو دور کرکے دنیا میں سب کو بھائی بنا کر زندہ رہے اسی لئے ترک اپنے خیال میں ایک بین الاقوامی اتحادی سلطنت کا نمونہ تیار کرکے آج دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں بیشک خلافت کو انھوں نے ایک قسم کی انسانی بت پرستی سمجھا تھا جسکو شخص پرستی کہہ سکتے ہیں اور اسی کو مٹانے کیلئے انھوں نے

خلافت کے تاج کو ترکی سر پر کیلئے اب یورپ مین موزون نہین جانا ۔ جیسا کہ مصطفٰے کمال کے اُس جواب سے ظاہر ہے جو ہندوستان اور مصر کے وفود کو اُنھون نے خلافت کے خود نہ منظور کرنے کے متعلق دیا تھا اور وہ یہ تھا " کیا آپ لوگون مین اس کی قدرت ہے کہ میرے احکامات کو دنیا سے منوا سکین ۔ اگر نہین ہے تو میری جگ ہنسائی کیون کرائیے گا " تاہم اس سب کے ساتھ یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ ترکون کو اسوقت پورے طور پر حکومت خود اختیاری کا نہ پورا تجربہ تھا ۔ نہ اُن مین اُس کا مادہ یا قابلیت ہی تھی نہ اُن کی روایات ہی اسکی مقتضی تھیں ۔ اسلئے مصطفٰے کمال اور اُن کے ساتھی چاہے کتنا ہی " دستوری " حکومت کا اعلان کرتے شخصی استبداد کی تمام صورتین موجود تھین اور عرصہ تک رہین گی ۔ کوئی تو مصطفٰے کمال کو کرامول لکھتا تھا ۔ کوئی نپولین اور کوئی مسولینی ۔ گو ان کو خود کو " ڈکٹیٹر " کہلانے سے انکار تھا تاہم دنیا تو غازی اور ڈیوس (Duce) کی یکرنگی و تشکیل نیز عمل مین کوئی زائد فرق نہین دیکھتی تھی ۔ کیا سر آغاخان اور سر امیر علی کے خط کے شائع کرنیوالے مدیرون اور ۱۹۲۴ء مین لطفی فخری بے کی سزایابی نیز اخبارون اور مضمون نگارون پر سختی و بندش قوم کی غلامی کا ثبوت نہین تھین ؟ یہ ضرور تھا کہ پہلے دو سال اُن کی حکومت کے ایسے ہے کہ وہ بیحد محبوب قوم رہے اور گو اسکو بھی لطیفہ خانم کا اثر کہا جاتا ہے پھر بھی اُس کے بعد ۱۹۲۴ء سے تو اُن کے استبداد کے باعث فتحی بے جو وزیر اعظم تھے اُن سے بھی اسی بنا پر اختلاف ہوا ۔ اور اسمبلی مین بھی ایک بتدریج ترقی کی جمعیت یعنی " پروگریسیو پارٹی " (Progressive Party) مخالفت کیلئے بن ہی گئی تھی جسمین رؤف بے ، رفعت پاشا ، ڈاکٹر ادنان اور کیاظم کارابکر سے نامور ہم جلیس و مخلص کارکن مصطفٰے کمال کے ساتھ شامل ہو گئے تھے[۱] ۔ اگر کہین مصطفٰے کمال کے خلاف پارٹی کو کامیابی ہو جاتی اور سلطانیت پھر واپس آجاتی تو دول یورپ کو پورا موقع ترکون کو زیر کر لینے کا یقینی مل جاتا ۔ کیونکہ اب یورپ پھر فوجون کو جمع کر سکتا تھا اور روپیہ بھی فراہم ہو سکتا تھا نیز ترکون کے آپس کے اختلاف سے سب ہی فائدہ اُٹھاتے اور پھر تو سابق زمانے کی طرح تمام حقوق یورپین سلطنتین حاصل ہی کر لیتین کیونکہ ابھی تک ترک ایک پست و درماندہ نیز تعلیم و ترقی زمانہ سے کوسون پیچھے قوم تھی ۔ ایسی صورت مین یورپ کے برتاؤ کے متعلق کیا اُمید کی جاسکتی تھی ۔ ترک قوم میں اب بھی ملاؤں درگاہوں اور سجادہ نشینوں یا مجتہدوں کا قلوب پر غلبہ تھا ۔ اور وہ بھی

---

[۱] دیکھو صفحات (۱۹۴ - ۱۹۵) کتاب ماڈرن ورلڈ ترکی از ٹوائن بی و کرک وڈ

احکام دنیاوی مین جنسے کہ وہ بالکل ہی بے بہرہ ہو رہے تھے۔ تب ایسی قوم سے اس تلاطم کی حالت مین یہ توقع رکھنا کہ موجودہ متمدن۔ سائنس دان اور متحدہ یورپ سے مرعوب نہ ہوتی غلطی خیال تھی۔ اور یہی اسباب ایسے تھے کہ غازی پاشا نے یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہی یا پھر کبھی نہین ترک قوم بن سکتی تھی۔ اور اسی لئے انھون نے جان پر کھیل کر سب کچھ کرنا طے ہی کر لیا تھا۔ جہان بھی کوئی کمزور پہلو نظر آیا جو ضعف و معطل ملا اُسے مٹانا اور کاٹنا ہی اُن کو مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے عدالتون کی درستی کی طرف توجہ کر بیٹھے۔ تاکہ یوروپین اقوام کو تجارت اور معاملات بیع و شری مین ترکی عدالتون کا بھی وہی اعتبار ہو جائے۔ جو یورپ کی دیگر سلطنتون کی عدالتون کا تھا۔ بس تجارتی خانون کی تقلید جرمنی کی کر لی گئی۔ دیوانی کے قانون مین دیوالیہ اصحاب کی گرفتاری بالکل ہی موقوف کر دی گئی سیوئس ([illegible]) طریقۂ رجسٹری دستاویزات کو غیر منقولہ جائدادون کی حفاظت کے لئے ضروری قرار دیدیا تھا بلکہ ہر مروج طریقۂ پیمائش اراضیات یعنی ارضی۔ یا منظری وغیرہ ملک بھر کی مصوری وغیرہ سے کرنے کو رائج کرا دیا گیا۔ اور اسطرح ترکوں کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سب ہی طرح بچا لیا گیا۔

کمال پاشا کی والدہ اپنے آخری زمانہ مین لطیفہ کے ہمراہ اسمرنا ہی مین بوجہ اپنی شدید علالت کے رہنے لگی تھین اور وہین اُن کا انتقال بھی ہوا۔ درحقیقت اُنھین کی ایک ذات تھی جس سے کمال پاشا کسی بات کو راز نہ رکھتے تھے اور اُن کے اعتراضات کو حتی الامکان برداشت کر لیتے۔ نیز ان ہی کی بُمت کو خالص محبت مانتے تھے۔ لطیفہ سے بھی اب اُن کو وہ اگلی سی محبت نہ رہی تھی۔ اختلافات روز بروز بڑھتے ہی گئے۔ حالانکہ خانم کے اعزا بھی انگورہ مین آگئے تھے اور یہ اُمید لیکر آئے تھے کہ اُن کے ساتھ خاص طرح کا برتاؤ ہوگا اور عزت بھی ہوگی۔ مگر کمال نے اس کا موقع ہی نہین دیا بلکہ سب کو اسمرنا ہی بھگا دیا جس سے لطیفہ کو سخت رنج ہوا۔ اب لطیفہ اعتراضات سے باز نہ آتی اور بعض اوقات فرائض خدمات ملکی اور کمال کی غلطیون سے بھی اُسے آگاہ کرتی جسکی برداشت کمال کو نہ رہی تو کمال نے تحریری طلاقنامہ لطیفہ کے سپرد کر دیا اور وہ چلی گئی[1]۔

اسکے بعد کمال کو کسی نے زہر بھی دیا اور اُن پر بم بھی پھینکا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی حفاظت کا پورا انتظام کیا گیا اور بغیر باڈی گارڈ کے وہ باہر ہی نہ نکلتے تھے۔ مکان پر سرچ لائٹ لگا دینے کے ساتھ ساتھ بغیر اجازت مکان میں بھی کوئی نہ داخل ہو سکتا۔ طبیعت کا اب یہ حال ہو گیا تھا کہ خود غرضی بڑھنے لگی۔ خود رائی اور خود سری

[1] دیکھو صفحہ (۲۵۴) کتاب آرم اسٹرانگ مذکور۔

تو پہلے ہی سے نفرت مین بھی بجز چند احباب کے سب ہی کی بے اعتباری بڑھ گئی اور ہر وقت جنگ پر تیار ہو جاتے۔ جو کوئی بھی کچھ بولتا تو پیاز کے چھلکے کی طرح اس کی باتون کو اُدھیڑ کر رکھدیتے۔ ہان صرف وہ لوگ جو اُن کی عیش و نشاط کی محفل مین شریک ہوتے اور خوشامد و تعریف کے پُل باندھتے۔ بس وہی صحبت کے لائق رہ گئے عصمت فیضوی کے سوا سب ہی سے تو اختلاف ہو چکا تھا۔ مخالفین نے تو یہ شہرت تک دیدی اور چرچے بھی ہونے لگے کہ عبدالمجید خلیفہ کے وقت مین ہر شخص اچھی طرح کھا پی تو سکتا تھا۔ تمباکو اور کافی پینے کو پیسے ضرور کسی نہ کسی طرح ملجاتے تھے۔ بچون کو مٹھائی اور بیویون کے لئے کپڑے و زیور ملتے نیز درختون کے نیچے کافی کی دوکان کے قریب ملکی خبرون پر گفتگو وغیرہ کرنے کا سامان تو تھا یعنی زندگی کی لذت کے لئے بے کھٹکے غربا کو کافی مواقع تو تھے۔ مگر اب جبکہ قومی حکومت اور وہ بھی جو عوام کے واسطے کہی جاتی تھی حاصل ہو چکی تھی تو اسمین بھی باوجود قومی ہر طرح کی قربانی کے روپیہ پیسہ تک نٹ رہا تھا۔ تمام اجناس گران ہو گئی تھین بلکہ اشیائے ضروری کا ملنا بھی وقت طلب ہو گیا تھا۔ بچون کے جسم پر چیتھڑے تک نہ رہے تھے اور حالانکہ بیویان کام کاج کرتے کرتے مری جاتی تھین تاہم ان تک کیلئے کھانے اور کپڑے کی مشکل تھی۔ ٹیکس بھی پیشتر سے زائد تھے اور سختی سے وصول ہونے لگے تھے۔ فوج مین نوجوانون کو زبردستی لیلیا گیا تھا۔ گو اب جنگ بھی ختم ہو چکی تھی۔ کاشتکارون کی زراعت اور گھر تک برباد ہو گئے تھے۔ اُن کے تخم تک کے واسطے کسی طرح کا بندوبست نہین ہو سکا تھا۔ اُن کے مویشی بھی چارے کیلئے ترستے تھے کیونکہ مواضعات کے مواضعات مین آگ لگ چکی تھی۔ غرضکہ افلاس اور مصیبت کی انتہا نہ تھی اور پھر سب طرف سے سب کی زبان بندی بھی کردی گئی تھی کہ بات کرنا مشکل تھا۔ اس سب پر طرہ یہ ہوا کہ دشمنون نے عام طور پر یہ بھی کہکر خلقت کو بھڑکانا اور ورغلانا شروع کردیا۔ کہ "انگورہ کا شہر تعمیر ہو رہا تھا۔ فوج کے واسطے ریل تیار کی جاتی تھی۔ انکی تنخواہون مین معقول اضافہ کیا جا رہا تھا۔ نیز باپ دادا کے وقت کے بہترین قوانین و مراسم کو بدلکر جدید غیر شرعی طریقے جاری کئے گئے تھے۔ اور بُری بُری باتون کو مثلاً ناچ اور سودی کاروبار کو رواج ہی دیدیا گیا تھا جس سے ملک اور قوم کو کچھ نفع نہ تھا۔ ترک تو کسی طرح بھی موجودہ اعلانات، جدید آئین اور فتوحات پر زندگی نہین کاٹ سکتی تھی۔ اُسکو تو روٹی۔ تخم۔ مویشی۔ غلہ آب پاشی کے سامان اور روپئے پیسے کی ضرورت تھی اور یہ سب تکلیفات محض خدائی سے انکار اور لامذہبی پھیلنے کے نتائج تھے اور اگر سخت سے سخت انقلابات ۲۵ء سے لیکر ۲۶ء تک نہ پیدا کر اسئے جاتے تو یہ مصیبتین ملک مین نہ ہوتین"

صلح لازان کے بعد عصمت پاشا وزیر اعظم ہو گئے تھے۔ لیرا جو ترکی سکہ تھا اُس کی قیمت بھی بیحد گر گئی تھی۔

ملک مین مالیات کے ماہرین بھی ویسے نہ تھے جیسے کہ ضرورت تھی۔ پھر رؤف بے وغیرہ کی " دستوری پروگریسو پارٹی" (Ripnlbeau Progressive Party) مین جاوید یہودی نیز ممبران کمیٹی "اتحاد و ترقی" و خلیفۂ معزول کے ہم نشین تک شریک ہوگئے تھے بلکہ اُن کا طریق عمل یا پروگرام مصطفےٰ کمال کی ڈکٹیٹر شپ کی مخالفت کرنے کے متعلق شایع بھی ہو گیا تھا۔ انگورہ مین جلیل بے نے عصمت پاشا کی مخالفت بھی اسمبلی مین کر دی تھی۔ اسپر جلیل کو گولی سے ختم کر دیا گیا تھا۔ نیز علی شکری نے کمال کے خلاف زبان ہلائی تو عثمان آغا نے اُسکا گلا گھوٹ دیا بلکہ ڈپیٹوں ہی کی گت بننے لگی اور جیسے ہی کہ عوام انگورہ نے عثمان آغا کے اس فعل پر احتجاج کر کے اُسے غازی پاشا سے طلب کیا تو کمال نے اُسے فوراً اسپرد کر دیا جس سے اپنے لازکا (Lazlha) کے کل باڈی گاڈ کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ عثمان آغا تو کسی طرح بچکر جان کا یا جا پہونچا مگر وہان مارا گیا۔ پھر کیا تھا تمام ملک مین غازی پاشا کے خلاف ہنگامے برپا ہونے لگے تب تو کمال نے پھر کروٹ لی عُشر کا لینا رعایا سے موقوف کر دیا۔ عصمت کے بجائے فتحی کو وزیر اعظم کر دیا جس کو مخالفین نے اپنی فتح سمجھا۔ مگر فروری ۱۹۲۵ء مین کردون نے بغاوت کر دی جسپر "پروگریسو پارٹی" پر الزام شرکت لگایا گیا اور فتحی بے کو یہ کہکر مجرم قرار دیا گیا کہ اُنھون نے کردون کی سرکوبی مین اچھی طرح کوشش نہین کی اور اُن کو ہٹا کر عصمت پاشا پھر وزیر اعظم ہوئے اور کیبنیٹ (Cabinet) بھی بدل گئی۔ نیز اُسکو پورے اختیارات دیدیئے گئے۔ فتحی بے کو سفیر پیرس کر کے وہان سے چلتا کیا گیا۔ انگلستان نے بھی اسی زمانہ مین موصل کی بابت آخری پیغام بھیجدیا کہ اُسپر برطانیہ نے قبضہ کر لیا۔ شیخ سعید نے جو نقش بندی درویشون اور کردون کا پشتینی پیرزادہ تھا ترکون مین لامذہبیت آجانا کہکر سبز رسولی جھنڈا اُٹھا کھڑا کیا اور بغاوت کر دی۔ بلکہ اسلام کے بچانے کیلئے کفار پر جہاد کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ دو صوبون مین قتل غارت کر کے دیاربکر کو خطرے مین ڈالدیا۔ اور گو مارچ ۱۹۲۵ء ہی سے تمام کردستان مین بغاوت پھیل چکی تھی اب تو ملک کے کل مشرقی صوبہ جات حکومت خطرے مین آگئے۔

کمال نے اب پھر وہی اگلا سا منتر پھونک دیا کہ " دشمنان ترکی نے کردون کو ورغلا کر انگلستان کی مدد سے روپیہ اور اسلحہ حاصل کرا کے تمام فساد اُٹھا کھڑا کیا ہے اور کل قوم کو اپنا بنا لیا ہے" بس کیا تھا تمام مخالفت مٹ گئی۔ ہر جانب سے کمال پاشا کی جے بولی جانے لگی۔ نیز وفاداری کے تار تک آنے لگے۔ چنانچہ فوج بھیجدی گئی اور دو ماہ مین بلوائیو کا خاتمہ کرا دیا گیا۔

کمال پاشا نے پھر تو یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اندرون ملک سے بھی دشمنوں کا خاتمہ کرنا ضروری تھا اُسی زمانہ میں کیاظم کارابکر کا ایک خط جو شیخ سعید کے نام تھا تو وہ بھی پکڑا گیا تھا اس کا اور علی فواد د کیاظم کے بلوہ کے زمانہ میں استعفوں کا ذکر ڈپٹیوں سے کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ دونوں کی شرکت کردوں کی بغاوت میں تھی کیونکہ کیاظم اور علی فواد نے اسی زمانہ میں یعنی بغاوت سے دو ہفتہ قبل استعفے پیش کر دیئے تھے تاکہ کردوں کے مقابلہ میں اُنھیں لڑنا نہ پڑے جو واقعتاً اُنھیں کے فرائض میں تھا۔ ساتھی اس کے یہ بھی شہادتوں سے ثابت کیا گیا کہ اس سازش کا جال دور تک پھیلا ہوا تھا جس میں رووف بے۔ رحمی۔ ادنان رہالدے ادیب ہانوم وغیرہ کی بھی شرکت تھی اور یہ سب اسی واسطے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔

اسمبلی نے کمال کو اسی پر کامل الاختیار کر دیا اور ایک عدالت بھی "عدالت حریت" کے نام سے مقرر کر دی تاکہ مخالفین اور غداروں سے ملک کو پاک کیا جائے لہذا دغا بازوں کی تلاش اور پکڑ دھکڑ شروع کر دی گئی۔

ابتدائے ۱۹۲۶ء میں محمود اسد بے نے جو وزیر انصاف تھے جدید تعزیرات ٹرکی اور جدید قوانین دیوانی یعنی سول کوڈ اور قانون تجارت پیش کر کے پاس ہی کرا لیا تھا۔ نیز دیوانی کا قانون تو سوئٹزرلینڈ کے قانون کے مطابق بنا دیا گیا تھا۔ پھر جولائی ۱۹۲۶ء میں کمال کو یہ خیال ہو گیا کہ وہ خودکئی بار خطروں سے بچ چکا تھا اور جب تک کہ وہ مخالفین سے ملک کو صاف نہ کرے گا ٹرکی کی تعمیر ملکی و قومی جیسی کہ وہ چاہتا تھا نہ ہو سکے گی اور اگر وہ کہیں بھی ہار گیا تو جدید ٹرکی نہ بن سکے گا کیونکہ اُسکا تو یہ عقیدہ تھا کہ ترک ضرور ایک زبردست قوم بن سکتے تھے چنانچہ ایک موقع پر اُس نے یہ کہہ بھی دیا کہ "میں ٹرکی ہوں، مجھ کو ختم کر دینا گویا ٹرکی کو ختم کر دینا ہے"۔ اُس کے خیال میں چونکہ درمیانی طبقۂ ملک میں علم نہ تھا لہذا جو بھی لیڈر بن کر اُن کے احساسات کو اُبھار لیتا وہ اُس کے پیچھے ہو لیتے تھے اور جا و بے یہودی ہی کی اُٹھائی ہوئی در اصل یہ تمام فساد انگیز تحریکات تھیں بلکہ یہودیوں کی ذات سے کل فسادات ملک میں ہو رہے تھے اور وہی سب کا سرغنہ تھا اس کا میل اور سازش باہر کے

سرمایہ داروں سے تھا اور فری میسنری ہی کے جلوں میں وہ ہمیشہ سب کچھ کر لیا کرتا تھا۔ جس کا علم خود کمال کو ذاتی تجربوں سے ہوا تھا اور اسی بنا پر کمال نے ابھی تک جاسوسی کا طریقہ ٹرکی میں سلاطین کے وقت کی طرح قائم رکھ چھوڑا تھا۔ چنانچہ ترکی پولیس برابر غداروں کے خلاف ثبوت جمع کر رہی تھی لہذا اب وارنٹ گرفتاری برابر جاری ہو کر دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا جب رؤف بے کی باری آئی تو حالانکہ وہ کمال کے گاڑھے وقتوں میں کام آچکا تھا تاہم کمال کے چہرے پر ذرا بھی شکن نہ آئی۔

بالآخر عدالت حریت کی طرف سے جاوید یہودی کے واسطے پھانسی کا حکم ہوا تو تمام عالم سے اُس کے واسطے سفارشیں پہونچنے لگیں دنیا بھر کے سرمایہ دار اُس کی رہائی کی کوشش کے لئے جٹ پڑے انگریزی اور فرانسیسی حکومتوں میں تو ایک ہلچل ہی گویا مچگئی اُن پر بڑے سے بڑے زور پڑنے لگے۔ فری میسنری کی تمام دنیا کی جماعتوں میں بھی تہلکہ مچ گیا کمال سے بھی ذاتی طور سے بحیثیت ایک فری مسن کے اپیل کی گئی۔ پیرس۔ نیویارک و برلن وغیرہ کی منضبط یہودی جماعتوں نے بذریعہ تار رحم کی خواہش کی اور سب ہی طرف سے دھمکی اور زور دیا گیا مگر جوں جوں ایسی کارروائیاں ہوتی گئیں کمال کی رائے میں اور بھی سختی ہوتی گئی اور یقین بڑھتا گیا کہ اصل بانی مبانی تمام فسادات کے یہودی تھے اور جاوید آلہ کار تھا اور عدالت حریت کے فیصلے کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ لہذا اُسی شب میں کمال نے چانکایا میں ایک بڑا بال یا ناچ دیدیا جہاں تمام سفرا اور وزرائے دول خارجہ نیز عمائد انگورہ جمع ہو گئے تھے۔ خوب ناچ و رنگ ہوا۔ شراب کی ہزاروں بوتلیں کھل گئیں۔ حالانکہ یہ اگست کا مہینہ تھا جبکہ انگورہ میں سخت گرمی ہوتی ہے وہیں جیل خانہ میں گیارہ سولیاں تمام دشمنوں کے واسطے تیار تھیں اور ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اوتارے جارہے تھے جیسے ہی کہ صبح ہونے سے قبل کمشنر پولیس نے دوران ناچ میں پہونچکر کمال پاشا کو جاوید اور دیگر غداروں کے پھانسی دیئے جانے کی اطلاع

کی تو اسپیدم طاش منگا کر پوکر کھیلنے میں کمال پاشا مصروف ہو گئے بلکہ شراب کا دور بھی خوب ہی زوروں میں چلوا دیا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہیں سے سیدھے دفتر میں پہونچکر ترکی کو زمانۂ حال کے مطابق ڈھال دینے کے کام میں کلیتًا وہ مصروف ہو گئے۔ اُن واقعات کی کسی کو کانوں کان کچھ بھی خبر تک نہ ہوئی اور انھوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ تمام مخالفین یا تو ختم کر دیئے گئے یا ملک سے باہر ہو گئے (بقول شاعر) ؎ کہ بدنام کنند اہل خرد را غلط است ؏ بلکہ بے ہیشود از صحبت نادان بد نام

۳۰ رجنوری ۱۹۲۳ء ہی کو جو معاہدہ ترکوں اور یونانیوں میں اپنی اپنی رعایا کے تبدیل کر لینے کا ہو گیا تھا اُس کے مطابق مہاجرین آنے لگے تھے اور جوں توں کر کے جیسا بھی انتظام ہو سکا چار لاکھ مہاجر یونانی سلطنت سے باہر ہو کر ترکی میں آ گئے۔ اور اُنکے واسطے ہر قسم کا بندوبست کسی نہ کسی طرح کر دیا گیا۔ لیکن جو امر کہ قابل تعریف تھا وہ یہ کہ یونان کی طرح ترکوں نے لیگ سے یا کسی سے بھی قرض لیکر امداد نہیں کی۔ اس تبادلۂ رعایا سے ترکی کی سیاسی مصیبتوں میں بیحد کمی ہو گئی اور وہ ایک متحدہ قومی سلطنت ہی گویا بن گئی۔ اور برطانیہ کے تخمینے کے مطابق ۱۹۲۴ء میں اوسکی آبادی ایک کروڑ کے قریب رہ گئی تھی۔ اور رقبہ بھی دو لاکھ دس ہزار مربع میل تھا۔ مصطفےٰ کمال نے ابتدا ہی سے کاشتکاروں کی حالت کے سنبھالنے کی طرف توجہ کی تھی خود بھی انگورہ کے قریب کاشتکاری شروع کر دی تھی تاکہ دوسروں کو مثال ہو اور نمونہ بھی درست کر کے دکھلائیں جس سے دو تین ہی سال میں جنوبی اناطولیا میں زرعی آلات آ گئے اور ملیں اور کارخانے بھی جاری ہو گئے تھے ۱۹۲۴ء میں ادانا کے صوبہ میں گرمی کے موسم میں ایک سو سے زائد فورڈسن ٹریکٹرس (Fordson tractors) روئی کی کاشت کے سلسلہ میں لوگوں نے خرید کئے تھے۔ اور اس زمانہ سے پہلے بھی کچھ کچھ لینے لگے تھے۔ اسمرنا اور بروسا میں نو کلوں کا استعمال کاشتکاری میں ۱۹۲۵ء سے خاص طرح ہو گیا تھا اور ہر جنس کی پیداوار میں کل ملک میں یومًا فیومًا ترقی ہو رہی تھی۔ کپاس، تمباکو، چاول، گیہوں، جو اور زیتون سب ہی تو زوروں میں باہر جانے لگا تھا۔

درحقیقت ۱۹۲۶ء سے عوام کی پارٹی کے ہاتھ میں گویا ملک کی حکومت سمجھی جانے لگی تھی۔ کمال اسکے منتخب شدہ صدر تھے اور جو شخص بھی ممالک ترکیہ کا باشندہ تھا وہ اس پارٹی کا رکن تھا۔ چاہے ملازم ہو یا مزدور کاشتکار ہو یا تاجر۔ آئین کے مطابق اب کوئی مخالف گروہ بھی اسمبلی میں نہ تھا۔ لہذا مجلس کا رکن یا کیبنٹ کے وزرا مستقل ملازم کر لئے گئے تھے۔ عوام ہی کی پارٹی سے ڈپٹی منتخب ہو کر اسمبلی میں آتے تھے۔ ہر ڈپٹی تنخواہ پاتا تھا اور کار خاص کے واسطے علیحدہ معاوضہ اوسکو ملتا۔ پارٹیوں کے سربراہ آخری اور مکمل اختیار کمال پاشا کا تھا گو ڈپٹیوں

کا کوئی ذاتی کاروبار ہوتا تو اسکی بھی سرپرستی حکومت سے ہوتی۔ سال میں چار پانچ ماہ صرف کام ہوتا اور جس پارٹی سے ڈپٹی منتخب ہوتے وہاں سے بھی انھیں معاوضہ دیا جاتا مگر تمام رعایتوں کا معاوضہ یہ تھا کہ کمال پاشا کی اطاعت اور تائید کریں۔ عوام ترک کو کمال پاشا ہی اب مثل اپنے بچوں کے سمجھنے لگے اور انکا برتاؤ ایک شفیق استاد یا معلم کا سا ہو گیا تھا۔ پہلے سمجھاتے اور پھر بجبر تعمیل کراتے۔ چنانچہ ایک بار یہ بھی فرما بیٹھے کہ "میں نے دشمن پر فتح پائی۔ میں نے ملک پر فتح پائی۔ کیا میں عوام ملک پر بھی فتح حاصل کر سکتا ہوں"۔ اور اسی وقت سے یہ خیال پختہ ہو گیا کہ پرانی باتوں کو جلد سے جلد ختم کرا دینا ہی مناسب تھا۔ چنانچہ پہلا نمبر ترکی ٹوپی یا فز کا آیا۔ بس اپنے باڈی گارڈ کو جھجھے وار ٹوپی اسکے بجائے پہنوا دی جب کسی نے اعتراض نہ کیا تو پھر فوج کو ویسی ہی ٹوپی دلوا دی اور بعدہٗ اسمبلی میں ۱۹۲۶ء کے موسم گرما میں فز کا دینا ہی جرم ہونا پاس کرا دیا۔ اور بذریعہ پولیس اسے چھنوا کر ملک بھر کو یورپ کی ہیٹ یا دوسرے کسی قسم کی چیز سر پر دلوا دی۔

ادیب شہرت کو حج کے واسطے کوٹ و پتلون اور ہیٹ میں حرمین تک بھجوا دیا تھا انکا قول تھا کہ مذہب کے رسم و رسوم کے بیجا استعمال سے ترکی قوم میں تمام خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مذہب ہر شخص کا ذاتی خیال اور عمل تھا۔ اور ہر شخص کو اپنے مذہب کے اختیار کرنے کا مجاز۔ درویشی۔ خانقاہ نشینی اور درگاہوں کی پرستش کو بھی قانوناً بند کر دیا۔ نیز اوقاف کی جاگیریں ضبط کر کے سلطنت کے قبضہ و اختیار میں دیدیں۔ فقرا کو کام و کاج کرنے کی عادت ڈلوا دی۔ ماہرین فن کو باہر سے بلوا کر نہ صرف قوانین ہی منضبط کرائے بلکہ اہل ملک کو تعلیم بھی دلوائی۔ تعدد ازدواج کو جرم قرار دلوا دیا۔ پردہ اور حرم بھی ٹوٹ گیا۔ یہاں تک کہ مستورات ملک کی ذاتی شخصیت بطور ایک آزاد باشندۂ ملک کے قوم سے منوا دی۔ قرآن پاک کا ترجمہ ترکی زبان میں حکومت ہی سے کرا دیا۔ اور ہر چیز اور ہر بات کو اب ترکی ہو کر رہنے پر قوم کو مجبور کرنا شروع کر دیا تاتاری الفاظ اور فقرے تک کل زبان میں لانا ضروری کرا دیا۔ ہر مدرسہ میں ترکی زبان میں تعلیم لازمی کرا دی۔ ہر کاروبار میں ترکی سرمایہ اور کمپنیوں میں ترک ڈائرکٹروں و ملازمین کی شرط لازمی کر دی بہت سے پیشے اور تجارتی کاروبار کو صرف ترکوں ہی کے لئے مخصوص کر دیا۔ سودیشی اشیاء نیز ملک ہی کی تیار کردہ چاہئے کے استعمال کی ترتیب و تنظیم بھی جاری کرا دی۔ اور یورپ ہی کے طریقہ کا سلام و مصافحہ نیز دن و رات کا شمار اور جنتری وغیرہ سب حکماً جاری کرا دئے۔ ایسے ہی بھیک مانگنا بھی جرم قانونی ہو گیا۔ شادی و بیاہ تو مثل دیگر فرائض ملکی قرار پا کر زوجین کی صحت کا سارٹیفکٹ بھی لازمی کرا دیا گیا۔ زراعتی بنکوں سے ملک بھر کی امداد ہونے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ انگورہ کی تعمیر میں اسوقت تک تیرہ ملین ترکی پونڈ صرف ہو چکے تھے کیونکہ برلن اور ویئینا سے ماہرین فن عمارات وغیرہ

طلب ہوکر حفظان صحت وغیرہ کے اصولوں پر زمانہ حال کے مطابق اُسکو آباد کرایا گیا تھا۔

صلح لازان کے بعد سے صوبہ موصل ترکوں سے نکلکر برطانیہ کے احاطۂ اختیار میں آگیا تھا۔ لیکن ترکوں نے اُسپر اپنے حق کے جتانے میں کسی وقت بھی کمی نہیں کی ہے۔ مئی و جون ۱۹۲۴ء میں قسطنطنیہ میں ایک کانفرنس بھی دونوں کی ہوئی۔ جب کچھ طے نہ ہو پایا تو لیگ کی کونسل نے ایک کمیشن تحقیقات کے لئے مقرر کردیا اُس نے عراق کی حکومت کو موصل کے دیئے جانے کی سفارش کی۔ اور برطانیہ کی عراق پر انتداب کی میعاد کی اور پچیس سال کے لئے توسیع کی سفارش کردی۔ ترکوں کو اس تمام کارروائی سے اختلاف ہوا تب مستقل عدالت انصاف بین الاقوامی (Permanent Court of International Justice) کے کل معاملہ سپرد ہوا۔ اور اُسنے جنرل لیڈورز ([illegible]) کو تحقیقات کے لئے معاملہ سپرد کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل مذکور نے رپورٹ کردی کہ ترکوں نے اپنی رعایا پر جو ترکوں کی طرف حد برسل Brussels Line پر تھی اسکو جبر وظلم کے ساتھ باہر کرنا شروع کردیا ہے اسپر ۱۶ ردسمبر ۱۹۲۵ء کو کونسل نے طے کردیا کہ مقررہ برسل لائن ہی مستقل حد فاصل درمیان ٹرکی و عراق رہیگی اور پچیس سال کے واسطے برطانیہ کو عراق پر حق انتداب حاصل رہیگا گر ٹرکی نے اسوقت کمی فیصلے کو نہیں قبول کیا لیکن بعد میں خود برطانیہ اور ٹرکی کے درمیان کوئی مفاہمت ہو گئی۔

۱۷ ردسمبر ۱۹۲۵ء کو روس اور ٹرکی کے درمیان بھی ایک جدید معاہدہ ہوا جسپر ایم چچرن M. Chicherin اور توفیق رشدی بے کے دستخط ہوئے تھے جس سے کہ ایک دوسرے نے ایسی ہر جنگ سے علیحدگی کا اقرار کیا جس میں کوئی تیسری قوت معاہدین پر حملہ آور ہو نیز اپنے آپس کے جھگڑوں کے طے کرنے کے لئے ایک خاص طریقہ کار بھی مقرر کرلیا۔

۲۴ رنومبر ۱۹۲۳ء والا ہز ہائنس آغا خان اور جسٹس امیر علی کا وہ خط جو مصطفیٰ کمال کو انھوں نے بھیجا تھا اور جس میں خلافت کے قیام کی اپیل کی تھی وہ در اصل اوسی عاجزانہ طریقے اور مدلل طرز پر لکھا گیا تھا جیسا کہ قیام خلافت کے لئے برطانیہ کو بھی اُس سے قبل لکھا جا چکا تھا۔ لیکن قسطنطنیہ میں تو وہ انگورہ پہونچنے سے قبل ہی شایع ہو گیا تھا کیونکہ لندن کے اخبارات میں وہ شایع ہوتے ہی قسطنطنیہ کے اخبارات میں چھپ گیا تھا۔ اور جس کے حالات کا ذکر اوپر آ چکا ہے اسی وقت ترکی سیاست دانوں نے مسئلہ خلافت کے معاملہ کے بابت یہ کہا تھا کہ "ٹرکی نے اپنا خون اور خزانہ مدتوں اسلام اور اسلامیوں کے بچانے کے واسطے بہایا ہے۔ بلکہ اپنی قومی ہستی ہی کو مٹا دیا ہے...... اب دوسرے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی ہمت دکھلائیں اور ترکوں کی طرح اپنی جنگ خود کریں......

اسلام کے واسطے چھ صدیوں تک نیز اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے واسطے بارہ سال تک جنگ بھی ترک قوم کر چکی اب تو اسکا وقت آگیا ہے کہ ترک اپنے ہی ویرانوں کی پھر تعمیر کریں اور اپنے ہی معاملات پر توجہ کریں *

۱۹۲۸ء میں غازی پاشا قسطنطنیہ گئے اور حکومت کا صدر دفتر پھر وہیں منتقل کیا گیا۔ وہاں اُنکے استقبال کا اسقدر بلیغ سامان کیا گیا کہ جسکی حد نہیں۔ شاہانہ و فوجی جلوس کے ساتھ اُنکی سواری نکالی گئی۔ تمام راستے و عمارات کی آرائش ہوئی توپیں داغیں اور یہ غل ہو گیا کہ ملک کا بچانے والا آ رہا ہے جسپر جوق جوق خلقت بھی وہاں پہونچگئی قصر دولما باغچہ میں جا کر وہ ٹھہرے اور ایک بڑے دربار کے ساتھ عظیم الشان دعوت بھی حکومت کی طرف سے وہاں دی گئی۔ اُسی دربار میں غازی پاشا نے حروف تہجی کی مشکلات اور لاطینی و رومن حروف کی آسانی سب کو سمجھائی بلکہ دو شخصوں کو تختہ یا بورڈ پر بلا کر جو خاصکر وہاں رکھا گیا تھا اُسی وقت سمجھا کر اسکی تحریک بورڈ پر کرا دی تب تو سب نے اُسی وقت خوشی خوشی اس تجدید اور تحریک کو مان لیا۔ اور شہر بھر میں اُسکی مشق ہونے لگی۔ اسکے بعد تو کمال پاشا شہر بہ شہر بورڈ اور کھریا مٹی لیکر گھومے اور راستوں میں جو مواضعات پڑتے گئے وہاں بھی ٹھہر کر عام بازار میں لوگوں کے مجمع میں سب کو سبق دیتے جاتے جس سے اُن لوگوں کو بھی جنھوں نے کبھی قلم تک ہاتھ میں نہیں لیا تھا فوراً لکھنا آگیا اور تبدیل رسم خط کی تحریک ملک بھر میں جاری ہو گئی۔ لوگوں نے بھی اُسے دل سے قبول کر لیا۔ قیدیوں تک کی جیل سے اُس وقت تک رہائی نہ ہوتی جبتک کہ وہ لکھنا پڑھنا نہ سیکھ لیتے۔ اس کارروائی سے وہ اور بھی ملک بھر میں مرکز خیال و عمل بنگئے۔ چنانچہ ۳ نومبر ۱۹۲۸ء سے لاطینی حروف کے اجراء اور استعمال کا نام تہمید کرنے کا حکم جاری ہو گیا۔

اب باجے اور گانے میں تبدیلی کا خیال بھی کمال پاشا کو پیدا ہوا اور اس کے بھی مدارس کھولدیئے۔ نیز تمام فنون لطیفہ مثلاً مصوری نقاشی اور مجسمہ سازی سب کو جائز قرار دیکر رائج کر دیا بلکہ بہت سے یتامیٰ کو اپنی تہنیت میں لیکر عمدہ سے عمدہ ماہر فن بنوا دیا۔ مستورات ملک کو بھی اب میونسپلٹی وغیرہ میں ممبر بنوا کر ملکی پارٹی میں شریک کرا دیا۔ نیز بہت سی بیویاں بھی وکالت اور ڈاکٹری کا پیشہ آزادی سے کرنے لگیں۔ اور سب ہی یہ کہنے لگے۔ شعر

گھٹا ادبار کی سر سے ہمارے دور ہو جاوے — جواب مغموم آتا ہے نظر مسرور ہو جائے

۱۹۲۹ء میں کردوں نے پھر دوسری بغاوت کر دی۔ اور حکومت کے ملازمین میں بھی کچھ بد دلی پھیل چلی۔ اربیلیوں نے بھی پھر سر اٹھایا۔ کمال پاشا اور عصمت میں اختلافات بھی بڑھ گئے اور خزانہ تک خالی تھا جس سے فوج کو کئی

* دیکھو صفحات (۲۹۶-۲۹۷) دی ماڈرن ورلڈ ٹرکی از ڈائمن بی وکرکس ووڈ۔

ہفتے تنخواہ نہیں مل سکی تھی۔ فتحی بے نے بھی پیرس سے اب کمال کو یہ لکھا کہ "عصمت کے ہاتھوں ٹرکی کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے" لہذا کمال نے پھر طے کیا کہ اسمبلی میں ایک مخالف پارٹی کی ضرورت ہو گئی تھی۔ کیونکہ عصمت پاشا اپنے کو بعید کامل بالاختیار سمجھ کر کمال کے احکامات کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ فتحی بے کی سرکردگی میں پھر ایک دستوری قومی پارٹی (Republican Peoples Party) ۱۹۳۰ء میں قائم ہو گئی۔ اب کمال پاشا نے اپنی ہمشیرہ مقبولہ اور تین اپنے ہی یہاں کے لوگوں کو بھی اوسکا ممبر بنوا دیا اور چونکہ اخبارات و مطابع کو آزادی دیدی گئی تھی پھر کیا تھا دس سال کی بندش اور سختی نے جو ادھم مچا دیا اوسکا کچھ کہنا ہی نہ تھا ہر طرف سے حکومت پر اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی۔ تجارت کی بربادی۔ جدید ٹیکسوں سے بے زاری۔ ادنے ادنے ملازمین کی رشوت ستانی کے قصے وغیرہ کا غل مچ گیا اور حکومت کے ہر محکمے میں سخت سے سخت نقائص کا ایک پشتارہ عام طور پر خلقت نے کھولدیا۔ اور گویا یہ کہنے لگے۔ شعر

جس طرح بسر ہوتے ہیں اوقات ہمارے — مفلس بھی تو اس طرح سے فاقہ نہیں کرتے

اب گویا بیچارے عصمت پاشا ہی کے سر سب الزامات تھوپ دیئے گئے۔ اور کہا جانے لگا کہ باہر سے سرمایہ تک ملک میں نہ آتا تھا۔ نہ جہاز ہی بندرگاہوں پر رہے تھے جو باہر سے سامان لاسکتے۔ بڑے اور چھوٹے تمام کاشتکاروں کی مالی امداد۔ تخم و آلات کشاورزی اور کلوں وغیرہ کے مہیا کرنے کے جو وعدے حکومت نے رعایا سے کئے تھے کوئی بھی پورے طور پر ایفا نہیں کئے گئے۔ غرضکہ ۱۹۲۶ء ہی کی طرح کے الزامات پھر عاید ہو گئے۔ اور جو کچھ کہ پیشتر کیا جا چکا تھا اوس پر کسی نے توجہ ہی نہ کی بلکہ اوسکو خیال تک سے محو کر دیا اور سب ہی یہ کہنے لگے۔ شعر

حلقۂ دام بلا ہے حلقۂ دام حیات — تلخیٔ زہر آب سے لبریز ہے جام حیات

لیکن اس سب کے باوجود بچہ سے لیکر بوڑھے تک کے دماغ سے یہ بات نہ نکل سکتی تھی کہ جبتک کمال پاشا کے دم میں دم ہے کچھ نہ کچھ آخرکار اچھا ہی ہو کر رہیگا۔ اخباروں میں بیشک عصمت اور کمال دونوں کو برا کہا جانے لگا۔ نیز ملازمین کی بد دلی سے کچھ گھبراہٹ حکومت کو ہو گئی تھی۔ ادھر دسمبر ۱۹۳۰ء میں ایک شیخ محمد نے بھی اپنے کو مہدی کہکر خروج کیا تاکہ بے دین کمال اور اسکی دستوریت سے ٹرکی کو نجات دلوا دے۔ اور بمقام مینیمین (Manemen) جو ازمرنا یا اسمیرنا کے پیچھے واقع ہے وہاں بغاوت بھی ہو گئی۔

فوج نے بھی کچھ کچھ تعمیل احکامات میں انکار سا کیا۔ قونیہ سے لیکر اداں لیہ بلکہ اسمرنا۔ اور بروصا تک مواضعات کے لوگوں نے سرکاری ملازمین کو نکال باہر کر دیا تھا اور ابھی روم سے بھی ہنگاموں کی کچھ اطلاعات آنے لگیں تب تو

کمال پاشا کو یہ پھر اندازہ ہو گیا کہ جو کچھ انھوں نے تجربے کے واسطے تماشہ کرنا چاہا تھا یعنی عصمت پاشا کے گرانے کے واسطے مخالف پارٹی بنوادی تھی نیز دیگر کارروائیاں بھی ہوئی ہوں وہ سب ہی تو رنگ لے آئیں۔ لہذا فوراً مارشل لا جاری کردیا۔ اخبارات پر بھی نگرانی ہو گئی۔ تقریری و تحریری آزادی کو بھی روک دیا گیا اور عصمت سے صلح بھی ہو گئی نیز انکو یہ بھی محسوس ہو گیا کہ ترکی قوم اس وقت تک یورپ کی پارلامنٹری طریقوں پر عمل کے لئے تیار نہ تھی کردوں اور ان سولہ کو تو نہایت سخت سزا ہی دی گئی۔ مہدی موعود کو پھانسی دیکر دوسروں کو سبق دیا گیا۔ اور پھر ہر ترک کی زبان پر یہ جاری ہو گیا

لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں۔ نفاق اور حسد سے   آپس میں ہر پل لے ہم ایسا نہیں کرتے

کمال پاشا کے زبردست ہاتھ نے پھر سب کو لرزہ بر اندام کر ہی دیا تھا اور ملک میں پھر امن ہو گئی۔ گر کمال پھر خود ہی دورے کے واسطے بھی نکل کھڑے ہوئے اور جو واقعی شکایات قوم کو اور رعایا کو تھیں اونکو سنکر انکی داد دینے لگے۔ نتیجے میں سنہ ۱۹۳۱ء میں بجز ڈکٹیٹر شپ کے دوسرا کوئی بھی علاج انکی سمجھ میں نہ آیا، چاہے اسے زبان سے نہ کہا جاوے۔

کمال پاشا نے جیسے ہی کہ ملک پر پھر قابو حاصل کرلیا ویسے ہی سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک صلحنامہ کے ذریعے سے جو ایم کاراخان (Karakhan) سفیر سویٹ روس اور رشدی اراس (Rushdi Aras) ترکی وزیر خارجہ کے دستخطوں سے ہوا تھا دونوں دوستوں کی حکومتوں کے درمیان باہمی امداد کا تخمینہ ہو گیا اور اسی وقت سے گذشتہ پاسداریوں کی دونوں کی عداوت کا خاتمہ بھی کرادیا۔ چنانچہ پھر دس سال کا صلح کا معاہدہ بعد میں کیا ہے۔ اس سے دوستی کی تجدید پورے طور پر ہو گئی ہے اور روس نے ترکی کے واسطے صنعتی ترقیوں کا پورا بندوبست کرادینے کا ذمہ ہی لے لیا ہے مالی نیز تعلیمی امداد اپنے ماہرین فن کے ذریعہ سے بلا تکلف دے رہا ہے۔ ہوائی پرواز کے بیڑوں اور روئی کے کارخانوں کے لیے معلم اور کاریگر دیکر ترکوں کی ہر قسم کی تعلیم کرادی ہے۔ اسی سنہ ۱۹۳۲ء میں ترکی لیگ اقوام میں بھی شامل ہو گیا تھا اور اسمبلی کی بھی جدید تعمیر کی گئی۔ نیز انکی قومی پارٹی کی ترمیم پھر شروع ہو گئی جس سے سنہ ۱۹۳۲ء میں اسمبلی میں زائد تر مزدوروں کاریگروں، دوکانداروں اور کاشتکاروں وغیرہ کو شامل کرالیا گیا ہے اور اب خود کمال پاشا تو ملکی زراعت و تجارت کی طرف توجہ کر رہے ہیں اور لوگوں کو بھی رغبت دلا رہے ہیں۔ مگر سیاسیات سے عوام کو علیحدہ رکھنے کی پالیسی پر نظر انداز ہو رہی ہے۔ آپ نے بھی آتا ترک کا خطاب دیکر انکو ہر طرح پر گویا معزز بنا دیا ہے۔ جسکے معنی "ترکوں کے باپ" ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تنظیمات کے نوجوانوں کا سیاسی لیڈر شناسی (Shinasi) تھا اور سلطان عبد المجید کے وقت میں اسکی بڑی قدر ہوئی تھی وہی مطابع کا بھی بانی تھا۔ اسکے بعد اسکا شاگرد ہو نامک کمال (Namik Kemal) جو بہت مشہور ہوا۔

دونوں کی تحریرات اور شاعری نے بھی ملک میں بہت کچھ جمہوریت کے خیالات کی اشاعت کردی تھی۔ اول الذکر کی کتاب "تصویر افکار" اور ثانی الذکر کا "قصیدۂ حریت" خاص طور پر مقبول ہوئے تھے۔ مگر سلطان عبد الحمید پر تو تنظیمات کے ادب ہی کو زائد تر جلوا دینے کا الزام ہے اور اتحاد و ترقی کے تو انور پاشا ہی لیڈر کہے گئے تھے۔ حالانکہ بعض تواریخ میں اسکی ابتدا اور سلانیکا میں قائم کئے جانے کا زمانہ ۱۸۹۶ء تحریر ہوتا پایا گیا تھا۔ گو کوئی معقول شہادت اسکے بابت نہیں ملتی۔ اسی طرح دستوری حکومت کے لیڈر اب کمال پاشا ہوئے جنھوں نے کہ ٹرکی کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچا لیا اور جبکہ ترکوں کی عزت آبرو ملک وغیرہ سب جا رہے تھے تو انھوں نے نہ صرف دنیا کے سامنے اسے بچا ہی لیا بلکہ اپنی ذہانت، شجاعت، بہادری، جاں بازی اور ہر قسم کی قابلیت سے مذہبی، سیاسی اور ملکی حالتوں کو چار چاند بھی لگا دیئے۔ اسکا اندازہ وہ قومیں خوب کرسکتی ہیں جو دوسروں کی محکوم ہیں۔ اور انکا مذہب انکی سیاست اور ملک بھی کس طرح غیروں کے ہاتھوں ہر قدم پر پامال ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ۱۹۲۳ء سے تو انکی شخصیت کا اثر ہر شجر و حجر پر طاری ہے۔ بچے جوان - بوڑھے، کیا مدرسہ کیا گاؤں۔ کیا شہر کیا عدالتیں۔ کیا جنگل کیا سمندر۔ کیا ہوا۔ کیا بازار۔ کیا فوج اور اسکا سامان غرضکہ ہر شے وغیرہ سب ہی پر تو نظر آرہا ہے اور سب اپنی جرأت میں کمال ہی کا نام لے رہے ہیں۔ آپ مافوق الانسان ذات کی تصویر مجسم اگر کسی کو دیکھنا ہو تو ان کو جاکر دیکھ لے وہ پیدائشی سیاسی ہونے کے علاوہ قربانی اور ایثار کے اوصاف بھی اپنے میں لائے ہیں۔ قوم اور ملک کا درد اور حب الوطنی تو کوٹ کوٹ کر خدائے تعالیٰ نے بچپن ہی سے انکے دل میں بھر دی تھی۔ کل قوم اب انکے سخت سے سخت حکم کے ماننے پر نہ صرف تیار ہی ہو جاتی تھی بلکہ بہ طیب خاطر قبول میں یہ سمجھ کر کہ جو کچھ بھی وہ کرینگے قوم اور ملک کے نفع ہی کے واسطے کرینگے سب کو خوشی بھی حاصل ہوتی تھی۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک کو گویا انھیں نے آزادی کی دھن میں مست کرکے ترقی اور محنت کی شاہراہ پر ایسا لگا دیا تھا۔ کہ صرف ملک کی محبت اور قوم کی شیدائیت ہی قوم بھر کا ایمان رہ گیا تھا۔ نہ اگلی روایات یا شان و شکوہ سے وہ تعلق رکھتے تھے اور نہ ملاؤں۔ خانقاہوں اور پیروں کے ڈھکوسلوں یا انکی قیل و قال و حال و جال سے کچھ واسطہ ہی انھیں رہ گیا تھا۔ فی الحقیقت تو غازی پاشا کی سیدھی سادی سپاہیانہ زندگی کا کچھ ایسا جادو چل گیا تھا کہ باید وشاید۔ قوم نے بھی اپنی شکرگذاری کے اظہار میں بخوشی سلطانیت اور خلافت تک تفویض کر دینا دل و جان سے چاہا تھا۔ مگر واہ رے ہمت مردانہ کہ مصطفےٰ کمال نے کسی انعام کو لینا منظور نہیں کیا اور خود ایک خادم قوم ہی بنکر رہنے میں اپنی عزت جانی بلکہ خالص خدمت قوم و ملک کو اپنا تمغۂ امتیاز سمجھ رکھا تھا۔ اب یہ کہ خود قوم نے انھیں کوئی خطاب دیا یا تو اسکا علاج انکے پاس کیا تھا؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کمال پاشا سے ملکر لوگ خوش ہوتے تھے ملاقات میں اس وجہ سے بے حد لطف آتا تھا کہ لطائف و ظرائف اور حاضر جوابی سے وہ دلوں کو مسخر کر لیتے تھے مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز (H. G. Wells) کی تصنیفات کے بھی بڑے شایق تھے۔ بلکہ صفحے کے صفحے اُنکے مضامین کے اُنھیں حفظ تھے اور موقع بہ موقع اپنی تقریروں میں اُنکو دہراتے تھے۔ اُنکے وزراء بھی معاملات کو مختصراً۔ صاف صاف اور جلد از جلد اُنکے سامنے پیش کر دیتے تھے اور اُنکی طرف سے جواب بھی چٹ پٹ ملجاتا تھا جس پر کاربند ہونا انکا فرض تھا۔ یہ تمام کمالات دراصل خداداد ہوتے ہیں۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ ہر شخص نہیں حاصل کر سکتا جب کسی قوم کو خداوند عالم بنانا اور نوازنا چاہتا ہے تو ایسے ہی افراد پیدا کر دیتا ہے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ اُنکا حافظہ بھی زبردست کہا جاتا تھا۔ ہر معاملہ کے تصفیہ کے لئے گذشتہ تجربہ سے ایک نہ ایک واقعہ مثال کے طور پر وہ بیان کر دیتے تھے اور اُسی سے نتیجہ بھی غور و خوض کے بعد فوراً نکالکر دوسروں کو ہم رائے بنا لیتے تھے۔ چنانچہ اُنکے نتائج ابھی تک تو ہر معاملہ میں قوم کے نزدیک صحیح ثابت ہو رہے تھے۔ آگے چلکر خدا جانے۔ جب کسی کو سفارت پر بھیجتے تو تمام نشیب و فراز کو بحث و مباحثہ میں لانے کے ساتھ ساتھ امکانات کو بھی اپنے حتی الامکان داخل کر کے نتائج پر گفتگو کر لیتے تھے۔ چنانچہ عصمت پاشا کو جب لازان توفیق رشدی کو جنیوا۔ اور محمود اسعد بے کو لیگ آف نیشنز کے اجلاسوں میں بھیجا ہی تو قبل ہی سے وہ تمام مراتب حل اور طے کر لئے تھے جو وہاں ظہور میں آئے تھے۔ اُنکی فوجی قابلیت کا نتیجہ تو دنیا نے دیکھ ہی لیا ہے۔ اور سیاست بھی ظاہر ہو گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قوم کہاں تک آئندہ اُسپر عمل کر سکتی ہے۔ وزراء بھی ابھی تک تو اُسی ڈھرے پر لگے چلے جا رہے ہیں کہ جو کچھ گھر بیٹھ کر سب آپس میں طے کر لیتے ہیں اُسی کی پابندی سب کرتے ہیں جس سے نہ خود وہ غلطی میں پڑتے ہیں اور نہ وزراء ہی راہ خطا میں دھکے کھاتے ہیں۔*

بچپن ہی سے جبکہ دس سال کی عمر تھی اپنے قلم سے حکومت کی غلطیوں کو اپنی سمجھ کے مطابق لکھ کر اپنے ساتھ کے کھیلنے والوں اور تعلیم پانے والوں کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ نیز ملک کی پسماندگی وغیرہ کا نوحہ پڑھکر اُسکے بچانے کے لئے مٹھی بند کر کے داہنے ہاتھ کا گھونسہ یہ کہکر دکھلایا کرتے تھے کہ "میں اپنے ملک کو بچاؤنگا۔ افسوس میرے ملک کی کیا حالت ہے" اور یہ تو وہ اب بھی کہتے تھے کہ "اپنے ملک کی ترقی کے واسطے میں نے دن و رات میں کبھی غفلت نہیں کی ہے" اُنکے ہم عمر عصمت پاشا تو مدتوں سے اُنکو اپنا سردار اور افسر بنائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی دیگر وزراء اور افسران فوج کا حال تھا کہ اُنکے اشارے پر چلنا وہ اپنا مذہب اور ہر قسم کا فرض عین سمجھتے تھے اور یہ سب

---

* دیکھو کتاب "ٹرکی حال" مصنفہ گریس ایلیسن (Grace Ellison)

دباؤ یا ڈر سے نہیں بلکہ ملکی خدمت۔ قومی حق اور وطن کی محبت کے باعث۔ اس وقت تو ترکوں کا کامل اعتماد کمال پاشا پر ہر کوچہ و بازار میں دکھلائی دیتا ہے بلکہ گھر گھر اُنکے تمام صفات۔ اُنکی قربانیوں اور خدمات کا چرچا ہی ہر وقت رہتا ہے۔ قوم در اصل اُنکی دل و جان سے شیدا تھی۔ اُنکے یہاں بھی اب کوئی سا فعل اُنکی ذات کے واسطے نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود ملک و قوم کی ملک تھے اور ملک و قوم اُنکی ملک تھے یہ بھی مشہور تھا کہ اُنکی خارجی پالیسی سب سے میل و جول سے بسر کرنا ہوگئی ہے لیکن ترک قوم کے آنکھ اور دماغوں میں جو زنگ آگیا تھا اسکو وہ ضرور دور کرنا چاہتے تھے اور سچائی کی حمایت کرنا اُنکا اصول حکمرانی ہے نہ کسی قوم سے ان کو خاص محبت تھی اور نہ کسی سے نفرت نہ حکومت کی غلطی کو قوم کا قصور مانتے تھے بلکہ ترکوں کی مدت سے کاہلی۔ بے علمی اور غلط بے عملی کو اُنکی تمام خرابیوں اور تباہی کا باعث بیان کیا کرتے تھے۔ اسی لئے ہر شعبۂ ملک کو قوم کے ہاتھ میں یعنی اسٹیٹ کے ہاتھ میں وہ رکھنا اپنا فرض کہتے تھے۔ اور جو بھی ترقی زمانۂ حال کے مطابق ہو اسکے وہ دل سے حامی تھے۔ فرسودہ اور اگلے لوگوں کے خیالات سے وہ اپنے کو اور اپنی قوم کو پابند کرنا بیشک مضر جانتے تھے اور زمانے کے مطابق نہ چلنا ہی وہ اُسوقت قوم بھر کی موت کا گجر بجنا بتلاتے تھے۔ کیونکہ اُنکی آنکھ کے سامنے وہ نظارے آچکے تھے جہاں بیرونی سلطنتوں اور اشخاص کا اثر رہ چکا تھا کہ جنھوں نے قوموں کے غلام بنانے میں اور خون کے چوسنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ اُنکا معیار تو صرف یہ کہا جاتا تھا کہ "نہ عرب کے لوگ اب انکو مذہب سکھائیں اور نہ یورپ کی حکومتیں تعلیم و تجارت کا سبق دیں بلکہ خود ترک قوم اپنا دین اور اپنی دنیا سنبھال لے" چنانچہ انھیں اصولوں کی پابندی میں تمام عیسائی ہمسایوں سے صلح کر لی تھی اور اُن سے صرف اسی قدر توقع رکھتے تھے کہ ترکوں کی آزادی میں کسی شکل سے ٹھیس نہ لگنے دیں۔ بلکہ تمام نزاعی معاملات کو بغیر جنگ کے حتی الامکان طے کر لیا کریں۔ اُنکی رائے میں دنیا کی تاریخ ہی تمام امور کا فیصلہ کرے گی اور کرتی رہی ہے۔ اور ایک بہادر مرد کی طرح وہ تاریخ ہی کو اپنے کارناموں کا آخری فیصلہ کنندہ جانتے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ ترک اس بات سے بیحد ناراض ہوتے تھے کہ اگر مصطفٰی کمال کو مسولینی (Mussoulline) کا مقلد کہا جاتا۔ بلکہ مسولینی کو وہ کمال کا مقلد جانتے تھے۔ اور یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ کمال اور مسولینی کی ایک ہی سال کی پیدائش ہے۔

مصطفٰی کمال تو علاوہ مدبر ہونے کے بڑے جفاکش اور محنتی بھی ہیں جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اس میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ دنیا ومافیہا کی خبر ہی نہیں رہتی۔ انگورہ کی ہر تکلیف کو موسمی ہو یا کاروباری

وہ راحت ہی جانتے ۔کھیل اور ناچ و تماشہ کے بھی شوقین تھے گر وقت وقت سے اور وہ بھی ضرورتاً اور مصلحتاً اُنکے وزراء اور اُنھیں اپنا دوست استاد اور حاکم بھی جانتے تھے اُنکا محافظ دستہ فوج اُنکا شیدائی تھا اور یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ ہر سچا ترک ۔ انکا عاشق تھا۔ پیادہ ہوا خوری کے وہ شائق تھے۔ گو گھوڑے کی سواری اور شکار کا بھی شغلہ تھا۔ ہر صبح کو اپنے ذاتی فارم یا کھیت پہ جا کر کاشتکاری کی دیکھ بھال ضرور کر آتے تھے اور حکومت کی طرف سے دعوتوں کے موقع پر شاہی تزک و احتشام سے چلتے تو جاتے ۔ مگر یوروپین اقوام کی طرح بعد میں ایک معمولی سپاہی کے مثل بات چیت ۔ ہنسی مذاق کرتے ہوئے احباب میں گھل مل جاتے تھے کہیں سے بھی غرور کا شائبہ نہیں نظر پڑتا تھا اور اپنے قدیم غربت کے دوستوں کو کسی وقت بھی نہیں بھولتے تھے جس طرح ترک قوم اسوقت غازی پاشا کو اپنا حکمراں عامل اور قاعد اعظم مان رہی تھی اسی طرح وہ اپنے ہر قول و عمل سے قوم بھر کو یہ ثابت کرتے رہتے تھے کہ وہ محض ایک معمولی خادم قوم و ملک تھے۔

ترکوں کا وہ وحشی تورانی اثر جو اُنکی رگوں میں تھا اور جس کے باعث یورپ نے اُنکے فاتحین کو اچھا نہیں کہا ۔ مگر پھر عربی اثر اور اسلامی تعلیم سے جب وہ وحشی اثر جاتا رہا تو اُسی سے عام طور پر ترک قوم کی وقعت دنیا نے کی اور اب بھی کر رہی ہے اور کرتی رہیگی ۔

ابتدا ہی سے ترکی کاشتکار محنتی ۔ وفا دار ۔ ایماندار ۔ بات کا پاس رکھنے والا ۔ سادہ مزاج غیر آرام طلب اور کسی نشہ وغیرہ کا کبھی عادی نہ تھا ۔ مٹی کی جھونپڑیوں میں گذر کرنے والا ۔ مگر پہاڑوں پر پتھروں کے مکانات بھی بنا کر کھڑے کر چکا تھا اور بڑی کاشت کاریوں میں شرکت کرکے کام چلاتا تھا ۔ مالکان آراضی زمین کے ساتھ تخم بھی دیتے تھے ۔ گیہوں ۔ باجرا ۔ رائی ۔ جو ۔ وغیرہ کی خاص پیداوار تھی ۔ زمین جوتنے والے اپنے ہی جانوروں اور اپنی محنت سے کار برآری کرتے تھے اور نصف پیداوار تقسیم ہوجاتی تھی ۔ لکڑی کے ٹکڑوں میں نشان دیکر شمار اعداد کرتے تھے ۔ زمیندار کے مختارین اور کارندے اکثر زاید نفع اُن سے اُٹھاتے تھے کافی اور حقے کے عادی تھے ۔ مگر حقہ زاید نہیں ۔ عیسائی کاشتکاروں میں گانے بجانے اور ناچ و رنگ کا چرچا ہمیشہ سے زاید تھا ۔ مگر مسلمان تو مثل ہمیشہ کے قسمت پر شاکر رہ کر اور جو طرز زندگی پہلے تھا اوسی کو نباہ رہے تھے ۔ لکڑی کے ہل تھے اور بھینسوں سے کھیتوں کی جوتائی کرتے تھے یا کہ بیلوں سے غلہ روندواتے تھے ۔ زمین کے شاداب ہونے کے باعث کھاد نہیں دیتے تھے [illegible] اور گرمی دونوں [illegible] ہوتی ہے ۔ بہار کا زمانہ کم ہوتا ہے ۔ نیز بارش پر دار و مدار تھا ۔ پیداوار [illegible]

ملاؤں کا حق بھی پیداوار میں تھا۔ ٹیکس مقرر کرنے والے کی مرضی پر حیثیت کے اعتبار سے مالگذاری وصول کی جاتی تھی۔ لوکل کونسلیں بھی تھیں اور وہ حصہ رسدی وصول کراتی تھیں۔ اراضی پر مقررہ مالگذاری باقاعدہ نہ تھی۔ کاشتکار بیحد خلیق اور متواضع تھے۔ مذہبی جوش دلانے سے اور تعصب کی آگ کے بھڑکانے سے زائد متاثر بھی ہوتے۔ اگر دق نہ کیا جاتا تو بڑے شریف النفس تھے۔ ورنہ ہر کاشتکار بڑا ظالم اور مجرم۔ مسلم اور عیسائی رعایا دونوں آرام سے بسر کرتے رہے تھے۔ شادی ہوتے ہی مرد عورت عیسائیوں میں تو باپ ماں سے جدا ہو جاتے تھے مگر ایک عورت کی حکومت کا اصول اب بھی ہر گھر میں جاری تھا۔ برآمد کا سامان ملک میں کم تھا جس سے بجائے اشیاء کی درآمد کے سونا چاندی ہی باہر چلا جا رہا تھا۔ برآمد کے سامان کی کمی سے باہر کا تیار شدہ مال بھی تبادلہ کرکے لانا گویا ناممکن ہی تھا اور جبتک کہ صنعت و حرفت کی ترقی نہ ہوتی اور کارخانے نہ قائم ہوتے تب تک مال بناکر باہر بھیجنے کے واسطے تیار ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ سونے وچاندی کو باہر جانے سے کوئی روک سکتا تھا۔ نہ باہر سے اعتبار ہی ملک کا کیا جا سکتا تھا نیز سرمایہ کی کمی تھی انھیں حالات اور وجوہ سے کمال پاشا نے کارخانوں کے قیام کا خیال سب سے پہلے کیا اور جلد سے جلد اسکی فکریں کیں۔ تب ہی ۱۹۳۳ء میں پانچسالہ کے ایک طریقۂ کار کی اسکیم تیار کرائی گئی تھی۔ مگر اب بھی ملک میں غیر مسلم اقلیتیں یوں تھیں کہ نوے ہزار تو صرف یونانی تھے اور اُنکے علاوہ ارمنی اور یہودی بھی گروہ لوگ نہایت خوشی کے ساتھ ترکی باشندگی کو قبول کر چکے تھے اور آرام سے اب رہ رہے تھے۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں ایک مسٹر کلارک فورمین (Mr. Clark Foreman) نے جو ترکی کے حالات کی جانچ کے واسطے وہاں گئے تھے۔ اُنھوں نے اپنا ایک بیان شایع کیا تھا جو الہ آباد کے لیڈر اخبار نے بھی ۷ ار نومبر ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں یوں نقل کیا تھا کہ "تمام اقتصادی تعمیر میں قومیت کی روح اب پھونکی معلوم ہوتی ہے۔ صنعت وحرفت کی وہ کمپنیاں جنمیں بیرونی سرمایہ لگا ہوا تھا سب میں کم از کم پچاس فیصدی سرمایہ مقامی ہونا قانوناً لازم کر دیا گیا تھا اور غیر ترکی کاروباریوں کے لئے سخت قواعد بنا دئے گئے تھے۔ مقامی صنعت کی ترقی ہی کی صرف خواہش نہ تھی بلکہ بندرگاہوں کی تجارت میں بیرونی اثر کو روکنے کی بھی حکومت کی کوشش تھی اور حکومت نے اُسے اپنے ہی ہاتھ میں لے لیا تھا۔ حالانکہ وہ بیشتر یونانیوں کے ہاتھ میں تھی۔"

۱۹۳۵ء میں چار کپڑے بنانے کے کارخانے اور ایک کاغذ کی مل بمقام ازمت (Izmit) چالو ہوگئی تھی

استنبول میں بھی ایک شیشے بنانے کا کارخانہ قائم ہوا۔ نیز ایک چھوٹا ریشم کا کارخانہ گملک (Gemlek) میں۔ شکر کے صاف کرنے کے کارخانوں نے ۔۔ ایسکی شہر اور ترحال (Turhal) میں کام کر کے باہر کی شکر کا اب ترکوں کو محتاج نہیں رکھا ہے۔ جنگ سے قبل تو ڈھائی لاکھ ٹن گیہوں یا آٹا باہر سے آتا تھا مگر اب تو خود ترکی سے باہر جانے لگا ہے ٹیکس بھی رعایا پر کم کیا گیا۔ بلکہ ۳۴ و ۱۹۳۵ء کا بجٹ بھی مداخل و مخارج کا برابر ہی کا بن گیا تھا۔ اور ان سب کے باعث ترکی پونڈ کی قیمت جو ۱۹۳۰ء میں تھی وہی جون ۱۹۳۵ء میں قائم رہی۔ اسی سال سلطنت نے دیہاتی صنعتوں کی بڑی امداد کی تھی اور اسی کو در اصل رعایا کی حقیقی فلاح کا ذریعہ سمجھ کر اسکی طرف ہر قسم کی توجہ شروع کر دی گئی تھی۔ خود وزارتیں ہر صنعت و حرفت کی ترقی کے واسطے مالی امداد کی انجمنیں بنوا کر نیز دوسرے طریقوں سے کوشش کر رہی تھیں۔ اور خود کمال پاشا معاشرتی زندگی سے گویا علیحدہ ہو کر سلطنت کے کاموں اور رعایا کی فلاح کی تدبیروں کے لئے محو ہو گئے تھے۔ عورتوں کو مکمل آزادی دینے کے باعث اونکا اب یہ خیال مستقلاً قائم ہو گیا تھا کہ وہ مردوں کے برابر کام کر کے آئندہ دنیا میں بجائے جنگ کرانے کے صلح کا باعث ہونگی۔ لوگوں کا وہ فرسودہ خیال کہ مستورات ہی کے باعث بہت کچھ اختلاف گھروں اور ملکوں میں ہو جاتا ہے اوسکا حل اگر کوئی وہ سمجھے تھے تو یہی تھا اور اب عوام ترکوں کی رائے بھی انکی اس رائے کے مطابق ہو گئی تھی کہ جس قسم کی بھی تبدیلیاں رسمی و مذہبی اونکے یہاں کی گئی تھیں تمام اسلامی دنیا رفتہ رفتہ وہی کرے گی کیونکہ اسلام میں وہ زبردست حیاتی قوت ہے کہ اسکو کسی قسم کی دنیاوی ضرورتوں کی تبدیلی مٹا نہیں سکتی وہ ہر وقت اور ہر حالت میں اور ہر کشمکش کے بعد فتح پائیگا اور اپنی صداقت سے کبھی ناکامیابی کی صورت نہ دیکھے گا۔

۱۹۳۶ء میں دردانیال کا معاہدہ بھی ترکوں اور دیگر ریاستوں کے درمیان ہو گیا تھا۔ بلغاریہ نے سب سے پہلے دستخط اوسپر کئے تھے جس سے بقول لارڈ اسٹینلے (Lord Stanley) یہ ثابت ہو گیا تھا کہ "باوجود بین الاقوامی تلاطم اور انتشارات کے ایسے معاہدات آپس میں ہو سکتے تھے کہ جس سے سب کی حفاظت کا بندوبست ہو سکے۔" ترکی میں اسکی بھی بیحد خوشی منائی گئی تھی۔ صلح کے دو ہی گھنٹے بعد ترکی فوجیں ممنوعہ حدود کے اندر داخل ہو کر دردانیال اور باسفورس پر قابض ہو گئیں اور یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ کم از کم اسی کروڑ پونڈ انکی مضبوطی اور حفاظت میں ترکوں کو صرف کرنا پڑینگے۔ وہ ترکی جہاز جسکا نام گوبن تھا۔ اوسکو یاووز (Yavuz) کے نام سے موسوم کر کے دردانیال میں بیحد خوشی کے ساتھ

لایا گیا تھا۔ نیز جزائر ایمبراس (Embros) اور ٹینی داس (Tenedos) پر بھی قبضہ مانٹرے کنونشن (Montreaux Convention) کے مطابق ترکوں نے کر لیا تھا یہ جزائر بحیرہ ایجین میں واقع ہیں۔*

جون سنہ ۱۹۳۶ء میں تو یہ مشہور کیا گیا تھا کہ ترکوں نے صلح لازان کو پھاڑ ڈالا ہے کیونکہ کمال پاشا ہی تو سنہ ۱۹۲۷ء پھر سنہ ۱۹۳۱ء اور پھر سنہ ۱۹۳۵ء میں برابر صدر اسمبلی ہوتے رہے اور بجز اُنکے کوئی بھی درد انیال پر قبضہ کے ارادے کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا تھا۔ اُنکے آبنائے پر جبر یہ قبضہ کر لینے اور ممنوعہ حصہ میں فوج کو داخل کرا دینے کا دعویٰ اور پھر اُسکی اجازت طلب کرنا بڑی جیرت کی بات سمجھی گئی تھی۔ صلح لازان سے تو ترکوں کو در اصل بحر اسود اور بحیرہ روم کے درمیان آبنائے پر قلعہ بندی کی ممانعت تھی کیونکہ جو کوئی آبنائے پر قابض ہوتا گویا وہ روس سے تیل اور غلہ کے جہازات کے آنے کو روک سکتا تھا۔ نیز یورپ سے مشرق کا راستہ بھی بند کر سکتا تھا۔ مگر اب تو جنیوا نے فیصلہ ہی کر دیا اور ٹرکی نے قبضہ کر کے معقول معاہدہ بھی کر لیا جس سے کسی کو دشواری نہ ہوگی اور اُسکی حفاظت بھی ہوگئی۔ نیز ٹرکی پھر دنیا میں ایک رکن اعظم بنگیا۔ گو ترکوں کی تعداد صرف ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہی سہی تاہم اُنکے ہاتھ میں دنیا کی بڑی کنجی پھر آگئی۔ ہر بحری قوت کو آبنائے کی جنگ کے وقت اُنکی ضرورت ہوگی۔ گو جیفہ (Haifa) کا بھی شمار اسی میں اب ہو رہا ہے سنہ ۱۹۳۶ء میں لڑکے اور لڑکیوں کو جبر یہ اسکوٹ (Scout) بنانے کے لئے بھی وزارت تعلیم عامہ نے حکم جاری کر دیا تھا۔ تیرہ سال سے سترہ سال کی عمر تک کے لوگ اُس میں لئے جائینگے اور ہر ہفتہ میں ڈھائی دن تک اُن کی مخصوص تعلیم اوسی کے بابتہ ہوا کریگی۔ ہلال احمر کا بھی ایک شاندار جشن اب استنبول میں کرایا گیا تھا چالیس دن و رات یہ جشن رہا جسمیں مختلف قسم کے کھیل اور تماشے بالخصوص قومی قسم کے زائد تر دکھلائے گئے اور یورپ سے بھی بکثرت لوگ اُسمیں آکر شریک ہوئے تھے۔

۸ جنوری سنہ ۱۹۳۷ء کے اخبارات سے دنیا نے یہ بھی جانا کہ کمال پاشا ۶ جنوری کو یکبارگی قونیہ کے واسطے روانہ ہوگئے اور دیگر اپنے وزراء سے گفتگو کر کے انٹیوآک (Antioch) اور ایلگزینڈریٹا (Alexandretta) کے بابتہ جو اختلاف تھا اوسکو طے کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ در اصل ترکوں اور فرانس کے درمیان سنجک کے بابتہ کچھ مناقشہ تھا۔ اگرچہ وہ جنیوا کے سپرد ہوگیا تھا سنجک تو ایلگزینڈریٹا کا ایک موضع ہے۔ اوسکو فرانس نے حکومت خود اختیاری کا حق دیدیا تھا (ایلگزینڈریٹا کو ترک و عرب اسکندرونا کہتے ہیں) اس کارروائی سے خیال تھا کہ

* دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمس۔ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء۔

کہ کوئی دوسری سلطنت اُسکے بندرگاہ پر قابض ہو جائیگی حالانکہ ترک تو اس حصہ مُلک ہی کو اپنا سمجھتے تھے اسی جھگڑے کے باعث خیال کیا جاتا تھا کہ شامی و فرانسیسی معاہدہ بھی رُکا ہوا تھا۔ ترکوں نے تو جنگ عظیم کے بعد دونوں مقامات کو ایک معاہدہ خاص کے ذریعہ فی الوقت فرانس کے سپرد کر دیا تھا۔ مگر۔ مصرع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

کہ یہ معاملہ بھی بخیر و خوبی طے ہو گیا اور جو لیگ کی طرف سے کمیشن مقرر ہوا ہے اسکی کارروائی آئندہ چلکر معلوم ہوگی

اینی ایس سوان۔ (Annie. S. Swan) نے کمال پاشا کے متعلق لکھا ہے کہ "اُنکی ذہنیت اور حکمت عملی کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ جب اونھوں نے یونانیوں کو شکست دی ہے تو ان سے پوچھا گیا تھا کہ کیوں یونانیوں سے "تاوان جنگ" نہیں طلب کیا گیا۔ تو کمال نے یہ جواب دیا تھا کہ تجارتی معاہدات ہمیشہ قرضہ جنگ کے لینے سے بہتر ہوتے ہیں جنکا وصول کرنا باعث اختلافات اور ناگواری ہوتا ہے اور وہ یونان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا اس بات سے بہتر سمجھتے ہیں کہ ہم اُسکو ترکی فتح کی یاد دلاتے رہیں"*

ایک دوسرے یوروپین ایمل لنگی ایل (Emil Lengyel) جسنے کہ غازی پاشا کو دیکھا ہے اسکی یہ رائے ہے "جو شخص اُنکو پہلی اِسپاک میں دیکھتا ہے وہ حیرت ضرور کرتا ہے۔ وہ اکثر غور و خوض میں رہتے ہیں۔ سیاہ آنکھیں اندر گھسی ہوئی۔ ناک ہونٹوں کے اوپر خوب چوڑی اور نوک دار جسکو عموماً استقلال کی نشانی کہا جاتا ہے۔ خوش پوشاک ستاون سال کے جوان۔ پتلا جسم بات کرتے وقت ہاتھوں کو مشکل سے جنبش دیتے ہیں۔ آواز زوردار ہے۔ لبوں پر مسکراہٹ کے ساتھ اُنکی آنکھوں میں ایک چمک بھی ہے جس سے شرارت بھی ٹپکتی ہے اور اپنی خوشی کے پورا کرا لینے کا انہیں خاص ملکہ ہے۔ وہ موجودہ ترکی کے نہ صرف معمار ہیں بلکہ دیگر ڈکٹیٹروں سے کچھ زائد بھی ہیں انہیں کے سر ملک کی حالتوں کی ذمہ داری بھی ہے اور اُنکے مافوق الانسان ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک پس ماندہ مشرقی قوم اور مُلک کو موجودہ دنیا میں تمدن کا علمبردار بنا رہے ہیں۔ ایک خاص قوم کے رہبر ہونے کے علاوہ وہ اسلامی دنیا میں زبردست قوت ہیں کل مشرقی دنیا میں روح پھونک دینے کا سہرہ انہیں کے سر رہیگا۔ اور تقدیر کے بھی ایسے زبردست ہیں کہ دردانیال کی ایک جنگ میں اُنکی دستی گھڑی نے اُنکی جان بچائی نیز انگریزوں کو اُنکی سزا دی۔ اور جبکہ وہ ایک بے آب و گیاہ صحرا یا ملکہ شوریدہ حصہ ملک میں جا کر پناہ گزیں ہوئے تھے جہاں اگر انکا مدفن ہوتا تو تعجب نہ تھا مگر آپ تو

---

* دیکھو ہندوستان ٹائمس ۱۴ رمئی ۱۹۳۶ء

وہی مقام دنیا کے ایک بہت ہی مشہور مقاموں میں شمار ہو گیا ہے وہ تو محض مصطفےٰ سے کمال بنے پھر غازی ہوئے اور اتا ترک ہو کر ملک بھر کو صنعت و حرفت سے مالا مال اور جہالت سے علم حاصل کرا دیے ہیں*

۱۹۲۶ء میں اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ ٹرکی ۔ ایران ۔ عراق اور افغانستان میں ایک مشرقی ایشیائی اتحاد کا معاہدہ ہو رہا ہے ۔ اسکی بنیاد تو رضا شاہ پہلوی شاہ ایران کی جون ۱۹۳۴ء کی ٹرکی میں سیاحت کے وقت کہی جاتی ہے ۔ ٹرکی حکومت کو بیشک اسکی ضرورت ہے کہ اپنے مشرق و جنوب کی طرف جو ایران اور عراق سے ملحق ہے ادھر سے اطمینان کر لے تاکہ بحر روم کی طرف وہ اپنی پوری مضبوطی کر سکے ۔

عراق کو موصل اور شط العرب کے دریائی حقوق پر ترکوں سے اندیشہ تھا ۔ مگر اب عراق کو کچھ اطمینان سا ہو گیا ہے جس سے کہ لیگ اقوام کے اجلاس سے اسکی شکایات اٹھالی گئی ہیں ۔ پھر ایران اور افغانستان کے درمیان سرحدی کچھ نزاع تھی وہ بھی ترکوں کی امداد سے رفع ہو گئی ۔ ہاں اگر کسی طرح مصر ۔ نجد ۔ حجاز ۔ یمن فلسطین اور شام کی حکومتیں بھی ٹرکی ۔ ایران افغانستان اور عراق کے ساتھ مناسب معاہدے کر لیں اور اسلامی طریقہ پر سب ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہو جاویں تو سبحان اللہ ۔

ٹرکی میں اب ریلوے لائن ۴۲۴۵ میل ہے نیز ایک تجارتی بیڑہ جہازات بھی جسکا کل وزن ایک لاکھ نو ہزار آٹھ سو نواسی (۱۰۹۸۸۹) ٹن ہے ۔ برآمد میں اب انجیر ۔ روئی ۔ منقے ۔ اخروٹ ۔ چقندر تمباکو اور زیتون ہیں ۔

اخبار اسٹیٹسمین (Statesman) مورخہ ۱۴ر جولائی ۱۹۳۵ء میں ٹرکی کی موجودہ حالت کو یوں دکھلایا ہے کہ فرانس میں ۱۷۸۹ء میں اور روس میں ۱۹۲۷ء میں انقلابات ہوئے مگر لینن (Lenin) وغیرہ کی طرح کمال پاشا کو صرف معاشرتی تعمیر کو ڈھانا ہی نہیں پڑا بلکہ مذہبی تعمیر کو بھی مٹانا پڑا ۔ ٹرکی میں تو ہر شعبہ زندگی مذہبی پہلو سے تھا یہاں تک کہ صنعت و حرفت وغیرہ بھی یعنی قرآن پاک کے احکامات کے مطابق جو ساتویں صدی میں رسول کریم پر اترا تھا پس ظاہر ہے کہ موجودہ صدی میں زمانہ حال کا رنگ ہر شعبہ پر چڑھانا ایک غیر ممکن العمل بات ضرور تھی اور جبتک کہ مذہب سے بالکل جدا کر کے دنیاوی رنگ نہ دیا جاتا تب تک کسی قسم کی کامیابی ناممکن سلطنت اور مذہب کے فرائض ایک ہی شخص کے سپرد تھے ۔ وہی دینی و دنیاوی پیشوا تھا ۔ چنانچہ وزیر داخلہ جو کر دکا یاس (Chukru Kaya) نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہمارے انقلاب کا ایک بڑا مقصد دنیاداری کا طرز حکومت مذہبی طرز حکومت کو مٹا کر قائم کرانا تھا ۔ اور مقاصد انقلاب کو پیش نظر رکھنا ہمارا فرض ہے ۔ اسی بنا پر ۲۲ مئی ۱۹۲۸ء سے آئین میں الٰہی دین

* دیکھو [illegible] ہندوستان ٹائمس ستمبر ۱۹۲۶ء

اعداد وشمار کو اور ۳ر نومبر ۱۹۲۸ء سے لاطینی حروف کو اختیار کرنا اسمبلی نے طے کر دیا تھا۔ اور یکم جنوری ۱۹۲۹ء سے اسکی پابندی ہوگئی تھی۔ جس وقت کہ سلطانیت کو توڑا ہے اور دار السلطنت کو تبدیل کیا ہے، تب ہی خلافت کے مٹانے کی بھی تجویز ہوئی تھی۔ مگر آپس کے اختلاف کے باعث خلافت رُک گئی تھی۔ اور جب ۳ر مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کو مٹایا اسی وقت سے گویا مذہب و دنیاوی حکومت کو علیحدہ کر دیا پھر اسی کے چند ماہ بعد فرٹوپی اوتروادی یعنی یکم دسمبر ۱۹۲۵ء کو اور اسکو ترکوں نے مذہبی تعصبات پر گویا آزادی کی روح کی فتح سمجھی۔ پھر ۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو دستوری حکومت نے مذہبی پیشواؤں کو بجز مذہبی مراسم کے وقت کے اور مذہبی عمارات کے اندر مذہبی پوشاک پہننے کی بھی ممانعت کردی۔ لیکن ربی اعظم ویونانی وارمنی مقتدایان مذہب کو اس حکم سے مستثنےٰ کر دیا تھا۔ ..... اسی لئے مستورات کی آزادی کے لئے ۱۹۲۵ء میں بمقام ازمیر (Izmir) پہلا ناچ خود کمال پاشا نے دیا۔ نکاح کی رسم کو سول قانون میں داخل کرکے انکی اور مردوں کی برابری کردی۔ نیز تعدد ازدواج کو روک دیا اور ہر ٹرکی رعایا کے حقوق و فرائض صرف برابر ہی نہیں کر دیئے بلکہ صنعت وتعلیم وغیرہ میں آزادی سے ترقی کے مواقع پیدا کر دیئے۔ تصویر کشی کو بھی جائز کر دیا۔ اور اب تو ہر شہر میں کمال کا مجسمہ اور ہر گاؤں میں انکی تصویر عزت سے آویزاں کی گئی ہے۔ استنبول میں تو مصوری و مجسموں کے کھودنے و بنانے کی ایک اکیڈیمی بھی کھولی ہے۔ عمارات میں عام طور پر مغربی طرز کو اختیار کیا جا رہا ہے اور انگورہ میں تو موسیقی کا نارمل اسکول بھی ہے۔"

کہا جا سکتا ہے کہ اتاترک نے کوئی ایسا کمال نہیں کر دکھایا ہے۔ آخر جرمنی کے ہٹلر نے۔ اٹلی کے مسولینی نے روس کے لینن نے بھی تو اپنے ملک کو بنا کر دکھلا ہی دیا۔ مگر فیسزم (Facism) اور بالشویزم (Balshevism) سے کہیں بھی زاید کمالزم (Kemalism) کے کارنامے ہیں۔ روس تو ابھی تک دنیا کے لئے ایک راز ہے باوجودیکہ اسکے انقلاب کو بیس سال گذر چکے ہیں۔ ترکی انقلاب تو اسکے بہت بعد ہوا اور علاوہ انتہائی پسماندگی کے۔ نہ ٹرکی میں کوئی ترتیب ہی تھی نہ باقاعدگی۔ بلکہ ملک بھر ویران ہو چکا تھا۔ قوم میں اتحاد نہ تھا۔ اقتصادیات ملک تو غیروں کے ہاتھ میں تھے۔ انتظام ملک بھی دوسروں کے مقابلہ میں ہزاروں برس پیچھے اور عمال میں رشوت اور دغابازی کا بازار ہر جگہ گرم و دائر سائر۔ سب سے بڑھ کر تو یہ ہوا کہ قومی مذہب کو قائم رکھ کر اوس سے اوہام پرستی اور غلط کاری کو نکال پھنکوایا۔ نازیوں اور بالشویک قسم کی مذہبی خرابیاں بھی پیدا نہیں ہونے دیں۔ اور قوم کو محض جبر وعقیدہ سے دور ہی کر لیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ حال کی سائنس اور ترقیوں سے آراستہ ہو کر ترک قوم تاریکی سے نکلکر روشنی میں آگئی۔ اور روز و روز اس میں کام کرنے لگی۔

اُنکی قومی پارلامنٹ کا اجلاس بھی روزانہ ہوتا ہے۔ اور خود اتاترک اپنے وزراء سے مشورے کیے بغیر کوئی بھی کام نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر ملک میں جاکر دیہاتیوں اور رعایا سے مشورہ لیتے ہیں نیز اُنکی سنتے اور اپنی کہتے ہیں اور وزرا تو یہ کہتے ہیں کہ اتاترک کبھی خود کوئی حکم اب نہیں دیتے ہیں نہ کسی کے کام میں مداخلت کرتے ہیں غرضکہ ہر شے اور ہر کس وناکس میں ایک نئی روح پھونک دی گئی ہے۔

باب دوم

صفائی الزامات

مصطفےٰ کمال نے گویا مثل ایک باپ کے اپنی قوم سے ایک بار یہ کہا تھا کہ "تمہاری نشو ونما وتعلیم کا میں ذمہ دار ہوں اور تمہارا ہر جرم میرا ہی جرم ہے" اسلیئے ترکوں پر جو سات بڑے الزامات ہیں اور جو مصطفےٰ کمال کے حکومت کو ہاتھ میں لینے کے بعد لگائے گئے ہیں انپر گفتگو بھی مناسب ہے۔ یعنی خلافت کو مٹانا۔ ترکی ٹوپی کو اتروا دینا۔ پردۂ نسواں کا موقوف کرنا۔ دارالسلطنت کو تبدیل کرنا۔ ملک کی تحریر میں لاطینی یا رومن حروف کو رائج کرنا تعطیل جمعہ کے بجائے اتوار کو تعطیل دینا۔ دنیاوی سلطنت کو مذہب سے جدا کرنا اور عام معاشرت کا بدلنا۔

اب چونکہ مصطفےٰ کمال کے قول کے مطابق وہی تمام جرائم یا الزامات کے ذمہ دار ہونگے نہ کہ اُنکی قوم اسلیئے اُنھیں کے اقوال سے زیادہ گفتگو کی جانا بھی مناسب ہے۔ اور ہر مذکورہ الزام بالترتیب ہی بحث میں آئیگا۔

الزام نمبر ا خلافت وسلطانیت کو مٹانا

بغداد میں بنی امیہ کی خلافت وسلطنت ۷۵۰ء تک رہی اور پھر ۷۵۵ء سے ۱۴۹۲ء تک اسپین میں اُنکی خلافت اور سلطنت قائم رہی۔ اسی آخری سنہ میں گرنیڈا فتح ہوگیا تھا۔ مگر یہاں عبدالرحمٰن اول نے اپنے کو خلیفہ نہیں کہلوایا تھا۔ عبدالرحمٰن ثالث نے بیشک اپنے کو خلیفہ کہلوایا۔

بنی عباس کی خلافت وسلطنت بغداد میں ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں نے ختم کردی تھی۔ مگر تیرھویں صدی کچھ لوگ اُنکی قوت تک عباسی خلیفہ کا نام سنی المذہب دنیا خطبوں میں لیتی تھی اور سکوں پر بھی انھیں کا نام ہلاکو کے پنجے سے بچکر مصر کے سلطان بیبارس کے زیر سایہ پہونچ گیا تھا وہاں اسکو قاہرہ میں ...

تاریخ ۱۹۳۷ء صفحات

اوس کو مستنصر باللہ کا خطاب بھی دیدیا۔ ابوالقاسم نے بھی امیر مصر کو سلطان کا خطاب عطا کر دیا۔ یہ ہتھیار ممالیک غلامان خاندان سے تھے مستنصر نے بغداد کی فتح کا یہاں سے خیال کیا اور جنگ ہی میں ہلاک ہو گیا۔ خلیفہ مستعین کو تو چھ ماہ کے واسطے مصر میں سلطان بھی کیا گیا تھا مگر بعد میں خلافت و سلطانی دونوں ہی سے محروم بھی کیا گیا۔ سلیمان ذیشان کے وقت میں خلیفہ متوکل کو قاہرہ کی واپسی کی اجازت دیگئی تھی مگر ۱۵۴۳ء میں وہیں اوسکی وفات ہو گئی عباسیوں کی خلافت اس طرح دو سو چالیس سال تک گویا رہی ۔

ساتویں امام حضرت اسمٰعیل سے فاطمی خلافت کی ابتدا کہی جاتی ہے اوسکا اول خلیفہ عبیداللہ ہوا ٹیونیسیا میں جس کو اس وقت مہدیہ کہتے تھے فاطمی دار السلطنت تھا۔ مگر ۹۷۲ء میں چوتھا فاطمی خلیفہ قاہرہ میں داخل ہوا تھا۔ اور اوسوقت سے وہیں دار الخلافت بھی ہو گیا تھا۔ ۱۱۷۱ء میں سلطان صلاح الدین نے اسکو ختم ہی کر دیا تھا اور مصر جو دو سو سال تک شیعہ حکومت رہ چکا تھا تب سے سنی حکومت ہو گیا تھا۔

جس وقت کہ خلافت عباسیہ اسپین سے اور بنی امیہ کی خلافت مصر سے ختم ہو لی تھی تو احمد چہارم امیر مراکش نے بھی (۱۵۷۸–۱۶۰۳) تک اپنے کو خلیفہ اسلام کہلوایا۔ اور مورخوں نے اوسکو خلیفہ بھی تسلیم کیا کیونکہ وہ بھی فاطمی تھا اور مغرب کی ہسپانوی خلافت کا وارث۔

ترکوں کی خلافت کا ذکر تو اوپر ہو چکا ہے۔ مگر خلافت کے واسطے امور ذیل ضروری سمجھے جاتے تھے:۔
(۱) انتخاب۔ (۲) قریشی ہونا۔ (۳) رسول کریم کا خرقۂ مبارک اور ڈاڑھی کے چند بالوں اور دو دانتوں کی ملکیت نیز نشان پائے مبارک کے ساتھ عصائے شریف اور خلیفہ عمرؓ کی پگڑی۔ اس سب کی ملکیت کے علاوہ بادشاہت کا تنہا مالک ہونا بھی ضروری تھا۔

ترکوں کی خلافت تو ۲ مارچ ۱۹۲۴ء کو ختم ہو گئی تھی۔ اسی کے چند دن بعد شریف حسین شاہ حجاز نے اپنے کو خلیفہ ہونے کا مکہ میں اعلان کر دیا تھا لیکن اکتوبر ہی میں وہ اس سے دست بردار ہو گئے۔

خلافت اسلامی کے بابت ابھی تک تو یہ ثابت نہیں ہے کہ سلاطین ٹرکی کو اسلامی خلافت جائز طریقہ پر حاصل تھی اور خلافت کا مسئلہ خود ہی دنیائے اسلام میں باہمی نزاع بارہ صدیوں سے چلا آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل سنت والجماعت نے تو ترکوں سے باوجود اختلافات کے سلاطین ٹرکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا تھا تو یہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ہندوستان میں تو انکا نام نہیں پڑھا جاتا تھا ریاست حیدرآباد، بھوپال و دیگر اسلامی ریاستوں میں کہ اکثر ہندوستان

* دیکھو مسیحیات ۱/۱۱۱- ۱۵ الکتاب سر ہیری تیلیوک مذکور۔

ہیں تو وہیں کے حکمرانوں کے نام خطبوں میں بجائے سلاطین ٹرکی کے نام کے لیئے جاتے تھے۔ بھلا ایران۔ یمن افغانستان عراق۔ قویت۔ زنجبار وغیرہ کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔ وہاں تو السلطان ابن السلطان۔ والخاقان ابن الخاقان کے بعد وہیں کے حکمرانوں کا نام لیا جانا ضروری تھا اور ہے۔ پین اسلامی تحریک کے وقت تو خاص طور پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا اور جب سلاطین میں وہ اوصاف نہیں سمجھے گئے تھے جو خلافت اسلامی کے واسطے ضروری تھے اور علمائے اسلام نے اُنکے حکم پر جہاد کو تسلیم نہیں کیا تھا نہ اُنکے خلاف جنگ کرنے کو مسلمانوں کو منع کیا تھا۔ بلکہ خود عرب کے لوگ اور شریف جنگ میں ترکوں کو فتح کرنے لگے تھے تو بھلا عام مسلمانوں کا سُلطان کو خلیفہ سمجھنا کس طرح صحیح کہا جاسکتا تھا سلاطین ٹرکی کا کسی قسم کا روحانی یا نسبی تعلق بھی خلافت اسلامی کے واسطے نہیں مانا گیا تھا۔ نہ اُنکی وضع قطع ہی ایسی تھی کہ جس سے وہ مذہبا خلافت کے اہل سمجھے جاتے۔ در اصل تو اپنی تلوار اور دبدبہ سے اُنھوں نے اپنے کو خلیفہ کہلالیا تھا۔ ہاں ہندوستان کے مسلمان تو وہ مجبوراً کسی مسلم شہنشاہ کے نہ ہونے سے سلاطین ٹرکی ہی کو خلیفہ تسلیم کر بیٹھے تھے اُنکو نائب رسول یا خلیفۃ الاسلام آنکھ بند کر کے مانتے تھے حالانکہ خلافت کا اصلی مفہوم جو ہے کبھی بھی کسی نے نہیں سمجھا کیونکہ نہ انتخاب عام یا خاص سے وہ منتخب ہوتے تھے نہ اُنکے احکامات کی پابندی ہی مسلمان اپنا مذہبی فرض جانتے تھے۔

"خلافت اسلامی کے معنی شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز نے ازالۃ الخفا میں لکھے ہیں جس سے خلافت کے فرائض معلوم ہوتے ہیں۔ اور جو یہ ہیں علوم دینی کو قائم اور رائج رکھکر قرآن و سنت کی تعلیم دینا۔ ارکان اسلام نماز۔ روزہ۔ حج و زکوٰۃ وغیرہ کا قیام و استحکام۔ لشکر کا تقرر و غزوات کا اہتمام۔ مقدمات کا انفصال۔ قاضیوں کا تقرر۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا منوانا۔ حکام وغیرہ کی نگرانی"٭

اب کون کہہ سکتا ہے کہ ترکوں اور مصطفےٰ کمال کے اختیار میں وہ سب کچھ تھا جو کہ خلافت کے لیئے ضروری تھا اور جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ بیچارے مصطفےٰ کمال یا حال کے کسی بادشاہ بلکہ انسان کے بس ہی کی بات اب خلافت اسلامی نہیں رہی ہے اور ترکوں کی کمزوری اور مجبوری کو دیکھتے ہوئے تو کسی طرح بھی اُنکے لئے اب خلافت کی پگڑی شایان ہی نہ نظر آئی۔ نہ اس سے کسی قسم کا اُنکو سہارا یا امداد ہی ملنے کا ٹھکانا معلوم ہوتا تھا اور نقصانات کا نہ صرف اندیشہ ہی تھا بلکہ اسکے احکامات کے نہ مانے جانے میں خلافت کی انتہائی توہین معلوم ہوتی تھی۔ اب یہ کہنا کہ دستوری حکومت کے ساتھ ساتھ خلافت کا تمغہ بھی برائے نام اپنے گلے میں ترک لٹکائے رہتے تو کچھ حرج نہ ہوتا۔ کیونکہ دنیا کے کچھ لوگ اُنکی قدرت

٭ دیکھو حوالہ کے لئے سیرۃ الصدیق مصنفہ نواب صدر یار جنگ شیروانی صاحب طبع ۱۹۳۷ء صفحات (۴۷ و ۴۸)

بھی بھی کرتے رہتے اور دوسروں پر رعب رہتا یا دوسروں سے ایک قسم کی یگانگت کے واسطے کچھ تو سہارا تھا لیکن یہ بحث تو اُس وقت صحیح ہو سکتی ہے جبکہ خود ترک اپنی حکومت میں خلیفہ کے قیام سے نقصانات نہ دیکھتے لاکھ کچھ نہ ہوتو تب بھی کچھ نہ کچھ تو اثر خلیفۃ المسلمین کا اُنکی قوم میں بمقابلہ صدر اسمبلی کے مانا جاتا اور یہی ہر قدم پر باعث تصادم ہوتا۔ اب یہ کہ خواہ مخواہ کا دوسروں پر رعب رہتا تو اسکا زمانہ اب نہیں رہا۔ آجکل کی دنیا میں تو جنکے پاس سونا ہو، ہوائی جہازات ہوں اور بحری قوت اوسی کا رعب ہوگا پھر ترکوں سے اب خلیفہ اسلام کے کسی طرح کے فرائض بھی نہیں ادا ہو سکتے تھے۔ پاپائے روم کی طرح کا خلیفہ رکھنا نہ اُن کو گوارا ہو سکتا تھا اور نہ شاید کوئی مسلمان جسکو اسلام سے سچی محبت ہو گوارا کرے گا۔ حرمین شریفین ہی کی حسبی خدمت ترک کرتے تھے وہ نہ اب اُن سے ممکن ہی تھی نہ حرمین کے اندر اُنکے ذبح ہونے کے بعد کوئی بھی اُن سے اسکی توقع رکھ سکتا تھا اور حرمین شریفین پر اُنکا اب قبضہ بھی نہیں رہا تھا کیا ایک پاپائے روم اپنے یہاں بنا کر اسلام کی بھی وہی گت ترک بنواتے جو عیسائیت کی دنیا میں ہو گئی ہے؟ استغفر اللہ ترک کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے بالخصوص غازی پاشا سے تو ایسی نادانی کی حرکت کی توقع محض بے عقول ہی رکھ سکتے ہیں۔ خلافت کے واسطے اسلامی کانفرنسیں اور مؤتمر اسلامی کے جلسے بھی ہوئے۔ مگر یہ قضیہ طے نہ پا سکا۔ اور ترکوں نے صاف یہی کہہ دیا کہ جسکے سر پر اسکا تاج جچے وہ رکھ لے۔ پھر کسی کی ہمت اسکے لینے کی کیوں نہ ہوئی؟ دراصل تو دلائل عقلی یا نقلی سے اس مسئلے کے طے کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی اور نہ اب کسی میں اسکی ہمت تھی کہ سلطان سلیم کی طرح آگے بڑھ کر اعلائے کلمۃ اللہ کی تلوار ہاتھ میں لیکر اُمت مرحومہ کو زندہ کر سکتا یا اپنی حفاظت میں کر لیتا اور اُسکے بعد خلافت کا تاج نہ سہی کیلی ہی زیب تن کر لیتا۔

بیشک ترکی قوم کو مشرقی قوم کہی جاتی ہے۔ مگر یورپ پر صدیوں حکومت کے باعث انہیں تاریخ بھی اچھی طرح آگئی ہے اب اُنسے تلاہر اور باطل الوہیت یا روحانیت کی توقع رکھنا غلطی تھی۔ اُن میں اب دراصل حب الوطنی کا جذبہ زائد زور پکڑے ہوئے ہے۔ جس طرح کہ جاپان، جرمنی، روس بلکہ اور سب جگہ بھی اسیکا زور ہو رہا ہے ملکی قومیت کو وہ مجبوراً دینی قومیت کے مقابلہ میں مقدم سمجھنے لگے ہیں کیونکہ تمام دنیا اب اسی خیال میں رنگ گئی ہے۔ وہ مذہب کے نام کو دنیا کے حصول کے لئے فروخت کرنا اصلی ایمان کی دلیل نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ایسی ابلہ فریبی سے دور بھاگتے ہیں۔ مذہب کے نام سے خلقت کو ورغلانا اور روٹی کمانا کسی وقت بھی اسلام کے اصولوں کے مطابق ترکی قوم نے نہ صحیح سمجھا تھا اور نہ اب سمجھتی ہے۔

اس سب کے ساتھ یہ بھی قابل غور ہے کہ خلافت کو جس وقت سے ترکوں نے چھوڑا ہے کسی دیگر اسلامی حکومت نے

کیوں نہ قبول کرلیا۔ بیشک یہ ضرور ہوا کہ غیر اسلامیوں نے یا خود غرض حضرات نے سیاسی و دنیاوی اغراض کے لئے اسکو بخشد یئے پر دوسروں کو تیار ضرور کرنا چاہا۔ مگر بحمد اللہ کہ مسلمانوں نے کسی انسانی بنائی ہوئی خلافت کو منظور نہیں کیا اور اسی سے نہ اب کہیں خلافت ہے اور نہ کوئی صحیح خلیفہ۔ جسدن اللہ تعالیٰ کی مہربانی مسلمانوں کے اعمال وافعال سے اُنپر پھیر ہوگی۔ جب ضرور کوئی خلیفۃ المسلمین ہوجائیگا۔

الزام نمبر ۲ (فز ٹوپی کا اترواد ینا)

یہ اعتراض ہے کہ ترکی ٹوپی کو اتروا کر ترکوں کی پوشاکی خصوصیت کو برباد کردیا گیا۔ اور یہی وہ ٹوپی تھی کہ جب سے تمام دنیا میں مسلمانوں کو پہچانا جاتا تھا۔ مگر غور کرنے کا مقام ہے کہ ترک تو ترک ایرانیوں نے بھی اپنے کلاہ کو اتار پھینکا ہے۔ جو افسران ایران کا قومی نشان تھا۔ لیکن اصلیت اس تمام تبدیلی کی اور ہے۔ زمانہ حال کی جو قومیں دنیاوی ترقی کی کوشاں اور خواہاں ہیں وہ ایسے بلیغ اور ممیز احتجاجوں سے اپنی قوم بھر کو انقلاب عظیم کی طرف لیجانے کے خیال میں ہیں جسکا اندازہ بھی اُن دوسری قوموں یا دوسرے مقامات کے رہنے والوں کو نہیں ہوسکتا جو ترکوں کی طرح ایک نہ ایک وقت میں کافی حصۂ دنیا پر حکومت نہ کرچکی ہوں یا غلامی کا طوق گردنوں میں پہنے ہوں جس طرح کہ چینیوں نے ۱۹۱۱ء کی بغاوت کے بعد اپنی چوٹیاں کاٹ کر پھینکدی تھیں اور اُسکے بعد سے جیسی کچھ ترقی وہ کررہے ہیں اسی طرح اِن واقعات سے بھی نتائج اخذ کرنا چاہیئے۔ چوٹی رکھنا تو انکا بھی مذہبی فرض تھا۔ مگر حالات زمانہ اور فوجی یا دیگر ضرورتوں سے وہ ایسے مجبور ہوئے تھے کہ مذہب کی بھی اُنھوں نے پرواہ نہ کی۔ اور ایک دم سے قوم بھر کی چوٹیاں اتروا دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ چوٹیوں کے اتروا دینے سے ایک بہت بڑا قومی دماغی انقلاب منظور تھا نہ کہ محض بالوں کا کتروا دینا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ پھر کسی بڑے سے بڑے ضروری انقلاب میں بھی قوم بھر نے کسی طرح عذر نہیں کیا بلکہ بطیب خاطر سب کچھ منظور کرلیا اور کرتی جارہی ہے اسی طرح ترکوں کے متعلق خیال کرنا چاہیئے نہ کہ محض تعصب سے اس مسئلہ پر نگاہ کرنا چاہیئے۔ امور مملکت خویش خسرواں دانند۔

دراصل تو مذہبی متعصبین اور یورپ کے نکتہ چین دشمنان اسلام و ٹرکی جو وقتاً فوقتاً ترکوں کے اس طرح کے افعال کو زیر بحث لاکر اوبھارا کرتے ہیں وہ محض ظاہری باتوں کو تبتنگڑ بنا کر مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں۔ ورنہ یہ فز ٹوپی تو آسٹریا کے کارخانوں میں بنائی جاتی تھی اور وہاں کے کارخانوں کے مالکوں ہی نے اپنے نقصان ونفع کو مدنظر رکھکر اس ٹوپی کے معاملہ کی بہت کچھ دنیا میں مخالفت کرائی اور ترکوں کو بدنام کرنے کا

بیڑہ اُٹھالیا کیونکہ اُنکے بہت سے کارخانے اس سے ٹوٹ بھی گئے" تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ بازنطینوی حکومت کی بچی کھچی یادگار بھی یہی ٹوپی رہ گئی تھی۔

سلطان محمود ثانی نے جب کہ یوروپین پوشاک اور اسلحہ سے ترکی فوج کی یورپ کے مطابق ترتیب کرائی ہے تو بجائے پگڑی کے اس ٹوپی کو بھی لے لیا تھا اسی طرح اپنے مقاصد قومی کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ ترک فرز ٹوپی کے اوتار ڈالنے میں یورپ کی ہر طرح کی مساوات وماثلت کی طرف جا رہے ہیں۔ اور دیکھنے والوں کے لئے ترکی ایوان حکومت میں بالفعل یورپ کی کسی پارلامنٹ کے اجلاس سے ظاہری اختلاف اب اسی کے باعث نہیں نظر آسکتا ہے۔ پھر جبکہ عموماً یونانی وارمنی نیز دیگر عیسائی فرز ٹوپی ہی پہنکر بڑے بڑے دھوکے ترکوں کو دے چکے تھے اور یورپ میں عام طور پر جو نفرت ترکوں سے چلی آتی تھی وہ بھی ظاہر تھی۔ بس ٹوپی دیکھتے ہی ہوٹلوں تک میں اُنکو جگہ دینے سے انکار کردیا جاتا تھا۔ بلکہ دوکانوں تک میں نہ گھسنے دیا جاتا۔ اگر اس برتاؤ سے ترک قوم کو بھی ٹوپی کے پہننے سے ناگواری تھی تو بیجا نہ تھی اور جسمیں کوئی بھی مذہبی پہلو تک نہ تھا۔ اب جو اگر اسکو ترکوں نے مٹا دیا تو اسپر اعتراض صحیح نہیں ہے۔ یورپ میں نیز اتو تمام متمدن دنیا میں یوروپین ٹوپی کا استعمال ہو رہا ہے۔ بالخصوص یورپ میں تو سب ہی لوگ اُسے پسند کرتے ہیں ترک قوم تو مغربی تعلقات کے سبب اپنی معاشرت میں ہمیشہ سے بالکل مغربی طرز اختیار کر ہی چکی تھی بس صرف یہ ایک ٹوپی ہی باقی رہ گئی تھی۔ اور صرف اس ٹوپی ہی کے باعث اُنکی بہت کچھ ستیاناسی بھی لگ رہی تھی۔ اُنکی شکل وشباہت۔ رنگ۔ ڈھنگ۔ عادات وخصائل۔ طرز ماند وبود سب ہی تو یورپ کے مثل تھے بس صرف اسی ٹوپی کے باعث عیسائی دنیا اُن سے دور رہا گئی تھی۔ ہندوستان تک میں مسلمانوں کو دوسری اقوام ترک یا مسلمان کہدیتی ہیں جیسے کہ وہ لال ٹوپی سر پر دیکھتی ہیں اور اکثر تو فوراً تعلقات وگفتگو سے نہ صرف احتراز بلکہ مکان تک کرایہ پر دینے سے انکار کردیتی ہیں۔ خود راقم الحروف کا یہی تجربہ رہا ہے۔ عیسائی دنیا تو مذہب اسلام کے سچے اصولوں تک کو اس ٹوپی کے باعث سننا پسند نہ کرتی تھی ۔ اور ہندوستان میں تو اب کر کے سنی وشیعوں کی ایک حد تک تمیز اس ٹوپی سے کی جانے لگی تھی بلکہ بمبئی وکلکتہ وغیرہ میں گاڑی والوں تک نے ترکی ٹوپی پہنکر اسکی خاصی ذلت کرا رکھی تھی۔ اور ترکی سیاحوں سے یہ تک کہا جاتا تھا کہ یہاں گاڑی والے ترکی ٹوپی دیتے ہیں۔ اور اب تعلیم یافتہ گروہ تو انگریزی ٹوپی ہی پسند کرنے لگا تھا شیعہ حضرات نے بھی باوجود علیگڑھ کی تعلیم کے ایرانی ٹوپی کو ترکی ٹوپی پر فضیلت دے رکھی تھی۔ اور اُسکو اتار ہی ڈالا ہے

مصطفیٰ کمال کے تو قوال ہیں کہ "ٹوپی یا پوشاک کسی مذہب کا طرۂ امتیاز نہ ہونا چاہئے" اور یہ صحیح بھی ہے جیسے کہ یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ وغیرہ میں بھی وضع سے امتیاز نہیں ہوتا ہے۔ شاہان عراق۔ ایران۔ افغانستان۔ مصر

وامرائے ہندوستان نے بھی اب یورپ کی وضع کو اختیار کرلیا ہے اور ہیٹ پہنتے ہیں پھر اگر ترک ہیٹ پہن رہے ہیں تو اعتراض کیا ہے۔ کمال پاشا نے یہ کہا ہے "کہ مذہب ہر شخص کا اُس کے لئے ہے۔ دوسروں کو اُسمیں مداخلت کا حق نہیں اور لوگوں کو تو یہ چاہیئے کہ ظاہری اختلافات و نمائش کو دور کریں نہ کہ اُسکے بجائے مذہبی تعصبات اور غلو کو پیدا کرکے اُبھاریں جس سے کہ جمہوریت کے احکامات کی تو اطاعت کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔ اور جبکہ ترک مذہبی غلو کو خیرباد کہنا اپنی موجودہ بقا کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں تو فز ٹوپی دیکر گویا مذہبی غلو کے اظہار کا ٹیکہ لگوا لینا ہے"۔ مشرقیوں کی وضع میں رہکر بھی ترکوں کے مذہبی بھائیوں نے جنکی کہ انھوں نے مدتوں خدمت کی تھی نہ صرف اُنکی قدر نہیں کی بلکہ اُن بھائیوں نے ترکوں کا گلا ہی کاٹنا اپنا فرض سمجھا۔ دراصل تو اب بین بین کی زندگی ترکوں کے خیال میں اُنکے واسطے مناسب نہ رہی تھی اور نہ اس فز ٹوپی میں کوئی اسلامی شان کی یادگار ہی تھی بلکہ تاریخ کے اعتبار سے ایک طرح کی کفار کی یادگار کو وہ قائم کئے چلے آرہے تھے بیشک یہ ضرور تھا کہ دوسرے اُسے ترکی ٹوپی کہکر ترکوں سے منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ اسوقت بھی اسلامی دنیا کی کوئی سر کی پوشاک نہیں رہی۔ کہیں پگڑی۔ کہیں ایرانی ٹوپی۔ کہیں عربی وضع کی سر کی پوشاک۔ کہیں رومی یا کشتی نما ٹوپی یا کہیں کارچوبی شملہ وغیرہ وغیرہ پھران میں سے کوئی بھی آجکل کے زمانے کے مطابق اسلامی نہیں سمجھی جا رہی ہے اور نہ اسلامیوں کے واسطے مخصوص ہے پگڑی تو یورپ میں کسی طرح اب چل ہی نہیں سکتی تب تو ترکوں کو کوئی خاص ٹوپی ایجاد ہی کرنا پڑتی لیکن اب کیا کیا جاوے موجودہ ترکی قوم اور اُسکے راہنما تو اپنے قدیم رسوم اور پارینہ روایات کو مٹانے ہی پر تلے ہوئے ہیں کیونکہ اُنکے مٹائے بغیر اُنکی ترقی زندگی ہی ناممکن ہے۔ تو اُنہیں کسی پوشاک کی تبدیلی وغیرہ کی بابت معترض ہونا ایک قسم کی زیادتی ہے۔ اُنکی قوم بھر کے اہل الرائے اور اُنکا اتاترک کل قوم کا نادیہ لطری بدل دینے پر مصر ہے اور اُنکی تمام کارروائیوں میں زندگی اور قوت عمل دکھلائی پڑ رہی ہے نہ کہ وہ جمود و بزدلی جو غلام قوموں کو مراسم اور قواعد قدیمانہ کی زنجیروں سے جکڑبند کئے ہوئے ہو اور جس سے بس نہ ہونے دیوے اور پھر ترک تو یورپ کے فاتح تھے متعدد تہذیبیں آئیں اور گئیں۔ مارکس اور روسو کے انقلابات بھی اُنھوں نے پڑھے اور خود بھی انقلاب کے بانی ہوئے۔ اتنے جدید علوم و فنون کے بھی ماہر ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ تب اُنکے نزدیک ایک ٹوپی یا پوشاک کی محض تبدیلی معمولی سی بات تھی دوسرے خودغرضوں نے اُسے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔

دنیا کا دستور ہے کہ جب حکمراں کسی وضع کو اختیار کرلیتا ہے اور اعلیٰ طبقہ بھی اُسکی پیروی کرتا ہے تو حکومت کے

کوڑے سے علماء، فضلاء، قاضی ومفتی سب ہی گھبرا کر خاموش رہتے ہیں۔ اور جبتک کوئی خاص قومی یا ملکی انقلاب اُسکے باعث واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو کسی کی بھی جرأت نہیں ہوتی کہ زبان کھول سکے۔ بس یہی انگورہ میں ہوا۔ وہاں تو رعایا کو غازی پاشا کی ہر جائز و ناجائز خوشی تک منظور تھی۔ ٹوپی کا تبدیل کرنا کون بڑی بات تھی۔ اکبر و جہانگیر نے ہندوستان آکر کیا نہیں کیا جبکہ مسلمانوں کی بہت سی باتیں ہندوؤں نے اختیار ہی کرلیں۔ روس میں البتہ پیٹر اعظم نے جب ہیٹ یا انگریزی ٹوپی کو اپنے یہاں رائج کرایا تھا تو وہاں خون خنجر ہوگیا تھا۔ مگر بقول ترکوں کے "غازی پاشا نے تو بحمد اللہ زائی اثر۔ قوت اور ترغیب سے بالکل ہی چپ چپاتے ایک دن میں فراد تر واکر یورپ اور متمدن ممالک دنیا کی ٹوپی اپنی قوم کو پہنوا دی۔ بالخصوص یونان کے مظالم کے بعد تو اُنکی ٹوپی کا سر پر رکھنا کسی ترک کے واسطے شایان ہی نہیں رہا تھا۔ کیونکہ یونانی حکومت دراصل حکومت بازنطینوی ہی کا جز تھی جبتک کہ یونانی محکوم تھے اُنکی ٹوپی دیئے رہنا اُن سے میل جول کی دلیل تھی، مگر اب یونان کے خود مختار ہو جانے اور مظالم کے بعد ترکی بچوں کو اُسکی ٹوپی دیئے رہنا خود بزرگوں کو گوارا نہ تھی۔ چنانچہ غازی پاشا نے اپنی ایک تقریر میں یہی کہا تھا کہ "ہماری بہادر قوم کے لئے بین الاقوامی اور مہذب پوشاک ضروری ہے اور ہم اسی کو اختیار کرینگے۔ بوٹ، پتلون، واسکٹ، قمیص، کالر، ٹائی، جاکٹ۔ اور ایسی ٹوپی جسمیں چھجہ نکلا ہو ہم پہنینگے۔ اسی ٹوپی کو ہیٹ کہہ لو اور جو اُس میں تامل کریں وہ جاہل ہیں اور بے وقوف۔ اگر یونان کی فز پہننا جائز ہے تو ہیٹ کے دینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ جو بھی لوگ مخلصانہ خیالات نہیں رکھتے ہیں یا جنکی ذہنیت از منہ متوسط کی سی ہے اور تمدن زمانہ سے لڑتے ہیں وہ ناکام غلام رہ کر نقصان اُٹھائینگے۔ مگر ترکی جمہوریہ نے اپنی زنجیروں کو توڑ ڈالا ہے۔ اُنکی بہادری کی تاریخ اسکی شاہد ہے کہ وہ ایک متمدن قوم ہوکر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔" اُنکی قوم نے ٹھنڈے دل سے اس تقریر کو سنا اور ایک ہی دن میں قوم بھر کی ٹوپی اُتر گئی حالانکہ سلطان عبدالحمید خاں ثانی ہی کے وقت میں ۱۹۰۸ء میں اسینیا کی فوج نے احتجاجاً فز کو اُتار ڈالا تھا اور مجبوراً سلطان نے سیاسی مصلحتوں کے باعث اُس سے چشم پوشی کی تھی۔ پھر اگر سیاسی اور اقتصادی وغیرہ وجوہ سے اب کمال پاشا کے وقت میں بازنطینوی نشانات کو مٹایا جارہا ہے تو اوس میں اعتراض کی کیا گنجائش ہو

الزام نمبر ۳ - (پردہ مستورات کا اٹھانا)

ترکی قوم عرصے کے غور، تجربہ اور حالات دنیا کو اندازہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پہ پہونچگئی ہے کہ پردے میں بیٹھنے والی بیویاں غلامی اور بزدلی کی عادی ہوجاتی ہیں اور اُسکا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے۔ اور ایسی اولاد سے یہ امید کرنا کہ وہ کوئی

بہادر قوم بن سکیگی غلطی تھی اور نہ پردے والی بیویاں اپنے بچوں ہی کی ویسی تعلیم و تربیت کر سکتی ہیں جس سے اُنکے بچوں کے ارادے بہادروں کے بچوں کی طرح ہو سکتے۔ ممکن تھا کہ ایک آدھ ماں ایسا کر سکتی یا کوئی خاص بچہ کسی وجہ سے ویسا پیدا ہو جاتا مگر الشاذ کالمعدوم کے تحت میں اوسکو رکھا جائیگا۔ مشہور تو یہ ہے کہ ایشیا میں خاصے جوانی کے سن تک بچوں کے والدین اور خود بچے بھی اپنے کو بچہ ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اُنکے ہم عمر یورپین دنیا کے بچے دنیا کے کاروبار میں اور ملکی جنگوں میں جاں نثاری کے کھیل و کرتب دکھلاتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک پردے دار بیوی کبھی اپنے شوہر کی ہر جگہ اور ہر حالت میں رفیق کار نہیں ہو سکتی نہ ایک دوسرے کے درد دکھ کی شریک۔ اور ترک قوم تو یہ سمجھ رہی ہے کہ اُنکی قومی ترقی اس وقت بھی بغیر اُنکی مستورات کے ہاتھ بٹائے ہوئے ممکن ہی نہ تھی۔ مردوں اور عورتوں دونوں نے دوش بدوش کام کر کے غلامی سے گردن چھڑائی تھی۔ اور جس طرح مردوں نے تلوار لیکر اپنی آزادی حاصل کی تھی اسی طرح خود مستورات نے اپنے قوت بازو سے اپنے حقوق قوم سے منوا کر حاصل کیے ہیں۔ نہ وہ اب کسی کے حکم کی محتاج رہی ہیں اور نہ کوئی بھی مرد اُنکے حقوق چھین کر اطمینان سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ بلکہ مردوں کا یہ اندیشہ غلط نہ تھا کہ اگر وہ اپنی مستورات کو پورا پورا ہمسری کے حقوق نہ دیتے تو ممکن تھا کہ اُنکی غلامی نہ مٹ سکتی اور تنہا قوت کی ندیاں بہا کر بھی مردوں کو اور ملک کو آزادی کامل نہ نصیب ہوتی۔ بالخصوص اب جبکہ اُنکی مستورات زمانہ حال کی تعلیم سے مزین ہو گئی ہیں تو یہ ارتقائی واقعہ ترکوں کے یہاں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا نہ صرف پیشوں میں بلکہ صنعت و حرفت ادب وغیرہ میں بھی وہ مردوں ہی کی طرح داخل ہو کر ان سے برسر مقابلہ آگئی ہیں۔ انھوں نے اُنکی مختلف اور متعدد قسم کی تعلیمی اور پیشہ وری کی منظم جماعتیں بنگئی ہیں۔ نیز ہر طرح کے کھیلوں اور ورزشوں میں وہ پورا پورا حصہ لینے لگی ہیں۔ اُنکی حالت کو نظر انداز کرنا مردوں کے امکان کی بات ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اعلیٰ طبقہ تو پیشتر ہی سے غیر ممالک کی تعلیم اپنی مستورات کو دلا چکا تھا۔ یورپ وغیرہ کی سیر و سیاحت اُنکا جزو زندگی بن چکا تھا۔ اور ۱۹۰۸ع سے تو متوسط درجے کی بیویاں بھی آزادی سے متمتع ہونے لگی تھیں۔ اُمرا کے گھروں میں یورپین عورتیں کثرت سے نہ صرف بطور بیویوں کے آگئی تھیں بلکہ ملازمت کے سلسلے میں اُنکی کوئی حد ہی نہ تھی۔ مگر بعد میں تو یہ ہو گیا تھا کہ اُنکے بجائے خود ترکی بیویوں نے اُنکی جگہ لے لی تھی اور آزادی پاکر جب فنون لطیفہ میں وہ اپنی یورپین بہنوں سے کسی طرح کم نہ دکھلائی دیں تو ترک مرد بھی اُنکی طرف راغب ہو گئے۔ اُن یوروپین بیویوں نے تو اکثر بڑے بڑے سلاطین اور اُمرا کے محلوں میں رہ کر ترکی حکومت کے رازوں کو فاش کرنے میں بڑا زبردست حصہ لیا تھا بلکہ یورپین مستورات تو اپنی چالاکیوں سے اور دلوں میں جگہ کر کے حکومت کے رازوں کو دریافت کرنے کے لئے اکثر نقاب پوش بنجاتی تھیں اور نہ جانے کیا کچھ روس کی طرف کی تاتاری اور

شمالی حصہ کوہ قاف کی جو مستورات آئی تھیں وہ تو بے نقاب ہی رہتی تھیں۔ اور اُنکے واسطے کوئی نکتہ چینی بھی نہیں کرتا تھا کیونکہ وہاں کبھی پردہ نہ تھا اور کم از کم اس سے تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ مسلم مستورات کا دیگر اقوام کی بیویوں کے مقابلہ میں تعلیم وغیرہ میں پیچھے رہنے کا بڑا سبب پردہ ہی تھا اور ہے اور رہے گا۔ اُنکے واسطے کون سا دوسرا ذریعہ اعلیٰ تعلیم اور پیشہ ورانہ تعلیم کا ممکن تھا اگر وہ پردے میں بیٹھی رہتیں، اسوقت بھی دنیا میں جہاں کہیں پردہ ہے وہاں کی مسلم مستورات اپنی ہمسایہ دیگر اقوام کی بہنوں سے جو پردے سے باہر آگئی ہیں تعلیم وغیرہ میں ہر طرح پیچھے ہیں۔ مگر ابتو مستورات کو آزادی دیکر ترکوں نے اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت کے باعث بڑے بڑے نفع بھی اٹھا لئے ہیں۔ کسی دوسری قوم کی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اب اُنھیں حاجت نہیں رہی ہے اور اُنکے بچے جوانی تک پہونچکر اپنی ماؤں کو بے نقاب دیکھ کر کسی قسم کی توہین یا اعتراض کی بات کا خیال تک نہیں کرتے۔ اور اپنی ہی ماؤں سے آزادی و ذمہ داری کا سبق سیکھتے ہیں نیز جو بچے اس ماحول میں پلتے ہیں اُنمیں عزم کے ساتھ خود خیال اور عمل کرنے کی قوت بلکہ مضبوطی رائے اور کیرکٹر پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ترک اسکو سمجھ گیا ہے کہ اُسکے ملک میں پردے کی اب حاجت نہیں ہے وہ اپنی ماں بہنوں کو خود بچا سکتا ہے اور اسکی ماں بہنیں بھی اپنی آبرو و عصمت کی حفاظت خود اسیطرح کر سکتی ہیں جیسے کہ مرد کر سکتے ہیں۔

چہار دیواری میں بند کرنے کا پردہ تو کسی طرح بھی اسلامی پردہ نہ تھا۔ بلکہ وہ بھی بازنطینوی یا یونانی ہی قوم کی عطا کی ہوئی وراثت اُنکے پاس بشکل فرنٹیئر کے آئی تھی۔ اس لئے اسے بھی خیرباد کہنا انھوں نے طے کر لیا تھا۔ اور اب جبکہ چہار دیواری کا پردہ وغیرہ دنیا میں سب ہی طرف متروک ہو رہا ہے تو ترکوں پر کیا اعتراض ہے۔ ایسے پردوں سے تو صرف امرا اور متوسط الحال ہی اپنی نصف آبادی کو بیکاری اور غلامی میں بسر کرانے کے لئے گویا رکھے ہوئے تھے غربا میں تو کہیں بھی سخت پردہ نہ تھا۔ اگر ہوتا تو اُنکو روٹی تک میسر نہ آتی۔

دستوریت یا جمہوریت تو عوام ملک ہی سے بنتی ہے اور محض خاص خاص لوگوں کی حکومت کا نام جمہوریت نہ ہوگا۔ دستوریت تو درکنار، بغیر عوام کے شامل کئے ہوئے اور بلفرق جنس سے کہیں بھی نہ دستوریت بنی ہے اور نہ جمہوریت بلکہ کسی ملک میں اسکی مثال نہ ملے گی۔ چنانچہ ترکی میں بھی مستورات کو ووٹ یا رائے کا حق بغیر دئیے کام نہ چل سکتا تھا اور پردے میں رکھکر تو اُنکی رائے کبھی آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کونسلوں میں کام ہی کر سکتی تھیں بلکہ اُنکے یہاں تو ہر جنگ کے بعد ہر جگہ غریب مستورات کو لونڈی باندی ہی بننا پڑتا تھا اور جہاں کہیں بھی پردے کا رواج مدت تک رہ چکا تھا وہاں بھی جنگ کے بعد یہی بھگتان بھگتنا پڑا ہے جس سے نہ صرف عورتوں کی عصمت ہی پر داغ لگتا ہے بلکہ مذہب بھی چلا جاتا ہے اور یہ سب نتائج مردوں نیز قوم بھر کے لئے باعث ننگ ہے۔ عربی و ترکی نژاد بیبیوں نے تو تلوار ہاتھ میں لیکر مذہب، عصمت اور

ملک کو بچایا تھا اور اب بھی شکر ہے کہ اُنھوں نے وہی کیا جو انکو کرنا چاہیئے تھا۔ ترکی مستورات کو محض عیش و آرام کی کٹ پتلیاں بنا کر مردوں کے ہاتھوں کھلونوں کی طرح نچانے یا بچہ کشی کی مشینوں کے طور پر قائم رکھنا اب ترکوں کے واسطے تو کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ اور نہ وہ خود ہی اسکو گوارا کرتیں پھر اسوقت کوئی بھی ملک یا قوم کی پردہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا غباروں طیاروں۔ وغیرہ سے جو کام لیا جا رہا ہے اُس نے تو درحقیقت پردہ توڑ ہی دیا ہے۔ بس صرف متعصب لوگوں کو اپنی خودداری اور غلط شرم و حیا کے ڈھکوسلوں سے ضد کے لئے ضرور جوڑ دیا گیا ہے۔ طیاروں کے ذریعہ تصاویر برابر ہر قسم کی لیجا رہی ہیں اور فلم کمپنیاں۔ انکا کھیل دکھلا رہی ہیں جن مقامات پر کہ پردہ ہے وہاں تو۔ ریلوں موٹروں تانگوں و یکوں پر سوار ہو کر جس طرح خود مستورات جھوٹھ موٹ کا پردہ ڈالکر یا برقع اوڑھے ہوئے اور ذرا سے موقع پاتے ہی کھول کر بے نقاب ہوتی گلی کوچوں اور سڑکوں پر نظر آتی ہیں اس سے وہ بیوقوف مرد یقیناً آگاہ بھی نہیں ہوتے جو سوار ہیں پر آگے یا پیچھے جیسی کہ حالت ہو سوار ہو کر عورتوں کے ساتھ جاتے ہیں یا اگر آگاہ بھی ہوتے ہیں تو بے غیرتی سے چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ اکثر مرد تو اسی وہم میں مبتلا ہیں کہ انکی مستورات پردے میں ہونگی اور انھیں کوئی نہ دیکھ سکتا ہوگا۔ گر افسوس کہ خود مستورات ہی مردوں کو ٹھینگی دکھاتی اور انکی آنکھوں کو اپنی سیر گاہی راستوں میں جاتی ہیں۔ کمال کا قول ہے کہ کسی رسم یا حکومت میں اصلاح ناممکن ہے جبتک کہ اوسپر عمل کرنے والے یا اسکے پابند اصحاب بیرونی مداخلت سے آزاد ہوں جمہوریت کی شیدائی قوم کے ہر فرد کو اپنے گھر ہی میں جمہوریت کے اصولوں کو سیکھنا اور سکھانا چاہیئے اور جبتک کہ انکے دماغوں میں گھر کی محبت نہ ہوگی ملکی و قومی عمارت کی مضبوطی ناممکن ہے۔ اور یہ سب مستورات ہی کی تعلیم و تربیت سے حاصل ہو سکتا ہے پس جو بیچاریاں کہ پردے میں بیٹھی ہیں وہ تو خود ہی ایسی تعلیم نہیں حاصل کر سکتی ہیں چہ جائیکہ دوسروں کو ایسی تعلیم دینا تو انکے واسطے غیر ممکن ہی ہے۔ پھر پردہ تو اصل میں آنکھوں کی شرم ہے جب اور جہاں وہ باقی نہ رہے تو پردہ محض بیکار اور لغو حرکت ہے۔

ترکی مستورات کے پردے سے باہر نکلنے اور اپنے تمام قدیم روایات اور ردیوں کے بدلنے کے تین بڑے سبب ہوئے۔ ایک تو جنگ یونان۔ دنڑکی جس میں کہ عام طور پر مستورات توپوں کے گولے اور سامانوں کے پورے میدان جنگ تک لادلاد کر پیٹھ پر لے گئیں۔ دوسرے ملکہ یوجینی کی آمد نے ترکی بیویوں کو فرانسیسی مستورات کی نقل پر آمادہ کر دیا تھا۔ محل شاہی اور بڑے بڑے افسروں کی بیویوں نے فرانس کی تمام تراش و خراش اختیار کر لی تھی۔ تیسرے کمال پاشا کی شادی کے بعد سے جو طریقہ اور برتاؤ دیگر ترکی بیویوں نے اُن میاں اور بیوی کا دیکھا اُس سے بھی متاثر ہو کر نقل پر سب ہی تیار ہو گئیں اور "الناس علی طریق ملوکہم" کے اصول پر بھی ترکی سوسائٹی کی زندگی ہی اب بالکل بدل گئی ہے۔ مغربی طرز کی سب ہی باتیں ہو گئی

تھیں۔ اس سب کے علاوہ مدتوں سے یوروپین بیویوں نے بھی اپنے ترک شوہروں کے گھروں اور خاندانوں میں
انقلاب پیدا کر رکھا تھا۔ نیز ۱۹۲۰ء میں بکثرت بیویاں قسطنطنیہ وغیرہ سے اپنے شوہروں کے ہمراہ انگورہ آگئی
تھیں اور یہاں کسی قسم کے وہ خطرات نہ باقی رہے تھے جو قسطنطنیہ میں تھے۔ یہی آزاد بیویاں۔ گھروں، مدرسوں
اسپتالوں نیز سفروں میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہ کر نہ صرف اپنے مردوں کے چال چلن کی اصلاح ہی کر سکیں
یا مریضوں کی خدمت اور بچوں کی پرورش و تعلیم۔ بلکہ قومی مطمح نظر ہی کو تبدیل کر لے گئیں۔ انھوں نے مرد و عورت
کی تفریق و جدائی کے نتائج اپنے ہی یہاں خوب دیکھ لئے تھے۔ مثلاً بیکار رہنا، مجبوری، دوسروں پر تکیہ رکھنا اور دوسروں
کی محتاجی نہ خود کچھ سوچنا اور اس پر عمل کرنا نہ اپنی زندگی کا خود کوئی بندوبست ہی کر سکنا نہ تربیت لینا یا اعلیٰ مقصدوں
کے حصول کا پورا سامان ہی کر لینا۔ نہ سنجیدگی و غور سے کام میں انہماک۔ اور نہ جسمانی یا روحانی ترقی کے حصول کے مواقع
بلکہ مختصراً تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان تمام نعمات قدرت سے عورتوں کا گویا محروم ہونا مقدر تھا جیسے کہ معمولی باہر کی نکلنے
والی استانیاں، دائیاں، خادمائیں اور غربا کی عورتیں تک مستفید ہوتی تھیں۔ اگر کہیں پردے میں رہ کر ادنیٰ
مکمل ابتدائی تعلیم کا بندوبست بھی ہو سکتا تب بھی انکے قوائے جسمانی اور ذہنی کو کوئی نفع نہ پہنچتا تھا۔ اور اس
سب کے ساتھ ساتھ مردوں کو مطلق العنان ہونے کا عورتوں کے پردے کے باعث ایسا پورا موقع حاصل تھا کہ جس پر
مستورات کو کسی قسم کا دسترس نہ تھا۔

فی زمانہ تو ترقی یافتہ اقوام کی نگاہ میں پردے کی بیویوں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے بلکہ سب
جگہ جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ خود کمال کے خیال میں "حال کے ارتقا سے آئی ہوئی بہو پیدا کر کے اور انکے
جوار بھاٹوں یا بھنور اور جھونکوں کے سامنے پردے میں مستورات کو رکھ کر مقابلہ کرانا کسی قسم کے امکان کی بات
نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے کے تمدن کی لہروں نے کسی وقت بھی ان لوگوں پر رحم نہیں کیا ہے۔
جنھوں نے کہ اُسکی پیروی نہ کی ہو۔ چنانچہ وہ مستورات ملک کو دین و دنیا کے ہر کاروبار میں مرد کا شریک
رفیق کی صورت میں اور برابر کا طاقتور دیکھنے کا خواب دیکھ رہے ہیں نہ کہ ایک عضو معطل کی طرح ناولوں
کے پڑھنے اور عشق عاشقی کے قصوں اور کہانیوں یا غزلوں سے متاثر ہو کر گھروں اور خاندانوں کی بربادی کا باعث ہونا
اُنکے خیال میں کچھ عرصہ میں ہر جگہ پردہ داروں کی نگاہ سے پردہ اٹھ کر زمانہ حال کی کشمکش کا اندازہ ہو جائیگا
اور مشرق کی مستورات کی عزت و وقعت بھی اسی طرح ہو سکیگی جس طرح کہ انکے مردوں کی ہو سکتی ہے۔

سابق زمانے میں اتراک سفرا کسی جگہ، وہ دیگر سلطنتوں میں سفارت پر جاتے تھے تو اپنے عیال کو ہمراہ نہ لیجا سکتے

تھے - اور یورپ کے درباروں کے جلسوں میں تنہا شرکت کرتے تھے - پھر وہ زمانہ آگیا کہ ترکوں نے مجبورًا یورپین مستورات سے شادیاں کرنا شروع کردیں تب بھی ایسی عورتیں اُس وقت تک عام یورپ کی شاہی تقریبات میں نہ جاسکتیں جبتک کہ مستورات کی خاندانی حیثیت وعزت ویسی نہ ہوتی کہ جن سے میل جول اور برابری کے برتاؤ میں یورپ کے درباریوں کو عذر نہ ہوتا عمومًا تو گھٹیا قسم کی مستورات اُن سے شادیاں کیا کرتی تھیں کیونکہ معزز خاندانوں کی لڑکیاں تو اُنھیں غیر قوم ومذہب کے باعث مشکل ہی سے نصیب ہوتی تھیں نیز ترک قوم کی کوئی بھی تو بات یورپ میں ایسی نہ تھی کہ جس سے وہ مرغوب خاطر ہوتے - اُنکے مظالم اور اُنکے مذہب کی سب ہی طرح کی تو خراب داستانیں گڑھ کر مشہور کی جاچکی تھیں - اخباروں - رسائل اور ناولوں تک میں لکھکر انھیں بدنام کیا جاچکا تھا جس سے بڑے بڑے خاندانوں کی مستورات کو ترکوں سے حقیقی وطبعی نفرت ہی ہوگئی تھی پھر کورٹ شپ کے طریقے کے باعث ایسی حالت میں دلوں کے ملنے کا بھی کوئی سامان نہ تھا تب اُن سے شادیاں کسطرح ممکن تھیں ؟ بیچارے سفراء کی بیویاں تو معمولی لوگوں کے یہاں چائے وغیرہ تک پر نہ بلائی جاتی تھیں - ایسی باتوں سے سلاطین کے وقتوں میں یہ غضب عظیم ہوگیا تھا کہ اکثر سفرائے دولت عثمانیہ غیر اقوام کے لوگ مقرر کئے جانے لگے تھے - لندن ہی میں ایک بار ایک پولینڈ کے باشندے کو اور ایک بار ایک یونانی صاحب کو سفیر بنایا گیا تھا اُنکے بعد تین مسلم ترک سفیر ہوئے مگر کسی کی بیوی بھی ترکن نہ تھی بلکہ غیر اقوام کی تھیں جنکی وجہ سے اکثر یورپین سکریٹری ہی سفراء رکھنے پر مجبور ہوئے اور اسکے نتائج آخر میں اسطرح ترکوں کو بھگتنا پڑے - مرحوم سلطان عبدالعزیز کے زمانے میں عورتوں کی نقاب تو بیحد باریک رہ گئی تھی مگر سلطان عبدالحمید ثانی نے سیاہ اور سنگین نقاب کا رواج کرادیا تھا - اُسی سے بیحد برہمی پھیل گئی تھی تب ہی بڑے اور دولت مند ترکوں کے بچوں پر جو نرسیں یا دیگر یورپین مستورات بطور نگراں یا معلمہ کے رکھی جاتی تھیں تو حکومت سے اُنکی بھی نگرانی ہونے لگی تھی - کیونکہ انھیں کے باعث فرانسیسی وخراب کن یوروپین کتابوں کے پڑھنے اور سنانے کا مذاق بدستور زائد ہوگیا تھا اسی لئے ترکی مستورات اور یوروپین مستورات کی ملاقاتوں تک کی جانچ پڑتال حکومت کرانے لگی تھی اور ادھر نوجوان مردوں اور عورتوں نے چھپ چھپ کر یورپ سے آئی ہوئی کتابوں اور تصویروں کو بھی دیکھنا شروع کردیا تھا مگر حکومت کو ابھی تک دراصل ترکوں کی عام اور خاص تعلیم کی پوری فکر بھی نہ ہوئی تھی ورنہ ممکن تھا کہ حالت سنبھل جاتی مگر بدقسمتی سے مستورات کا قدم تو در حقیقت بہت بڑھ چکا تھا اور وہ اپنی دنیاوی مصیبتوں کا سنگین رخ خود ہی دکھلانے پر آمادہ ہوگئی تھیں اور جو واقعی یورپین تعلقات کا اثر اور نتیجہ تھا یعنی یورپ کے بڑے سے بڑے انقلاب اخلاق اور تمدن کا پہلو آزادی مستورات کے مطالبہ

سے گذر چکا تھا کیونکہ بعض نوجوان لڑکیوں کی مائیں یا عزیز خاص یورپ ہی کی مستورات ہو چکی تھیں یا بعض جگہ وہ ملازم تھیں اور تعلیمی خدمت کے واسطے گھروں میں داخل ہو چکی تھیں یا سینا۔ پرونا یا دستکاری کے سکھلانے کے لئے اکثر خود ہی گھس گئی تھیں اور مفت کرم داشتن کا اصول تو مشن کی مستورات نے مذہبی ایثار دکھلا کر خوب ہی قسم کا ایک ڈھکوسلا بنا رکھا تھا۔ اور خاصا میل جول بلکہ محبت پیدا کر کے مستورات میں خاصا اثر پیدا کر لیا تھا جس سے عام طور پر بیویاں بھی پردہ توڑنے پہ خود آمادہ ہو گئیں۔

بیسویں صدی کے آتے ہی مستورات ترکی کو مظلومیت کا پورا سبق سب ہی طرف سے ملنے لگا۔ چنانچہ ایک صاحب جنکا نام پیٹری لوٹی (Pierri Loti) تھا انھوں نے تو ایک کتاب جسکا نام لیس ڈیس اینشنٹیز (Les Desenchantees) تھا لکھ کر متمدن دنیا کے سامنے ترکی مستورات پر مظلومیت کا سچا فوٹو ہی گویا کھینچکر پیش کر دیا تھا۔ اور ۱۹۱۲ء کے قریب ترکی مستورات کا پہلا کلب جسکو تعالی نسواں (Taali nisman) کہتے تھے وہ بھی بن گیا۔ اس میں مختلف پیشہ کے لوگوں کو دعوت دیکر تقریریں کرائی جاتی تھیں۔ مردوں اور عورتوں کا متفقہ معاشرتی ایک ادارہ بھی قائم ہو چکا تھا جسکے ذریعہ سے دن اور رات کے مدارس کی تنظیم بھی کی گئی تھی تاکہ ہر عمر کے لوگوں کو اس میں تعلیم دی جا سکے۔ اس میں طبقہ امرا کی بھی بیویاں دل و جان سے کوشاں ہو گئی تھیں۔ اور حصہ لینے لگی تھیں جنگ بلقان کے زمانہ میں جب مصیبت پر مصیبت نازل ہوتی گئی تو مستورات نے استنبول میں احتجاجی جلسے کر دیئے کہ جہاں بیوائیں اور یتامیٰ کسی قسم کی دستکاری وغیرہ سیکھ سکتے تاکہ پیٹ کے پال لینے کا بندوبست ہو سکتا جنکو حکومت نے بھی اوسطاً تعلیمی حقوق دیکر مستورات کی جرأت بڑھا دی تھی۔ نیز انکے کالج بھی ملک بھر میں کھول دیئے گئے تھے اور عورتوں کے ٹریننگ کالج کی تو عمارت تک استنبول میں بڑی عمدہ بنوا دی گئی تھی پھر نوجوان ترکوں نے تو انکو تعلیم کے واسطے باہر یورپ سے بھیجنا شروع کر دیا تھا اور تب ہی ۱۹۱۶ء میں استنبول کی یونیورسٹی میں مستورات کو داخلہ کی اجازت ملگئی تھی۔ پھر کیا تھا۔

جنگ عظیم یورپ کے زمانے میں تو سماں ہی دوسرا ہو گیا مرد تو عموماً محاذ جنگ پر گئے ہوئے تھے اور ملک کا سب طرف سے اتحادیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا بس مستورات ملک ہی افزائش و پیداوار ملک کی گویا ذمہ دار تھیں۔ بلکہ انکی زرعی بٹالین ([illegible]) یا قطاریں بنا کر فوجوں کے پیچھے کام کرنے کے لئے انھیں تیار کیا گیا تھا۔ وہی فوجوں کے واسطے کھانا اور کپڑا بھی تیار کرتی تھیں۔ بالخصوص قصبات اور دیہاتوں میں تو اگر وہ مدد سے کرکے بیچوں۔ بیماروں اور زخمیوں کی امداد نہ کرتیں اور روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی ضروری اشیاء وغیرہ نہ پہونچاتیں تو قوم اور نسل بھر کا ایک طرح پر خاتمہ ہی ہو جاتا۔

اسی ۱۹۱۶ء میں الپ ضیا کی کوشش سے عورتوں کے لئے "خاندان کے قیام" کا ایک قانون بھی پاس ہو گیا تھا جس سے کہ طلاق اور خلع وغیرہ کا مسئلہ عدالتوں کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

اسمرنا کی پہاڑیوں اور سائیلیشیا میں تو عورتوں نے خود جنگ میں شرکت کی تھی اور الپ ضیا نے "تاریخ" سے یہ ثابت بھی کیا تھا کہ تورانی اقوام میں اسلام لانے سے قبل بھی مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر تھے۔ اس سب کے علاوہ جنگ یونان و ترکی میں بھی تو اگر مستورات ملک کام نہ کرتیں اور پردے میں بیٹھی رہتیں تو ترکوں کا آج دنیا میں پتہ بھی نہ لگتا۔

انگورہ کی حکومت کے اطمینان سے قیام کے بعد مستورات ملک نے خود جنگ میں جانا موقوف کر دیا لیکن ہر شہر و قصبہ میں اُنکی جماعتیں "حفاظت حقوق قومی" (Defence of national right) کے نام سے قائم ہو چکی تھیں تاکہ ہلال احمر وغیرہ کی پوری امداد کی جاسکتی۔ سرجنٹ فاطمہ ایک بیوی نے جنگ کے زمانے میں ایک رسد رسانی کی فوج جسمیں بیل گاڑیوں پر سامان جاتا تھا قائم کی تھی۔ فاطمہ کی عمر ستر سال کی تھی مگر قد چھ فٹ لمبا تھا۔ اس فوج میں گاڑی ہانکنے والیاں ترکی بیویاں تھیں۔ یہ نظارہ قابل دید تھا کہ دلدل کیچڑ اور پہاڑ سے بے پرواہ ہو کر یہ قافلہ محاذ جنگ تک جہاں گولیاں برستی تھیں بلا خوف خطر جاتا تھا*

مذکورۂ واقعات سے یہ ثابت ہوگا کہ مصطفےٰ کمال نے کوئی غیر متوقع انوکھی بات اپنی قوم کے واسطے نہیں کی جبکہ مردوں اور عورتوں کی تفریق اپنے ملک میں قانوناً مٹا دی اور پردہ اُٹھا دیا۔ ترکوں کو تو اب دراصل انکے عمل میں بھی کوئی خرابی نہیں نظر آرہی ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کو ترغیب ہو کر خوب ہی سب کام بن رہے ہیں۔ کپڑوں پر اسراف اور آرائش و زیبائش ظاہری سے محفوظ رکھنے کے لئے نہ صرف مرد بلکہ خود ترکی مستورات زائد زور دے رہی ہیں تاکہ روپیہ پیسہ بچا کر ملک کی خدمت اور ترقی میں لگا سکیں۔ خانم فریدے کو تو کمال پاشا نے لندن میں ترکی سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ انھوں نے وہاں اپنی قابلیت سے جھنڈے ہی گاڑ دیئے تھے۔ وہ پیرس میں بھی سفارت کر چکی تھیں۔

اس سب کے ساتھ البتہ قانون یہ بنا دیا گیا ہے کہ سفرائے ترکی محض ترکی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں اور اگر خلاف ہوگا تو ملازمت سے دست برداری کرنا ہوگی۔ کیونکہ اب خود ترکی مستورات ہر طرح سے قابل ہو گئی ہیں اور سب سے بڑھکر تو یہ خیال غالب ہو گیا ہے کہ اگر کسی سلطنت سے جنگ ہو گئی یا تعلقات ہی کشیدہ ہو گئے تو بیرونی بیویاں ممکن ہے کہ دغا کریں اور جاسوسی کریں۔ برقع پوش ہو کر تو بیرونی حکومتوں کے مردوں نے بیشتر بڑی سازشیں کرا ہی دی تھیں اور غلط

* دیکھو اخبار "دی ٹرتھ" مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۵ء ہندوستان

نیم لنڈیوں کے ذریعہ بھی بڑی بڑی سازشیں ترکوں کے خلاف کی جا چکی تھیں۔ اسی سے ایسی تمام باتوں پر غور کرکے قوم نے متفقہ طور سے پردے و غلامی وغیرہ کو ہٹا دیا ہے اور مردوں کے مقابلہ پر بیٹھ کر مستورات نے زندگی کا بسر کرنا خود ہی چھوڑ دیا ہے۔ تعدد ازدواج، پردہ نقاب نکاح، طلاق اور ووٹ پانے کے لئے حکومت سے خود مستورات نے قوانین بنوائے ہیں۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۵ء کے اخبار ہندوستان ٹائمس میں ایک مضمون جسکی سرخی یہ تھی "ترکی میں مستورات کی کانگریس" شایع ہوا ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ استنبول میں پہلی عورتوں کی کانگریس ہو رہی تھی اور اسیوقت قصر یلدیز میں بین الاقوامی اتحاد مستورات کی بارھویں کانگریس بھی ہوئی تھی۔ جسکا مقصد تمام ممالک میں مستورات کو ووٹ دینے اور تمام برابری کے حقوق مردوں کے ساتھ حاصل کرانے کی تجویز پاس کرا لینا تھا۔ اور ایسی تجویز منظور بھی کرا لی گئی۔ اس تمام ترقی اور تبدیلی کا ایک دوسرا رخ بھی ترکوں کے زیر غور رہا ہے۔ یعنی یہ کہ اس تمام آزادی سے مستورات ملک کہیں اپنی خانگی اور حقیقی ذمہ داریوں کو نہ بھلا بیٹھیں۔ پیشتر تو مردوں پر انکی حفاظت انکے نان و نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری تھی۔ اور وہ مستورات کے لئے جان تک دیدیتے تھے۔ اور اب جبکہ وہ خود اپنی ذمہ دار ہو رہی ہیں تو اپنی جسمانی مجبوریوں سے کہیں اس حالت کو نہ پہنچا دیں کہ اپنی امداد نہ کرسکیں۔ اور مرد انکے مقابلہ کے باعث کاہل ہوکر انکی فکر لینا اپنا فرض نہ جانیں یا اگر ایک صنف نے دوسرے کے حقوق میں اسی طرح کاٹ چھانٹ کی جیسے کہ ایک عورت اڈیٹر اخبار کسی مرد کے اس مضمون پر کاٹ چھانٹ کرے جسمیں کہ مرد نے مردوں اور عورتوں کے حقوق کا مقابلہ کیا ہو تو اسکا دلی نتیجہ کیا ہوگا؟ اسوقت تو یورپ کے نمونہ پر اسکے ایک جزو بنجانے کا ترکوں اور انکی مستورات کو خیال ہے کہ جسدن سے آزادی کا ستارہ نصف النہار پر پہونچ جائیگا اور اسکی چمک دمک سے عادی ہوکر وہ اسکی قدر و قیمت بھول جائینگی تو اسوقت کے منظر کو خیال کرکے دل ضرور گھبراتا ہے کیا پھر یہ کل سین بدل جائیگا اور مستورات گھروں میں بیٹھنا اختیار کرلینگی؟ اسکا جواب تو آزادی کے دعویدار یہ دیتے ہیں کہ جو اقوام مدتوں سے اپنی مستورات کو آزاد کرچکی ہیں انکی مثال اور عمل ایسے خطرات کا جواب ہے اور ایسے تمام مسائل کا تصفیہ زمانہ ہی کرسکیگا۔ پردے کے بارہ میں لکھے دہرنے سے بہ عمل کرنا حقیقتاً مردوں اور عورتوں کے ملکر تصفیہ کرنے کی بات ہے اور ترک یہی کر رہے ہیں۔

اکثر ترکی بیویاں جب ہندوستان آتی ہیں تو انکے اور ہندوستانی مسلمان بیویوں کے درمیان بڑا فرق نظر آجاتا ہے۔ میڈم ہالدے ہانوں ادیب کے لکچروں میں تو یہ نظر آیا کہ انکے صرف ہاتھ اور انکا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ مگر اکثر مسلم بیویاں بھڑکدار ساریاں پہنکر گردن اور سینے تک کو برہنہ کرکے جلسوں میں جانا فخر و مباہات سمجھ گئی تھیں اور انکے شوہروں

سو بھی اس پر اعتراض ظاہر طور پر نہیں معلوم پڑتا تھا۔ اور گو یا پردہ تو ٹوٹ ہی گیا معلوم نہیں کہ یہ کس قوم کی روایات یا رسم کی پابند ہوئی ہیں اور کس طرح اُسے جائز کر لیا ہے ؟۔ اس سوال کا جواب ہندوستان کی مسلم خواتین کو دینا چاہیئے نہ کہ اب پردے کی بحث میں پڑ کر وقت کو ضائع کیا جائے۔

ایک ترک نے تو پردے کے خلاف تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ "جو لوگ پردے کے موافق تھے وہ در اصل پردے کے اصل مفہوم ہی کو نہیں سمجھے تھے بلکہ اُسے محض توہمات اور شکوک کے باعث رائج کر بیٹھے تھے نیز مستورات کی بے تعلیمی اور پسماندگی سے جہاں اور سب طرح مردوں نے اُنکے حقوق تلف کر رکھے تھے اُسی طرح اپنی جسمانی قوت اور داب ناجائز سے پردہ کا بھی ظلم غریب عورتوں کے واسطے جائز کر رکھا تھا پیغمبر اسلامؐ نے تو نہ صرف انکی اصلاح حال ہی کر دی تھی بلکہ ہر ضروری بات میں مرد کے برابر ہی انکا رتبہ کر دیا تھا۔ قرآن پاک میں ایک صورت بھی انکی تعریف اور ہر طرح کی بہتری میں نازل ہوئی ہے۔ رسول کریمؐ کا تو صاف صاف قول ہی موجود ہے "خداوند عالم کی محبت اور اُس کے سلوک میں مرد و عورت میں کوئی بھی فرق نہیں ہے اور نہ اُنکے اعمال کی سزا و جزا میں کوئی فرق ہوگا بلکہ برابر کا انصاف ہوگا"۔ روحانیت اخلاق اور دماغی قابلیت میں بھی مستورات کو اگر موقع دیا جاتا ہے تو وہ کسی طرح مردوں سے کم نہ رہینگی۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ "تم میں سے کسی کا عمل رائیگاں نہ کیا جائے گا چاہے مرد ہو یا عورت۔ تم ایک دوسرے سے ہو"۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق کے متعلق بھی لکھا ہے کہ "مرد جو کمائیں وہ اُنکا اور عورت جو کمائے وہ اُسکا"۔ یا "جو کچھ متروکہ والدین یا رشتہ دار چھوڑ دیں اُسمیں سے مردوں کا حق ہے اور جو کچھ متروکہ والدین یا رشتہ دار چھوڑ دیں اُس میں ایک حصہ عورتوں کا ہے"۔ یعنی مستورات بھی مالک متروکہ ہو سکتی ہیں جس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرح پر عورتوں کو آزاد کیا گیا ہو مستورات اپنی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہیں۔ اور کسی لفظ سے بھی اُنکی آزادی کو روکا نہیں گیا ہے۔ مساجد میں مردوں سے علیحدہ بیٹھ کر نماز میں شریک ہو سکتی ہیں۔ اپنے مردوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرنے کی اُنکو اجازت ہے۔ لڑائیوں میں مردوں کے دوش بدوش جنگ کرنا۔ بیماروں اور مجروحوں کی خدمت کرنا تمام روایات مذہبی سے بھی ثابت ہے۔

پردے کا اصلی مفہوم تو یہ لیا گیا ہے کہ مستورات اپنے جسم کے اُن حصوں یا اعضا کو جنسے کہ مردوں کی نفسانی خواہشات کو اشتعال ہو یا اُنکی دلی تحریکوں کو جنبش ہو اسکو ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ اسی واسطے بجز چہرے۔ ہاتھ اور پیر کے کل جسم کو بند رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اُس کے مردوں عورتوں دونوں کو حکم ہے کہ جب دوسری جنس سے ملیں تو آنکھوں کو نیچا کر لیں اگر وہ نامحرم ہوں یعنی اپنے نفس امارہ کو دونوں دبائے رکھیں اور الا قلقرآنی تو یہ ہیں "مسلمان

عورتوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، ستر کی حفاظت کریں اور زیورات و زینت کی نمائش نہ کریں بجز اسکے کہ جو مجبوراً ظاہر ہو جاوے اور دوپٹہ سے سینہ و سر کو ڈھاکیں اور زینت کو بجز باپ اور شوہر کے نہ دکھلائیں اور نہ اس طرح پیروں کو ماریں کہ جس سے جو زیور و زینت وہ چھپانا چاہتی ہیں وہ ظاہر ہو جاویں۔ مذکورہ احکامات سے صاف ظاہر ہے کہ حسن و زینت کو بیجا ظاہر کرنے کی صرف ممانعت ہے۔ اور کوئی حکم یہ دکسی طرح بھی کسی کاروبار یا میل جول کو نہیں روکتا بلکہ صرف معاشرتی زندگی میں عورت کی عصمت کی حفاظت اور نفسانی برائیوں کی روک کا ذریعہ ہو بلکہ بے حجابی و بیباکی وغیرہ سے آخر میں تمدن اور سوسائٹی کو بھی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور در اصل قرآن پاک میں نفس امارہ کے روکنے کی ہدایات دی گئیں ہیں جس سے ہر طرح پر برائی سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور کوئی بھی خرابی ایسی معاشرت اور حجاب سے کسی حال میں نہیں نظر آتی ہے۔ نیز سب ضروری کام بھی خوبی سے انجام پا سکتے ہیں۔

اب دنیا کو یہ تو معلوم ہوا ہے کہ نہ عرب میں وہ پردہ ہے نہ ایران میں اور نہ ترکوں میں جو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہے پھر جبکہ حضور نظام دکن خلداللہ ملکہ اور دیگر مسلم والیان ملک ہندوستان وغیرہ کی سی ہستیوں نے اپنے گھروں سے وہ پردہ اٹھا دیا ہے جو کہ شریعت کے خلاف تھا تو ان سے کم درجے کے لوگوں کو اسپر اڑے رہنے کا کیا سبب ہے؟ ہمارے ہندو بھائیوں نے تو رامائن اور مہابھارت کے احکامات کو بالائے طاق رکھدیا ہے جسمیں کہ یہ دعویٰ تھا کہ ہماری رانی سیتا کو دیوتاؤں تک نے نہیں دیکھا تھا اور دروپدی کو سورج اور ہوا تک نے نہیں دیکھا تھا۔

اسی طرح ہندو آریوں کے مقدس قانون میں ہے کہ "مستورات کا پردہ اور بچپن کی شادی" انکے مذہب میں جائز تھی مگر اب تو تمام مراسم روایات اور مذہبی قیود کو ہندو بھائی بھی مٹا چکے ہیں اور زمانہ کے مطابق مثل چینیوں جاپانیوں اور تمام دنیا کی عیسائی و بدھ اقوام کی طرح ہر ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں تو محض مسلمانان ہندوستان افغانستان یا ایران و عرب ہی کیوں سب سے پیچھے رہیں جبکہ انکے ترکی بھائیوں نے بھی تمام قبیح اور غیر ضروری باتوں کا چھوڑنا ہی طے کر لیا ہے۔ غربا تو ہر جگہ پردے کی رسم سے الگ تھے مسلمان امرا بھی کچھ کچھ تعلیم دیکر اپنی مستورات کو اب باہر لا چکے ہیں۔ بس صرف متوسط الحال مسلمان یا وہ لوگ جو ملاؤں کے اثر میں ہیں یا بلا دلیل تعصبات کے ساتھ مراسم کے پابند ہیں وہی صرف مذہب کے نام کی آڑ میں اپنی مستورات پر جبر کر کے پردے میں بٹھائے ہوئے ہیں اور اس طرح نہ صرف اُن غریبوں کی زندگی کو برباد کر رہے ہیں بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کی ترقیوں کو روک رہے ہیں۔ اور اس سب کا علاج صرف اب خود مستورات ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یا پھر قانوناً اصلاح ممکن ہے۔

الزام نمبر ۴ (تبدیل دار السلطنت)

۱۳ ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے دار السلطنت قسطنطنیہ سے ہٹا کر انگورہ کو منتقل کر دیا اور قسطنطنیہ کا نام بھی استنبول رکھدیا۔ کیونکہ جب کبھی کسی یورپین حکومت کی بحری قوت قصر دولما باغچا کے مقابل پہونچ گئی اُسی دم حکومت قسطنطنیہ کو ہتھیار ڈالدینا پڑے تھے۔ ہر قوم پرست اس کمزوری کو محسوس کرتا تھا مگر کسی میں کام کی ہمت نہ تھی۔

اب انگورہ پہونچ جانے سے گویا ترک پھر اناطولیہ میں پہونچکر بیرونی دست درازیوں سے محفوظ ہو گئے۔ اور اُنکا یہ خیال بھی ہو گیا کہ یہ قدم اُنکی ہمت۔ جرأت اور شجاعت نیز قومی غیرت کو اُن میں واپس لے آئے گا۔ سلاطین کے وقت میں اناطولیہ جانا ہی بلا فوجی امداد کے غیر ممکن تھا۔ مگر اب بے کھٹکے ایشیائے کوچک تک کی سیر ممکن ہو گئی ہے۔ والیان صوبہ کے اوپر بھی یہاں سے پورا اختیار ہو گیا ہے اور صوبجات کو بیدار کرنے و منظم بنائے رکھنے میں یہاں سے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔

دستور ہے کہ جب کوئی تحریک کسی قوم میں اُسکی اصلاح کے واسطے اٹھائی جاتی ہے تو اُس کے مخالف پہلو وہ خود بھی سوچ اور سمجھ لیتی ہے اور اُسکے نکتہ چین بھی ہر طرح سے اُس تحریک کے اچھے اور برے دونوں رخوں سے قوم کو آگاہ کرتے ہیں۔ مگر کسی غیر قوم یا شخص کو اسکا حق نہ ہونا چاہیئے کہ وہ حالات سے باوجود ناواقفیت کے اعتراضات کی بوچھار کر دے۔ ترکوں کو تو دوسروں کی ایسی کارروائیوں سے بجبر رنج پہونچا ہے۔ وہ اسکی شکایت بھی کرتے ہیں پھر دوسروں کا اخلاق بھی اسی کا مقتضی ہے کہ ترکوں کی نکتہ چینی کے بجائے یا اُن سے جوابدہی کرانے کے بجائے سکوت سے کچھ دن کام لیتے اور اُنکی تعمیری کارروائیوں میں اگر مدد نہیں کر سکتے تھے تو اُنکو انھیں کے حال پر چھوڑ دیتے۔ دار السلطنت کا منتقل کرنا اُنکی موجودہ کیفیات اور اُنکے سیاسی مسائل کے بالکل ہی مطابق تھا اور اسکی مصلحتیں وہی سمجھ سکتے تھے۔

اہل ہند کے واسطے تو دہلی کی مثال ہی موجود ہے۔ کس کس طرح وہاں دار السلطنت بنائے گئے اور مٹتے رہے اور پھر بنے۔ اور ضرورت مجبور کرتی رہی۔

ترکوں کے خیال میں جب سے کہ اُنھوں نے بازنطینوی تقلید میں قسطنطنیہ کو اپنا دار السلطنت بنا رکھا تھا۔ اُس وقت سے برابر ہر قسم کی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تجارتی۔ نیز فوجی انحطاط سے روشناس ہو گئے تھے۔ اگر کسی سلطان

نے فوج کو درست بھی کرلیا تو میدان سیاست میں شہ مات نصیب ہوئی۔ اگر عمارات بنا ڈالیں تو قرضہ کرلیا نیز اس سب کے علاوہ دیگر سلطنتوں نے قسطنطنیہ میں ملکیتیں حاصل کرلی تھیں اور ہر قسم کی سازشوں کے بھی سبب کو خاص مواقع حاصل ہو گئے تھے۔ غرضکہ ہر قسم کی سیاسی۔ مالی اور روحانی تکلیفوں کا ترکوں کو وہاں دارالسلطنت قائم رکھنے سے اندیشہ تھا۔ بالخصوص جنگی جہازوں کی زد کا۔

الزام نمبر ۵ (تبدیل حروف تحریر وغیرہ)

یکم جنوری ۱۹۲۹ء سے لاطینی حروف کی تحریر کے جاری کر دینے پر دشمنان ترکی نے انھیں خوب ہی برا بھلا کہا۔ حالانکہ ترکوں کا بیان ہے کہ اس کارروائی سے انکے یہاں ہر قسم کی چھپوائی میں بے حد کفایت ہو گئی ہے۔ اور کتابیں بکثرت اور باسانی شائع ہونے لگی ہیں۔ ٹائپ کی ہر زبان کی مشینیں بھی کارآمد ہو چلی ہیں۔ اور انکی ترویج کے باعث کتابت میں بہت آسانی معادم ہو رہی ہے پڑھے لکھے بھی بکثرت بڑھ رہے ہیں پھر جیسے کہ خواتین ملک نے مختصر نویسی یا اشارہ نویسی (سٹینو) اور ٹائپ کرنا سیکھ لیا ہے۔ تب سے کم تنخواہ پر تمام دفاتر میں انھیں سے زیادہ کام لیا جا رہا ہے اور اس تبدیلی حروف سے انکو بڑی آسانی ہوئی تھی بلکہ بیرونی تعلیم یافتوں کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے نیز ہر قسم کے اعتبار کا کام اب ملکی خواتین بھی مردوں سے بہتر کر رہی ہیں۔ اور یہ سب عورتوں کے جلد پڑھ لکھ جانے سے ہوا ہے۔

ترکوں کے مصلحان قوم تو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ جو تبدیلی انھوں نے کی ہے اس سے لاطینی حروف تہجی کے اختیار کرنے کا الزام بھی۔ نیز نہیں عاید ہوتا ہے۔ کیونکہ ناطیبہ کی ابجد اور لاطینی ابجد میں صرف خفیف سی آواز ہی کا فرق تھا مثلاً انکے حرف (س) کی آواز لاطینی (ج یا چ) کی ہے اور (ش) کی آواز (ایس) کی حروف میں لحن ولہجہ استنبول ہی کا زائد ہے۔ گویا اس رسم خط کی تبدیلی سے یوروپین تمدن کے حصول میں انھیں آسانی ہو گئی۔ نیز دیگر یوروپین اقوام کو ترکی زبان کے جلد سیکھنے اور ترکی ادب کے پڑھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اسیطرح ترکی اعراب زبان بھی ویسے ہی ہیں جیسے کہ جرمن زبان۔ کہیں اس تبدیلی سے املائی غلطیاں بھی عملاً بالکل ہی رفع ہو گئی ہیں۔

سیاسی لغت اور زبان کی ترقی اسی کے باعث اب ایسے بڑے پیمانہ پر ہو گئی ہے کہ جسکا جواب ہی نہیں خود ترکی زبان میں بڑا بھاری انقلاب ہو گیا ہے یعنی موجودہ ترکی زبان میں اور سلطان عبدالحمید ثانی کے وقت کی

زبان میں کوئی مناسبت ہی نہیں رہی ہے بلکہ بیحد وسعت ہو گئی ہے جس کے باعث آزادی کے کلچر یا افسانے بالترتیب مساجد و سینما کے فلموں میں اب سنکر اور دیکھ کر کسی طرح ترک لوگ سیر ہی نہیں ہوتے بلکہ واقعات پر خوب روتے اور ہنستے ہیں۔ اور انھیں واقعات اور قصوں کو قومی کلچر یا ترانے یا مرثیے کے طور پر ماننے لگے ہیں۔ انکے شعراء اب انکی قومی آزادی اور فتح کی نظمیں اور قصائد اپنی موجودہ زبان اور اپنے لحن میں لکھکر اور آسانی چھاپ کر بچوں کو یاد کراتے ہیں۔

حال میں پہلی بار قومی زبان میں ٹرکی کے عیسائی پادری ڈاکٹر انجیلو (Dr. Angelo) نے ایک خطبہ استنبول میں دیا ہے جسمیں کیتھولک عیسائی رعایائے ٹرکی اور ترکوں کے درمیان پورے دلی اتحاد کا ذکر کیا ہے جسکو مسلمان ترک یہ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک غیر قوم والے نے انکی قومی بیداری اور تعمیری اقتصادیات کی اتحادی ترقی کی قدر شناسی ایسے وقت کی ہے جبکہ ترک فخر و مباہات کے ساتھ اپنی قوم کو درست کر رہے ہیں۔ ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء کے اخبار اسٹیٹسمین میں ہے کہ "یکم جنوری ۱۹۲۹ء جب سے کہ لاطینی حروف جاری ہو گئے تھے تو اس تبدیلی سے ایک کتاب کے چھاپنے میں صرف نوے حروف کے کیسوں کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ پیشتر چھ سو بارہ حروف کے کیسوں کی حاجت ہوتی تھی اور اسی کے باعث اب بیس لاکھ نوجوان پڑھے لکھے ہو گئے ہیں"

الزام نمبر ۶ (تبدیلی یوم جمعہ)

ٹرکی میں بجائے تعطیل یوم جمعہ کے اتوار کے دن کی تعطیل اب دی جانے لگی ہے کیونکہ ترکی تجارت کی تمام منڈیاں دنیا بھر کے خلاف جمعہ کی تعطیل کے باعث کاروبار نہ کرنے سے کروڑوں کا کاروبار اپنے ہی ملک میں غیر اقوام کے سپرد کئے ہوئے تھیں جس سے کہ غیروں کو ترکی مفاد کے خلاف اسکا موقع ملتا تھا کہ وہ نفع اٹھالیں اور اتوار کے دن ترکوں کو کسی سے بھی کاروبار کا موقع ہی نہ تھا تمام بنک وغیرہ بند رہتے تھے جس سے گویا ہفتہ میں دو دن ترک کاروباری بیکار رہتے یہ تو ترکوں کے امکان کی بات ہی نہ تھی کہ دنیا بھر کو اپنے قواعد کے مطابق جمعہ کے لئے مجبور کر سکتے۔ دنیا کی منڈی انکی پابند نہیں ہو سکتی تھی۔ عیسائی دنیا کا تمام کاروبار اور کھاتے وغیرہ اتوار ہی کو بند رہتے ہیں۔ تار وغیرہ کا بھی نرخ اسدن دوگنا کر دیا جاتا ہے پھر ردی کے کاروبار کا بڑا بازار اداتا ہے اور یہ ہی ہی سے مسلمان ترکی تجار زائد کاروبار روئی کا کرتے تھے۔ انھیں نے دراصل قومی مجلس اعلیٰ سے تعطیل جمعہ کے بند کر دینے کی درخواست بھی کی تھی تب مجلس کو بھی تمام مالی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے نفع و نقصان کے ہر پہلو کو جانچکر درخواست

کو منظور ہی کرنا پڑا تھا اور ظاہر ہے کہ بغیر تجارت کے آجکل کسی ملک کا کام نہیں چل سکتا. پس ملکی تجارت کی بقا ہی کے لئے ترکوں نے یہ تبدیلی ضروری سمجھی ہے۔ تجار کا بیان تھا کہ اتوار کو بنکوں کے بند ہونے سے اور کاروبار کرنے سے لاکھوں کا سود ترکوں کو بلا وجہ دینا پڑ رہا تھا۔ اور جمعہ کے دن نماز کے لئے دو گھنٹوں کے واسطے ترکوں کو کاروبار بند کرنے میں کوئی بڑا انقصان نہ تھا۔ ترکوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جبتک تمام اسلامی سلطنتیں ملکر اپنے تمام دنیاوی کاروباروں اور حکومت کے تمام معاملات کو ویسی ہی یکرنگی نہ دے لیں جیسے کہ عیسائی سلطنتوں نے دے رکھی ہے۔ تب تک تنہا ترکوں یا ایرانیوں کے مان کی یہ بات نہیں ہے کہ دنیا بھر سے اپنے بنائے ہوئے قوانین و قواعد کی پابندی کرا سکیں مگر یہ بھی اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب کل اسلامی سلطنتوں میں آپس میں اتفاق ہو جائے اور سب کے پاس ایسی فوجی بحری اور ہوائی قوت ہو جاوے کہ جس سے وہ عیسائی سلطنتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اور جبتک ایسا نہ ہو سکیگا کسی سمجھدار انسان کے لئے کسی طرح بھی یہ قرین انصاف نہیں ہے کہ ترکوں کو ملزم قرار دے۔

الزام نمبر (دنیاوی سلطنت کو مذہب سے جدا کرنا اور تمام معاشرت کا بدلنا)

ترکی میں مذہب کو سلطنت سے جدا کرنے کا تجربہ تو در اصل البیہ منیا نے سنہ ۱۹۱۲ و ۱۳ء کے دوران جنگ میں کیا ہی دیا تھا جبکہ ہلال احمر کی تحریک اوٹھائی گئی تھی اور ترکی نیز ہندی مسلمانوں نے خوب ہی دل کھول کر اُسکے واسطے چندے بھی دیئے تھے۔ اب تو در اصل ترکوں میں مذہب کا خیال ہی دوسرے رنگ پر ہو گیا ہے۔ وہ اسلام کو ایک سچا اور حق مذہب سمجھنے میں کسی سے کبھی دنیا میں پیچھے نہیں ہیں اپنے مذہب کی سادگی اور آسانی میں اُنکا کامل اعتقاد ہے مگر حکومت کی پالیسی اور قوم کے مذہب سے اُنھوں نے بیشک رابطہ رکھنا اسوقت صحیح اصول زندگی نہیں سمجھا ہے۔ وہ تو اسکا دعوی کر رہے ہیں کہ جس طرح مادی ارتقا کے میدان میں اُنھوں نے قومی زندگی کا ثبوت دیا ہے اُسی طرح انشاء اللہ روحانی اور مذہبی ارتقا کے احاطہ میں آئندہ چلکر ویسا ہی کر کے دنیا کو دکھلا دینگے جیسے کہ اُنکے اسلاف نے خلافت کو ہاتھ میں لے کر اسلام کے نام کو اٹھارھویں صدی تک بلند رکھا تھا اور وہ ارتقا انشاء اللہ ایسی ہوگی کہ جس سے اسلام پر جو غلط اتہامات لگا کر دوسری اقوام نے اُسے بدنام کر رکھا ہے اُن سے اُسے پاک و صاف کر دیگی اور تمام دنیا کو ہمیشہ کے لئے حلقہ بگوش اسلام بنا دیگی۔ موجودہ دنیا تو اس طرف جا رہی ہے کہ مذہبی عقیدت کو محض ظاہری رسم و رواج اور صرف طریقہائے ماند و بود سے نہ جانچنا چاہئے بلکہ مذہبی عقیدہ تو ہر انسان کا ذاتی خیال ہے اور اُسکا تعلق صرف ذات پاک باری تعالے سے ہے جس میں کسی دوسرے انسان کو دخل نہیں ہو سکتا الا اس صورت میں کہ وہ

انسان خود کسی دوسرے کو شریک کرے۔ مگر شریک کرنے کا بھی اب یہ حال ہے کہ خدائے تعالٰی کے وحدہٗ لاشریک ہونے کو تو اب تقریباً تمام اقوام ماننے لگی ہیں۔ بت پرستی۔ اوہام پرستی یا اوصاف خداوندی کو مجسمہ کے طور پہ پیش کرکے اُنکی پرستش پر اب زندہ اقوام دنیا زیادہ زور نہیں دے رہی ہیں۔ آریہ اقوام تک اب اس سے اجتناب کر رہی ہیں "تثلیث" کا عقیدہ تو یورپ میں بالکل ہی باطل سمجھا جا رہا ہے اور یہ سب اسلام ہی کا تصدق ہے۔ مگر پادریوں نے اسلام سے اسقدر نفرت دلا رکھی ہے کہ محض اُسی عداوت میں سلطنتوں کا مذہب ابتک عیسائیت کے زیر سایہ برائے نام چلا جا رہا ہے ورنہ عیسائیت کا تو یورپ میں پتہ تک نہ ہوتا اور اسلام غالب ہوتا۔

روسیوں کی طرح ترکوں اور ایرانیوں کا بھی یہ خیال غالب ہو گیا ہے کہ مذہب اور معاشرتی زندگی کبھی جدا نہیں ہو سکتے اور جو بھی جمعیت یا سوسائٹی مذہبی قیود سے مبرا ہو وہ کبھی عرصہ تک کامیاب نہ ہو سکیگی۔ لیکن ساتھ ہی جسطرح سویٹ روس نے مذکورہ خیال کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے حکومت کو جدید ڈھانچے میں ڈھال لیا ہے اور بعد میں پھر مذہب کی طرف عود کر رہا ہے اور کریگا۔ اُسیطرح ترک قوم بھی مذہبی معاملات کو ابھی اس حد تک نظر انداز کرنے کیلئے تیار ہے جہانتک کہ قومی معاشرتی زندگی وغیرہ کو نقصان نہ پہونچے نیز اُسکے قومی تعمیری پروگرام میں خلل نہ پڑے اور روس ہی کی طرح وہ بھی پیشتر قوم بھر میں اتحاد خیال و عمل کی پوری کوشش کرینگے تاکہ تمام دنیاوی و دینی کاموں میں آسانی ہو جاوے۔ کیونکہ بغیر آپس کے اتحاد کے کوئی کام نہیں بن سکتا تھا بالخصوص موجودہ یورپ میں تو کسی قوم کی زندگی یا اسکا نشو و نما ناممکن تھا جبتک کہ وہی چالیں نہ چلی جاویں جنکو چل کر یورپ نے دوسروں کو شہ مات دی تھی پھر جس وقت تک کہ ہر قسم کے علم اور سائنس سے ترک بھی ماہر نہ ہو جائیں گے جیسے کہ یورپ اور کل زمانہ علمی ترقی میں ماہر ہو رہا ہے اُس وقت تک تو وہ اپنے کو بتیس دانتوں کے دشمنوں میں مذہبی متعصب کہلوانا کسی طرح نہ گوارا کرینگے۔ بلکہ بے تعصبی ہی دکھلا کر اسلام کی صداقت کو منوا سکینگے۔ اُنکے خیال میں وہ سوسائٹی جو کہ بالکل جمود کی حالت میں پڑ جائے اور بوسیدہ و پارینہ طریقوں میں زمانہ کی روش اور علمی ترقیوں سے آنکھ پر پردہ ڈال لے یا مادی تحقیقاتوں سے نفع اُسی قدر نہ اُٹھائے جتنا کہ دوسری اقوام اُٹھا رہی ہیں یا اُنھیں گناہ سمجھ کر اُنسے دور بھاگے تو اسکا نتیجہ فی زمانہ بجز خرابی کے کچھ بھی تصور کرنا صحیح نہ ہوگا۔ وہ مذہب کو معاشرت سے اور معاشرت کو مذہب سے مطابق کرنے ہی کے در اصل کوشاں ہیں۔

اگر غور کیا جاوے تو ایک زمانہ وہ تھا کہ دوسری زبان کو سیکھنا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا نہ کہ آج بغیر دوسری زبانوں کے جانے ہوئے زندگی ہی محال ہے بلکہ تبلیغ مذہب یا ترویج دین کی حقانیت دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں دکھلانا کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے۔ تمام دنیا میں اسکی جانچ ہو رہی ہے کہ مذہب حق کون ہے اور کانفرنسیں بھی اسی کے واسطے

ہو رہی تھی نہیں پھر جبتک کہ ایسے مبلغ یا علماء نہ ہوں کہ جو متعدد زبانوں کے ماہر ہوں تو یہ کام کس طرح نکلیگا۔ مگر غیر اب عموماً علماء کو اس میں عذر نہیں رہا ہے بس اسی طرح اور سب امور پر بھی قیاس کرنا چاہئے یعنی پوشاک۔ رسم خط۔ تبدیل سیاست وغیرہ۔ ترکوں نے کسی وقت بھی خدا کے وجود سے انکار نہیں کیا نہ رسول مقبولؐ ہی سے انکار کیا۔ اسی کے ساتھ اگر نوجوان ترکوں کے زمانہ کے واقعات کو یاد کیا جاوے تو یہ نظر پڑے گا کہ در اصل انھیں نے یہ طے کر دیا تھا کہ "مذہب کو خلافت کے احاطہ اثر میں دے کر منضبط کر دیا جانا ضروری تھا" تو یہ کیوں نہ سمجھا جاوے کہ انقلاب کی ابتدا ہی سے ترکوں نے مذہب کے متعلق یہ پالیسی طے کر لی تھی اور اسکی تکمیل اب آکر کمال پاشا کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

بیشک ترکوں کا یہ بھی مضبوط عقیدہ ہو گیا ہے کہ مذہب کو دنیاوی زندگی کی مستقل بنیاد نہ جانا جائے اور دونوں کو چلنے کے واسطے زور دار عمل کیا جاوے اور عمل کو بھی اپنی ذات واحد تک نہ محدود رکھا جائے۔ بلکہ کل سوسائٹی و قوم اور تمام دنیا کے لیے مذہب کو اس طرح عام کیا جاوے کہ اصلاح ماحول پوری طرح ہو سکے۔ ایشیا میں تو عام طور پر ابھی وہ جمود دائم و سائر ہے کہ جس سے صرف "عمل صالح" کے معنی نماز روزہ وغیرہ لیا جا رہا ہے۔ مگر یورپ اور ترکوں نے ان الفاظ کے معنی اسی طرح ثابت کر دیئے ہیں جیسے کہ خلافت کبریٰ کے وقت میں تھے یعنی یہ کہ دنیا میں نکل کر دوسروں سے بھی عمل صالح کرا لینا اور منوا دینا کیونکہ بغیر اسکے شخصی اور معاشرتی دونوں قسم کی زندگی ناممکن ہے۔ اسمیں سعادت دارین ہے ورنہ شقاوت دارین پھر وہ اسکو بھی مانتے ہیں کہ واقعات زندگی اور عالم دنیاوی کو روحانیت سے متعلق کیے بغیر کچھ نہ حاصل ہوگا اور وہ بھی کسی طرح ممکن نہیں ہے جبتک کہ بانی مذہب کے اقوال پر عملاً کام کر کے نہ دکھلایا جاوے گا محض اقوال کو رٹنا رٹانا کہیں بھی معاشرتی زندگی کے لیے کار آمد نہیں ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ بزرگان سلف یہی کرتے تھے کہ گھروں سے نکل کر جنگلوں پہاڑوں اور سمندروں کو طے کر کے تبلیغ اسلام اور فتوحات دونوں کے ذریعہ سے عملاً اسلام کی حقانیت اور اسکے رسول اور خلفائے راشدین و خالد بن ولید وغیرہ کی پاک زندگی کو پیش کر کے دنیا کو مسخر کرتے تھے اور اس طرح بانی مذہب کی روحانی قوت کو اسکے پیروؤں کی طرف متوجہ کرا دیتے تھے۔ مگر جب سے کہ اسلامی دنیا نے صرف لفظی و منطقی مباحث میں قیل و قال اور مناظروں کو اصل حقیقت بنایا نیز دنیاوی زندگی کو حقیر کر کے دکھلانا شروع کر دیا اور انکے مترجمین اور محققین کے مطابق ویسے ہی پیروکار و مریدین یا متبعین ہونے لگے۔ اسی وقت سے روحانیت تو فنا ہو گئی بس فرقہ بندی کی بدترین بنیادیں پڑ گئیں۔ حقانیت تو گئی اور محض لفظی نزاع رہ گئی اور گویا غار حرا کی سچی ندا کو اپنے دلوں یا گھروں میں بند کر کے رکھ لیا گیا یہ کبھی خیال نہ کیا گیا کہ دنیا ہر وقت اور ہر جگہ سچی تبلیغ کی منتظر رہتی ہے اور جبتک کہ مذہب کو ہر کسوٹی پر پورا اترنے کے لئے اور ہر آب و ہوا و ماحول میں خود ہی پھیل جانے کے لائق۔ نہ ثابت کیا جاوے گا اور نہ پہونچایا جائے گا جسکی کہ تلقین

ہدایت بھی شریعت اسلامی میں ہے تب تک کوئی بھی نہ مانے گا۔ اور پھر شریعت اسلامی جس طرح پر مدون ہو گئی ازل سے ابد تک کے لئے ایک مکمل تحریری صورت میں خلفائے راشدین نے دنیا کے لئے محفوظ کرادی ہے اُسکی نظیر تو دنیا کے کسی مذہب میں باقی تک نہیں جاتی۔ اور وہ ہر جگہ و ہر موسم و ہر قوم میں متمدن ہو یا غیر متمدن۔ مہذب ہو یا غیر مہذب سب کے واسطے عملاً صحیح ثابت ہو چکی ہے اُسی کو پھر منوانا کوئی بڑی بات نہ ہوگی مگر اسکے واسطے قربانی نفس۔ ایثار مال ومتاع وجہاد جسم وجان نیز دوسروں تک رسائی کے لئے قومی زندگی و معلومات ضروری تھے اگر ایثار مال وغیرہ نہ سہی تب بھی قربانی نفس کرکے روحانی قوتوں سفروں اور مجاہدات کے ذریعہ دوسرے لوگ کچھ تو عمل صالح کرکے دکھلاتے تب بھی کچھ بات تھی۔ مگر کہیں بھی عمل کو یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ گھروں پر بیٹھ کر باپ دادا کی کمائی سے پیٹ پالکر نامردوں کی طرح محض دوسروں کی تنقید۔ نکتہ چینی۔ اعتراض۔ الزام۔ کفر و بدعت کے فتوے وغیرہ دیدیئے جائیں اور ترکوں۔ ایرانیوں۔ یا دیگر جانباز مسلمانوں کو نشانۂ ملامت بنالیا جائے بالخصوص وہ اقوام کہ جو خود غلام ہیں اور کسی طرح اپنی دنیاوی و دینی آزادی کیلئے کوشاں نہیں ہیں۔ نیز آزادی کے نام تک سے ڈرتے ہیں اور اپنے کو مجبور ظاہر کرکے دوسروں کی ہمدردی کے مستحق بننا چاہتے ہیں یہ لوگ تو در اصل اسلام اور اُسکے بانی مذہب کے مشن ہی سے ناواقف ہیں۔ ایسے مسلمانوں سے تو وہ کفار بدرجہا بہتر ہیں جو کروڑوں کی خیرات و مبرات کرکے اسپتال۔ مدرسے وغیرہ بنواتے ہیں۔ اور خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ یہ چند مسلمانوں کے دامنوں پر محض دنیاوی فائدوں کے عوض مسلمانوں کے خون کا دھبہ۔ چندے۔ اور سپاہی دیکر اور لڑائی کرکے لگا ہوا ہے۔ معلوم نہیں وہ کب اور کس طرح اس داغ کو مٹا سکیں گے اور کس منہ سے دوسروں پر اعتراض کرینگے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ترکوں نے جان و مال سے اسلام کی خدمت نہیں کی۔ اور کس کے منہ میں زبان ہے کہ ترکوں کی طرح اسلامی خدمات کا خود دعویٰ کرسکے؟ یہ ضرور ہے کہ وہ بے عیب و داغ نہیں ہیں۔ جس طرح دنیا میں کوئی فرد یا قوم مکمل انسان کا لقب نہیں حاصل کر سکتی الا ماشاء اللہ!

ترک تو اس سبق کو کبھی پڑھ چکے ہیں کہ انیسویں صدی کے متکلمین نے ارسطو کے فلسفہ کو یہاں کہ مذہب میں سختی کردی تھی اور اجتہاد کے دروازے تک کو بند کردیا تھا۔ اور جس طرح قرآن پاک میں ہیئت دانش عالم کی پوری تشریح نہیں ہے بلکہ معاشرتی و اخلاقی زندگی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اچھائی۔ برائی۔ گناہ و ثواب کی پوری تشریح ضرور کردی ہے اور بتلا دیا ہے کہ اسلام میں روحانی اور مادی دنیا کے حالات زائد پیچیدہ نہیں ہیں صرف وحدہ لاشریک کو کون و مکان کا خالق بتلا دینا کافی تھا جس سے صاف طور پر مذہب کی سادگی

ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہے اور اسی سے ہر مسلمان کو مادی دنیا کے خلق وغیرہ کے معاملات میں سوچنے کا حق آزادی سے دے دینا بھی ثابت کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح نے بھی آفرینش عالم کی تشریح نہ کی تھی۔ نہ کسی پیغمبر یا رشی منی ہی نے آجتک کی اور اگر کسی نے کی بھی مثلاً سینٹ پال یا عیسائی پادریوں نے یا ڈارون واسپنسر نے تو اون سے مذہب اور ایمان سب ہی اور بھی خراب ہو گئے۔ عقلی دلائل سے مذہب کو ثابت بھی کرنا جب چاہا گیا تو منطق کی بنا ڈالی گئی۔ اور جہاں جہاں آفرینش عالم کے مسائل اور انکے منطقی دلائل ہیں لوگ بھاند پڑے مذہب اور اسکے پیرو تباہ ہی ہو کر رہ گئے۔ اسی سے منطقی دلیلوں سے اب کام نہ چلیگا۔ بلکہ عمل کر کے دوسرے بھی دکھلا دیں تو ترک قائل ہونے کو تیار ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ سب انسانی اقوام حضرت آدم کی اولاد ہیں اور ایک ذات ہیں۔ اُن میں کالے بھی ہیں اور گورے بھی سب کے جسم کی ترکیب اور اجزائے جسمانی تقریباً ایک ہی وضع کے ہیں۔ کان۔ ناک۔ ہاتھ۔ پیر۔ دماغ وغیرہ۔ بلکہ روح بھی سب میں ہے۔ غرضکہ اصولی فرق بالکل نہیں ہے۔ اور وہ انسان اشرف المخلوقات بھی ہے۔ اُس میں الوہیت اور بہیمیت دونوں موجود ہیں۔ شان وشوکت کے اظہار جفا وکفا کی برداشت۔ لذت وآسایش کا احساس وغیرہ کیا گورے اور کیا کالے کیا مشرقی اور کیا مغربی۔ کیا سپاہی اور کیا بادشاہ سب میں ایک ہی طرح ہوتا ہے بس صرف یہ ہو جاتا ہے کہ سپاہی جان دیتا ہے۔ مزدور زمین و پہاڑ کھودتا ہے اور جب امیر لوگ آرام کرتے ہیں اور بادشاہ تخت پر بیٹھکر حکومت اور شان وشکوہ دکھلاتا ہے تب ہی غرور وعیش کی اُنکے واسطے زیادتی ہو جاتی ہے۔ اسراف بڑھ جاتا ہے اور ہر قسم کی خرابیوں کے ساتھ ظلم وستم بلکہ سختی قوانین سے غربا اور اصلاح پسندوں کی سخت گیری شروع کر دی جاتی ہے اور فوج و پولیس کی مداخلت سے غربا کو جو اپنی حالت کو سنبھالنا چاہتے ہیں دبایا جاتا ہے جس سے اصلاحات کی ملک کو ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور اہل ملک کی کوششوں میں اور حکومت کی تائید میں تصادم ہو کر جنگ ہی سے اوسکا آخری حل ہوتا ہے۔

پس ترکوں نے مذکورہ حالات و کیفیات کو نہ صرف پڑھا ہے بلکہ خود برتا ہے اور دوسروں کو برتتے دیکھ لیا ہے اور اسی تجربے کی بنا پر پھر وہ اپنے [illegible] معاملات کو حل کر رہے ہیں جس کسی کا دل چاہے دیکھ آئے محض اعتراضات سے دوسروں کو بھڑکا کر اب کام چلنے کی امید رکھنا ایک فعل عبث کہا جائیگا۔

مذہب کے متعلق تو ترکوں کا یہ دعویٰ ہے کہ جس قدر خدمت سرزمین قسطنطنیہ کی ترکوں کی قوم نے کی ہے کسی نے نہیں کی ہے۔ بادشاہ سے لیکر معمولی سے معمولی ترک نے جان و مال سے عذر نہیں کیا ہے۔ مگر جب آنکو یہ

نظر آگیا کہ مقاماتِ مقدسہ میں دراصل اسلامی حکومت نہ رہی اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹنے میں عذر نہ رہا تو مذہب کے زور پر حکومت کرنا اُنکے خیال میں حکومت کی کمزوری کی دلیل ہو گئی تھی۔ اور درحقیقت ایک دھوکے کا جال بچھا کر قوم کو پھانسنا ٹھہرا تھا۔ وہ تو اپنے خیال میں اب مذہبی غلو کو بالائے طاق رکھکر سچے دستوری یا جمہوریت کے اصولوں پر اپنی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا چاہتے ہیں اور موجودہ حکمرانوں کا تعلق رعایا کے ساتھ زمانہ ہی کے مطابق ہونا جائز کہتے ہیں۔ نہ کہ ایک مسلم کے اور اُسکے خدا کے درمیان میں کسی کو بھی مداخلت کا حق دیں نیز ہر انسان اُنکے یہاں مذہب میں آزاد ہے اور حکمران یا شائک کو کسی کے مذہب میں جبر کا بالفعل استحقاق نہیں ہے تب ہی تو مذہب کے معاملات میں ترک حکام رعایا کو پورا آزاد رکھنا ایمانداری جانتے ہیں۔ اُنکے یہاں اب بھی ہر رعیت کو جو بادشاہ یا حکمراں کے ذاتی مذہب کے خلاف بھی ہو تب بھی اُس کی پرورش، تعلیم اور ہر قسم کی نگرانی کا اُتنا ہی حق ہے جتنا کہ اُن لوگوں کا جو کہ حکمراں کے مذہب کے ہوں اور دنیا نے بھی ہمیشہ اُسی حکومت کی تعریف کی ہے جو رواداری اور بے تعصبی سے اپنے کسی معاملہ میں مذہب کو دخل نہ دیتی ہو اب جس طرح مذہب میں اُنکے نزدیک انفرادی آزادی ہونا ضروری ہے اُسی طرح اُسکے برخلاف دنیاوی حکومت میں انفرادی آزادی کو ایک حد تک محدود کیا جانا ضروری جانتے ہیں۔ ورنہ انتظامی صورت میں خلل پڑنے کا قدم قدم پر اندیشہ ہونا لازمی کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا دونوں کو جدا رکھنا منطقی دلیل سے ہی ضروری ہوا۔ اور آخر حضرت خالد بن ولید نے فوجی اور ملکی انتظام کو ایران میں ایک دوسرے سے کس طرح علیحدہ کر کے حکومت کو چلا کر دکھلا دیا تھا۔

اگر دنیاوی حکومت میں مسلمان ترک بنک بناتے ہیں اور سود کے لینے اور دینے کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ شراب اور مسکرات کی تجارت کی اجازت دیتے ہیں۔ تو مذہب کی طرف سے مخالفت لازمی ہو گی۔ پھر ایک عیسائی اور مسلمان کے درمیان اگر کسی مذہبی معاملہ میں اختلاف ہو جاوے اور عدالت ترکی عیسائی کے موافق فیصلہ دیدے تو مذہبی نقطۂ نظر سے ممکن ہے کہ وہ جرم ہو۔ علاوہ اس سب کے اگر قوانین ہی زمانے کے مطابق اور قومی حالات میں ہمسایوں اور عام رعایا کی مناسبت سے نہ جاری کئے جائیں تو دیگر دول دنیاوی تو ضرور ایسے انصاف اور اُسکی عدالت بلکہ حکومت ہی کی بساط کو ہر وقت اُلٹ دینے کے واسطے تیار رہینگی۔ جیسا کہ پہلے ہی صورت ترکوں کی اب تک بیں وانتوں میں ہو گئی تھی۔ اور اس کے جہاں کہ جمہور کو رائے کا پورا حق ہو گا تو ایک فرد یا قوم کے واسطے قوانین نہیں بنائے جا سکتے جمہور ہی کی رائے کی پابندی کرنا ہو گی اور سب کے لئے ملکی قانون کیسا

ہوگا بجز مذہبی قانون کے۔ ترکوں نے آزادی دیکر دونوں اپنی ہر قسم کی رعایا پر حکومت کی کوشش کی تھی اور جبتک کہ وہ قوی رہے اور زمانہ کے مطابق اُنکے پاس سامان جنگ رہا کسی دوسرے کی جرأت اُنکے خلاف نہ ہوسکی۔ مگر اب اُنکی حالت تو بالکل ہی مختلف ہوگئی تھی۔ چنانچہ کمال پاشا اسی کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک معمولی بوڑھیا بھی اُنپر اُسی طرح اعتراض کرسکے جیسے کہ خلفائے راشدین کے وقت میں ممکن تھا۔ یہیں صرف مشکل یہ ہے کہ جبتک قوم بھر کو اُنپر پورا اعتبار نہ ہوجاوے اور اُنسے ویسی ہی ہمت چاہیئے کہ ہر فرد کو اپنے ساتھ ہوتی ہے اور غازی پاشا کی قوم کی تمام امیدوں کو سب ہی طرح سے پورا کرسکیں نیز اُنکے گرد و پیش کی مخالفتیں بھی ترکوں اور اُنکے حکمراں سے پورے طور پر راضی نہ رہیں۔ اُسوقت مذہب اور سلطنت دونوں کو ساتھ ملاکر کام کرنا نہ صرف مشکل ہی معلوم ہوگا۔ بلکہ ترکی قوم کو کچھ مصیبت پیش آجائے گی۔ ایک قرآن پاک کے ترجمے ہی سے ترکوں پر اس لئے لوگ معترض ہیں کہ بجائے عربی زبان کے اُسے ترکی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر ترک اپنے زمانہ میں اسی کو بہتر سمجھ رہے ہیں۔ طوطے کی طرح رٹکر اور اصلی مفہوم سے دور ہوجانا وہ کسی مسلمان کے واسطے اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ معانی و مطالب سمجھ ہی کر اصلی مذہب سے ترک اپنے کو واقف کرانا چاہتے ہیں اور جب ہی ارکان کو آسانی سے بھر ملاکر لیوہ وغیرہ کرادینا بھی دو مسلموں کے لئے آسان کام نہ ہوجاویگا۔ مذہبی نیم ملاؤں اور درگاہوں کے چھوٹے پیروں کو روپیہ پیسہ دیکر جس طرح کہ امان اللہ خاں شاہ افغانستان کے ساتھ کارروائی کرائی گئی ویسی ترکوں میں بیشک اب مشکل ہوگئی ہے۔ انھوں نے تو نذر و نیاز۔ جھاڑ پھونکا۔ گنڈے تعویذ اور عمل غزائی وغیرہ کی کارروائیوں تک کو قانوناً بند کرادیا ہے کیونکہ مذہب کی جگہ بندہ ہیں رہ کر وہ اپنے خیال میں اپنی تعلیمی۔ اقتصادی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ قانونی۔ سیاسی اور فوجی ترقی نہیں کرسکتے تھے۔ اُنکے یہاں اب مذہبی عقائد بننے کے واسطے بھی یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرنا ضروری ہوگیا ہے جس طرح ڈاکٹری وغیرہ کیلئے۔ اب یہ کہنا کہ ترکوں کا کوئی مذہب نہیں رہا سراسر غلط ہے۔ وہ پکے مسلم ہیں۔

عصر حمید کے زمانہ میں جو سخت ناگفتہ ایذا رسانیاں کرکے خون کی دھاریں ترک بہاتے تھے یا خواتین پر جو مظالم اور حکومت جابرانہ اُنکے مرد کرتے تھے۔ یا ملاؤں اور پیروں نے جو مراسم مذہبی کے ذریعہ قوم پر تسلط حاصل کر رکھا تھا سب کو غازی پاشا کی بصیرت نے یکلخت مٹا دیا ہے اس طرح خطبہ اور نماز بھی ترکی زبان میں جائز کردی ہے۔ مگر مؤذنوں کی اذان اب بھی ہر گوشہ مسجد میں پہلے کی سنائی دیتی ہے مصطفیٰ کمال کے ہاتھ یہاں ہر طرح سے جان اور قربان ہونے کو محبت سے قوم تیار ہے یعنی اچھی جمہوریت اور آزادی کے واسطے بھی آمادہ ہے اور جو آگئی

غربت مصیبت۔ غم والم ہی کے وقت اُنکے ہاتھ آئی تھی۔ بلکہ انکو ہر ترک کے خیال میں اگر حکومت کسی وقت کمزوری بھی دکھلائی دے گی یا قومیت کے اصولوں کے خلاف چلے گی تو قوم خود اپنی آزادی کو ہاتھ سے نہ جانے دے گی۔ چاہے مذہب کا کتنا ہی جوش انہیں دلایا جائے کیونکہ انکو مذہب کے تعصبات کا پورا تجربہ ہو چکا ہے اس لئے جس قدر بھی سلطنت کے دامن کو وہ مذہب سے جدا رکھ سکتے ہیں اُسکی وہ پوری تائید من حیث القوم کرنے پر کل کے کل آمادہ نظر آرہے ہیں۔ پھر علوم دنیاوی اور سائنس کے کرامات سے بھی کمال پاشا نے اُنہیں خوب ہی آگاہ کرادیا ہے۔ نیز محنت و ثقافت سے اپنی روٹی حاصل کرنے کا سبق ہر ترک بچہ خوب ہی جان گیا ہے۔ اور اس سبق کو بھی پڑھ گیا ہے کہ صرف دعاؤں اور نماز و روزہ سے اس طرح کی ترقی دنیاوی وہ نہیں حاصل کرسکتے جس سے کہ وہ موجودہ دیگر اقوام دنیا سے تمدن۔ سیاست۔ فوج اور دولت میں بہتر ہو سکیں یا برابر ہی انہیں بناویں۔ پر اُنکی مجلس ملی کبیر نے اسکا اعلان کردیا ہے کہ حکومت کا کوئی بھی مذہب بالفعل نہیں ہے۔ بلکہ تنہا ایک ترکی حکومت کی شکل میں وہ دنیا کے سامنے آگئے ہیں۔

ترکی حکومت کے واسطے کسی خاص مذہب کے نہ رکھنے کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ ذرا یورپ بلکہ عیسائی اقوام اور مسلم ترکوں کے عام خیالات کا بھی اندازہ کرلیا جاوے۔ عیسائیوں کا تو صرف یہ عام خیال تھا بلکہ انھوں نے دنیا بھر میں ترکوں کو متعصب کہکر بدنام کیا اور انپر حملہ کرکے صرف دنیاوی طرح کی جنگ کی بلکہ جہاد مذہبی بھی کرکے یہ ظاہر کردیا کہ ترک گویا غیر مسلم اقوام کے دشمن تھے۔ اور انھوں نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا۔ نیز ظلم و ستم کے ساتھ حکومت کرتے رہے تب ہی مدتوں کے اسی خیال اور عمل کا نتیجہ صلیبی لڑائیاں ہیں بالتفصیل لکھدیا گیا تھا۔ اُسکے مقابلہ میں اگر یہ دیکھا جاوے کہ سلاطین کے وقت میں ملک کی تمام تجارتیں اور مالی نفعے عیسائیوں ہی کے ہاتھ میں رکھکر اپنی قومی ہستی تک کی ترکوں نے کبھی پرواہ نہ کی نیز دیگر اقوام کے کلیساؤں معابد کو ہر طرح کی آزادی دی۔ عیسائیوں کے کلیسائے اعظم اور یہودیوں کے مذہبی مقتداؤں کو ہر طرح مختار کل بنائے رکھا۔ مذہب کے حامیوں یا پیشواؤں کی مداخلت اور یونانیوں و آرمینیوں کی عداوت اور مخالفت کے اُن سے بدلا نہیں لیا اور جب کبھی کسی جگہ انکی سرکوبی کی تو محض بغاوتوں اور سازشوں کے روکنے کے لئے کی۔ جنگ عظیم یورپ کے وقت تک تقریباً پندرہ لاکھ یونانی عیسائی ترکی رعایا تھے۔ انکی تعلیمی۔ تمدنی اور اقتصادی ترقی بھی ترکوں سے بہتر تھی جو ہر دیکھنے والے کے نزدیک ایمانداری سے اسکی شاہد تھی کہ کسی قسم کی روک ٹوک دیگر اقوام کی کسی ترقی کی کوشش میں ترکوں نے نہیں کی۔ آجتک گرجے اور معبد گاہیں اُنکے قومی اجتماع کے لئے گویا قلعہ ہی تھے انکو بھی

برباد یا مسمار نہیں کیا پندرہ صدیوں کی اُنکی روایات تہذیب۔ اقتصادی حالات اور مذہبی آزادی کی وہ برابر وقعت کرتے رہے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم یا قوت کے ڈر سے یا اُنکی ضد سے ترکوں نے غیر اقوام کی خاطر و مدارات کر رکھی تھی کسی صاحب عقل کے یقین کی بات نہ ہوگی۔ ترک پہلے سے ایسے کمزور بھی نہ تھے کہ اس بات کے یقین کی گنجائش کی جا سکے۔ بلکہ رواداری ہی اُنکی تمام حکومت کا قومی شیوہ رہا کیا۔ چنانچہ ذریسم (Benaim) سے بنب دوش (Mausha) کر جاؤ تو چنگالی (Changala) کا ارمنی عبادت خانہ ملتا تھا جہاں کے گھنٹہ کی گھن گھناہٹ تک ترکوں نے یہ کہکر کہ ترکوں کی خود کی عبادت میں فرق آتا تھا کبھی نہیں روکی[۵۱]۔

ترکی تواریخوں سے بھی یہ بخوبی ثابت ہے کہ غیر اقوامی رعایا کی غداری اور سازشوں کے ترک ہمیشہ شکار ہی تو رہے۔ کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب یورپ میں ترکوں کی حکومت کے ہر کونے اور ہر گوشہ میں گرجاؤں اور کلیساؤں وغیرہ کی بھرمار تھی اور اُن میں آزادی سے عبادتیں کیجا رہی تھیں انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی۔ روس۔ اٹلی۔ یا آسٹریا وغیرہ میں مسلمانوں کی مساجد وغیرہ کہیں بھی دکھلائی پڑتی تھیں؟ اگر اسپین کی تاریخ کے صفحات اُلٹے جاویں یا ہندوستان کی مساجد کے کھنڈر دیکھے جاویں تو مذکورہ دعویٰ کا مقابلہ اور موازنہ بخوبی ہوسکیگا۔ پھر اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جبل ایتھاس (Mount Athos) میں بکثرت عیسوی خانقاہیں زار روس کی جانب سے ترکوں نے جاری رکھنا ہمیشہ کے لئے جائز رکھا تھا۔ اور اسی لئے وہاں کی عیسائی رعایا نے کبھی روس کی سیادت کو ترکوں کے مقابلہ میں قبول کرنا منظور نہیں کیا۔ دوران جنگ عظیم یورپ تک اناطولیہ کے عیسائی یونانی باشندوں کے خلاف کوئی بھی تدارک ترکوں نے باوجود اُنکی سازشوں اور مخالفتوں کے اُسوقت تک نہیں کیا تھا جبتک کہ ۵ امئی سنہ ۱۹۱۹ء کو یونانی افواج اسمرنا میں داخل نہ ہولیں اور دریائے سکاریہ پر تو یونانیوں کی شکست نے اُنکی قسمت کا ہمیشہ کے لئے وہاں فیصلہ ہی کرادیا تھا۔ بس ترک اب بھی اپنی اگلی سی رواداری اور عالی حوصلگی کے باعث مذہب کو سلطنت سے جدا کرا کے دنیا کو پھر ثابت کر رہے ہیں کہ گو دنیا کی تمام عیسائی حکومتیں اپنا خاص مذہب رکھے ہوئے ہیں تب بھی ترک اس سے مستثنیٰ ہیں اور اونکے یہاں مذہبی تعصب کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور اسی سے پھر یہ ثابت کر دینگے کہ دوسروں میں تعصب تھا اور ہے مگر ترکوں میں وہ نہ کبھی تھا اور نہ اب ہے۔

آتاترک نے تو اب مذہبی عقائد کو پختہ کرا کے دنیاوی کاروبار میں انپر عمل کرا دیا ہے۔ روس کی طرح مذہب کی کسی جگہ اور مذہبی کسی قسم کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ صرف شیوخ اور خود ساختہ اماموں کے اثرات کو ضرور مٹا دیا ہے اور حکو

---

[۵۱] کتاب و ناظم صاحب مذکور .... صفحات (۱۳۷ و ۱۳۸)

کی طرف سے لوگوں کے مذہب میں انکی مداخلت کو بیشک روک دیا ہے بلکہ ملک کے تعلیمی پیشہ وری اور قوانینی اداروں یا روزانہ زندگی میں سے انکی دست اندازی کا سدباب ضرور کر دیا ہے مسجدوں میں تو اب بھی بوڑھے اور نوجوانوں کا وسیلہ ہی مجمع ہوتا ہے۔ جیسے کہ پہلے تھا بس قومیت کی لہر بیشک ایسی دوڑ گئی ہے کہ اسکے مقابلہ میں ترک اب کسی بات کی وقعت نہیں کرتے ہیں۔ اور اتاترک تو مذہب کی گفتگو تک کسی سے نہیں کرتے۔ اور صلح پسندی کو اپنا خاص عقیدۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں۔

اب یہاں سے ترکوں میں انکے انقلاب قومی کے وقت سے جو ترقیات ہوئی تھیں انکا بھی ذکر کچھ کچھ کر دینا مناسب ہے تاکہ پڑھنے والوں کو انکے حالات کے جاننے کا زائد موقع ہو۔ اور حسب ضرورت سبق بھی حاصل کر سکیں۔

باب سوم

ترقیات۔ اقتصادی۔ و صنعتی وغیرہ

یورپ میں تو یہ کہا جا رہا ہے کہ ترک اسوقت کسی کا بھی اعتبار نہیں کر رہے ہیں اور خود ہی سب کچھ کر لینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک ملک انکی ہنڈیوں کو سکھارنے کے واسطے جان و دل سے تیار ہے کیا ریلوں کے بنانے میں اور کیا اندرون ملک کی ترقی۔ بلکہ ہوائی پرواز اور بحری جہازوں کے سامان تک کے مہیا کر دینے میں کسی کو عذر نہیں ہے۔ اور یہ سب بھی قرض پر غرضکہ ہر ایک بڑے سے بڑا خوردرانٹ اور گرگ باراں دیدہ اپنی تاک میں لگا ہے۔ مگر اتاترک اور اسکی کل قوم قرضداری سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے کہ شیر بچے سے بکری۔ اور ہر وقت صلح سیدا اور نیک نیتا کو سامنے رکھتے رہتے ہیں کیونکہ غلامی کی راہ انکے یہاں آمد ناقبل نہیں رہی ہے اور نہ کسی طرح سے دوسروں کی ظاہری ہمدردی اور بے غرضانہ اعتبار کا اب سکہ ہی انکے دلوں پر چلتا ہے نہ تو اب صرف اپنی زبان اپنے قول اور فعل ہی کو ضمانت میں دے سکتے ہیں۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ کسی حصہ یا املاک کو یا چنگی اور آمدنی رہن لیکر پھانس لیجائے تو وہ زمانے گزر گئے جبکہ بڑے بڑے تجارتی اور مذہبی قسم کے حقوق وغیرہ ان سے حاصل کر کے معاہدات کر لئے گئے تھے۔

بعض لوگ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ سوویٹ روس کے اثرات کا بہت کچھ ان ترکوں کے یہاں بھی نظر آ رہا ہے۔ جیسے کہ سرمایہ داری کے خلاف ہونا یا ہر قسم کے امتیازی اور عوام کے نقصان کی باتوں کو ترک کر دینا وغیرہ اور ممکن ہے کہ یہ ایک حد تک صحیح بھی ہو۔ کیونکہ عوام و خواص سب ہی تو ترکوں میں قوم پرست و ملک پرست ہو گئے ہیں بلکہ مزدوروں یا

سپاہیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے پیشتر سے بہت زیادہ آمادہ دکھلائی دیتے ہیں۔ غیر ملکی مصنوعات اور تمام کی اشیاء کی خرید سے انکو اب ضرور عار ہے معاہدہ لازان کے وقت ہی سے انہوں نے اپنی اقتصادی حالت کے درست کرنے کا بیڑہ اوٹھا لیا تھا۔ اور اسیوقت یونانی و آرمنی درمیانی ایجنٹوں کو نکالکر بدمعاملگی کا دھبہ اپنے دامنوں سے دھلوا دیا تھا کیونکہ یوروپین اور ترکی تاجروں سے تمام معاملت انہیں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ وہی روپیہ لیتے تھے۔ اور کھا جاتے تھے اور غریب ترکی فلاح اور تاجروں کو بدمعاملہ اور نادہندہ کہہ کر بدنام کرتے تھے۔ اگر نقد کے بجائے جنس بھی دینے پر ترک آمادہ ہوتے تو یہی لوگ یا تو خود ہضم کر جاتے یا اظہار دوستی و ہمدردی کر کے مانع ہوتے۔ کل درآمد و برآمد ملک ہی جب غیروں کے اختیار میں تھی تو اکثر اجناس کے معاوضہ میں غیر ملکی مصنوعات دوگنی قیمت پر دیکر غریب ترکوں کو لوٹتے تھے۔ ایسے تجار کی اسمرنا۔ اور قسطنطنیہ میں بڑی بڑی املاکیں اور جائدادیں تھیں۔ انکی امداد پر تو یوروپ وغیرہ کی بڑی سے بڑی ملکی و مذہبی جماعتیں یا انجمنیں بھی ہمیشہ آمادہ رہتیں۔ اسوقت بھی باوجود اخراج و تبادلہ رعایا کے تقریبا پینتالیس[45] ہزار ارمنی اور اسی ہزار یونانی رعایا استنبول ہی میں رہ رہی ہے اور باوجود اسکے کہ ترک ظالم کہے جاتے تھے اور کہے جاتے ہیں پھر بھی یہ لوگ ملک کے باہر نہیں جاتے اور اطمینان سے کاروبار میں بیٹھے ہیں۔ اور ترک قوم سے خاص طرح راضی ہیں۔ نیز سرمایہ بھی دل کھولکر لگا رہے ہیں۔

ترکی زبان کے لازمی ہو جانے سے تمام بیرونی کارخانوں اور تجارتی کوٹھیوں اور کمپنیوں میں ترک ملازم ہو گئے ہیں اور کم از کم پچاس فیصدی ترکی سرمایہ کی شرط سے بھی درمیانی لوگوں کو وہ نفع نہیں رہا ہے جو پیشتر تھا۔ تمباکو نمک و دیگر اجناس نیز اشیائے استعمال کی برآمد وغیرہ کا کاروبار حکومت ہی کی زیر نگرانی اب قانونا کر دینے سے سب کام ملکی لوگوں ہی کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ نیز باہر سے کلوں اور پرزوں کی ملک میں درآمد کے لئے محصول کے معاف کر دینے سے۔ ریل کے کرایہ کے نرخ میں بھی تیس فیصدی کی کمی کر دی گئی ہے اور اسی طرح تمام صنعتوں کے ساتھ ضروری رعایات کر کے ہر طرح کی ترقی کا سامان خود حکومت ہی کرا رہی ہے۔

سنہ ۱۹۱۱ء سے مسلسل جنگ کی بدولت نیز بیرونی قرضہ جات کے باعث ترکوں کو اپنے یہاں کاموں کا آسانی سے چلانا مشکل تھا صرف فرانس ہی کا قرض سات ملیارڈ (milliard) سونے کے فرانک (franc) کا تھا جو سلطنت کی ضمانت پر سخت شرح سود پر لیا گیا تھا۔ اور وہ بھی سامان جنگ کے مہیا کرنے میں محسوب ہوا تھا۔ اسی طرح انگلستان بلجیم اور نیدرلینڈ سے بھی بڑی بڑی رقمیں قرض لیجا چکی تھیں۔ مگر سنہ ۱۹۲۸ء میں اتاترک کی ہوشمندی سے کمپنی سے معاملت ہو کر نیز نوٹوں کے چلا دینے سے طویل اقساط وغیرہ پر قرض کی ادائی طے ہو گئی تھی۔ کل تعداد قرضہ بیاسی[82] ملین ترکی پونڈ

قرار دیا گیا تھا اور ایک اعلیٰ اقتصادی قومی کونسل بنا کر اُسکے سپرد ادائی کا انتظام ہوا تھا۔ نیز قومی تجارتی بنک بھی علاوہ قدیم آٹومن اور بندراعتی بنکوں کے خوبی سے چلکر قومی قرضہ جات کی ادائی میں مصروف ہوگئے تھے اور ملکی کاموں کے چلانے میں حصہ لینے لگے تھے۔ صنعتی و معدنیات اور رہن و دستی بنک بھی اسی وقت سے قائم کرکے ہر قسم کی ضرورتوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ صدر اعظم کی خاص نگرانی میں ایک "قومی تعمیر اقتصادیات" کے نام سے بنک بنایا گیا تھا جسمیں علاوہ عوام کے سرمایہ کے بڑے بڑے کارخانون اور امرانے بھی سرمایہ لگایا تھا۔ غرضکہ ۱۹۳۵ء میں تقریباً تین قسم کے ترکی بنک جاری ہوگئے تھے۔ اُن میں سابق خدیو مصر عباس حلمی پاشا جیسے ہمدردوں نے بھی سرمایہ لگا کر قومی امداد کی تھی ۱۹۳۱ء کے بجٹ میں ایک تہائی ملین پونڈ کی آمدنی صرف اُن ہی بنکوں سے ہوئی تھی اور اب تو تنباکو اور سگریٹ کی تجارت بالکل ہی حکومت کے ہاتھ میں ہے ریلوں میں سوئس ([illegible]) اور جرمن سرمایہ داروں نے بیشک اپنا روپیہ ضرور لگایا ہے اور یہ کہاں نہیں ہوتا؟ جسوقت ترکی حکومت کے پاس روپیہ کافی ہوگا وہ معاوضہ دیکر خرید کر سکیگی۔ ابتولسندن اناطولیہ ٹارس ایکسپرس۔ استنبول سے آدانہ تک کی لائن وغیرہ کھل چکی ہیں اور مصر تک تو ریل ہی پر سفر ممکن ہوگیا ہے اناطولیہ ایکسپرس تو حیدر پاشا سے سات بجے شام کو چلکر دوسرے دن صبح کو منزل مقصود تک پہونچا دیتی ہے ٹارس ایکسپرس ہفتہ میں تین ہی مرتبہ گو ابھی تک جاتی ہے جو حیدر پاشا سے چلکر الیپو پہونچتی ہے۔ قاہرہ اور بصرہ کو مسافروں کے جانے کے لئے اسی میں آسانی ہے۔ انگورہ سے سیواس اور بندرگاہ سمسون تک پہونچنے کے لئے بھی انتظام اب ہوگیا ہے۔ نیز ترکی ایشیای کوچک میں بہت سی جدید لائنوں کے جاری کرنے کا بھی بندوبست کیا جارہا ہے۔

ملک میں ہر جگہ میونسپلٹیاں قائم ہوکر سڑکوں اور بندرگاہوں کی ترقی کی طرف بڑی دلچسپی سے خود ترک کام کر رہے ہیں۔ مکانات۔ دفاتر۔ فلیٹ (Flat) اور ولسے (Villas) بھی تعمیر کرائے جارہے ہیں۔ از غنا کی کان سے تانبا جو برآمد ہورہا ہے اُس نے بھی حکومت کے کاموں میں بیجا امداد دیدی ہے۔ اور اب تو خود ملکی اور سودیشی اشیاء سے زائد تر ملکی ضروریات بلکہ خانہ داری کی آرام و آسائش کے سامان کی پوری تحریک ہو کر بیرونی مال کی درآمد کم کرادی گئی ہے۔

پیشتر تو مذہبی تعصبات اور احکامات کی بدولت بہت سی صنعتوں۔ حرفتوں مصوری غنا اور ڈراما وغیرہ سے دلچسپی ہی نہیں لیجاتی تھی۔ مگر اب یہ خیال ہوگیا ہے کہ صنعت خیال ہی کی غذا ہے اور بغیر خیال کے کوئی قوم بھی پہلی کی زندگی نہیں حاصل کرسکتی۔ پھر خیال ہی شاعرانہ نہیں ہے بلکہ اظہار کے ساتھ اور وہ کسی شکل ہی میں کیوں نہ ہو۔ قومی

حیات کے واسطے جزو لازمی ہے۔ دراصل تو روح کی بالیدگی کے واسطے بھی صنعت کی ضرورت ہے۔ اب یہ کہ خدائے تعالےٰ نے قدرتی مناظر بھی ترکوں کے واسطے اُنکے ملک میں بیشتر سے مہیا کر دیئے تھے۔ مگر اُنکا اظہار اور اثر صفحۂ قرطاس پر وہ نہ لا سکے اور اسی سے دوسرے متاثر بھی نہ ہو سکے۔ یہ اُنکی بدقسمتی تھی بمثال کے طور پر یوں اگر کہا جاوے کہ کسی نے ایک بہشت کو خواب میں دیکھا اور شب بھر لطف اُٹھا کر حسرت سے آنکھ ملتا ہوا۔ اُٹھ پڑا اور کف دست ملکر رہ گیا۔ نہ اُسکی تصویر ہی کھینچ سکتا تھا نہ وہاں کے حور و قصور کو نقش و نگار سے مرصع کر سکتا تھا تو ایسے خواب سے کیا فائدہ ہوا؟ پھر آخر زمانہ میں مساجد و مقابر کی تعمیر میں بھی مسلمانوں نے کسقدر اپنی صنعتوں کو مدفون کر دیا تھا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض اُن میں سے ایسی ہیں کہ جو دنیا کی دیگر اقوام کے معبودوں۔ گرجاؤں اور کلیساؤں بلکہ شاہی قصور کو اپنی خوبصورتی و صفائی میں شرما رہی ہیں۔ اور کوئی بھی اُنکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

بعض تو اپنی سادگی میں وہ لطف دکھلاتی ہیں جو دوسروں کی رنگ آمیزی و آرائش میں نہیں ہے بیت المقدس کی حضرت عمرؓ کی مسجد۔ آگرہ کا تاج بی بی کا مقبرہ کیا دنیا میں بے نظیر مرتبہ نہیں رکھتی ہیں؟ اسیطرح اب ترکوں کے خیال میں جس طرح مصوری مذہباً ناجائز تھی ویسے ہی مقابر کی تعمیر گو مقابر میں مذاقِ صنعت کا اظہار ہر جگہ حکومت مذہبی نے بھی بالآخر آج تک دنیا میں جائز ہی کر رکھا تھا۔

الغرض اسی قسم کے دلائل نے ترکوں کو صناعی اور مصوری کی طرف مجبوراً مائل کر دیا ہے اور اُسیکا اثر ہے کہ اُنھوں نے ایک بہت بڑا عجائب خانہ بھی بنایا ہے جسمیں صنعتی۔ حرفتی مصوری۔ اور مجسمے تک کے عجائبات اکٹھا کئے جا رہے ہیں غازی پاشا کا مجسمہ اور قومی فتح و بقائے نام کی تاریخیں بھی اب کندہ کی جا رہی ہیں۔

ڈراما کے بابت تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر ترک۔ ایرانی۔ اور عرب کی گھٹی میں گویا فطرتاً پڑا ہوا تھا۔ آنکھ۔ ہاتھ۔ سر بلکہ کل جسم کی حرکت کا خیال کے ساتھ چلا لیجانا تو اُنکا حصہ تھا اور ہے۔ اور واقعی یہی ڈرامے کی تعریف میں بھی ہے کہ بغیر الفاظ کے کہے ہوئے دوسروں پر خیال کا اظہار ہو جائے۔ ایشیائی ممالک کے ناچوں اور بھاؤ کے بتانے میں بھی یہی لطف سمجھا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ایشیائی اقوام کا یہ بھی مایۂ ناز تھا۔ ترکی میں پیشتر تو ڈراما میں مسلم خواتین کا جانا ہی نہ ہو سکتا تھا نہ وہاں مسلم طوائفوں کے ناچ گانے کا دستور تھا۔ صرف ارمنی مستورات اور مرد اُسکو کرتے تھے لیکن اُنکی زبان کی کرختگی اور لہجہ ڈرامے کے لطف کو بالکل ہی ضایع کر دیتا تھا۔ اب جب سے کہ ترکوں نے اُسے بھی اختیار کر لیا ہے زبان کی شیرینی اور لہجہ کی عمدگی نے اُسکا بھی لطف دوبالا کر دیا ہے اسیطرح تھیئٹر (Theatre) کی حالت بھی ہو گئی ہے جن میں ملکی اور قومی کارناموں کے قصے و نتائج دکھلائے

جاتے ہیں۔ بیشتر تو ترکوں میں اُسکے بجائے درویشوں کے ناچ ہی میں تاریخی واقعات دکھلائے جاتے تھے۔ لہذا اب اُسکو باقاعدہ علمی حیثیت دیدی گئی ہے۔ بیشک مذہبی عبادت کے عنصر کو اس سے خارج کرکے صنعت کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔

گانے میں بھی اب ترکوں نے اپنی ذہانت سے ایسی ترقی دکھلائی ہے کہ موجودہ یورپ کو اپنے قدیم سرگم میں کھنگی نظر آرہی ہے اور ممکن ہو کہ اس تازہ بتازہ نوبہ نو خون سے اس میں بھی کوئی نیا اثر ٹھونک جاوے۔ ٹرکی میں تو جو باجا عود کے پردے سے بجایا جاتا تھا اب اُسکا کہیں پتہ بھی نہیں ہے نہ غزلیں ہی جو گائی جاتی تھیں اُنکا پتہ ہے۔ بلکہ اُنکے بجائے قومی و ملکی ترانے گائے جاتے ہیں۔ غزلیں تو جزو نغمہ ہی نہیں رہیں جمال رشدی بے نے مشرقی نغموں کو مغربی طرز پر درست کرلیا ہے۔ محمد ابن عبد الحق جاہد بے اور روشن اشرف بے ایسے شعرا پر بالفعل ملک کو ناز ہے۔

رائٹر کے تار مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء سے یہ اطلاع بھی دنیا کو ملی تھی کہ ٹرکی نے اپنی پنجسالہ اقتصادی کوشش کی جدید فیکٹریوں (Factories) یا کارخانوں کے علاوہ برطانیہ عظمےٰ سے بھی اپنے معاہدہ تجارتی ۴ رجون ۱۹۳۵ء کے بجائے ۱ ستمبر ۱۹۳۶ء سے نافذ ہونے والا ایک معاہدہ جدید کرلیا ہے جس سے ادائے رقوم قرضہ بھی ہوتی رہیگی اور صفائی معاملات کا ایک محکمہ قائم کرلیا ہے جو ستر فیصدی آمدنی کا قرض میں لے لیگا اور تیس فیصدی سنٹرل بنک ٹرکی کو واپس کردیا کریگا۔ کیونکہ اس وقت دس لاکھ پونڈ تجارتی سرمایہ برطانیہ کا ٹرکی کو ادا کرنا تھا۔ اب تو ترکوں کا اتحاد و کالتی ہر طرح کی اقتصادی ترقی ملک کے واسطے پوری کوشش کررہا ہے۔

ستمبر ۱۹۳۶ء کے اخباروں سے ہندوستان میں یہ اطلاعیں ملی تھیں کہ "کمال پاشا نے کوئی اسکیم تیار کی ہے جس سے پانچ سال میں ملک ٹرکی ہر صنعت و حرفت میں یوروپین ممالک کی ہمسری کرنے لگے گا...... آتا ترک کمال پاشا کی ان تھک کوششوں سے ایک طرف ترکی میں ہر چیز کے لئے عظیم الشان کارخانے قائم ہوگئے ہیں جن سے ٹرکی کی اقتصادی حالت درست ہوگئی اور دوسری طرف فوجی طاقت میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا ہے[۵۱]

ترقیاتِ تعلیمی وغیرہ

دراصل مذہبی کٹھ ملاؤں۔ نے ٹرکی حکومت بھر میں نوجوانوں کی تعلیم کو ایسا محدود اور فرسودہ کردیا تھا کہ وہ

۵۱۔ اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲

کل یورپ سے عام طور پر تعلیم دنیاوی میں تقریباً دو ڈھائی سو سال پیچھے پڑ گئے تھے۔ دوران جنگ عظیم یورپ نیز اُس سے بھی کچھ قبل مغربی طریقہ تعلیم کی طرف ترکوں نے زائد توجہ شروع کر دی تھی۔ دو ہزار سے زائد ترکی لڑکے جرمنی ہی میں، دوران جنگ میں بھیجے گئے تھے اب وہ گروہ بھی واپس آگیا ہے اور زمانہ کے قابل ترین لوگوں میں اُنکا شمار ہو رہا ہے۔ پرانے معلمین تو اُنکے مقابلہ میں جہلا میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اُنکے باعث ایک جدید مذہبی خیالات کی جنگ جو جبل الطارق سے لیکر لاہور ہوتی ہوئی حیدرآباد دکن و ہندوستان تک میں پہونچگئی ہے اور چونکہ روس کے نوجوان مسلم تو اپنے ترکی بھائیوں سے بہت ہی زائد آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ اُسکا بھی اثر یقیناً ترکوں پر پڑ رہا ہے جس سے جدید نصاب تعلیم کے مدرسے حکومت کی طرف سے جاری ہو رہے ہیں جبریہ تعلیم تو ہو ہی گئی ہے۔ طلبا کو کتابیں وغیرہ بھی مفت دی جانے لگی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں یکجا بیٹھ کر ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں قسطنطنیہ کی یونیورسٹی تو اب بالکل ہی زمانہ حال کی کر دی گئی ہے۔ اسی سترہ سالہ قدیم یونیورسٹی کو دارالفنون کہا جاتا تھا۔ اسکے بابت لندن کے اخبار منچسٹر گارڈین (Manchester Guardian) کے نامہ نگار نے اخبار لیڈر الہ آباد میں ستمبر ۱۹۲۵ء میں یوں لکھا تھا کہ "جدید یونیورسٹی میں چار فیکلٹی اور آٹھ انسٹیٹیوٹ کے اوقاف مقرر کئے گئے ہیں۔ فیکلٹیوں (Faculties) میں ادب، سائنس، قانون اور طب ہیں۔ انسٹیٹیوٹ Institute میں ترکی انقلاب کی تاریخ۔ قومی اقتصادیات۔ معاشرت۔ جغرافیہ ترکی تاریخ۔ ذہنیات۔ علم کیمیا۔ برقیات۔ وآلات سازی۔ اور اسلامی تعلیمات نیز ایک مدرسہ زبان ہائے غیر کی تعلیم کے لئے بھی قائم ہوا تھا۔ انڈر گریجویٹ طلباء کو دو زبانوں میں جو غیر ممالک کی ہوں اُن میں کامل ہو جانا لازمی تھا۔ جرمن اور سوئس پروفیسر تک سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے واسطے اُسمیں رکھے گئے تھے" پھر ستمبر ۱۹۳۶ء تک "وزیر تعلیمات کی رپورٹ سے جو شائع ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ابتدائی مدارس کی تعداد (۵۹۶۲) ہے جن میں (۱۳۶۲۶) مدرس ہیں اور طلباء کی تعداد (۵۶،۰۰۰) ہے۔ اور تحقیقات سے اسکا پتہ بھی چلا ہے کہ دنیا بھر میں (۶۵) ملین اشخاص ترکی زبان بول سکتے ہیں اور ترکی قومیت سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد تو (۴۰) ملین ہے جسمیں سے حدود حکومت ترکیہ میں کل (۱۷) ملین ترک آباد ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے مدارس میں ۱۹۳۳ء تک تین لاکھ (۶۶) ہزار لڑکوں کی تعداد اور دو لاکھ ایک ہزار لڑکیوں کی تعداد پہونچگئی تھی اسی طرح درمیانی یعنی سکنڈری مدارس اور تختی (Normal) کالجوں میں (۱۱۵۰۰) لڑکیاں اور (۳۲۰۰) لڑکے تھے جبکہ یونیورسٹی میں (۸۷۰) لڑکیاں اور (۴۶۰۰) لڑکے تعلیم پا رہے تھے"*

---

*. دیکھو اخبار اسٹیٹس مین ہندوستان مورخہ ۱۴ رجولائی ۱۹۳۵ء

انگورہ میں قانون کی تعلیم کا ایک مدرسہ کھولا گیا ہے نیز زرعی و صنعتی تعلیم کی طرف خاص توجہ اتا ترک کی ہو- دفاتر کے ملازمین کے واسطے بھی کالج بنائے گئے ہیں جس سب کا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ شاید صرف دس ہی فیصدی لوگ جاہل رہ گئے ہیں۔ والیان حکومت کو وعظ میں قومی تعلیم پر زور دینے کی سخت ہدایت ہے۔ نیز قومی بجٹ میں بڑی رقم تعلیم ہی کے واسطے رکھی جاتی ہے۔ ڈراما اور ایکٹنگ (Acting) یعنی بھاؤ بتلانے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ نظریات اور مشاہدات سے بھی کالجوں میں امداد لیجاتی ہے۔ ہر مدرسہ میں ایک عجائب خانہ بھی ہے جسمیں بچوں کی خود ساختہ اشیا، تصاویر اور تجربیات کا ذخیرہ رکھا جاتا ہے۔ بلکہ اصلی خیال اور اُس کے عکس کو ظاہر کرانے کی طرف معلمین زاید زور دیتے ہیں۔ علم ریاضی۔ علم کیمیا۔ راگ اور مصوری کی تعلیم کے ساتھ قومی تحریکات اور قومی تاریخ کا عنصر بھی زائد ہوتا ہے۔ تاریخ میں قومی شکست۔ اُسکے اسباب۔ نیز فتح کے واقعات کے سلسلہ میں حقوق افراد و قوم بھی بالتصریح جزو تعلیم رکھے گئے ہیں۔ بچوں کی جسمانی سزا کی بھی مدارس میں سخت ممانعت ہے۔ شب کے مدارس میں تو بچوں کے علاوہ بوڑھے اور جوان شامل ہوتے ہیں۔ ان میں ملازمین تک مالکوں سے اجازت حاصل کر کے شرکت کرتے ہیں۔ قسطنطنیہ کی یونیورسٹی میں خاندانِ عثمان کا شاہی کتبخانہ اُسکی ملک قرار دیدیا گیا ہے بلکہ جلیل خالد بے نے مشہور انگریزی ادب کی کتابوں کے ترجمے بھی ترکی زبان میں کر دیئے ہیں اور نورالدین بے یونیورسٹی کے رکٹر (Rector) ہیں۔

شاہی عمارات ہی میں یونیورسٹی اور شفاخانہ ہیں۔ اسپتالوں اور زچہ خانوں کی تو پیشتر ہی سے ترکوں کی حکومت میں تعریف کی جاتی تھی جس سے بچوں کی اموات میں بھی اب بیحد کمی ہوگئی ہے۔ نرسیں اور دائیاں تو گلی گلی کوچہ کوچہ میں موجود پائی جاتی ہیں معاشرتی اصلاح کے واسطے مستورات کے اتحاد (Union-des-Femmes) ہر طرح کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ شراب نوشی۔ بدکاری۔ اور جوے کا بیحد انسداد اُنھیں سے ہوگیا ہے اُنکے نارمل کالجوں کے قیام سے جسمانی ورزشوں کا بھی مستورات میں بڑا رواج ہوگیا ہے جسمانی ترقی کے لئے ایک سویڈن (Sweden) کی خاتون کو لا کر پروفیسر سلیم سری بے نے یہ انتظام کیا تھا کہ تیس جوان ترکی بیویوں کو تعلیم دلوا کر نو مہینہ میں ملک بھر کا دورہ اُنکے ہمراہ کرلو۔ جس سے ورزش کی تعلیم پورے طور پر ملک میں رائج ہوگئی۔ انھیں پروفیسر صاحب کی دو صاحبزادیوں نے یورپ میں ناچ کی تعلیم لیکر اپنا ایک قومی ناچ خود تیار کر کے جاری کر لیا ہے۔ بالخصوص زیوبک (Zeibek) کا طریقہ ناچ جسمیں خنجر اور گولی کی ضربوں پر ختم ہوتا ہے جاری کر دیا ہے۔

تعلیم کی ترقی سے تمام شہروں میں مرتب طریقہ پر اخبارات کے ادارے بھی قائم ہوگئے ہیں جس سے علاوہ عوام کی تعلیم کے عوام کے ہاتھ میں ایک آلہ اظہار رائے وغیرہ کا زوروں میں آگیا ہے۔ حکومت کی طرف سے اخباروں کو بذریعہ تار ہر بات کی اطلاع دیجانے لگی ہے۔ دراصل اب تو سیاسی ٹرکی اور اخباری ٹرکی کے درمیان ہر امر میں بیحد میل جول اور یکرنگی خیال ہے۔ روزانہ و ہفتہ وار اخبارات اور رسائل کی دن دونی ترقی ہو رہی ہے اور وہ ملک کی ترقی کا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ صرف ٹرکی ہی زبان میں اخبارات نہیں شائع ہوتے ہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی۔

۱۹۳۶ء میں ملک حبش کی اٹلی کے ہاتھوں بربادی پر غازی عصمت پاشا نے جو تقریر مدرسہ حربیہ کے طلباء کو انعام تقسیم کرتے ہوئے کی تھی وہ یہ تھی " ملک کی عزت نوجوانوں کی قوت عمل پر منحصر ہے۔ اگر ہم اپنے وطن کی سلامتی اور اپنی قوم کا وقار باقی رکھنا ہے تو اپنی اقتصادی جسمانی اور حربی طاقتوں کو ترقی دیجئے۔ مشرقی افریقہ کا واقعہ تو یہ سکھلاتا ہے کہ دنیا میں کمزور کے لئے کہیں بھی جگہ نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں جن میں کشمکش حیات میں حصہ لینے کی قوت ہو۔ دنیا کی ایک قدیم ترین سلطنت آج اس لئے صفحۂ ہستی سے مٹ رہی ہے کہ اس نے رفتار زمانہ کا ساتھ نہ دیا۔ اور اپنی حربی طاقت کو مستحکم نہ کیا . . . . . مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ترکوں میں قوت عمل پیدا ہوگئی ہے۔ اور اُن کا ہر مرد و زن یہ سمجھنے لگا ہے کہ ترک قوم اور دوسرے بھائیوں کے درمیان جو ٹرکی کے باہر رہتے ہیں تحفظ ناموس کا ذریعہ صرف عمل ہے . . . . . آپ لوگوں کے سامنے ایک وسیع میدان ہے جسکا اولین سبق قومی طاقت ہے۔ نیز ٹرکی کے ہر فرزند و دختر سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے وطن اور قوم کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے جان توڑ کوشش کریگا۔ اور اسلام کا یہ پہلا اصول یاد رکھیئے کہ نجات کا ذریعہ صرف قرآن اور تلوار ہے۔"

استنبول کی ایک خبر ہے جو ہندوستان ٹائمس کے ذریعہ ۲۳ رجون ۱۹۳۷ء کو شائع ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا تھا کہ دس لاکھ ترکوں پر آتا ترک نے تین لاکھ پونڈ کا جرمانہ صرف اس بنا پر کردیا ہے کہ انھوں نے جولائی ۱۹۳۴ء کے اُس قانون کی پابندی نہیں کی تھی جس سے کہ اُنکے لئے مقرر کردہ ناموں کی رجسٹری ترکوں پر واجب کی گئی تھی جو حکومت کی طرف سے انکو دیئے گئے تھے۔ دراصل تو حکومت کو ہر ایسے شخص کے ناموں اور اُن کی پہچان میں دقت ہو رہی ہے جو ایک ہی نام رکھتے ہوں۔ مثلاً ہزارہا اشخاص کا نام " زید بن خالد" ہے لہذا جن لوگوں کے ناموں کی رجسٹری نہیں ہوئی تھی۔ اُن پر جرمانے ہو رہے ہیں۔ کیونکہ دوبار آتا ترک انھیں معافی دے چکے تھے۔

ترقیات فوجی اور انتظام ملک

اناطولیہ کے ترکوں کی بے پناہ تلوار کا زور اسوقت سے چار دانگ عالم میں مشہور ہے جب کہ وہ ایشیائے کوچک کے جنگلوں سے خروج کر کے ۱۸۷۷ء تک پلونا کے میدانوں میں غازی عثمان پاشا کی کمان میں نام کر چکے تھے۔ اور دنیا بھر نے انکو ایک بہادر اور شجاع قوم مان رکھا تھا لیکن زمانہ حال کو دیکھتے ہوئے وہ اچھے حکمراں نہیں سمجھے گئے۔ سارے بلقان کو فتح کر کے وی۔ اے۔ نا (Vienna) کے دروازوں کی کنڈی کھٹکھٹا چکے تھے اور عیسائیاں بلقان و انگورہ کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کا سہرہ بھی ترکوں ہی کے سر ہے اور انھیں سے مشہور جنیسری یا جاں نثاروں کی افواج بنی تھیں۔ مگر حال کی انکی فوجی ترقی کا سہرہ ضرور جرمن قوم کے سر رہیگا۔ کیونکہ وہ فوج جسنے کہ ابتدا میں بغاوت کی تھی وہ جرمنوں ہی کے زیر تعلیم درست ہوئی تھی۔

آخری جنگ عظیم یورپ سے ترکی فوج کو بیحد نقصان تو ضرور پہونچا تھا اور صلح سیوڈ راس سے تو دو تہائی ملک تک ہاتھ سے جاتا رہا تھا کیونکہ اہل یونان تو ۱۸۲۱ء سے ترکوں کی حکومت سے لڑ کر اپنی آزادی حاصل کر چکے تھے اور تمام عیسائی صوبہ جات بھی جنگ ہی کر کے قریب قریب آزاد ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک نے جنگ کر کے ترکی سپاہ کو رفتہ رفتہ کمزور کر ہی دیا تھا۔ اور اگر جنگ کریمیا جو ۱۸۵۴-۱۸۵۶ء تک جاری رہی تھی اور جسمیں روس کے خلاف انگریز و فرانسیسی ترکوں کے شریک ہو گئے تھے اور جس کے واسطے صلحنامہ پیرس کیا گیا تھا اور جس سے روس کی بحری طاقت کو بالکل گویا توڑ دیا گیا تھا۔ اور ترکی سلطنت بچگئی تھی نہ ہو گئی ہوتی تو ترکی فوجوں کا کہیں پتہ تک نہ لگتا۔ پھر جنگ بلقان جو ۱۸۷۵-۱۸۷۷ء تک جاری رہی تھی جسنے "مشرقی مسئلہ" کو یورپ کے واسطے بہت کچھ آسان کر دیا تھا اور جسمیں کہ روس اور انگلستان نے ترکوں کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اور روس کے قبضہ قسطنطنیہ ہی کے باعث محض یورپ کی تمام مملکتوں کی ایک کانگریس ۱۸۷۸ء میں برلن میں کی گئی تھی اور روما نیہ۔ سرویا و مانٹی نیگرو کی خودمختار ریاستیں بنا دی گئیں تھیں پھر متعدد جنگیں جو ترکوں کو روس کی مخالفت بلکہ انگلستان کی مشرقی پالیسی کی بدولت کرنا پڑیں یا اٹلی وغیرہ سے لڑنا پڑیں اور بالآخر جنگ عظیم یورپ ہو گئی۔ غرضکہ سب ہی نے تو فوجی اور مالی ہر قسم کا نقصان ترکوں کو پہونچایا تھا۔ مگر صلح لوزان کے بعد سے پھر فوج کی ترتیب کمال پاشا نے کی تھی اور ترکی فوج کو ہر قسم کے زمانہ حال کے اسلحہ، ہوائی پرواز اور بحری قوت کا مکمل سامان نصیب کرا دیا تھا اور مدافعۃ وکالتی یعنی وزارت مدافعہ تو دل رات فوجی ترقی و ترتیب کے لئے اپنی جان لڑائے ہوئے ہے۔ چنانچہ حال کی کردوں کی بغاوت اور یونانی انقلابی جنگ یا بلووں نے ترکی تیاریوں کا مظاہرہ

بھی کچھ حد تک یورپ کو دکھلا دیا ہے۔ گلجک (Gulf of Iskenderun) کی گودی جو بحیرہ ابیض کے مشرقی کنارے پر واقع ہے وہ بھی خاصی ترقی کر گئی ہے۔ سوویٹ روس نے تو ۱۹۳۱ء ہی میں ایک بحری معاہدہ ترکوں سے کر لیا ہے اور درۂ دانیال کا استحکام بھی ۱۹۳۶ء میں وہ پھر کر لئے ہیں جسکی منظوری بھی یورپ کو کان دبا کر دے ہی دینا پڑی تھی۔ مگر حبشہ پر اطالوی قبضہ نے ٹرکی کو بے اطمینان ضرور کر دیا ہے اور اپنے صدر دروازوں کی طرف جو بحر روم میں کھلتے ہیں تیزی سے مکمل انتظام کی طرف اب مجبور ہی کیا ہے اور اگر وہ اپنے جنوب مشرقی دروازوں کی طرف سے جو عراق و ایران کی طرف کھلتے ہیں مطمئن ہو جاوے تو بحر روم میں زائد قوت صرف کر سکتا ہے۔ چنانچہ اوائل ۱۹۳۶ء میں بمقام جنیوا جو ایک مشرقی ایشیائی اتحاد۔ ایران۔ افغانستان۔ عراق اور ٹرکی میں ہونا کہا جاتا ہے اُس سے اُمید ہے کہ جنوب مشرق کی طرف ٹرکی کو زائد دقتیں نہ پیش آئینگی۔

جب مصطفےٰ کمال نے فتح کے بعد سات سال تک قسطنطنیہ میں قدم نہیں رکھا تھا تو عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اپنے دشمنوں نیز یونانیوں۔ ارمنیوں اور بوڑھے ترکوں کے ڈر کے مارے وہ اُس طرف کا رُخ ہی نہیں کرتے تھے۔ مگر جیسے ہی کہ وہ بلا کسی اطلاع یا ڈھول دھمامے کے ایک دم سے وہاں پہونچکر قصر دولما باغچہ میں فروکش ہو گئے اور آزادی سے ہر جگہ آنے جانے اور ملنے جلنے لگے تب سے اُنکی ہر دلعزیزی کا دنیا کو پتہ چل گیا اور سب ہی مان گئے کہ موجودہ حکومت ٹرکی در اصل قوم کی خوشی اور خواہش اور مرضی پر ہے اور قوم ہی اب بادشاہ ہے۔

حکومت کے دار العوام یا ٹرکش گرینڈ نیشنل اسمبلی میں (۳۸۰) ممبر یا ڈپٹی بیٹھتے ہیں۔ اور صرف چھ ماہ اُسکا اجلاس ہوتا ہے سفر کے لئے مفت ریل کا پاس اُنکو ملتا ہے نشب کے اجلاسوں میں کھانا بھی حکومت کی طرف سے ہوتا ہے ایوان حکومت صرف ایک ہی ہے جسکو کہ ترک جمہوریت کی جان سمجھتے ہیں۔ اور ڈپٹیوں کا عوام پبلک میں بھی بسبب صحیح نیابت کے خاص اثر ہے۔ ایوان عام میں وہی مسائل پیش ہوتے ہیں جو کمیٹیوں میں طے ہو جاتے ہیں نیز اُن افراد قوم کی جنہوں نے کہ حقیقی قربانی، محنت اور جانبازی کے کارناموں سے ملک اور قوم کو بچایا ہے اور بڑی ذمہ داریاں اپنے سر لی ہیں اُنھیں کو وہ حکومت کے جہاز کے چلانے کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اُنکو ہر قسم کی آزادی بھی ملکی انتظام کے واسطے وہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ بے سبب مداخلت اور بے محل و بیجا اعتراضات یا بے جا حملوں سے بھی وہ اپنے لیڈران قوم اور رہا و یان ملک کو بچانا اپنا قومی فرض جانتے ہیں۔ اتاترک کی صدارت عصمت پاشا کی وزارت عظمیٰ۔ توفیق رشدی بے کی خارجی وزارت۔ محمود السبب بے کی وزارت انصاف نیگاٹی بے کی وزارت تعلیمات اور عبد الخالق بے کی وزارت مالیہ کو ایک ترک بھی اُلٹ پلٹ کرنے کے واسطے ابھی تک تیار نہیں ہے۔ اور قوم بھر کو تمام

وزراء اور صدر ایوان عام کاظم پاشا پر کامل اعتماد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکوں کو ایک سچے جنرل کی ضرورت تھی اور وہ ہمیشہ سے فوجی جنرلوں کی اطاعت کے عادی بھی رہ چکے تھے اور جب کبھی انھیں کوئی اچھا رہبر مل گیا تو وہ وفاداری اور سچائی کے ساتھ اسکی پیروی کرتے رہے ہیں۔ اور اسکی اطاعت میں جان تک دے کر قومی خدمت کو اپنا فرض جانتے رہتے ہیں۔ اور اس وقت تک تو ملک بھر یہ کہہ رہا ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال نے اگر دردانیال پر فتح نہ حاصل کر لی ہوتی تو پوری قوم ترک آج غلامی کر رہی ہوتی۔

انگورہ ہوتے ہی ترکوں نے جس تیزی سے فوج کی ترتیب کی تھی اسکا اندازہ دوسروں سے مشکل ہے کاشتکاروں پر لگان کی کمی نے خود ہی انکو فوجی خدمت کی طرف دوڑا دیا۔ اور ان کاشتکاروں کو تمام ایسے حقوق حاصل ہوگئے ہیں کہ جنکا انکو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ روپیہ اور تخم وغیرہ بھی بلا سودی دیا جاتا ہے۔ اور جہاں سے بھی فصل کی پیداوار خراب ہوجاتی ہے تو لگان کی التوا دیدی جاتی ہے۔ والیان صوبہ گاؤں گاؤں جاکر بھائیوں کی رعایا کو آزادی کا سبق خود پڑھاتے ہیں۔ نیز قانونی جہات سمجھاکر رجسٹروں وغیرہ کو صاف رکھنے کے ساتھ ساتھ حسابات کے طریقے بھی سکھلاتے ہیں۔ ہر گاؤں کی تاریخ تک مقرر ہوگئی ہے۔ پچاس پونڈ کی چوری تک کے مقدمات گاؤں ہی کی عدالت میں فیصل کئے جاتے ہیں۔ گو عموماً بھیڑیوں کی ہی چوری گاؤں میں ہوتی رہتی ہے اور اگر چند کیے جاتے ہیں تو صرف چند مقدمات ہی لکھے نہیں رہتے۔ خود گاؤں کے لوگ اپنی اور گاؤں کی حفاظت و انتظامات کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ مدارس، مساجد اور سڑکیں بھی وہی بنواتے اور درست کراتے ہیں۔ صفائی و حفظان صحت کا انتظام بھی قانوناً انھیں کا فرض ہے اور انکو اپنے جمہوریت کے باشندے ہونے کا فخر ہے۔ والی حکومت کی حیثیت ایک بھائی اور دوست کی سی ہے۔ نیز عوام کو اپنی محنت کی قدر و قیمت بھی خاصی طرح معلوم ہوگئی ہے اور سب خوشی کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ ہیں۔ انکے دلوں سے یہ خیال جاتا رہا ہے کہ جو پیدا وار وہ کرینگے ایک نہ ایک دن حکومت کا زبردست بازو ان سے بطور کسی ٹیکس کے بجبر ضرور لوٹ لے جائیگا۔ عشر تو موقوف ہی ہوچکا ہے بلکہ جلد ادائے ٹیکس یا لگان پر کچھ چھوٹ بھی بطور انعام کے ملتی ہے۔

اخبار پانیر ہندوستان مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۲ء کے صفحہ ۲۰ کی خبر ہے کہ "سنجک اکزنیڈریٹا کے بابت جو بین الاقوامی کمیشن بمقام جنیوا لیگ کی کونسل کی طرف سے مقرر ہوا ہے اوس میں ترکی نمائندوں کی غالباً یہ کوشش ہے کہ انکی اقلیت کو پورے طور پر عملی سرگرمی وہاں سے حاصل ہوجاوے جس سے یہ نظر آرہا ہے کہ معاملت میں تاخیر اور دقت ضرور ہوگی۔ اور گو فرانس کی حکومت کو سنجک کے اندرونی معاملات میں ہر طرح آزادی دیدینا

منظور ہے مگر اسکے بیرونی تعلقات کو وہ شام کی حکومت کے تحت ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اوس فرانسیسی فوج کو جو پولیس کا کام وہاں کرتی ہے اور جسکو جینڈ آرمری Gendarmerie کہتے ہیں اوس کے بابت بھی دقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ترکوں کے خیال میں مقامی لوگوں کو پولیس میں بھرتی کیا جانا بہتر ہے اور بالخصوص ترکوں کو لیکن ماہرین کی رائے میں ایسی پولیس سے غیر جانبداری کا برتاؤ مشکل ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ اور اسی سے وہ ایک بین الاقوامی پولیس کی ضرورت پر زور دے رہے تھے۔ مگر ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء کو یہ خبر بھی ہندو ٹائمس نے دی تھی کہ لیگ اقوام نے ترکوں کے خلاف فیصلہ دیا ہے جس سے ترکوں نے الیگزنڈریٹا میں ہڑتال کر دی ہے اب ترکوں کی زبان پر تو یہ مضمون جاری ہے جو کہ جوش ملیح آبادی نے اپنے اشعار میں کہا ہے

پائندہ باش اے خم ابروئے دلنشیں　　　اب کھیلتے ہیں موت کے تیر و کماں سے ہم
کیا کم یہ ہے ہو دور سے ارباب کیف و کم　　　باہر کھڑے ہیں حلقۂ سود و زیاں سے ہم
یہ طرفہ بات ہے کہ باایں فقر و بیکسی　　　ہیں بہرہ یاب دولت کون و مکاں سے ہم

باب چہارم

دیگر ممالک و مقامات

یہاں سے اون دیگر ممالک اور حکومتوں بلکہ مقامات اور اقوام وغیرہ کا مختصر ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے کہ سلطنت ترکیہ کا خاص تعلق رہا ہے اور اس ذکر سے ترکی تاریخ میں گونہ اضافہ ہوسکیگا۔

ایران اور رضا شاہ پہلوی

سلطنت ایران میں فتوحات اسلامی کا نتیجہ ایک مستقل شیعہ مذہب کی حکومت ہے جس طرح کہ ترکی میں سُنی المذہب بادشاہوں کی حکومت تھی۔ مگر جب سے کہ ایشیائے کوچک میں ترکوں کی حکومت قائم ہوئی تھی ایران و ترکی میں ایسے تعلقات دوستانہ قائم نہیں رہ سکتے تھے جیسے کہ اس سے قبل تھے سنہ ۱۸۲۸ء سے ایران میں زوال شروع ہو گیا تھا اور برطانیہ و روس کی چراگاہ ہی تھا اور سکا مقدر ہو گیا تھا۔

ایرانی تاریخ تو لپنے تین ہزار سال کے واقعات کو کبھی زندگی کی حالت میں اور کبھی موت کی حالت میں دکھلاتی ہے۔ جب کبھی قومیت کا خیال آگیا تو زندگی اور رونق بھی اسمیں آگئی۔ نیز جب جب ایران قعر مزلت میں گرا تو ایک نہ ایک بندہ خدا ایسا ضرور وہاں پیدا ہو گیا جس نے پھر اوسکا ستارۂ اقبال بلند ہی کر دیا۔ اور قومیت ہی کے خیالات کے ساتھ زندگی بھی اسکی قسمت میں شامل رہی۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں آسٹریا کے کچھ لوگ ڈاکخانوں کی ترتیب کے واسطے ایران میں آئے تھے مگر روس نے کسیطرح بھی کسی قسم کی ترتیب نہ ہونے دی۔ اگر مالیہ کی درستی کے واسطے امریکہ سے شوسٹر سا ماہر فن طلب ہوا تو اُسے بھی ناکام ہی واپس جانا پڑا۔ برطانوی اور روسی حکمت عملیاں برابر گاؤ ندوری میں لگی رہ کر کسی کام کو خوبی سے نہ چلنے دینے ہی کو اپنا فرض ہمسائگی سمجھتی رہیں سنہ ۱۹۰۶ء تک تو ایران بالکل ہی جمود کی حالت میں تھا اسی سال کی گرمیوں کے زمانہ میں ایک خفیف سا ہنگامہ بھی قومی ترقی کی خواہش میں ہو گیا تھا۔ خود اہل ملک حکومت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو چلے تھے اور پندرہ سال تک برابر اسی کی کوشش ملک میں ہوتی بھی رہی۔ کاغذی آئین بھی حاصل ہو چکا تھا۔ مگر پرانے خیالات کے لوگوں اور مولویوں و مجتہدین کی طرف سے آئین جدید کی مخالفت بھی جاری ہی تھی۔ احمد شاہ قاچار شاہ ایران کی فضول خرچیوں اور یورپ کی سیر سے ہر طرح کا اور بھی خرابا لگا ہوا تھا بس یہ غنیمت ہوا کہ جنگ عظیم یورپ میں ایران نہیں شامل ہوا۔ تاہم غیر جانب داری کی حالت میں بھی مالی صرفہ بہت برداشت کیا گیا۔ اوسی درمیان میں وبائیں اور قحط سے بھی ملک بھر روشناس ہوا۔ دول غیر کی افواج نے کچھ حصص سلطنت پر قبضہ بھی جما رکھا تھا بلکہ واقعی ملک کی آزادی کو ٹھیس لگنے کا پورا اندیشہ بھی تھا۔ شاہ کو تو ان باتوں سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ وہ عیش و نشاط کے بندے ہو رہے تھے۔ خزانہ بالکل ہی خالی تھا۔ اور جسقدر بھی رعایا سے وصول ہوتا وہ شاہ کی فضول خرچی کے نذر ہو جاتا۔ قربت روس سے بالشیوک تحریک کا خطرہ ہر لمحہ سر پر موجود رہتا۔ ترکستان اور بخارا کی طرح وہاں بھی اس تحریک کا تخم آ ہی چکا تھا کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں رضا خاں پہلوی نے جو اوسوقت وزیر جنگ تھے کروٹ لی۔ یہ حضرت ایران کے ایک قدیم باشندے معزز خاندان سے ہیں اور سفید کوہ (مازندران) کے اصلی باشندے ہیں۔ اور خالص ایرانی النسل ہیں۔

رضا شاہ کا خاندان ہمیشہ سے دولت ایران کا خیر طلب رہا کیا تھا۔ اور ملک کے بچاؤ نیز لفظ کے واسطے بہادری سے ہر مقابلے کے واسطے تیار ہو جایا کرتا تھا۔ رضا شاہ پہلوی مارچ سنہ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے اُن کے باپ عباس علی خاں سفید کوہ کی رجمنٹ کے کمانڈر تھے اور دادا امراد علی خاں سالویں رجمنٹ مذکور میں کپتان

رہ چکے تھے بلکہ ۱۸۵۶ء کے ہرات کے محاصرہ میں میدان جنگ ہی میں مارے گئے تھے۔ عباس علی کی وفات پر رضا خاں بالکل بچہ تھا۔ اسکے چچا نے اوسکی تعلیم و تربیت کرائی۔ اوسکا نام جنرل نصر اللہ خاں تھا سفید کی رجمنٹ اوسکی کل کمان کا ایک حصہ تھی۔ رضا خاں کو بھی فوجی ہی تعلیم پر لگا دیا گیا تھا چنانچہ ۱۹۰۰ء میں وہ ایرانی بریگیڈ میں داخل ہوا اور اپنی ذاتی لیاقت سے بہت ہی جلد ترقی کر کے آزاد کاسک کور کا کمانڈر ہو گیا۔ اب اس میں ہر طرف سے اوسکی مانگ ہونے لگی۔ یہاں تک کہ فروری ۱۹۲۱ء میں اوسکو کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا۔ اور اسی کے دو ماہ بعد وزیر جنگ کے عہدے پر مامور ہو گیا پھر تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد وزیر اعظم کیا گیا

رضا خاں خود نہایت خاموش۔ بردبار۔ اور مضبوط ارادے کے آدمی تھے۔ صبر و استقلال تو کوٹ کوٹ کر اللہ تعالے نے اونکو عطا کیا تھا۔ قانون و قواعد کی پابندی تو اونکی فطرت ہی میں گویا تھی۔ سب سے پہلے انھوں نے فوج کی ترتیب ہی کر لی تھی۔ اور فوج کو بالکل ہی ایرانی النسل کر لیا۔ اضلاع کے قبیلوں کو بھی یہ بتلا دیا کہ قوانین کی پابندی ہی کرانا حکومت کا اولین فرض تھا اور رعایا کو بھی حکومت کی اسمیں امداد کرنا لازم تھا۔ چنانچہ سرحدوں پر جو بے ضابطگیاں ہوتیں اونکا تدارک فی الفور کیا جانے لگا جس سے ملکی اور فوجی عزت بھی قائم ہونے لگی۔

اب چونکہ احمد شاہ قاچار طہران سے عرصہ کے لئے باہر چلے جا چکے تھے اور قوم بھر میں ترکوں۔ روسیوں۔ نیز دیگر ممالک کے حالات کے باعث بےچینی پھیل چکی تھی۔ لہذا اکتوبر ۱۹۲۵ء میں اونکو تخت ہی سے محروم کر دیا گیا اور رضا خاں کو ریجنٹ بنا دیا گیا۔ در اصل تو احمد شاہ نے پیشتر ہی سے اوسکی سن گن پالی تھی اور وہ اپنے میں قومی تحریکات کی بڑھتی لہروں کو روکنے کی ہمت بھی نہیں پاتے تھے چنانچہ نومبر ہی کے قریب طہران میں اعلیٰ مجلس قومی (Constituent [illegible]) کا اجلاس ہو گیا اور احمد شاہ قاچار کو معزول کر کے رضا شاہ پہلوی کو اتفاق آرا سے شاہ ایران منتخب کر لیا گیا۔ اور اوسی کے پانچ دن کے بعد وہ تخت نشین ہو گئے۔

بادشاہ ہوتے ہی اس نے ملک کی سڑکوں کی درستی کرا دی اور ملک بھر میں جدید سڑکیں بنوا دیں۔ احمد شاہ نے تو خزانہ بالکل ہی خالی چھوڑا تھا۔ مگر اب انتظام سے وصولی کی گئی اور انصاف کا دروازہ کھول کر ملک میں اعتبار بڑھا دیا گیا۔ اور ایک قومی بنک بھی کھولا گیا تمام خطابات وغیرہ بھی مٹا دیئے گئے اور ایک قانون بنا کر بجٹ کا بھی توازن کرا لیا حتی الامکان کفایت اخراجات بھی کی گئی۔ اب تو موٹروں کی ہر جا بھرمار ہے۔ تیل کی تو وہاں کمی ہی نہ تھی۔ چائے اور کافی کی چنگی ہی سے اکثر سڑکیں وغیرہ تعمیر کرائی گئی تھیں۔ اور اب تو طہران سے اصفہان ایک دن میں موٹر پر سفر ہو سکتا ہے۔ عدالتیں بھی باقاعدہ قائم کر دی گئی ہیں جس سے غربا کو ہر طرح کا انصاف نصیب ہونے لگا ہے وہ قبیلے جو لوٹ مار کے عادی تھے اونکی پوری سرکوبی ہو کر زراعت کی طرف مائل کرا دیئے

گئے ہیں۔ جبریہ فوجی خدمت سے جو فوج تیار ہوئی تھی وہ ہر طرح بوفاداری سے کام کر رہی ہے۔ اُمرا اور علما کے گروہ سے اُنکے مناسب کام لیکر سب کو کاروبار میں لگوا دیا گیا ہے مدارس بھی قائم کر دیئے گئے ہیں جب سے بے تعلیمی کم ہو رہی ہے اور قومی تربیت میں بھی ترقی ہو گئی ہے۔ شاہ نے تو در اصل اندرونی امن واماں اور قومی ضمانت و ذمہ داریوں کو ہر کام پر مقدم کر دیا تھا۔ اُنکے یہاں فوج ہی پولیس کا کام دیتی ہے۔ اور جو آمدنی فوج پر خرچ سے بچتی تھی سب تعلیم ہی پر لگا دی جاتی تھی۔ معلموں کے واسطے بھی مدارس بنائے گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے مدارس کے ساتھ ساتھ صنعتی اور ثانوی تعلیم کے بھی مدارس کھلوا دیئے تھے نیز ایک یونیورسٹی جس میں قانون، فلسفہ، ادب طبابت یعنی زمانہ حال کے شعبہ جات ہیں قائم ہو گئی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے واسطے بکثرت طلبا بیرون ملک پڑھ کر واپس آ گئے ہیں انجنیری اور سائنس وغیرہ حاصل کرنا اُنکا اصلی مقصود رکھا گیا تھا۔ خود شاہ کا لڑکا جنیوا کے قریب کے ایک مدرسہ میں بھیجا گیا ہے جو عام مدارس کی طرح کا ہے۔

ایک وقت وہ تھا کہ روس نے بین الاقوامی اتحاد میں ایران کی شرکت تک کرنے میں رخنہ اندازی کی تھی مگر آج وہ اپنی ہمسایہ سلطنتوں سے ایران عدم مداخلت اور برابری کے معاہدات کرکے کامیاب ہو رہا ہے اور لیگ اقوام کی ممبری تو اُسے ابتدا ہی سے حاصل ہے۔ ایران کی مردم شماری بھی ہو کر اب اُنکی آبادی پندرہ ملین سے کچھ زائد آنکی گئی ہے۔

سولھویں صدی سے ایران اور انگلستان میں دوستی کا تخم بو گیا تھا جبکہ شاہ عباس صفوی اور ملکہ الیزبتھ کا دور تھا۔ اُسوقت سر انتھنی شرلے (Sir anthony sherly) کو ایران نے اپنا سفیر بنا کر یورپ میں بھیجا تھا۔ مگر اب تو خود ایرانی سفیر سب جگہ موجود ہیں اور بحری و ہوائی بیڑہ جات نیز تجارتی جہازات چل رہے ہیں۔ ہر شہر میں میونسپلٹی ہے۔ قومی اور زراعتی بنک بھی قائم ہیں۔ بلکہ ۱۹۲۸ء سے تو تجارتی معاہدات مساوات اور انصاف کی بنیاد پر کر لئے گئے ہیں ملک بھر میں خود تار اور ریل کا انتظام ہو گیا ہے اور جو رعایات کہ تار برقی کی بدولت یورپ کو حاصل تھیں وہ جاتی رہی ہیں ۱۹۰۱ء کے معدنی تیل کے نکالنے کا جو ٹھیکہ وغیرہ دیا ہوا تھا وہ بھی ۱۹۳۲ء سے منسوخ ہو گیا ہے اور جانبین کے نفع کے واسطے جدید معاہدہ کمپنیوں سے کر لیا گیا ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اندرون ملک کسی کا قرضہ نہیں ہے اور نہ کوئی جزو مالیہ ملک رہن ہے نیز غیر سلطنتوں کو کوئی خاص حقوق بھی ملک بھر میں کہیں نہیں حاصل ہیں بیرون ملک کی صرف ایک ملین اسٹرلنگ کی ذمہ داری ملک پر رہ گئی ہے جو سالانہ اقساط سے ادا کی جا رہی ہے۔ شاہ نے تو خود مثال بنکر ملک بھر کو محنت اور کوشش سے ہر شے کے حصول کا سبق پڑھا رکھا ہے۔

۱۹۰۷ء میں برطانیہ اور ایران کے معاہدے نے تو ایران کی آزادی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ روس کی سازشوں نے ۱۹۱۲ء میں مجلس ایران کو توڑ دا دیا اور بڑے بڑے ایرانی قوم پرستوں کو بمقام تبریز موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اور امریکہ کے ماہر فن مالیات مسٹر شوسٹر کو جو ایران کو صلاح مالی دیتے تھے انکو بھی نکلوا ہی چھوڑا جنگ عظیم یورپ کے بعد سے بیچارے ایران کی گردن سے روس کا ہاتھ علیحدہ ہوا۔ مگر ۱۹۱۹ء میں جب ایران و برطانیہ میں ایک صلحنامہ ہوا تو اوس وقت سے برطانیہ نے ایران کو اپنے زیر حفاظت لے لیا حالانکہ روس ہی ایران کی تمام پیداوار کا سب سے بڑا خریدار تھا۔ در اصل تو روس کی آپس کی جنگ سے ایران کی تجارت کو نقصان ہوا تھا لیکن مئی ۱۹۲۰ء بالشیوک روس نے انگریزوں کے جنرل آئرنسائڈ (Ironside) کو مقام ریشٹ (Resht) سے باقاعدہ واپس کرا کے گو یا شمالی ایران پر پھر اپنا اثر قائم کرا لیا تھا تاہم اُسیوقت ایران نے زار روس کے وقتوں کے اُن تمام معاہدوں سے جو روس و ایران کے درمیان ہوتے رہے تھے سب ہی سے اپنے کو آزاد کرا لیا۔ اور ۱۹۲۲ء میں طہران میں ایک روسی بنک قائم ہوکر ایران کے تجارتی معاملات پر پورا بالشیوک اثر قائم ہوگیا نیز جمہوری ملکی حکومت پر بھی خاصے بالشیوک اصول ہر طرف سے دائر و سائر نظر آنے لگے جس سے بیچارے نوجوان شاہ ایران احمد شاہ پہلوی نے پیرس بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ اُسیوقت سے ایران میں رضا شاہ پہلوی کا دور دورا قائم ہوگیا اور فوجی قوت کا ظہور ہر طرف سے نمایاں ہونے لگا۔ اس نئے دور نے بالشیوک تحریکات کا زور تو ضرور کم کر دیا تھا مگر تیل کے ذخائر نے جو ایران کی خوش قسمتی سے وہاں خاصی طرح موجود ہیں اور ملک کی دولت کے بڑھانے میں کافی معاون ہو رہے ہیں دوسرے ممالک سے تصادم کے کچھ کچھ آثار نمایاں کر دیئے تھے جسکا علاج ایرانی مجلس حکومت نے مارچ ۱۹۳۱ء میں یہ کیا کہ تجارت ملک کو کلیتاً حکومت کے اختیار میں دیدیا۔

قبل جنگ عظیم یورپ جرمنی کا بنایا ہوا ایک کالج طہران میں تھا اور بعد از جنگ انگریزوں نے ایک مدرسہ شیراز میں قائم کیا ہے شمالی صوبہ جات میں روسی زبان زیادہ رائج ہے کیونکہ روسی مدارس میں اُس طرف کے ایرانیوں نے تعلیم پائی تھی۔ اب اس وقت تو سیکڑوں ایرانی نوجوان جرمنی۔ بلجیم۔ فرانس۔ سوئٹزرلینڈ اور انگلستان وغیرہ سے حکومت ہی نے تعلیم دلا کر واپس بلائے ہیں جو ترکوں کی طرح اپنے ملک کی خدمت کی طرف متوجہ ہیں۔ اور ترکوں کی تقلید میں ہر قسم کا شوق قومی ترقی کے واسطے اُن میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ بندر عباس سے بحیرہ کیسپین تک ریل نکالی جا رہی ہے اور یہ ریل خود حکومت نے نکالی ہے۔ طہران اور بیروت کے درمیان کرمان شاہ ہو کر موٹر کی سڑک بھی تیار ہو گئی ہے۔ شیخ محمرہ کو روکی بھی جو ایران کی سرحد پر سے ترکوں پر حملہ کیا کرتا تھا۔ ایسے روک تمام مصالحت سے

ہوگئی ہے۔ مشرقی اناطولیا سے ایرانی سرحد تک بھی ریل کے بننے کا سامان ہو رہا ہے جس سے کردوں کو پورے طور میں قابو میں کر لینے کا بھی بندوبست ہوا ہے۔ انگریزی ایرانی تیل کی کمپنی (Anglo Persian Oil Co.) سے ایران کو بے حد فائدہ ہے اور روس سے ایک جدید معاہدہ بھی ہو گیا ہے۔ انگریزی بحری بیڑہ جہازات کو بھی اس معاہدہ سے اہواض ([illegible]) کے تیل کے کنووں کی بدولت بڑی مدد ملتی ہے۔

رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۳۴ء میں انگورہ و قسطنطنیہ کا سفر کر کے ترکوں سے دوستانہ تعلقات بھی زائد بڑھا لیے ہیں۔ مگر برطانیہ کا بھی پورا اثر دو جانب سے بڑھ گیا ہے۔ بلوچستان سے لیکر بحیرہ عرب و خلیج فارس ہوتے ہوئے عراق تک عرب و عجم کے درمیان سے برطانیہ ہی برطانیہ کی سیادت نظر پڑتی ہے۔ تاہم برطانیہ کا شاہی ہوائی ٹکڑا کا طیارہ خلیج کے عربی حصہ سمندر کی طرف سے ہو کر جاتا ہے۔ ایران کے اندر سے اجازت نہیں دی گئی ہے بغداد سے کرمان شاہ یا ہمدان و شیراز ہوتے ہوئے۔ ایران تک سڑک اچھی بھی ہے۔ گرمیوں میں برف باری نہ ہونے سے سفروں میں آسانی ہے حالانکہ گرد بہت ہوتی ہے۔ مواصلات یا چار خانے جو راستہ میں پڑتے ہیں وہ بھی ناصاف اور قدیم طرز کے ہیں۔ پاس پورٹ یا پروانہ راہداری کے حصول میں بھی سخت دقتیں ہوتی ہیں۔ پولیس تو ہر غیر ملکی کو جاسوس یا بالشیوک ہی تصور کرتی ہے۔ اور طہران سے تو کوئی شخص بھی بغیر "جواز" یعنی سیاسی پولیس کی اجازت کے نکل ہی نہیں سکتا۔ ان کا سکہ ایک تومان تقریباً ہندوستانی ڈیڑھ روپیہ کے برابر ہے۔ لیکن شہروں وغیرہ میں اب حکومت کی طرف سے خاصی ترقیات کی جا رہی ہیں۔ شہروں کی قدیم گلیوں کے بجائے وسیع سڑکیں نکالی جا رہی ہیں۔ اور مکانوں کے سوا بھی خوبصورت اور مضبوط بنوائے جا رہے ہیں۔ جدید مدارس بھی کھولے جاتے ہیں اور فرانسیسی زبان کی بھی ہائی اسکولوں میں تعلیم دی جاتی ہے لیکن طہران تک میں آب و ہوا کی صفائی یا صاف پانی کے ملنے کا یا صفائی کی نالیوں تک کا انتظام اچھا نہیں ہے باوجودیکہ تارکول کی سڑکیں اور یورپین طرز کے کافی خانے ناچ گھر اور اول درجہ کے ریسٹوران موجود ہیں۔ بس صرف برطانیہ کے کانسل خانہ میں ایک چشمہ ہے جہاں سے لوگ تازہ اور عمدہ پانی خرید کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ پانی کی صفائی کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔

پہاڑی باشندے تو کسی طرح بھی میدانی مقامات پر باوجود حکومت کی کوشش کے رہنے پر راضی نہیں ہوتے اور اس سے نسلوں کے قومی و قد و قامت میں ترقی پذیر ہونے میں گونہ مشکل ہو رہی ہے۔ دراصل اب اصفہان اور مشہد کی عمارات قابل دید ہیں۔ بالخصوص حال کی برآمد شدہ عمارات مقام پرسیپولس جو قدیم ایرانی سلطنت کا دار السلطنت تھا اور جو ۳۳۰ برس قبل حضرت عیسیٰ کے برباد ہو گئی تھی۔ آبادی ملک بھی تقریباً صرف نو سو لاکھ

ہے۔ اور زراعت ہی پر ملک کا دار و مدار ہے لیکن پیداوار ملک تو آبادی کی ضرورتوں سے ضرور زائد ہے اور ہر صوبہ دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ نیز زمانہ حال کی ضروریات زندگی سے عام رعایا روشناس ہی نہیں ہوئی ہے جس سے قناعت اور آرام سے سب کی بسر برد کا سامان ہے یہ ضرور ہے کہ اجناس کی قیمت کی کمی سے دیگر ضروریات زندگی کا سامان اچھی طرح نہیں ہوتا ہے۔ بالخصوص پوشاک میں تو عام طور پر سخت کثافت دکھلائی پڑتی ہے تجارتی حالات یورپ کے حالات سے بھی بہتر ہیں۔ درمیانی طبقہ کے لوگ آراضیات و مکانات میں روپیہ لگاتے ہیں اور خود حکومت بھی عمارتوں کی تعمیر اور راستوں کے بنانے کا ٹھیکہ لیتی ہے لیکن قالین سازی کا کام گر رہا ہے کیونکہ قدیم زمانہ کی صنعتوں کو لوگ بھول رہے ہیں اور رنگ آمیزی اب اچھی نہیں رہی ہے نہ مناظر ہی ویسے بنائے جاتے ہیں جیسے کہ پیشتر بنتے تھے۔ روئی کی کاشت بیشک بڑھ رہی ہے لیکن انناس اور کشمش کی جو مشہور تجارت تھی وہ گھٹ رہی ہے۔ چائے کی کاشت کو ترقی ہے۔ چاول کی خرید روس کرتا ہے اور روئی کی جاپان آخر سنہ ۱۹۳۲ء کا بڑا واقعہ تو وزیر اعظم تیمور تاش کی گرفتاری اور تیل کے کنوؤں کے معاہدے کی منسوخی ہے۔ جو رضا شاہ کے حکم سے ہوئی تھی کیونکہ وزیر کی خارجی پالیسی کی بدولت برطانیہ سے تعلقات میں ناچاقی کے ہر طرح کے مواقع پیش آتے تھے مگر امریکہ اور روس کی تیل کی کمپنیاں ضرور اسکی طرفدار تھیں۔ گو برطانیہ سے جنگ کا بھی اندیشہ بڑھ گیا تھا۔ وزیر کی گرفتاری و قید میں مر جانے سے امریکہ سے تو کاروبار ختم ہی ہو گیا۔ روس سے اب ایک جدید اقتصادی معاہدہ ہو گیا اور برطانیہ سے تیل کے معاہدہ میں ریلوے کی تعمیر میں آسانی ہو گئی ہے رشت و اصفہان میں تو ذاتی رضا شاہ کے کپڑے بنانے کے کارخانے ہیں سیمنٹ کا ایک کارخانہ حکومت نے طہران کے قریب قائم کیا ہے۔ اور مازندران میں شکر کے کارخانے بھی حکومت کی امداد سے کھل گئے ہیں۔ بیرونی قرضہ کسی جگہ کا بھی اب نہیں ہے اور بجٹ کا توازن تو ایک معجزہ ہی سمجھا جاتا ہے اب نوجوان قومی بنک کے ہاتھ میں ملک کی بازار کا کاروبار و نرخ سب ہی کچھ آگیا ہے اور ایرانی نوٹ یا چاندی تو ملک سے باہر کسی طرح جا ہی نہیں سکتی۔ خالص چاندی کا سکہ تو دنیا بھر کے واسطے ایک معمہ ہے جس سے افغانستان و بلوچستان کی سرحد پر لوگ خالص سکوں کو چھپا کر نکال لیجانے کی بڑی کوشش کرتے ہیں، اور اسکی خاصی چوری ہوتی ہے۔ ملک میں بیکاری اور غربی بھی نہیں ہے اور اسی سے سیاسی بے چینی کا بھی وجود نہیں۔ اور اہل ایران بھی موت اور زندگی کو اس طرح سمجھ رہے ہیں۔

زندگی اصل میں ہے اک قفس طائر روح   موت کیا ہے اسی زندان سے گریزاں ہونا   راز ہستی وہ گرہ ہے جو کبھی کھل نہ سکی

فلسفی کے لئے آخر ہے پشیماں ہونا   سب کو آخر ہو فنا حسن ہو یا عشق و وفا   اہل ہستی کبھی ہستی پہ نہ نازاں ہونا

افغانستان

سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت ہندوستان کے بعد سے افغانستان کی بھی دنیا میں کچھ اہمیت ہوگئی تھی۔ یہ سلطنت تو دراصل روس و انگلستان کے درمیان ایک سد فاصل ہے۔ ایران سے بھی اسکا بہت کچھ تعلق ہے۔ اسلامی حکومت ہونے کے باعث ترک و ایرانیوں سے برادری بھی ہے۔ روس و انگلستان کے سنہ ۱۹۰۷ء کے معاہدہ سے افغانستان کو گونہ چین نصیب ہوگیا ہے۔ اور اسکو اپنی خارجی پالیسی کا پورا اختیار ہوگیا ہے۔ مگر سنہ ۱۹۱۷ء کی بالشویک بغاوت کے بعد سے جبکہ خیوہ و بخارہ کی حکومتوں کو روس نے مٹا کر بالشویک بنا دیا تب سے افغانستان کی ہمت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ گو اسی زمانہ میں انگریزوں سے کچھ ہش پش ضرور ہوگئی مگر پھر صلح ہوگئی روس نے بھی اسکی آزادی کو تسلیم کر لیا تھا اور ایک افغانی وفد ماسکو۔ برلن۔ اٹلی و امریکہ تک پہونچا تھا اور ہر جگہ اب اسکے سفیر بھی رہنے لگے ہیں اٹلی نے تو ساٹھ نفر ماہرین فن بھیجکر علمی اور عملی سب طرح کی امداد افغانستان کی کردی تھی۔ روس نے بھی مالی امداد کی۔ بلکہ شاہ امان اللہ خاں کے سامنے تو سرخ فوج نے ماسکو و سوویٹ میں پریڈ اور سلامی بھی دی تھی مگر افسوس کہ وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی حالت کا پورا اندازہ کئے بغیر یورپین اقلیم پر تل گئے۔ اور ہمسایہ حکومتوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی بے خبر رہے۔ غریب خواتین نے تھا ہی علم سے مغربی پوشاک تک وغیرہ کو زیب تن کر لیا تھا اور یوروپین مستورات کے ناچ بھی سب نے دیکھ لئے تھے لیکن ابھی وہ اپنے ترکی روسی۔ اور ایرانی بھائیوں کی طرح نہ تو تعلیم یافتہ تھے اور نہ متمدن ہی بس اسے امان اللہ کو برطانیہ کے شاہی ہوائی جہاز پر سوار ہوکر اپنے محبوب وطن ہی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑا یہ ہے تیزی سے دوڑنے اور بے وقت کی شہنائی بجانے کا نتیجہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک حکمراں کے لئے رعایا اور کل قوم کی نبض شناسی سب سے اولین فرض ہے جس کسی نے یہ نہ کیا خود نقصان اوٹھایا اور اسکے ساتھ ملک کی ترقی بھی رک جاتی ہے چنانچہ کابل میں جتنے بھی جرمن یا اطالوی معلمین وغیرہ آئے تھے وہ سب ہی باہر کر دیئے گئے۔ بلکہ جو شتر طلبا بغرض تعلیم یورپ بھیجے گئے تھے وہ بھی غریب واپس طلب کر لئے گئے تھے۔ اس طرح سینکڑوں ترکوں کا دستہ جو افواج کی ترتیب تعلیم کے واسطے آیا تھا وہ بھی واپس ہوا۔

دراصل تو امان اللہ خاں کے خیال میں دیگر مشرقی حکومتوں اور ہندوستان سے امداد کی توقع تھی اور سرحدی جرگے بھی ہندوستان کی طرف گونہ بے چینی دکھلا رہے تھے خود ہندوستان میں ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔ بلکہ بقول آپ کے

کاشتکار تک بلووں پر آمادہ دکھلائی پڑتے تھے مصر، ایران اور مشرقی عرب تک میں برطانیہ کے خلاف کچھ تحریکیں بھی جاری تھیں۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ بالشیوک روس سے ہر طرح کی امداد کی توقع بند ہو ائی گئی تھی۔ حالانکہ امیر بخارہ سے بھی اسی وقت تعلقات اچھے تھے۔ بلکہ پین اسلامزم کا خواب امان اللہ خاں بھی دیکھنے لگے تھے جمال پاشا نے آکر فوج کی کچھ ترتیب بھی کر دی تھی۔ امان اللہ خاں ہی نے تو بادشاہت کا اعلان کرکے امیری ترک کی اور ۱۹۱۹ء میں وہ ہز مجسٹی ہو کر ۱۹۲۹ء تک حکومت پر رہے۔

نادر شاہ مرحوم جو شاہ امان اللہ کے بعد تخت نشین ہوئے انھوں نے ہندوستان، روس اور انگلستان سے تجارتی تعلقات خوبی سے قائم کر لئے اور باہر سے ماہرین فن بلا کر اپنے لوگوں کو ملک میں تعلیم دلوانے کا طریقہ جاری کر دیا اور اب تو در اصل برٹش حکومت کا خاصا اثر افغانستان میں قائم ہو گیا تھا اور سرحد پر گڑ بڑ ہاری میں بھی ایک دوسرے کو عذر نہیں تھا۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں نادر شاہ نے دریائے پی انج (Pianj) پر ابراہیم بک کی فوج کو شکست دیکر بخارہ کی آخری مہم کو جو سوویٹ روس کے خلاف وہ کر رہا تھا ختم ہی کر دیا تھا۔ وہ ۱۹۲۹ء میں تخت پر بیٹھے تھے لیکن نومبر ۱۹۳۳ء میں شہید ہوئے۔ تب انکے بیٹے ہز مجسٹی محمد ظاہر شاہ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو بادشاہ ہوئے ہیں۔ نادر شاہ کا قتل تو کسی طالب علم کا فعل مشہور کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر شیخ محمد یعقوب ایک سرکاری ملازم نے اپنا ایک بیان ہندوستان ٹائمس میں ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء میں شائع کیا تھا جس میں موجودہ افغانستان کی حالت دکھلائی تھی اور جسکا خلاصہ ذیل میں درج ہے:۔

"تقریباً پچھتر فیصدی افغانوں نے مغربی طرز کی پوشاک کو اختیار کر لیا ہے انکی مستورات بھی انگریزی پوشاک کی شیدائی ہو رہی ہیں لیکن نقاب و برقع ابھی اُن میں رائج ہے۔ مرد تو اپنی افغانی ٹوپی سے پہچانے جاتے ہیں ورنہ اُن میں اور یورپین لوگوں میں تمیز مشکل ہے۔ پولیس اور فوج بالکل ہی یورپ کے طرز پر بنائی گئی ہے اور اسکے پاس زمانہ حال کے تمام آلات حرب و ضرب موجود ہو گئے ہیں۔ فوج میں جبری بھرتی کا قانون بھی جاری ہے۔ پولیس تو اب تمام شاہراہوں پر حال کے قواعد کے مطابق انتظام کرتی ہے ہر مدعی کا کھلی عدالت میں مقدمہ ہوتا ہے اور مولویوں اور ملاؤں کا اثر بہت کچھ گھٹ رہا ہے سیاحوں کو بھی ہر طرح پر حفاظت اور امن کا منظر ہر طرف نظر آتا ہے۔ ملک میں کشت و خون کا کہیں بھی اب پتہ نہیں ہے۔ لیکن خاندان شاہی کو ابھی تک امان اللہ شاہ کا ڈر غالب ہے محمد ہاشم خاں وزیر اعظم ہیں جو شاہ کے چچا ہیں۔ در اصل انھیں کی بیدار مغزی اور فراست سے ملک کا انتظام نہایت ہی معقول

طریقہ پر چل رہا ہے۔ دن رات میں اٹھارہ گھنٹے کام کئے بغیر وہ سوتے ہی نہیں بیشک امان اللہ شاہ کے وقت کی عمارات اور سڑکیں اب تک اُنکی یاد کو نہیں بھولنے دیتی ہیں اور باطناً لوگ اب بھی اُن سے ہمدردی رکھتے ہیں ہندوؤں کو اس وقت یہاں بھی ہر قسم کے حقوق حاصل ہیں مگر اُنکی مستورات بھی برقع پوش ہیں"

اسی طرح ۸ ارنومبر ۱۹۳۵ء کے اخبار "ٹربیون" کے صفحہ ۷ پر موجودہ افغانستان کی بابتہ جو مضمون ہے اسکا خلاصہ ناظرین کے لئے درج ذیل ہے:-

"یوم آزادی کے موقع پر بیس ہزار سپاہی بادشاہ کے سامنے سے گذرے اور یہ رسم پانچ گھنٹے تک قائم رہی۔ فوج کے پاس ہر طرح کے زمانہ حال کے اسلحہ ہیں سردار محمد خاں فوجی وزیر ہیں اور فوج کو اُنپر کامل اعتماد ہے۔ فوجی سپاہی عموماً "پختون" قوم کے ہیں۔ اُنکے واسطے فوجی اکیڈمی ہے اور کیڈٹ سکول ہے اور اب باہر کے افسر تک قومی تعلیم کے واسطے نہیں رہے ہیں۔ اُنکے مشہور شہر مثلاً کابل۔ قندھار ہرات۔ مزار شریف اور کابل تک میں موٹروں کے چلانے کے لائق عمدہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں متعدد ڈاکخانے اور تار گھر بن گئے ہیں ٹیلیفون کا سلسلہ بھی خاصا پھیلا ہوا ہے۔

تعلیم کی طرف بھی حکومت کو خاص توجہ ہے۔ ملک کے تقریباً چھ سو طلبا حکومت کے صرف سے تعلیم پا رہے ہیں ہندی۔ ترکی۔ جرمن۔ اور فرانسیسی پروفیسر تعلیم گاہوں میں ملازم ہیں۔ نہروں کے بنا دینے سے بڑے بڑے حصہ ملک جو ویران تھے زیر کاشت آگئے ہیں۔ مصری روئی کی کاشت زائد تر ہونے لگی ہے۔ نیشکر بھی آزمائش کے طور پر بویا جا رہا ہے۔ جیل کا انتظام بھی معقول ہو گیا ہے۔ کپڑے اور کھانا قیدیوں کو ملنے لگا ہے۔

بادشاہ کے نیچے قومی پارلامنٹ ہے اور اسی سے وزرا منتخب کئے جاتے ہیں اور اہم معاملات میں وزارت اور پارلا منٹ کا مشورہ طلب ہوتا ہے بیکاری کا تو وہاں وجود ہی نہیں ہے۔ اور صرف اہل ملک ہی موٹر وغیرہ چلا سکتے ہیں۔ صفائی کا محکمہ قائم ہے مگر قدرتی سامانوں کے باعث اُسکی زائد ضرورت نہیں ہوتی۔

سردار محمد ہاشم خاں وزیر اعظم کی وزارت ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی تھی جبکہ بچہ سقہ نے بغاوت کی تھی۔ اور جس سے کہ ملک بھر برباد و تباہ ہو گیا تھا۔ اسی وزارت نے بڑے بڑے کام کر کے دکھلا دیئے ہیں اور رفتہ رفتہ ہر قسم کی ترمیمات اور ترقیاں ملک میں ہو رہی ہیں ۱۹۳۵ء کے پروگرام سے تعلیمات کے محکمہ نے کثرت مدارس ابتدائی و ثانوی تعلیم کے واسطے کھول دیئے ہیں ایک افغانی محراب احمر مثل ہلال احمر کی بھی ترتیب دی گئی ہے

اسی طرح اسپتال بھی جدید طرز پر قائم ہو رہے ہیں اور فنی و علمی تحقیقاتوں کے واسطے محکمہ جات بھی بنائے گئے ہیں مرحوم نادرشاہ نے جو ایک حفظان صحت کا ادارہ قائم کیا تھا اور جو قوم کے نظر کیا تھا اسکو بھی مرکزی طور پر درست کر کے متعدد اسپتال یا شفاخانہ جات وغیرہ کو اس سے ملحق کیا گیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ ڈاکٹر جو طبیہ کالج سے تعلیم پا کر انھیں کو تمام ملک میں مقرر کیا جا رہا ہے اور جبریہ تعلیم بھی غالباً جلد جاری ہوگی

افغانی قومی بنک حکومت کی طرف سے جو قائم ہوا تھا اس نے نوٹوں کو بھی جاری کر دیا ہے۔ اور مال کی برآمد میں اس سے بہتری ہو رہی ہے ٹیلیفون، ریڈیو نیز [illegible] خبر رسانی کے انتظامات بھی ہو گئے ہیں بلکہ جرمنوں سے قندھار کی ایک سونے کی کان کے متعلق بھی معاہدہ ہوا ہے۔ اور امریکہ سے ہرات کے تیل کے کنوؤں کے کام کئے جاتے۔ اسی طرح اب ریل نکالنے کا بھی ارادہ ہے گو جاپانی ماہرین فن کی تعداد ملازمت [illegible] زائد

اخبار ہندوستان ٹائمس مورخہ ۵ جولائی ۱۹۳۷ء کی خبر سے یہ معلوم ہوا تھا کہ "سردار فیض محمد خان وزیر امور خارجہ افغانستان ۳۰ جون کو کابل سے طہران تشریف لے گئے تاکہ غیر جانبدارانہ معاہدہ (Non-aggre-ssion) کے صلح نامہ پر جو ایران سے ہوا ہے دستخط کرائیں"

سوویٹ روس

سوویٹ روس کا رقبہ کل دنیا کا [illegible] ہے اور آبادی بھی تقریباً ڈیڑھ سو ملین نفوس کی ہے۔ تاہم سمندر کا راستہ اس کے قبضہ میں مکمل طور پر کہیں نہیں ہے۔ دراصل وہ اب بھی ایک زبردست بری اور ہوائی طاقت ہے۔ ۱۹۰۵ء کی جاپان و روس کی لڑائی سے جس میں روس کو شکست ہوئی تھی اسکے باعث رعب کا اگلا سا جبر و تشدد [illegible] سے بہت کچھ جاتا رہا تھا مگر اب تو مزدوروں اور کاریگروں بلکہ عوام ملک کی حکومت کے سبب [illegible] دنیا بھر کے لئے بہت ہی زبردست خطرہ ہو چلا ہے۔ شہنشاہیت کی پالیسی سے کل رعایا [illegible] بالائے طاق رکھ دیا تھا اور اپنی ہمسایہ سلطنتوں سے ہر طرح کا میل کر کے اور انکی امداد کر کے خاصا اثر [illegible] زار روس کے وقت تک [illegible] ہمیشہ دامن رہا اور باسفورس پر کامل الاختیار ہونے کی آرزو بھی ہمیشہ قوم بھر کے دل میں رہی دنیا میں عیسائیت کو پھیلانا اور یورپ و ایشیا میں روس کی [illegible] حکومت کی تمنا رہی۔ جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کا باعث بہت کچھ زار روس کی شہنشاہی کی پالیسی بھی تھی۔ اسلام اور اسلامی سلطنتوں کا مٹانا نیز ہندوستان پر بڑھنا وغیرہ بھی روسیوں کی سلطنت کا بہت بڑا

ارمان تھا۔ مگر قدرت کا کھیل کسی کو نہیں معلوم ہے۔ روس و جاپان کی جنگ اور ۱۹۰۵ء کی خود اندرون روس کی بغاوت نے ملک بھر کی آنکھ کھول دی تھی۔ چنانچہ بخارا، سمرقند بلکہ مرکزی ایشیا بھر کے خیالات میں ایک عظیم انقلاب شہنشاہیت کے مٹانے اور کمیونزم کے رائج کرنے کا پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طرح پر گویا یہی دوسری بین الاقوامی جماعت (Second International) تو مدتوں سے قائم تھی اور لندن میں ۱۸۹۶ء میں اسکی کانگریس ہوئی تھی اور دنیا کی تمام قوموں کو اپنے متعلق "خود تصفیہ" کا اختیار اسی کانفرنس میں دیا جا چکا تھا۔ نیز پیرس میں ۱۹۰۰ء میں اور ایمسٹرڈام میں ۱۹۰۴ء میں مذکورہ پالیسی کی تجدید بھی کر دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۳ء سے بالشویک فرقے کی ابتدا ہوئی تھی اور یہی کمیونزم کے اصلی حامل تھے اور اونکی دوسری بین الاقوامی جماعت بھی اصول کمیونزم ہی کی حامی تھی۔ مذکورہ تمام دنیا کی اقوام کو اپنے بابت "خود تصفیہ" کرنے کا اصول اگلے ۱۹۰۷ء کی کانگریس نے بھی بمقام اسٹٹگارٹ (Stuttgart) نیز اسٹالن (Stalin) نے ۱۹۱۳ء میں اور نیز روس کی بالشویک کانفرنس نے ۱۹۱۷ء میں بمقام لینن گراد (Leningrad) منظور کیا گیا۔ بلکہ بالشویکوں اور زار کے کل خاندان کو قتل بھی کیا گیا اور اس انقلاب کا مقصد یوں بیان کیا گیا کہ سلطنت اور امارت اور زمینداریوں کو مٹانا۔ عوام ملک کو آزادی

انقلاب کا مقصد یوں بیان کیا گیا تھا کہ "سلطنت، امارت اور زمینداریوں کو مٹانا۔ عوام ملک کو آزادی، صلح اور اراضیات دینا۔ کاشتکاروں، مزدوروں اور کاریگروں کی حکومت کو ملک میں رائج کرنا" اور اُن کا نعرہ "انقلاب زندہ باد" تھا۔ جب کیرنسکی روس سے بھاگ نکلا اور بالشویک قوت بڑھ گئی تو روس کے چند دن بعد اہل ملک نے مساوات، حریت اور آزادی کے نصب العین کا اعلان کر دیا۔ نیز اصلی قومی حکومت بھی قائم ہو گئی بلکہ ہر شہر و قصبہ و گاؤں میں وہاں کی علیحدہ علیحدہ خود اختیاری حکومت کے قیام کی منظوری دیکر تمام قومی و مذہبی رعایات بھی کی گئیں اور آزادی سے اقلیتوں نیز ہر قوم و مذہب کے لوگوں کو ترقی کی اجازت بھی دی گئی۔

آخری شہنشاہ روس کی حکومت تو دو براعظموں پر تھی جس میں ۱۷۵ مختلف اقوام و فرقے تھے اور ۱۵۰ قسم کی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ سلطنت کا رقبہ جو آٹھ لاکھ مربع میل ۱۵۰۰ء میں تھا وہ ۱۹۱۴ء میں ۸۵ لاکھ مربع میل تک پہنچ گیا تھا۔ مگر ظلم و جبر اور ہر قسم کے استبداد و شہنشاہیت کے حملوں کے باعث تمام رعایا نہایت ہی پس ماندہ اور بے تعلیمی کی حالت میں رہتی تھی۔ اقتصادی حالت تو اسقدر خراب تھی کہ پیٹ بھر روٹی ملنا غرباء اور عوام کو مشکل تھا۔ تب لینن (Lenin) اور اسٹالن (Stalin) دو نوجوان قوم نے مصلح بنا کے داخلے اُسی وقت ایک ایسا اعلان شائع کر دیا کہ جس سے سب کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ اُنکے حقوق۔ مساوی و رواج و غیرہ

اور مذہبی ادارے اور تہذیب تک بالکل محفوظ رکھے جائینگے۔ پس دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ خیوہ۔ بخارا۔ اور گویا وسط ایشیا تک حصص ملک آزاد ہوگئے۔ جہاں کہ تین کروڑ کے قریب مسلمان آباد تھے بخارا کے اعلان نے تو دنیا بھر کی آنکھیں بھی کھولدی تھیں اور اسکا مضمون یہ تھا "اے وسط ایشیا کے مسلمانو۔ ایرانیو ترک۔ عرب اور ہندو تم سب جنکی جانیں۔ مال۔ جائداد آزادی اور رسومات سیکڑوں برسوں سے یورپ کے خونخوار اور خون چوسنے والے جانوروں کے ہاتھوں بک چکے تھے وہ لوگ جنکی کہ اراضیات ڈاکوؤں کے درمیان تقسیم ہوا تھیں اور جو جنگ کے بانی مبانی تھے۔ ہم تم سے کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے حاصل کرنے کا اقرار جو بذریعہ ایک خفیہ معاہدہ کے ہوا تھا اور جس پر معزول زار روس اور معزول وزیر کرنیسکی کے دستخط تھے وہ منسوخ کیا گیا۔ روسی دستوری حکومت یعنی عام ملک کے سوویٹ کا معیار کر لوگوں کی زمین پر قبضہ کرنے سے انکار ہے قسطنطنیہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہیگا۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ایران کی تقسیم کا معاہدہ بھی منسوخ کردیا گیا۔ اور جیسے ہی کہ فوجی کارروائی ختم ہوگی۔ ایران سے روسی فوجیں ہٹا لیجائینگی ایرانیوں کو بھی اپنی سیاسی قسمت کے فیصلے کا آزادی سے طے کرنے کا یقین دلایا جائیگا۔ ہم یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ جو صلحنامہ ٹرکی کی تقسیم کے بابت اور آرمینیا کی علیحدگی کے بابت ہوا تھا وہ بھی منسوخ اور ختم سمجھا جائیگا" چنانچہ سنہ ۱۹۱۹ء میں مشرقی دنیا کے متعدد دشمن بھی ماسکو میں پہنچے اور مظالم کی فریادیں لیکر پہنچ گئے تھے در اصل تو روس نے ۱۸۲۸ء سے ایران کو بھی قرض دیکر ایک طرح پر اپنا غلام ہی بنا رکھا تھا اور شمالی ایران کے غلہ کی پیداوار پر نہ صرف اسکا دانت ہی رہا بلکہ اسپر قابض ہی تھا جس طرح کہ برطانیہ کا جنوبی حصہ پر دانت تھا اور نتیجہ میں تو دونوں نے گو ۱۹۰۷ء میں ایران کی تقسیم ہی کرلی تھی۔ تیل۔ کوئلہ۔ اور لوہا سب پر قبضہ کرلیا گیا تھا اور دو کروڑ ایرانی کچھ نہ کر سکے تھے۔

جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کے واقع ہونے کے وجوہ میں روس کی شہنشاہیت کی پالیسی بھی کہی جاتی تھی مگر سوویٹ روس کی پالیسی تو شاہان روس کے زمانے کی پالیسی سے بالکل ہی مختلف ہے یہ تو بین الاقوامی انقلابات اور قومیت ہی کو پورے طور پر لئے ہوئے ترقی اقتصادیات کے ساتھ مذہب سے سیاسیات کو بالکل ہی علیحدہ کرکے اپنی اندرونی اور خارجی حکمت عملی میں عمل کرنے پر اڑا ہوا ہے اور ہندوستان۔ افغانستان ایران بلکہ ڈچ ایسٹ انڈیز۔ چین وغیرہ ملک میں اپنے انہیں اصولوں کی بنا پر کامیابی سے کوشش کے لئے اسکا آئندہ کا پروگرام صاف صاف دنیا کو دکھلا رہا ہے۔ اور ممکن ہے کہ دنیا کی دیگر بڑی بڑی سلطنتوں تک

میں اُسکا جال پھیلا ہو۔ کیونکہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ معاشرتی و سیاسی انقلابات سوویٹ روس کے مثل دکھلائی پڑ رہے
ہیں اور جب سے کہ خود روس میں سرمایہ داری اور شہنشاہیت کو مٹا کر خود کسانوں کو زمیندار بنا دیا گیا ہے
اور مزدوروں ہی کو کارخانوں کا مالک اُسوقت سے دنیا بھر میں سخت انقلابات کی لہر دوڑ گئی ہے۔ یہ بھی واقعہ
ہے کہ جرمنی ہی کی توپوں نے روس شاہی افواج کا خاتمہ کیا تھا حالانکہ خود جرمنی کو سوویٹ روس سے اتفاق
نہ تھا اور نہ ہے۔ بس صرف یہ ہوا تھا کہ فرقہ کیمونسٹ نے صناعوں۔ کاریگروں۔ مزدوروں اور کاشتکاروں کی
امداد سے ایک سرخ فوج تیار کر لی تھی۔ جس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہیت مٹی اور کل اراضیات و ملکی
اداروں اور کارخانوں بلکہ ہر شئے کی مالک خود قوم ہو گئی اور اب اُسی کی حکومت ہر جگہ ہے۔ ملک کے
بڑے بڑے دولتمندوں، زمینداروں اور علاقہ داروں کے گروہ کے گروہ جنکو ملک (Malak
کہتے تھے اور جنکی تعداد تقریبًا سولہ ملین تھی" سب ہی کو تو شمالی حصہ روس اور سائبیریا کی طرف نہ صرف ملک
بدر کیا گیا بلکہ غلام مزدوروں کی طرح اُنکی سب طرح کی گت بنوا دی گئی۔ سوویٹ کے حال کے پروگراموں سے
تو دنیا کو یہ نظر آ رہا ہے کہ ہر قسم کی شئے جو روس سے بنکر باہر جاتی ہے وہ دنیا بھر سے ارزاں قیمت پر فروخت
ہوتی ہے۔ اور اسی سے اسکے سکہ کی بھی قیمت کم ہو گئی ہے نیز سلطنت کی طرف سے جو تجارت ہوتی ہے
وہ بیحد بڑھ گئی ہے گو فردًا فردًا تاجر پریشان ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ کل حصہ سلطنت میں تقریبًا ہر شہر و صوبہ
سوویٹ اتحاد کا ممبر ہے۔ آذربائیجان و ترکستان میں مسلم آبادی زیادہ ہی ہے۔ اور تقریبًا اٹھارہ ملین
ترک اب بھی روسی رعایا ہونے کے دعویدار ہیں اور جبل یورال کے صوبہ قازان اور دریائے والگا
(Volga) کے کنارے پر نیز اورن برگ (Orenburg) سے لیکر استراخان تک تاتاری
مسلم آبادی زائد ہے۔ خاص ترکستان میں تو اوزبیک (Uzbeks) اور کرگیز (Kirgiz)
کی اقوام بھی ترکی نژاد ہیں۔ ماوراے قاف و آذربائیجان میں شیعہ مسلم آبادی ہے اور وہاں تو مستورات
کو رائے دینے یعنی ووٹ کا حق عرصہ سے حاصل ہے۔ ڈوما۔ جو کہ روسی پارلامنٹ ہے اُس میں بھی مسلمانوں
کی خاصی طرح نمائندگی ہے۔ ملک کی صنعتی پیداوار کے بڑھانے میں ہر قوم و مذہب کا حصہ ہے اور وہ بہت
تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ مگر قاف کی معدنی پیداوار کے حصول کے لئے شمالی حصہ ایران پر سوویٹ کا دانت
ابتک لگا ہوا سمجھا جاتا ہے جو سوویٹ کے اصولوں کے خلاف ضرور ہے۔ اُسکے لئے زلفا (Zulfa)
سے تبریز تک ریل بھی بنگئی ہے۔ ایسے ہی خیال کیا جاتا ہے کہ گیلان وغیرہ حصص روس میں جنگل وغیرہ زیادہ ہیں

مگر اسی کے جانب جنوب یوکرین (Ukraine) کے زرخیز و لہلہاتے ہوئے میدانوں پر سوویٹ کی نگاہ حرص بھی ہر وقت لگی رہتی ہے۔

اناطولیا کی خام پیداوار کے عوض اپنی صنعتی تجارت دیگر اور دردانیال پر ترکوں کے قبضے کے باعث استنبول کے ذریعہ عام ملکی تجارت کو بڑھانے کا اب روس کو بڑا موقع ملگیا ہے اور اسی سے دردانیال پر ترکی کے قبضہ کی اسنے تائید بھی کردی تھی لیکن کچھ عرصے سے روس کی سوویٹ حکومت کے خلاف اسی کے ایک فرزند ارجمند ایم ٹراٹسکی (M. Trotsky) نے سخت خلفشار مچا رکھا ہے اور روس میں پھر لغاوت کی بنیاد ڈالدی ہے۔ جرمنی اور جاپان تو اسکے کھلے کھلے دشمن ہی ہیں مگر خفیہ دشمنوں کی تو حد ہی نہیں ہے۔ تاہم فرانس سے دوستی کرکے روس کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ شاید اسی سے اس کی جان بچ جاوے اسکے پاس اب (۱۵۳۵۰۰۰) تو باقاعدہ فوج ہے۔ اور (۱۹۴۲۰۰۰) سپاہیوں کی تعلیم بھی ہو چکی ہے مگر وہ محفوظ فوج کے طریقہ پر رکھے جاتے ہیں۔ جنگ عظیم یورپ کے درمیان گو اسکو استیم رولر کا نام دیدیا گیا تھا۔ مگر وہ غلط ہی ثابت ہوا۔ لیکن موجودہ سرخ فوج کے پاس پورا اور خاصا سامان جنگ موجود ہے۔ اسی کے بعد اٹلی کے متعلق فوج کا اندازہ کیا جاتا ہے کیونکہ اسنے بھی (۱۳۳۱۲۰۰) باقاعدہ فوج تیار کرلی ہے مگر اسکی ریزرو فوج صرف (۶۲۲۹۴۳۹۵) ہے۔ اب روس کی فوجی قوت کو دیکھتے ہوئے جبل یورال پر کسی کو حرص کی نظر ڈالنا آسان نہیں رہا ہے۔ افسوس ہے کہ آجکل بیشک کچھ بددلی ہے اور انکی سازش کی سزائیں اسوقت بڑی انتہا درجہ کی دی بھی جارہی ہیں بلکہ سینکڑوں موت کے گھاٹ اتارے جارہے ہیں۔

منگولیا

چنگیز خانی حملوں کا ذکر اس کتاب میں آچکا ہے اسلئے کچھ حال چنگیز خاں اور منگولیا کے خوانین کا بھی یہاں بیان کردینا ضروری ہے۔ چنگیز خاں نے تیرھویں صدی عیسوی میں حملے کرکے نہ صرف منگولیا کے قریب کے حصوں کو فتح کیا تھا بلکہ صحرائے گوبی۔ وسط ایشیا۔ چین۔ پولینڈ۔ ہنگری اور دیگر یورپی ریاستوں کو بھی غیر روسی شاہزادوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو اپنا باجگذار بنا رکھا تھا۔ مگر اس وقت کے بادشاہوں اور سرداروں کا اصول حکومت یہ تھا کہ لوٹ مار کرکے اپنے گھروں یا دار السلطنت کو واپس چلے جاتے تھے۔ اور گھر بیٹھ کر سب مل جلکر مال غنیمت کو کھا پی لیتے اور پھر عیش و عشرت کے بعد جنگل کے گھر ٹے ہو تے۔

چنگیز کا دار السلطنت تو پہلے یورگا (Urga) تھا لیکن بعد میں پکینگ (Peking)
ہوگیا اور اسکے لڑکوں نے سلطنت کو تقسیم کرلیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے مفتوحین نے بدلا لیکر اسکی بجائی
ہوئی حکومت کی بساط کو پلٹ ہی دیا اور وسط ایشیا میں متعدد خوانین مختلف حصوں پر قابض ہوگئے - مگر
روسیوں نے وہاں انکے ختم کردینے میں خاصا حصہ لیا تب ہندوستان میں آگروہ منگولین سلاطین بنگئے
مگر چین میں سے تو ۱۶۹۱ء میں انکی حکومت ہر طرح ختم ہوگئی - بلکہ بدھ مذہب کے پیروؤں نے تبت سے نکلکر
اپنا مذہب بھی ان میں پھیلالیا - یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں منگولیا میں ایک لاکھ لاما یا بدھ مذہب کے
فقرا جنکو کہ منک (Monk) کہتے ہیں پھیل گئے - اور جنگ عظیم یورپ ۱۹۱۴ء کے وقت تک وہاں
منچین لاماؤں کی حکومت تھی جس طرح کہ روسیوں اور چینیوں کے ہاتھ میں وہاں کی تجارت تھی - مگر بعد میں
چینی بھی وہاں سے خارج کئے گئے اور ۱۹۱۹ء تک تو وہاں بھی ایک آزاد خود اختیاری حکومت بنگئی - مگر اسی
۱۹۱۹ء میں ایک چینی جنرل نے جو جاپان کا ایجنٹ تھا منگولیا پر حملہ کردیا اور اسکی آزاد حکومت کا خاتمہ بھی - نیز
جنرل بیرن ان جرن (Baron Ungern) نے جاپان کی امداد سے یورگا پر بحیثیت ایک
ڈکٹیٹر کے حکومت بھی کرلی بلکہ خلیج بنگال اور ہمالیہ پار کو مسخر کرنے کا بھی خواب دیکھنے لگا - اسپر منگولیا کی قومیت
کے گروہ نے سوویٹ روس سے ۱۰ اپریل ۱۹۲۱ء کو فوجی امداد کی خواہش کردی - اور روس کی مدد سے ان
جرن اور اسکی فوج کا بھی خاتمہ کردیا گیا - تب ایک قومی حکومت جیپر لونگد لالاما کی سرداری منظور کی گئی تھی قائم
ہوگئی مگر جب وہ ۱۹۲۴ء میں مرگیا تو دستوری حکومت قائم ہوگئی اور سوویٹ روس سے باہمی معاہدہ ہوکر روس نے
انکی آزادی کی ذمہ داری بھی کرلی -

جرمنی

جنگ عظیم یورپ سے قبل جرمن قوم کے بابت عام طور پر یہ خیال تھا کہ اسے غصہ تک مشکل سے آئیگا
اور اپنی سمجھداری اور بہادری پر کامل بھروسے کے باعث وہ کسی بڑی آگ میں نہ پھاندے گی بلکہ دنیا بھر کا
سوشلسٹ گروہ بھی اسکا ہم خیال ہے کہ سامان جنگ تک لڑنے والوں کے لئے مہیا نہ ہونے دیگا - یورپ والے
تو یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ جرمن لوگ بلا کے جفاکش - کفایت شعار - علم و ہنر میں ہر طرح سب سے بڑھے چڑھے
قوانین و قواعد کے پورے پابند - اپنے ملک پر جان و مال قربان کرنے والے اور اپنی سائنس دانی و بہادری

سے میدان جنگ کے زبردست پہلوان تھے۔ نیز اپنی دماغی قابلیتوں سے انھوں نے ایسے آلات حرب
ایجاد کر لئے تھے کہ دم کے دم میں دشمن کو فنا کر سکتے تھے۔ مگر ۱۹۱۴ء میں کچھ ایسی ہوا چل گئی کہ لڑائی میں نہ
صرف وہ پچھاڑ پڑے بلکہ دراصل وہی اتحادیوں کے اصلی حریف مقابل بنگئے۔ اور ایک وقت میں تو یہ معلوم
ہوتا تھا کہ بس دنیا بھر کو محکوم بنا لینگے۔ ترکوں کی بھی وہ نمایاں مدد جنگ میں کرتے رہے۔ مگر تقدیر کا پانسہ انکے خلاف
تھا۔ اتحادیوں کا اقبال زور پر ہوتے ہی وہ ہار گئے اور جب جنگ ختم ہوئی تو معلوم ہوا کہ اپنی نو آبادیات
تک سے وہ محروم کر دیئے گئے۔ مگر یورپ میں انکا زائد نقصان نہیں ہونے پایا۔ مگر انکے سکہ اور نوٹ تک کی کوئی قیمت
نہیں رہی ہے جرمن مارک کے گر جانے سے کروڑوں بندگان خدا مفلس و محتاج ہو گئے تھے اور جرمنی کے واسطے
بجائے دعا کے ہر ایک کے دل سے بد دعا نکل رہی تھی اور نکل رہی ہے جسکا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ قیصر ولیم کو تخت
سے محروم ہونا پڑا اور گو جمہوریت کی زبان پر صلح دائمی کے الفاظ تھے مگر دلوں میں ایک دوسرے سے بدلا لینے
کا خیال بدستور آگ کی طرح کام کرنے لگا۔ ترکوں نے بھی یہ سمجھا کہ جرمن قوم نے غلط انداز سے کر کے انکو بھی پامال
کرا دیا۔ تاہم جرمن قوم نے پھر اپنی ملکی اقتصادی تعمیر کی طرف پوری توجہ کر دی اور بجائے بادشاہ کے ایک معمولی
گھرانے کے کام کرنے والے لڑکے کو جو بڑھکر اپنی قابلیت سے اونچا ابھر گیا تھا۔ حکومت عالم اعلیٰ کا منتخب کیا
موقع قوم بھر نے دیدیا اور جسکا نام ہٹلر ہے۔

جرمنی کے مشہور فیلڈ مارشل ہنڈن برگ تک نے ہٹلر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ انفرادی
استبدادیت (Dieta torpolip) اور دماغی قابلیت کے سامنے آلات حرب بھی کند ہو سکتے تھے۔ ہٹلر نے
تو حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی یہودیوں کی خبر لے لی اور ترکی کی طرح انہیں کو تمام تر فسادات عالم کا سبب قرار دیکر
سلطنت سے اخراج کا حکم دیدیا ساتھ ہی اسکے جرمن قوم کا آرین نسل سے ہونا ثابت کر کے نو آبادیات کی
واپسی کا مصمم ارادہ بھی ظاہر کر دیا اور ترکی کی اقتصادی و فوجی ترقی میں جرمنی کی بھی بہت بڑی امداد شامل
ہے جرمنوں میں خود قومی معاشرتی اتحاد (National Solu tien) کی روح ہٹلر نے ایسی
پھونک دی ہے کہ ہر قوم اور ملک کی ترقی کے واسطے وہ ہاتھ بڑھانے کو پھر آمادہ نظر آ رہے ہیں اور اقتصادیات
و صنعتوں کی وہ ترقی انھوں نے پھر ۱۹۳۶ء تک کر کے ایسی پر دکھلا دی ہے کہ دنیا بھر انکی ویسی ہی قائل نظر
آتی ہے جیسے کہ ۱۹۱۴ء سے پیشتر تھی اور انکا قومی معاشرتی اتحاد بھی سیاسی سرحدوں کو اب پھر پار کرتا نظر آ رہا ہے
ہر ملک ان سے اور وہ ہر ملک سے صلح کے خواہشمند کیے جاتے ہیں۔ آلات حرب کے محدود کرنے کے بھی ہو رہے

لیکن دنیا کی کوئی بھی حکومت انکی جانب سے مطمئن نہیں ہے۔ کہیں بھی کسی قسم کا کوئی جھگڑا ہوا اونکا قدم درمیان میں ضرور دکھلائی پڑتا ہے۔ حبشہ و اٹلی کی جنگ میں یا اسپین کی آپس کی لڑائی میں انکا نام اور انکے اسلحہ و رضاکاروں کا ذکر ضرور اخباروں سے کسی نہ کسی طرف امداد دیتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ فرانس کو تو سار پر قبضہ کرکے انھوں نے یہ بھی دکھلا دیا کہ جس وقت بھی وہ اپنی کھوئی ہوئی ملکیت کو لینا چاہینگے تو ضرور لے لیں گے اور دوسرے منھ دیکھتے ہی رہ جاینگے۔ بالخصوص آسٹریا۔ اور ہنگری کی موجودہ منقسم سلطنتوں کو تو ان سے ہر وقت ہر قسم کا اندیشہ ہی لگا ہوا ہے اور اب تو ہر ہٹلر او ر مسولینی کے اتحاد سے پھر دنیا لرزہ بہ اندام ہے اور جس وقت بھی جو نہ ہو جائے تعجب نہیں ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا بھی اپنی خیر ہی مناتے رہتے ہیں۔ ہنگری کو بھی یہ ڈر ہے کہ جس دن آسٹریا اور جرمنی مل گئے تو اسکا پتہ بھی صفحہ ہستی پر نہ لگے گا۔ کیونکہ جرمن نازی افراد کی کوششوں سے ایسا واقعہ بعید نہیں ہے اخباروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دریائے ڈینیوب کے گرد کی ہر حکومت جرمنوں سے خائف رہتی ہے انکی اقلیت تک کو ہر ایک اپنے یہاں خطرے کی چیز سمجھتا ہے۔ اور پریسیڈنٹ ولسن کے اقلیتوں کے حقوق کے اعلان نے اگر کسی کو دنیا میں نفع پہونچایا ہے تو جرمنوں ہی کو ورنہ دوسروں کے واسطے تو وہ کاغذی حقوق ہیں اور عملاً انکی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یوگوسلیویا (Yougoslavia) میں تو چھ لاکھ جرمن باشندے موجود ہونا بیان کئے جاتے ہیں۔ ہنگری کی آبادی میں جرمن لوگ بکثرت ہیں۔ اور شمار سے معلوم ہوا ہے کہ سات فیصدی کل آبادی کی نسبت سے جرمن لوگ ہنگری میں بسے ہوئے ہیں جنمیں سے ⅔ حصہ محض کسان ہیں۔ اسی طرح بوڈاپیسٹ کے گرد سوابی اقوام مواضعات میں نیز صحرائے بیکنی اور پکس (Pics) کے گرد کا ضلع بھی جسکو سوابین ٹرکی (Swabian Turkey) کہتے ہیں وہاں بھی جرمن لوگ بکثرت ہیں اور یہ سب لوگ دولت کے حصول کے طریقوں سے ایسے آگاہ ہیں کہ وہ سلطنت کے واسطے جہاں ہر طرح باعث فخر او رقدر سمجھے جاتے ہیں۔ وہیں بیحد خطرناک بھی۔

ہنگری اور جرمنی کے تجارتی تعلقات اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ علیٰحدگی مشکل ہے اور ریگیارگی کی شکست عملی نے ہنگری کو اسپر مجبور کر رکھا ہے کہ جرمنی سے اوسکا اتحاد بھی ضروری ہے۔ نیز رومانیا اور یوگوسلیویا کو جو صوبہ جات ہنگری سے لیکر اتحادیوں نے دلوا دیئے ہیں انکے واپس لینے کی بھی فکر ہر وقت ہنگری کو لگی رہتی ہے اور اسکے خیال میں بجز جرمنی کے انکی خواہش کے پورا کرانے میں کوئی امداد نہیں کرسکتا۔ گو ساتھ ہی اسکے یہ ڈر بھی لگا ہوا ہے کہ کسی دن یہ جرمن لوگ اپنی قومیت کے زور میں دوسروں سے ساز کرکے انکی تسخیر بیجا

ٹل جائیں بلکہ نتیجہ میں تو سب کو یہ نظر آرہا ہے کہ ہر قوم اپنے کو آلات حرب و ضرب سے آراستہ کر کے پورے
طور پر آئندہ کی کسی بڑی جنگ کے واسطے دنیا میں تیاری کر رہی ہے۔
غرضکہ آب و آتش خاک و باد سب ہی عناصر موجودہ دنیا کے لئے بجائے رحمت کے زحمت ثابت ہو رہے
ہیں پھر انفرادی استبدادیت کا زور جس قدر جرمنی میں ہے۔ ویسا ہی اٹلی میں اور ویسا ہی ٹرکی و ایران
میں بلکہ سب ہی جگہ۔ گو یہ ضرور ہے کہ شہنشاہی انفرادیت سے دنیا ضرور دور جا رہی ہے اور شہنشاہیت کے اصول
کو مٹانے کے لئے اب سب تیار ہیں۔ مگر امن و امان کے سامانوں کے بجائے بربادی اور غارت کے سامان
بھی ہر حکومت خوب ہی طرح مہیا کر رہی ہے۔ بس آگ لگنے کی دیر ہے۔
دنیا بھر میں تو سونا چاندی اور ہر قسم کی دھات کو بھی جنگ کے سامانوں کے مہیا کرنے میں اب زائد صرف
کیا جا رہا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں دولت بہت بڑھ گئی ہے۔ تب بھی سونا سخت گراں ہو گیا ہے۔ کوئلے
تیل اور لوہے کی قدر جواہرات تک سے زائد ہو گئی ہے۔ جھوٹا مال بھی ایسا بن گیا ہے کہ اصلی موتی کی قدر نہیں
رہی ہے۔ پیداوار کی زیادتی کے باوجود افزائش نسل انسانی کو روکنے کی بھی تدابیر ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ آبادی
کے بڑھنے سے دوسرے قسم کے خطرے دکھلائے جا رہے ہیں۔ بیکاری بھی دنیا میں بڑھ رہی ہے اور جو ممالک
کہ محکوم ہو گئے ہیں انکی لوٹ زوروں میں جاری ہے۔ بلکہ کثرت سے فاقہ کشی کی صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اور
اگر انفرادی استبدادیت کا زور بڑھ گیا تو کیا عجب ہے کہ جمہوریت و دستوریت کو دنیا پھر خیر باد کہہ کر شخصی
بادشاہت کی طرف لپک جائے جسکا کہ جنگ کے بعد خود دنیا ہی بہت کچھ خاتمہ کر چکی تھی۔ مگر بالفعل تو ہر طرف
جنگ کی صورتیں بندھ رہی ہیں۔ فرانس نے تو جرمنی ہی کے خوف سے روس اور سرویا سے باہمی امداد کے
معاہدے تک کر لئے ہیں۔ اور برطانیہ عظمیٰ کی دوستی ہی سے دراصل اُسکی جان بچی ہوئی ہے ورنہ ۱۹۳۶ء کے
۲۴ مئی کے اخبارو ں بیان تھا کہ "اگر جرمنی و برطانیہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہے تو جنگ لازمی
ہے" جرمنوں نے جب ایک دم سے سار پر قبضہ کر لیا تو فرانس کو صحیح ہی نظر آگئی تھی اور یہ قبضہ بھی انتخابی اصول
پر تھا اور جس نے یہ ثابت کر دیا کہ باوجود جرمنوں کے تمام نقائص کے ان سے میل کرتے ہیں اور انکی رعایا ہونے
میں لوگ اپنا فخر سمجھ رہے ہیں اور ہر جگہ انہیں خطرات دنیا آسان نہیں ہے۔ دراصل تو جنگ عظیم خود ہی
قہر الٰہی بنکر آئی تھی مگر اس کے بعد ورسیلز کی صلح تو اور بھی یورپ کے واسطے عذاب ہو گئی۔ پہلی جنگ نے ایشان
سے جو لگی تھی اس نے تو آسٹریا کے نہ صرف ٹکڑے پارچے ہی کرا دیئے بلکہ مختلف نئی حکومتیں بھی
Tiamaan ر

آئندہ سرکٹیوں کے واسطے بنوا دیں۔ اور میگیار قوم کو بالکل ہی تتر بتر کر دیا۔ نیز یکو سوویٹ اتحاد نے تو روس کے واسطے ہوائی پرواز کا سیدھا راستہ جرمنوں پر حملے کے لئے کھول دیا۔ تاہم یہ شکر کا مقام ہے کہ برطانیہ عظمیٰ نے اپنی خارجی حکمت عملی کے واسطے یہ طے کر لیا ہے کہ زائد سے زائد سامان جنگ کی تیاری کر لی جاوے اور کم سے کم ذمہ داری لی جاوے اور اب چاہے جو پٹے اوسکی جوتی سے۔

اسمرنا۔ قونیہ۔ ادانا۔ طارس

اسمرنا تو کمال پاشا کے عہد میں ایک زمانہ حال کا شہر ہو گیا ہے۔ عمدہ سے عمدہ مکانات بنگلے ہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے برقی روشنی موجود ہے ٹریم سے بھی جاری ہے اسکا ساحل بھی اچھا بنا ہوا ہے۔ اسکے تاریخی کھنڈر بھی قابل دید ہیں۔ انگورہ سے چھ گھنٹے میں موٹر پر یہاں پہونچا جا سکتا ہے اور ۳۶ گھنٹے میں ریل سے اسی درمیان میں اسکی شہر بھی پڑتا ہے۔ آبادی کی راستہ میں خوب گنجائش ہے اراضی بھی افتادہ ہے جس سے کاشت کا بند و بست بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں کی طرح قونیہ۔ بروسا۔ اور ادانا میں غازی کمال پاشا کے لئے علیحدہ عمارت تعمیر کی گئی ہیں جو سب سادگی میں آپ اپنی نظیر ہیں اونکے مذاق کے مطابق آراستگی مکان بھی زائد نہیں کی گئی۔

قونیہ میں مشرقی و مغربی دونوں طرز نظر آتے ہیں سلجوقیوں کا قدیم دار السلطنت یہی تھا۔ ایک بڑے صحرا میں یہ ایک نہایت ہی سر سبز و شاداب مقام ہے۔ گو گرمی بہت ہوتی ہے۔ برقی روشنی اور پانی کے لانے کا یہاں بھی انتظام ہو گیا ہے۔ ... کے مقام سے یہاں پانی آتا ہے جو یہاں سے بیس میل پر ہے۔

ادانا میں کپاس کا بڑا کاروبار ہے۔ اور طارس میں سینٹ پال کی پیدائش کی جگہ ہے۔ یہاں بھی زمانہ حال کی سب ترقیاں موجود ہو گئی ہیں۔

حکومت قسطنطنیہ اور استنبول

استنبول سمندر کے کنارے پر واقع ہے اور ایسے بادشاہوں کا تعمیر کیا ہوا ہے اور سجایا ہوا مقام ہے کہ جنکی دولت و حوصلہ مندی، شان و شکوہ، جبروت اور فیاضی وغیرہ کے قصوں سے تاریخ کے صفحے بھرے ہوئے ہیں۔ مختلف اقوام کے عماراتی معیاروں اور صنعتوں کا یہ شہر مخزن ہے۔ موسم بہار و خزاں دونوں کے علیحدہ علیحدہ روپ کا نظارہ یہاں ایک عجیب دلکش منظر ہے۔ سرو کے درختوں کی وہ قطار ہے کہ گویا قدرت نے انہیں کے

واسطے اس شہر کو خلق کرایا تھا۔ بڑی بڑی عالیشان عمارات اور اُن کے منارے، جہازوں کا سمندر کے کنارے جھرمٹ۔ گورے گورے رنگ کے خوش لباس مرد و عورات کا کاندھے سے کاندھا ملائے چلنا پھرنا۔ ریل کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی سواریوں کی افراط۔ محلات شاہی اور اُنکی اندرونی و بیرونی سجاوٹوں کے لئے بیش قیمت اسباب۔ نیز ہر قسم کے عیش و راحت کے سامان کی موجودگی اور ایشیا و یورپ کے دل کا اصلی موقع بھی یہی ہے غرضکہ دلوں کو لبھانے اور طبیعتوں کے بہلانے کے واسطے یہ شہر دنیا میں آپ اپنی نظیر ہے ہر قوم اور ملک کے لوگ یہاں ملجاتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی تمام سلطنتوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی شہر آماجگاہ رہ چکا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کون چیز ہے جو یہاں نہیں ہو۔ ترکوں کو اس مقام سے محبت بھی ہے۔ کیونکہ انکی تمام گذشتہ روایات اسی شہر سے وابستہ ہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ترک تو آٹومن نہیں ہیں وہ تورانی النسل ہیں اور یہاں کے ہر قسم کے خیالات و روایات آٹومن ہی حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

قسطنطنیہ کو بائزاس (Byzas) نے تقریباً ۶۵ سال قبل حضرت مسیح تعمیر کیا تھا اور اُس کا نام بائزنٹیم (Byzantium) ڈیلیفی کی پیشینگوئی (Delphic Oracle) کے مطابق رکھا گیا تھا جب روما کی حکومت نے اسپر فتح حاصل کی تو اوسکا نام Constantinople (قسطنطنیہ) کر دیا گیا ۱۲۰۴ء سے ۱۲۶۱ء تک یہ لاطینی حکومت کا دارالسلطنت رہا اور چوتھے عیسوی جہاد میں اسپر قبضہ حاصل ہوا تھا۔ لیکن پھر یونانیوں نے اُسے لے لیا اور دو صدیوں تک پھر وہ اسپر قابض رہے۔ جب ترکوں نے فتح کیا تو اس پر آٹومن حکومت قائم کی اُس کے پرانے حصہ شہر کے تین طرف سمندر ہے۔ یعنی بحر مارمورہ۔ باسفورس اور گولڈن ہارن۔ دراصل اسکی خوبصورتی اور موقع کو کوئی بھی دنیا کا شہر نہیں پہونچ سکا ہے۔ اسی شہر کو استنبول بھی کہتے ہیں[۵۱]۔

استنبول کی مساجد اُنکے مینار اور سلاطین کے جواہرات جو اُنکے شاہی محلات میں محفوظ رکھے گئے ہیں قابل دید ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ انقرہ کو دارالسلطنت منتقل ہوجانے سے وہ اگلی سی شان و شوکت اب کچھ کم ہو رہی ہے۔ تاہم سمندر سے تو اسکی خوبصورتی کا مقابلہ کوئی مقام نہیں کر سکتا اور اتاترک مصطفیٰ کمال وہاں

۵۱؎ دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمس صفحہ ۱۴۔ ۴ مئی ۱۹۳۶ء

بھی جاکر ٹھہرتے ہیں

ترکوں نے جس وقت کہ قسطنطنیہ پر فتح پاکر یونان سے قبضہ پایا تھا تو بکثرت عیسائی ہجرت کرکے اپنے ہمراہ تمام پرانی قلمی کتابیں اور علمی تحریرات کے مسودوں تک کو کتبخانوں سے چرا کر لے گئے تھے اور یورپ میں مختلف مقامات پر وہ لوگ پھیل گئے اور تحریک انقلاب جدید (Renaissance) کی بنیاد ڈالکر مطمئن ہوگئے تھے ترکوں نے اس فتح سے بازنطینوی سلطنت کی تمام خرابیاں ورثتاً حاصل کرکے انکی طرف زمانہ کی ضرورت کے مطابق اور انصاف پسندی شجاعت اور غیر جانب دارانہ پالیسی کی بدولت مطلق توجہ نہیں کی اور سب کو بحالہ برقرار رکھا۔ اسوقت تو اون کی عزت دنیا بھر میں اس فتح سے بیحد بڑھ گئی تھی۔ لہذا رعایا پروری کے خیال سے انکے حقوق جیسے بھی تھے ویسے ہی رہنے دیئے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوگیا کہ غیر مسلم رعایا نے خوب فائدہ اٹھایا اور بازنطینوی زہریلا اثر پھیلتا ہی گیا۔

قسطنطنیہ میں اس وقت بیرونی اور تقریباً تمام یورپی اقوام کے محلے علیحدہ علیحدہ قائم تھے۔ اور ایک طرح کی نوآبادیوں کی حیثیت انہیں حاصل تھی۔ ان کی عدالتیں گرجے۔ کارخانے۔ تنور۔ مسلخ حمام وغیرہ سب علیحدہ علیحدہ انکے محلوں میں بنے تھے۔ جنسے دوسروں کو کوئی تعلق نہ تھا۔ مثلاً جینوا اٹالفی۔ پیسا۔ وینس۔ اینکونا۔ اور فرانس وغیرہ کے باشندوں کے محلے۔ یہ کل نوآبادیاں مثل تجارتی آبادیوں کے تھیں۔ انہیں کے ملکوں سے انکے منتظم افسران اکثر مقرر ہوا کرتے تھے ان کے خطابات بھی پوڈسٹا۔ کانسل۔ بیلو۔ یا اکزارک کی طرح کے قائم رہتے اور انہیں خطابات سے یاد کئے جاتے ان سب کو خاص شہر میں رہنے دینے کا سلسلہ حکومت بازنطینوی کی تھی اور پھر ترکوں نے بھی جائز کر رکھا تھا تاکہ وہ اپنی بحری تجارتوں کا سلسلہ قائم رکھ سکیں اور ہر قسم کی امداد میں انکو آسانی ہو۔ در اصل تو بازنطینوی یونانی سلطنت اور اس سے قبل کی لاطینی سلطنت سے بھی پہلے جو حکومت تھی انہیں بھی اسی طرز کی نوآبادیات قائم تھیں اور سب کو تجارتی حقوق بھی حاصل تھے وہ سب ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنے تھے یا کم ویش ادا کرتے تھے۔ خاص گیلاٹا میں جو مینار کہ اب تک بنا ہوا موجود ہے وہ جینوا والوں کی اس مشارکت کے طور پر بنی ہوئی نوآبادی کی یادگار ہے جو مائکل ہشتم پیلیالوگس بازنطینوی عیسائی بادشاہ نے ان سے اپنے دوستانہ تعلقات کی یادگار میں جینوا والوں کو زائد حقوق دیکر بنانے کی اجازت دی تھی چنانچہ انہیں نے ایک قلعہ بھی آہنا ئے بر اسپنے

لیے بنا رکھا تھا اور ترکوں نے اسکو بھی بحالہ قائم رکھا تھا ان معاہدات کے شرائط کبھی گھٹا کر دیے جاتے یا بڑھا دیے جاتے اور معاہدات جدید بھی ہوتے رہتے۔ انھیں کا نام کیپی ٹولیشن تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۵۳۶ء میں فرانس کا معاہدہ ہوا تھا۔ اور سنہ ۱۵۹۰ء میں انگلستان کا۔ انھیں معاہدوں کے ذریعہ سے علاوہ تجارتی اور بحری حقوق کے کانسلوں کا تقرر۔ دیوانی کے معاملات کا اپنے اپنے لیے تصفیہ یا فوجداری کے جرموں کی پیشیوں کے عدالت میں حقوق وغیرہ دے گئے تھے اکثر تو یورپ کے سامنے یورپین فوجداری کے مجرم پیش ہونے لگے اور مجرم ہی کا ہم قوم ایک ترجمان مقرر ہو جاتا اور آخر آخر میں تو فرانس نے تمام رومن کیتھولک غیر اقوام کے لیے حفاظت تک کا حق حاصل ہی کر لیا تھا۔

سنہ ۱۶۰۶ء تک جو بھی معاہدات مقدس سلطنت روما سے اور سلاطین ترکی سے ہوتے تھے انکو ذیل کے الفاظ سے شروع کیا جاتا تھا "شاہانہ عنایات سلطانی سے جو کہ دوامی فتح نصیب ہے بنام کافر بادشاہ ونیس جو ہمیشہ مفتوح رہے"۔ ترک لوگ ہمیشہ اپنے کو "عثمانلی" کہلواتے تھے اور اپنی مملکت کو ممالک عثمانیہ بازنطینوی اثرات کے باعث انکی زبان اور طرز گفتار میں جو سیدھا اور سادا پن تھا وہ جاتا رہا اور ادس کے بجائے شیرینی اور خوش گفتاری بھی آگئی تھی جب عربی اور ایرانی اثر بڑھا تو شکوہ اور دبدبہ کے ساتھ شیرینیت اور بڑھ گئی۔ نیز ترکی مستورات ابتدا بے پردہ تھیں۔ مگر محض بازنطینوی اور سلجوقی خلط ملط سے حرم نقاب اور پردہ ان کے یہاں بھی رائج ہو گیا تھا۔ خواجہ سرائے کا دستور بھی انھیں کی بدولت ترکوں میں آیا تھا۔ سلطنت سلجوقیہ جو کہ در اصل روم کی سلطنت کہا جاتا تھا اور روما سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ عیش و نشاط کا مرض بھی بازنطینوی میل کا نتیجہ تھا۔ ورنہ ترک تو نرے کھرے سپاہی تھے۔ بیشک بازنطینوں کا تمدن ہر طرح ترکوں کے تمدن سے اعلیٰ تر تھا۔ سونے اور جواہرات کی نمائش تخت نشینی کی تقاریب اور درباری شان و شکوہ سب کچھ ترکوں نے انھیں سے سیکھا تھا۔ بعد میں تو سلاطین نے قسطنطنیہ میں مجبوراً نقل ہی کر کے مردانہ درباروں میں نیز محلات شاہی میں ملازمین تک کی پوشاکوں اور وردیوں کو جواہرات اور سونے سے لاد کر مغربی حاکموں کو وہ چمک دمک

سلہ دیکھو صفحات (۱ – ۷) دی میکنگ آف ماڈرن ترکی از مسٹر ہیری لیوک سنہ ۱۹۳۶ء

دکھلائی کہ جسکا جواب ہی نہیں۔[1]

ترکوں نے قسطنطنیہ میں اپنے آخر زمانہ تک وہی طرزِ حکومت قائم رکھا جو کہ یونانی لاطینی عیسائی اور ارمنی بادشاہوں کا صدیوں پہلے سے چلا آتا تھا اور جو شاہان روما نے سیزر کے تخت پر بیٹھ کر قائم کر دیا تھا یعنی محصل ٹیکس صوبوں سے روپیہ وصول کر کے خزانہ شاہی میں حتی الامکان داخل کر دیتے اور رعایا کے واسطے کچھ بھی نہ کرتے۔ باہر کے لوگ بھی دربار شاہی سے مقرر ہو کر ملازم ہو جاتے۔ اور امراہی کا گروہ بڑے عہدوں پر معمور ہوتا تھا۔ عیسائی بادشاہوں کی طرح قسطنطنیہ میں عیسائیوں کے مقتداؤں کو اسناد اور خلعت انکی اپنی تقریبات کے طریقوں کو ملحوظ رکھ کر عطا ہوا کرتی تھیں بلکہ بعد میں ترکی مراسم کے باعث[2] عصا اور گھوڑا بھی جو مرصع اور طلائی سامانوں سے پر اور لدا پھندا ہوتا وہ بھی دیا جانے لگا تھا

ینی چیری فوج جس کو جان نثاروں کی فوج کہئے سنہ ۱۳۳۰ء میں وزیر چندرلی کے مشورہ سے بنائے جانے کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بقول گبن اوسکا تعلق حاجی بکتاش سے صحیح ہے مگر ابتداً انکی اُن غلام لڑکوں سے کی گئی تھی جو خرید ہوتے یا جنگ میں گرفتار ہو کر لائے جاتے۔ اونکو فوجی تعلیم بھی مذہبی تعلیم کے ساتھ دی جاتی تھی۔ بعد میں فدائیوں کی طرح یہ فوج حاجی بکتاش ہی کی مرید ہوتی چلی گئی تھی۔ محمود ثانی نے بالآخر اس کو ختم ہی کرنا مناسب سمجھا تھا۔ اس فوج نے بڑے بڑے کارنامے کئے۔ مگر آخر میں بے وفا غلاموں کی طرح یہ بھی بے وفا ہی ثابت ہوئی تھی۔ اسی فوج نے سنہ ۱۸۰۷ء میں سلیم ثالث سے قابل اور جفاکش سلطان کو تخت سے اُتروا کر مصطفےٰ چہارم سے بے عقل سلطان کو تخت دلوایا تھا جس نے سلیم کو محل ہی میں قتل کروا دیا۔ صلح کارلووٹیز ہی سے ترقی سلطنت رک گئی تھی ورنہ ترک کے نام تک سے یورپ کانپتا تھا۔ بایزید اول کا خطاب تو یورپ میں برق تھا۔ محمد ثانی کا فاتح۔ سلیم اول کا گرم (Grim) یعنی بے رحم، سلیمان اول کا ذیشان (magnificent) اور محمد چہارم کا شکاری (Hunter)۔ (انگلستان) کے بادشاہ جیمس اول کے عہد میں سرٹامس رو سفیر ہو کر سلیمان ثانی کے وقت میں قسطنطنیہ آئے تھے اور سلطنت کی کمزوریوں کو جان گئے تھے۔ دراصل تو وزیر اعظم ولادر نے اٹھارھویں صدی میں حکومت ٹرکی کی قوت کو

---

۱ دیکھو صفحات (۷ - ۱۰) کتاب سر ہیری لیوک مذکور۔ ۲ دیکھو صفحات (۱۶ - ۱۹) کتاب سر ہیری لیوک مذکور ۱۲

کھٹکتے ہوئے سمجھ لیا تھا۔ پھر ۱۷۷۴ء میں صلح کوچک کیناری جی نے بحر اسود کے کنارے ان کی قوت کو بالکل ہی مٹا دیا اسی صلح سے تاتاری قوم پولینڈ سے لیکر بحیرہ کیسپین تک دولت عثمانیہ سے علیحدہ ہوگئی تھی گو خلافت اسلامی کچھ کچھ ضرور باقی تھی۔[1]

سلیم ثالث نے آئینی طرز کو رائج کیا۔ اور نظام جدید کے نام سے آئین میں ترمیمات کی گئیں۔ بلکہ ہر طرح کی مالی اور فوجی ترقی بھی کی گئی ۱۸۲۹ء میں صلح ایڈریانوپل ہوگئی۔ اور دردانیال۔ باسفورس اور بحیرہ اسود کو دیگر دول یورپ نے سب کے واسطے کھلوا ہی لیا اور قسطنطنیہ محفوظ رہا محمود ثانی کے وقت سے بجائے محض شاہی کی حکومت کے گویا پورٹی کی حکومت بنوا دی گئی یعنی وزراء کی کونسل جو مغربی طرز کی کیبینٹ تھی۔ اور مغربی طرز کی پوشاک اور فز ٹوپی بھی اسی عہد میں رائج کرائی گئی تھی بہ زمانہ سلطان عبدالمجید ۱۸۳۹ء میں "خط شریف" کے ذریعہ سے "تنظیمات" کی ابتدا ہوئی تھی جس سے کہ غیر مسلم رعایا کو وہی حقوق دیئے گئے جو مسلم رعایا کو حاصل تھے "تنظیمات" کے ممبر صرف ترک لوگ تھے اور وہ بڑے قابل بھی۔ انکے معیار زندگی بھی بہت بلند تھے۔ پھر ۱۸ فروری ۱۸۵۶ء کو اسی سلطان نے قسطنطنیہ میں خط ہمایوں جاری کردیا جس سے مذہبی ہر قسم کی آزادی رعایا کو دی گئی انکے اوقاف تک پر انھیں کا انتظام ہونا منظور کر لیا گیا۔ بلکہ ہر قوم و مذہب والوں کی عزت اور ذاتی ملکیت کی حفاظت کی تصدیق کی گئی تھی جبریہ تبدیل مذہب کرانے کی ممانعت ہوئی اور فوج میں پھر عام بھرتی کی اجازت دیدی گئی۔ اسی زمانہ میں عثمانی حصہ سلطنت یورپ میں ترک۔ یونانی۔ سرب۔ بلگر۔ رومانی (کیونکہ مالڈیویا اور ولاشیا کو ملاکر رومانیہ کی ایک جدید حکومت قائم کی گئی تھی) البانی۔ باسنوی۔ یہودی۔ جپسی وغیرہ اقوام تک حکومت قسطنطنیہ کے زیر نگیں۔ آرام و آسائش سے بسر کرتے تھے۔ حصہ افریقہ میں مصری۔ کاپٹ۔ بربر اور متعدد نسلوں کے حبشی بسے ہوئے تھے۔ حصہ ایشیا میں آرمنی۔ کرد اور وہ نسطوری اور جیکوبائٹ جو شام والوں کی شامی زبان بولتے تھے۔ نیز بھوت و پریت کے پوجنے والے یزیدی اور وہ صابئی جو دریائے ٹائگرس کے کنارے آباد تھے اور ماہتاب کی پرستش کرنے والی سابق قوم حاران کی باقیماندہ یادگار تھے۔ نیز دروزی اقوام۔ اور مسلم لیڈرس جو چارجیہ کی نسل سے سب ہی آرام سے رہتے تھے عربیا میں مختلف قسم کی زبانیں بولنے والے قبائل نیز عراق اور شام کے متمدن باشندے تک قسطنطنیہ ہی کی

---

[1] دیکھو صفحات ۲۸ - ۳۰ کتاب ہیری لیوک مذکور

رعایا تھے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ایتھنز کارنتھ اور اسپارٹا پر سلطان کی حکومت نہیں رہی تھی تب بھی قسطنطنیہ کی شہنشاہیت انیٹیاک۔ الگزینڈریا اور بیت المقدس پر تو اب بھی مانی ہوئی تھی اور انہیں تین مقامات پر مذہب عیسوی کے سب سے بڑے مشرقی پیٹریارک رہا کرتے تھے۔ اسی طرح وہی سلطان اس وقت ایڈریانوپل۔ سلانیکا۔ اور ہر دو یورپی ایشیائی حصص اسکوٹری۔ اسمرنا۔ قونیہ۔ بروسا ترپیبزاند۔ الیپو۔ بیروت نینو پرتیھ ننجطلم۔ ہیبران۔ بغداد بصرہ وغیرہ سے مشہور مقامات اور مسلمانان عالم کے مقامات مقدسہ مدینہ و مکہ کا حقیقی بادشاہ تھا۔ نیز اسی کی قلمرو اور شہنشاہیت کے مقامات میں مشہور اتقاد۔ بیبلان۔ نینو اے۔ قدیم مصر اور کریٹ کے مینوآن کے تمدن نے نشوونما پایا تھا بلکہ حضرت موسیٰ نے اعلان کلمۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ نے انسانی جسم اختیار کر کے اپنا مذہب پھیلایا تھا سینٹ پال نے اپنے سات گرجے ایپوکلیس کے قائم کئے تھے اور نبی کریمؐ نے اپنی پاک زندگی بسر کر کے اسلام پھیلا دیا تھا اسی کے ساحلوں پر فلسطینیوں اور یہودیوں میں جنگ ہوئی اسی پر فینیشیئن قوم اپنے نزاسے بحری سے فونیہ نکلی تھی۔ نے اپنی وسیع سلطنت بنائی تھی۔ اسی سلطنت کے کنارے کنارے بہت سے یونانی اور ٹروا والوں کے قدیم مشہور شہر نکلے تھے اور ٹرائے کے تو مشہور شہر بھی قسطنطنیہ ہی کی حکومت میں ایک وقت میں موجود تھے اور دنیا کے سات عجائبات میں سے چھ[1] عجائبات ترکوں ہی کی حکومت میں ایک وقت میں پائے جاتے تھے ترک بادشاہوں نے عیسائی مستورات سے ابتدا میں شادیاں کر کے اپنی نسل میں مسیحیت کا خون لے لیا تھا۔ اور ان سے خوب میل جول بھی بڑھا رکھا تھا۔ چنانچہ سلطان آرخان نے علاوہ نیلوفر سے شادی کرنے کے جسکا باپ یارحصار کا امیر تھا تھی اوڈورہ (Theodora) عیسائی بیوی کے ساتھ بھی شادی کی تھی اور وہ بازنطینوی شہنشاہ جان ششم کانٹاکیوزائن (John VI Cantacuzine) کی بیٹی تھی اور اسوقت بھی دونوں اپنے حسن خداداد کے لئے شہرۂ آفاق تھیں۔

حکومت قسطنطنیہ ہی کے زیر سایہ درویشوں گروہ جلال الدین نے ترکی میں قائم کیا تھا۔ اس کے چالیس مرید تھے۔ جنکا سردار چلپی قونیائی تھا۔ قونیہ ہی میں قدیم آئیکونین (Ikonian) تھا جہاں کہ زینوفن (Zenofon) کے دس ہزار شاگرد جا کر ٹھہر گئے تھے۔ اور جہاں پال اور بارنبا میں

---

[1] دیکھو صفحات ۴۶-۴۸ کتاب مسر ہیری لیوک۔

نے انجیل مقدس کی تعلیم سائپرس سے نکل کر دی تھی۔ نیز جہاں سلاطین روم یعنی سلجوقیوں کے بادشاہوں نے اپنا کمال فن تعمیر میں ختم کر دیا تھا بلکہ بڑی شان سے سلطنت کی تھی یہیں افلاطون کو ابتک لوگ اسکی کرامات کی بدولت یاد کرتے ہیں۔[۱]

فرانس نے ۱۸۶۸ء میں گیلاٹا کے مقام پر خاص قسطنطنیہ میں ایک مدرسہ کھولا تھا جس میں ادنی و اعلیٰ ادھر قوم و ملت کے طلباء کی تعلیم جاری کرا دی تھی اور وہ بالکل زمانہ و وقت کے مطابق تھی اسیکا نتیجہ تو ۱۹۰۸ء کا انقلاب کہا جاتا تھا۔ اسی سے "اتحاد و ترقی" کے نوجوان ترک پیدا ہوئے تھے جو مغربی طریق حکومت و آئین کے حامی بنے تھے۔ وہ ملت اسلامی کے حدود کو وسعت دینا اسی لئے چاہتے تھے کہ رعایائے سلطانی میں یگانگت اور باہم مذہبی نیز مساوات پیدا کر سکتے ہیں۔[۲]

کمیٹی اتحاد و ترقی ۱۸۹۱ء میں جنیوا میں بنی تھی۔ پھر پیرس میں منتقل ہو گئی، مگر ۱۹۰۶ء میں سلانیکا میں پہونچ گئی۔ اسمیں ترک یونانی۔ سرب۔ بلگر۔ ولاش۔ البانی۔ باسنین۔ ہرزیگوین غرضکہ تمام بلقانی اقوام ممبر تھیں اور بالخصوص یہودیوں کا اسمیں بڑا ہاتھ تھا۔ ان یہودیوں کی کثرت تو دراصل اسوقت سے بڑھی تھی جبکہ شاہ فرڈیننڈ اور ازابیلا نے بکثرت یہودیوں کو اسپین سے خارج کیا تھا تو سلطان ٹرکی ہی نے انھیں اپنے یہاں بسنے کا حکم دیدیا تھا۔ یہ سب اتحاد و ترقی کے ممبر بنے تھے اور عموماً کل یہودی فری میسن تھے اور تمام تر فسادات اور بلاؤں کے باعث زیادہ تر وہی ہوتے تھے۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی کی ۳۳ سالہ حکومت جس نے کہ یورپ اور دشمنان اسلام کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں حسد اور رشک سے اپنی انگلیاں کاٹنے کے لئے چھوڑ دیا تھا اور خلافت اسلامی کو بھی ایک حقیقت کر کے عرصہ تک دکھلا دیا تھا اور جس سے ۱۸۷۸ء سے کسی بڑی جنگ کرنے کی مجال تک دوسروں کی نہ پڑ سکی تھی اور جسکے نتیجہ میں رعایا اور کل ملک کو آرام و آسائش سے بسر کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر انھیں یہودیوں کی بڑی امداد اور انور نیازی کی سازش سے موناستر اور سلانیکا میں حسین حلمی پاشا کے زیر سایہ جو مقدونیا کا انسپکٹر جنرل تھا جدید آئین کا اعلان کرا دیا تھا اور قسطنطنیہ سے نکلے ہوئے فرمان سلطانی سے ملک بھر میں تار برقی سے آئین جدید کی خبر بھی پہونچا دی تھی اور عبدالحمید کو زیر کر دیا تھا۔ یہ کارنامہ بیشک اسی اتحاد ترقی کا تھا۔ یہودیوں کا اقتدار یہاں تک ہو گیا تھا کہ ان چار شخصوں میں جو سلطان عبدالحمید ثانی کے پاس قصر یلدیز میں یہ کہنے گئے تھے کہ انکی سلطنت ختم ہو گئی

---

[۱] دیکھو صفحہ (۱۲۸) کتاب سر ہیری لیوک۔ [۲] دیکھو صفحات (۱۳۰-۱۳۱) کتاب سر ہیری لیوک۔

ایک یہودی بھی تھا جسکا نام کہ ایمینوئل کیر لیسو آفندی (Emmanuel Carasso Effendi)
تھا[۵۱] نوجوان ترک تو یہی آلومین ٹرکی کے اصول کے گرویدہ اپنے کو کہتے تھے کہ پین اسلامزم سے بھی انھوں نے بڑا نفع اٹھایا تھا چنانچہ جسوقت
کہ مخدونیا میں البانیوں نے دق کیا تھا تو سلطان رشاد کو سلانیکا اور کوسووا کے میدان تک یہ نوجوان ترک بطور خلیفہ اسلام لے گئے
تھے اور تمام مراسم خلافت اسلامی کو بڑی شان و شوکت سے کر کے دکھلایا تھا تاکہ البانی مسلمانوں میں اسلامی اخوت اور جوش پیدا کر سکیں[۵۲]
مگر بلوں سے بلغاریہ اور کریٹ میں تو اب مسلم و عیسائی رعایا میں مذہبی نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اور مخالفت زور
پکڑ گئی تھی۔ اور ان تمام ازن کے بانی مبانی اور پردہ یہودی تھے۔ حالانکہ عبد الحمید ثانی کے وقت میں عیسائی
یونانیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ خود سر ہیری لیوک کا بیان ہے کہ بمقام ہیوڈراس اپریل ۱۹۱۵ء میں اُن
یونانیوں نے جو ایوالی سے بھاگ آئے تھے اونکا خود اُن سے بیان تھا کہ عبد الحمید ثانی کے وقت میں اُن یونانیوں
کو پورا آرام تھا اور عہد جدید آئین سے اونکو زندگی مشکل ہو گئی تھی۔

قسطنطنیہ میں ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء جبکہ عبد الحمید ثانی نے آئین جدید کا اعلان کیا تھا تو اگر چوتھی روس و
ٹرکی کی جنگ نہ ہو گئی ہوتی تو کسی طرح آئینی تحریک ختم نہ کی جاتی۔ روس نے حملہ کر کے ارادتاً ٹرکی کی آئینی تحریک
کے مٹانے کا انتظام کیا تھا۔ اوسی کے بعد سلطان نے یورپ کے بابت جب اسکا اندازہ کر لیا کہ عیسائی سلطنتیں حالوں
سے متفق عزم سلطنت ترکیہ کے مٹانے کا ارادہ کر چکی تھیں اور عبد المجید و عبد العزیز کی بیجا کمزوریوں اور اسراف سے
انکو ہر طرح کا قابو حاصل ہو چکا تھا تو مجبوراً ایشیا ہی کے حصہ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیتے اور خلافت اسلامی کو
کو چمکانے پر وہ تل گئے تھے اون سے قبل ہی رومانیا، سربیا اور بلغاریہ نے علیحدگی کا اقدام ہی کر لیا تھا۔ مگر اب روس
کی چالوں نے بیشک ۱۹۰۸ء تک کے لئے جمہوریت کے خواب کو ختم کر دیا[۵۳]

عبد الحمید نے انھیں بناؤں پر جنرل خیر الدین ساکن ٹیونس کو صدر اعظم کر کے یہ دکھلا دیا تھا کہ مسلمان کہیں کا
بھی ہو اگر قابل ہو گا تو خلیفہ اوسکی قدر کریگا۔ اور فرمان شاہی میں ظاہر کر دیا تھا کہ بطور خلیفہ اسلام وہ تمام مسلمانان
عالم کی خدمت اپنا حق سمجھتے تھے۔ بیشک اس تقرر سے ترکوں میں ایک قسم کی کھلبلی پھیل گئی تھی۔ مگر سلطان
عبد الحمید تو شیر کا دل اور اعلیٰ انسانی دماغ لیکر دنیا میں آئے تھے جس سے مدتوں کام نباہ ہی لیا کئے خود اسی
سلطان نے مسلمانان افریقہ، ہند اور مشرق بعید تک کے حالات میں دلچسپی لی تھی۔ شام کو رد اور البانی

---

۵۱ دیکھو صفحہ ۱۵۱ کتاب سر ہیری لیوک مذکور ۵۲ دیکھو صفحہ ۱۵۴ کتاب سر ہیری لیوک مذکور ۵۳ دیکھو صفحات ۱۳۴ - ۱۳۵ تاریخ مذکور سر ہیری لیوک

اقوام کو بھی اپنا لیا تھا مسلم مہاجرین کو سرکیشیا سے جب وہ بھاگے تو عرب میں بسایا تھا جس وقت کہ آسٹریا ہنگری نے باسینا اور ہرزگوینا کو ۱۸۷۸ء میں لے لیا تھا حجاز ریلوے بھی بنوا ہی دی تھی۔ نیز شاہ ولیم ثانی کی دوستی سے یورپ میں بھی ایک خلا سا پڑا اور اسے اپنے قابو میں کر لیا تھا کیونکہ برطانیہ اور فرانس قسطنطنیہ کے دشمن عبدالحمید کو "قاتل" اور "خونی سلطان" کے ناموں سے مشہور کر رہے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ اوس وقت کے دنیا کے درسنی مسلمان تو ضرور اونکو اپنا خلیفہ وقت تسلیم کر چکے تھے اور خاص قسطنطنیہ میں پورٹی کے ہاتھ سے اختیارات نکالکر محل قصر یلدیز کو حکومت کا مرکز بنا لیا تھا تحسین پاشا جو چیف سکریٹری تھے اونکی تیرہ سال کی رفاقت کا بھی بہت کچھ حصہ سلطان کی کارروائیوں میں کہا جا سکتا ہے۔

اب جبکہ جی میں آوے عبدالحمید ثانی کو برا کہیے اور خلافت اسلامی کی دھجیاں اڑائیے ستمبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے بھی ترکوں سے جنگ چھیڑ دی تھی اور لیبیا اور ٹرائیپولیٹینیا لے لئے تھے۔ پھر گو اکتوبر ۱۹۱۲ء میں صلح ادھی بھی ہوئی مگر تب بھی بلقان میں آگ سلگوا دی گئی تو انور پاشا نے باوجود صلح مذکور کے طرابلس میں سوا سال تک گز گز بھر زمین پر جنگ کر کے شیخ سنوسی کی امداد سے پین اسلامزم سے نفع اٹھایا تھا اور اسی کے باعث جولائی ۱۹۱۳ء میں اڈریانوپل پر فتح حاصل کر کے دنیائے اسلام میں چراغاں کروا دیا تھا بلکہ نوجوان ترکوں کے نام پر مسلمانان عالم دعائیں دیتے تھے۔ یہ اثر تو صرف خلافت اسلامی کے اعلان ہی کی بدولت دنیا نے دیکھ لیا تھا یہ کہ اب پین ٹیورینزم چل رہا ہے اور پیشتر پین اسلامزم چلا تھا مگر سب کا نام خلافت اسلامی کی بدولت روشن ہوا اور ہوگا۔ پھر ۲ر اگست ۱۹۱۴ء کو جب ٹرکی جنگ عظیم یورپ میں شامل ہوا ہے۔ تب بھی تو جہاد کا اعلان ترکوں کی طرف سے کیا گیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ترک ایک سچے خادم حرمین شریفین تھے اور نوجوان ترک تو خود باہر سے ۱۹۱۱ء میں تورانی اقوام کو اپنی سلطنت میں لا کر بسانے لگ گئے تھے۔ نیز ۱۹۱۳ء میں ایک اکیڈمی قسطنطنیہ میں اسی لئے تو کھولی گئی تھی کہ ترکی زبان کو پاک و صاف کر لیا جاتا۔ نیز کلام پاک کا ترجمہ بھی ترکی زبان میں کرایا گیا تھا تاکہ قومیت اور مذہب کو ترقی دی جاتی۔ مگر صلح میوڈراس جو ۳۰ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ہوئی اسی سے ترقی و اتحاد کا اعتبار چلا گیا۔ بلکہ دول اتحادی کی حکومت قسطنطنیہ میں ہو گئی۔ اور مئی ۱۹۱۹ء میں یونانی افواج کو اتحادیوں کی سپریم کونسل کے اسمرنا میں داخل کرا دینے اور مصطفےٰ کمال کے شمالی اناطولیا میں بھجوا دینے نے ترکوں کے اقبال کو پھر واپس کرا دیا۔

سر ہیری لیوک کا خیال ہے کہ قسطنطنیہ میں سلطان وحید الدین اور داماد فرید تو کبھی خواہی میں کسی سے پیچھے

نہ تھے۔ مگر اتحادیوں نے ان سے وفاداری نہیں کی۔ داماد فرید ہے تو بعد میں فیلڈ مارشل علی رضا جو کمالی تھا اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اسی سے ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو قومیت والوں نے گیلی پولی میں جو فرانسیسی گولہ بارود کا خزانہ تھا چھین کر ایشیائی کوچک پہنچا دیا تھا۔ یہ ضرور ہوا تھا کہ ۱۲ فروری کو قسطنطنیہ کے سامنے انگریزی بیڑہ جہازات آگیا اور ۱۶ مارچ کو قبضہ بھی کر لیا گیا اور عباس حلمی پاشا کو سلطانیت کا دعویدار بنوا دیا گیا۔ علی حیدر پاشا جنکو کہ ترکوں نے ۱۹۱۶ء میں مکہ کا امیر بنوا دیا تھا۔ اوسکو شریف حسین نے بغاوت کر کے نکال دیا تھا۔ اسی علی حیدر نے ایک میم سے شادی بھی کر لی تھی جو عیسائی ہی رہی۔ اگر خدانخواستہ وہ شریف رہتا تو شریف مکہ کی بیوی ایک عیسائی انگریزن ہی رہتی۔

اسی درمیان میں خدا کا کرنا یہ تھا کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے جدید اسمبلی جسکو (Constituent Assembly) کہا جاتا ہے اپریل ۱۹۲۰ء میں انگورہ میں طلب کر کے ۲۳ اپریل ہی کو اعلیٰ قومی مجلس (Grand National Assembly) قائم کر دی کیونکہ قسطنطنیہ میں سلطان نے خود ہی پارلامنٹ کو برخاست کر دیا تھا۔ مئی ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ کی حکومت کو شرائط صلح بھیجے گئے جبکہ سین ریمو کی کانفرنس ہو چکی تھی۔ اور ۱۰ اگست کو صلحنامہ سیورے پر دستخط بھی سلطان نے قسطنطنیہ میں کرا لئے۔ پھر ترکی کا قسطنطنیہ کی حکومت سلطانی سے باہر ہو گیا۔ فروری ۱۹۲۱ء میں لندن میں کانفرنس ہوئی۔ مگر بے نتیجہ۔ اور ستمبر کی ... اگست ۱۹۲۲ء میں دوبارہ سقاریہ پر یونانیوں کو شکست ہوئی اور ۹ ستمبر کو کمال پاشا ازمیر میں داخل ہوئے بلکہ ایشیائے کوچک کو یونانیوں سے خالی بھی کرا لیا تب ۱۱ اکتوبر کو مدانیہ کی صلح عارضی ہو کر نومبر ۱۹۲۲ء میں لوزان کی کانفرنس بیٹھ گئی۔ اس کانفرنس میں قسطنطنیہ کی سلطانی حکومت بھی طلب ہوئی تھی لیکن رفعت پاشا نے قسطنطنیہ پہنچکر وہاں کی حکومت کو مجبور کیا کہ دعوت نامہ کی جو منظوری دی گئی تھی اسکو واپس لیا جاوے اور اعلیٰ قومی مجلس نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ بلکہ ۴ نومبر کو رفعت نے قسطنطنیہ پر پورا قبضہ بھی کر لیا۔ مگر پھر بھی سلطان نے خط ہمایوں اور شیخ الاسلام نے اپنے فتوے سے قومی حکومت کو ناجائز اور قومیت والوں کو باغی قرار دیا لیکن جب ۱۰ نومبر ۱۹۲۲ء وحید الدین سلیم لیاب کے واسطے جمعہ کو گئے تو کسی نے بھی ساتھ نہ دیا، نہ عزت کی۔ اسی کے ایک ہفتہ بعد وحید الدین اپنے بیٹے ارطغرل کو ہمراہ لیکر انگریزی جہاز سے مالٹا کو روانہ ہو گئے۔ انگورہ سے تو سلطان کی روانگی سے سولہ یوم قبل ہی سلطانیت کو توڑ دیا گیا تھا۔ تب ہی ۲۴ نومبر کو رفعت نے عبدالمجید کو خلیفہ بنایا۔ وہ ڈولما باغچہ سے نکل کر خلیفہ محل شاہی میں جب آئے تو اعلیٰ مجلس قومی کا سپاس نامہ پیش کیا گیا اور سونے کی کنجی بھی اس

صندوق کی دی گئی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات رکھے تھے۔ وہاں سے پھر رفعت ہی کے ہمراہ خلیفہ مسجد محمد فاتح کو گئے جہاں علماء نے اطاعت کی اور خلیفہ کے لئے پہلا سلیم لیک وہاں کیا گیا۔ مگر اس وقت خلیفہ فز لوپی اور ترکی کوٹ سے ملبوس تھے[1]۔ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۲۲ء اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو خالی کرنا شروع کر دیا تھا

دنیا میں (۱۵ ½) ملین ترک کہے جاتے ہیں جس میں سے (۱۱ ½) تو ترکی میں (۲۸) ملین روس میں، پانچ ملین ایران میں (۳ ½) ملین چین میں (۱ ½) ملین افغانستان میں اور ایک ملین بلقان میں ہیں[2]۔ اپریل ۱۹۲۸ء میں اسلام کو سلطنت کا مذہب کمالیوں نے نہیں قائم رکھا۔ کیونکہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو وہ ریپبلک ہو گئی تھی۔

انگورہ یا انکارہ

انگورہ تو اناطولیہ کے قلب میں واقع ہے۔ اور ایک پہاڑی شہر ہے جسکی گذشتہ تاریخ بھی شاندار کہی جاسکتی ہے۔ سلجوقیوں کے پتھر کے شیروں۔ روما اور بازنطینہ کے وقتوں کی بکثرت و قیمتی یادگاریں حضرت داؤد کی قبر اور شاہ آگسٹس کا مندر وغیرہ سب ہی اسکا پتہ دیتے ہیں کہ باوجود پہاڑ و جنگل کے شاہان سلف وغیرہ نے یہاں بھی منگل منایا تھا۔ موسمی اعتبار سے گو یہ تکلیف کا مقام ہے۔ ہر موسم سخت ہوتا ہے۔ گرمی بھی زور کی ہوتی ہے اور سردی بھی بہت۔ تاہم ترکوں کو انگورہ سے گھر کی سی محبت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مراد اول یا اسکے بیٹے بایزید اول نے انگورہ کو بھی بہت کچھ رونق دی تھی۔ اسکے ایک جانب تولق و دق ریگستان ہے جس میں جا بجا دلدلیں ہیں بلکہ خود انگورہ میں بھی وہ پائی جاتی ہیں اور زمین تو سد در بہ شور ہی ہے۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ غلاسشیہ کا یہی قدیم دار السلطنت تھا۔ اور مصطفے کمال نے فوجی اسباب اور سیاسی مصلحتوں سے ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو القرہ یا انگورہ کو مستقل طور پر اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ ان کی جدید اور مستقل قیام گاہ بار لیڈ ریل باسفورس سے ملی ہوئی تھی جس سے فائدہ یہ ہوا کہ دار النائبین کے انتخاب کی نگرانی مشکل نہ رہی تھی یہیں ۱۸ر مارچ ۱۹۲۰ء سے مجلس ملی کبیر کے انتخاب کے کام کی ابتدا ہوئی تھی اور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو قانونًا انگورہ کو مستقل پایہ تخت بنا لیا گیا تھا۔

---

[1] دیکھو صفحات ۱۸۰۔۱۹۶ کتاب سر ہیری لیوک مذکور [2] دیکھو صفحہ ۲۰ کتاب سر ہیری لیوک مذکور

پایہ تخت بنا لیا گیا تھا۔

یہاں کی زمین میں اس قدر نمک تھا کہ جہاں کہیں بھی زمین کھودی جاتی وہیں بارش کے بعد نمک سطح پر آجاتا اب تو دلدلوں کو خشک کر کے گھوڑ دوڑ کے میدان اور باغات وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ سن ۱۹۲۵ء میں انقرہ کے قدیم شہر سے متصل جدید شہر کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اسی سال ہلال احمر اور مدرسہ قانون کے ادارے بھی قائم کر دیئے گئے تھے اور اُس وقت سے لیکر اب تک دو ہزار سے زائد مکان بن چکے ہیں۔ سرکاری اور قومی عمارتیں بھی بکثرت بنگئی ہیں۔ وزرار کی قیام گاہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوٹل۔ دفاتر۔ اسپتال۔ مدرسے عجائب خانہ۔ بالخصوص عصمت پاشا کے نام کا لڑکیوں کا مدرسہ قابل دید ہیں۔ مئی ۱۹۳۵ء میں اس کی آبادی پچاسی ہزار تک پہونچگئی تھی گرمی کے موسم میں سرکاری عہدہ دار عموماً استنبول چلے جاتے ہیں اور کمال پاشا بھی استنبول یا یالوا کو چلے جاتے ہیں مگر اب تو انگورہ کی ایک محبان وطن کی جماعت نے یہ کوشش شروع کر دی ہے کہ گرمی کے موسم میں بھی سب لوگ وہیں قیام کیا کریں۔ متعدد دیگر عالی شان عمارت۔ فوجی اداروں اور بنگلوں کی بھی تعمیر ہو گئی ہے۔ شہر اور مضافات شہر میں بجلی اور گیس روشنی کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔ رومن حکومت کے زمانہ کی پانی کی نہریں تو مسمار ہو چکی تھیں۔ مگر اب بڑے بڑے حوض بنائے گئے ہیں جن میں پانی جمع رہتا ہے اور انھیں میں سے شہر میں تقسیم ہوتا ہے چوڑی چوڑی سڑکیں جن کے کنارے پر عمارتیں اور درخت نصب کئے گئے ہیں۔ اور باغات بھی لگائے گئے ہیں نکالی گئی ہیں مجلس ملی کبیر کا باغ تو خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملیریا کی وبا سے بھی نجات مل گئی۔

مصطفےٰ کمال کے دارالسلطنت کو منتقل کرنے کے خیال سے پیشتر جرمن فوجی مشن کے افسر اعلےٰ وان ڈر گولٹسز نے بھی یہ تجویز پیش کی تھی مگر در اصل قسطنطنیہ کی مشکلات کا اندازہ کر کے جدید حکومت کو محفوظ رکھنے کا خیال اُس کا باعث تھا۔ تمام صوبوں پر قسطنطنیہ کے دارالسلطنت رکھنے سے مالی بار بھی بہت غیر معمولی تھا۔ ہر قسم کے اخراجات دوری کے سبب زائد ہوتے تھے۔ بحر بحر ایجیین کے یورپ کی طرف کے ساحلوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد قسطنطنیہ کی حفاظت تو زائد مشکل ہو ہی گئی تھی۔ تب ہی تمام وجوہ کے غور کے بعد یا تو قونیہ کو یا انگورہ کو منتخب کرنا لازمی تھا۔

جب مصطفےٰ کمال نے سلطان مراد اول کے عہد دارالسلطنت ہی کو قونیہ پر ترجیح دی تو کل شہر اور اسکی تمام تعمیرات کمال پاشا ہی کے خیال کی تصویر بن گئیں یہاں پہونچکر اب تو وہ بیسویں

خطرات اور مخلوط آبادیوں کی خطرناک سازشوں سے ضرور محفوظ ہو گئے ہیں۔ اور واقعتاً اگر غور کیا جائے تو انگورہ کوئی آرام و لطف کی جگہ نہیں ہے بلکہ ابتداءً تو محض رہائش کے لئے اور غریبانہ پیمانے پر نئی ضرورتوں کے لئے وہاں قیام گاہیں بنائی گئی تھیں اور جنہیں کہ دوبارہ زندگی بسر کرنے کے لئے کمال پاشا اور ان کے ساتھی یہاں آئے تھے لیکن اب یہ شہر بھی بڑا ہی شاندار ہو رہا ہے اور ترکی تراش و خراش کا مرکز ہو کر قوم کے خیالات اور ارادوں کا دلکش ترجمان بن رہا ہے۔ اپنے خیال میں ترک تو یہاں کھیل و تماشے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ یہیں سے پھر ترقی کا سبق حاصل کرکے دنیا میں اپنے کو ایک زندہ قوم بنا کر دکھلانے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور جس طرح ماہرین فن کی امداد سے انگورہ بن رہا ہے اسی طرح قوم اتاترک کی مدد سے اپنے کو نئے سانچوں میں ڈھال رہی ہے۔

سلطنت کے عہدہ داروں اور سفرائے دول غیر کا قیام زائد تر انگورہ ہی میں اب ہونے لگا ہے اور حال میں وزارت اقتصاد نے تین لاکھ کے سرمایہ سے ایک بڑے بنک کی عمارت بنائی ہے۔ نیز محکمۂ اوقاف نے تعمیر و ترمیم مساجد کی طرف خاص توجہ شروع کر دی ہے اور تقریباً چھ سو مساجد خود انگورہ اور اس کے قرب و جوار میں بن گئی ہیں۔ جنہیں علمی کتابوں کا ذخیرہ بھی رہا کرے گا۔ اور عوام کے لئے وہی مطالعہ گاہ کا کام دینگی۔

ہندوستان ٹائمس اخبار مورخہ یکم جون ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۴ سے یہ خبر بھی معلوم ہوئی ہے کہ "انگارہ کی میونسپل کمیٹی نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے شہر کو خوبصورت ہی بنا کر رہے گی۔ چنانچہ ایک حکم کے ذریعے اس کی ممانعت کر دی گئی ہے کہ محض سکھلانے کے واسطے بھی ڈھیلے کپڑے تک کسی عام راستے یا گلی میں مکانوں پر لٹکے نہ دکھلائی پڑیں اور باشندگان شہر کو انکے مکان کے احاطوں اور باغات میں مرغیوں وغیرہ کے رکھنے پالنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔"

شام

شام جو عرب اور ٹرکی حکومت کی سرحد پر اب ایک علیحدہ حکومت بنا دیا گیا ہے اور اس پر بھی مختلف حکومتوں کا ہمیشہ دانت رہا۔ بیروت اور الیگزینڈریٹا کے سواحل ہی سے ہر کاروان ترقی اور فتوحات کے لئے بڑھا کرتا تھا مگر جب سے کہ نہر سویز کھل گئی شام کی طرف سے حرص کی نگاہ کم ہونے لگی تھی۔ کیا ایرانی اور کیا رومن سلطنتیں، کیا بازنطینی اور کیا ترک سب ہی اسی طرف سے بڑھتے تھے انیسویں صدی کے آخری حصہ میں تو روس بھی شام کے معاملات میں خاص حصہ لینے لگا تھا عربی نژاد قوموں کی نگاہ میں تو دمشق کی جو شام کا ایک شہر ہے بڑی وقعت تھی۔ بلکہ وہ تو روحانیت اور اسلامی تمدن کا مرکز ہی سمجھا جاتا تھا۔ بیروت کی بھی وہی حالت تھی مگر یہاں تو عیسائی مشنوں نے امریکہ و فرانس کی بدولت لاکھوں عربوں کو عیسائی بنا لیا ہے اور علم و ہنر سے بہرہ مند ہو کر ان میں بھی قومیت کا خیال خوب زور پکڑ گیا تھا۔ ۱۹۳۲ء تک تقریباً ۲۵ لاکھ کی آبادی شام میں تھی جس میں ۱۵ لاکھ کے قریب سنی المذہب مسلمان عرب تھے۔ لاذکیا ا کی صرف آبادی تقریباً دو لاکھ ۲۵ ہزار تھی اور وہاں بکثرت علوی النسل مسلم آباد ہیں لبنان میں جمہوری حکومت تو پہلے سے ہے جبل دروز میں تو ایسی آبادی تھی کہ جس سے ترک ہمیشہ مصیبت میں رہتے اور اب وہاں بھی خاصی ترقی ہو رہی ہے۔ فرانس کو جنگ کے بعد سے شام کی سیادت دیگئی تھی اور الجیریا و ٹیونس کی طرح شام میں بھی فرانس کی یہ کوشش تھی کہ آزاد مرکزی حکومت کے طریقے وہاں سے جاری کر کے خوبی سے کام چلا دے۔ مگر مختلف اقوام و مذہب کی موجودگی سے کامیابی نہ ہو سکی۔

ہر فرقہ اپنی آزادی اور فوقیت کا خواہشمند ہو گیا تھا جس سے ان کا ایک اتحاد (فیڈریشن) بنا کر چلانے کی تدبیر ناکام رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اٹلی کی سازشوں سے مشکلات بڑھتی رہی تھیں۔ کیونکہ اس کی خواہش یہ معلوم ہوتی تھی کہ ٹیونیشیا سے شام کا تبادلہ کر لیا جاتا۔ مگر اب تو فرانس نے شام کو آزادی دینے کا اعلان بھی کر دیا ہے اور عیسائی، مسلم، اور یہودی سب ہی ملکر آزادی کی کوشش کر رہے ہیں۔

دراصل تو ۱۹۲۰ء میں امیر فیصل اور فرانس سے جو جنگ ہو گئی تھی اس کا باعث بھی عرب کے مشہور کرنل لارنس ہی ہوئے تھے۔ کیونکہ دمشق میں بھی وہ عربوں کی حکومت قائم کرا دینے کے خواہاں تھے

مگر جب فرانس نے فیصل کو شکست دی تو وہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔

۳ جون ۱۹۳۷ء کے اخبارات کی خبروں سے دنیا کو عربوں۔ ارمنیوں اور سنجاکوں کے اوس سخت احتجاج بلکہ اسٹرائک کی خبریں بھی معلوم ہوئی تھیں جو انھوں نے لیگ اقوام کے فیصلے کے بابتہ انٹیاک اور الیگزنیڈر ریٹا ہیں سنجک کے آیندہ انتظام ملکی کے متعلق کر رکھی تھی اور جس کے متعلق لیگ کو احتجاجی تار بھیجے گئے تھے۔ مگر ابھی تک اسکا پتہ نہ تھا کہ کسکا ہاتھ اس ریشہ دوانی میں کام کر رہا تھا۔ تاہم ترکوں کے حقوق لیگ نے وہاں تسلیم کر لئے ہیں۔

آرمینیا وارمنی اقوام

سرزمین اناطولیا۔ ایسی بدقسمت کہی جاتی ہے کہ رومن فاتحین۔ پھر تیموری۔ پھر سلجوقی۔ اور پھر عثمان کی اقوام سب ہی نے تو اس پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے جس طرح کہ عربوں نے اسکی آزادی کو خاک میں ملانے کے واسطے زیر کیا تھا۔ اناطولیا ہی میں ارمنیوں کی آبادی بھی زیادہ تھی اور باوجود بازنطینوی حکومت کے عروج کے ارمنیوں کو کبھی آزادی نہ نصیب ہو سکی۔ روس نے بھی انپر حکومت کی بلکہ ۱۸۲۹ء کے صلحنامہ ایڈریانوپل سے تو بکثرت ارمنی روسیوں ہی کی رعایا ہو گئے تھے۔ جبکہ حصہ ملک بھی ترکوں سے روس نے لے لیا تھا۔ اُسوقت اُنکا قاعد اعظم بھی روس کی حفاظت میں چلا گیا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب سے ارمنیوں نے ترکوں کے خلاف ہر قسم کی سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں ۱۸۷۷ء میں جب روس نے ارض روم پر قبضہ کر لیا تھا تو ارمنی والنٹیر روس ہی کی جانب سے ترکوں سے لڑے تھے جنیوا کے مقام پر اونکا قومی سازشی مرکز بھی قائم تھا جسکی شاخیں تمام ترکی حکومت میں پھیلی ہوئی تھیں اور رہا اکثر ترکوں کو اسکا پتہ تھا مگر روس کی امداد کے باعث ترک ہر قسم کے مواخذے سے مجبور رہتے تھے ۱۸۹۳ء میں تو انھوں نے ایک صبح کو ایشیائے کوچک کے بڑے بڑے تمام مقامات پر ترکی حکومت کے خلاف اشتہارات چسپاں کرا دیئے تھے جسکو کہ واقعہ آفت کے نام سے مشہور کیا گیا تھا۔ اُن اشتہاروں میں سلطان عبدالحمید ثانی کے مظالم کے بیان کے ساتھ بغاوت کی ترغیب تھی[1]۔

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۳۲ سر ابرٹ وڈھم کی کتاب اسٹارم سنٹر ان الیسٹ مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔

اسی لئے مقامی ترکی افسروں نے واقعۂ یافتہ کے بعد حکومت کے حکم سے تمام اناطولیا میں ارمنیوں کو قید میں لینا ضرور شروع کر دیا تھا۔ سر رابرٹ ونڈھم نے اپنی کتاب "اسٹارم سنٹران نیر ایسٹ"[۱۳۸] صفحہ ۱۲۹ میں مجبور ہو کر یوں لکھدیا ہے کہ "گو ارمنوں کے خلاف اسکا ثبوت ملنا مشکل تھا کہ وہی واقعہ یافتہ کے ذمہ دار تھے اور انھیں کے حرکات و ترغیبات کے باعث بلوہ ہوا تھا تاہم یہ اغلب سے بھی زائد ہے کہ وہ تمام باغیانہ اور بیہودہ مظاہروں کے ذمہ دار ضرور تھے"۔ انھیں کی تحقیقات سے یہ بھی نتیجہ نکالا گیا تھا کہ "دوسو جماعتیں جنکو ہنتچک (Hentchak) "ونیشنگ" (Dashnak) کہتے تھے ارمنی ایجنٹوں کی شہر بہ شہر پھیلی ہوئی پائی گئی تھیں جہاں جہاں کہ ارمنی قوم کی آبادی زائد تھی اور وہ سب ہتھیار بند تھے کیونکہ کھلے بندوں تو جنگ انکے امکان میں نہ تھی۔ ترک اور کرد بہادر دل سے وہ گھبرے ہوتے۔ فوج اور پولیس بھی سرکوبی کو تیار رہتی۔ مگر در اصل تو ارمنیوں کا مقصد صلحنامہ برلن کی پابندی کرانا تھا نہ کہ بغاوت۔ مگر وہ یکہ دوکا پاکر فوجی دستوں پر بھی حملہ کر دیتے تھے۔ انکی فوج جسکو کامی ٹیڈجیس (Comitadjis) کہتے تھے اُس سے تار برقی وغیرہ کٹوا کر سرکاری مکانات پر بم کے گولے بھی دھنکواتے تھے۔ تاکہ ان حرکتوں سے ترک برضد ہو کر ظلم کرتے اور تب ترکوں کا ظلم بیان کر کے دول یورپ کے واسطے وہ مداخلت پیدا کر سکتے۔ اپنی ان حرکتوں کو وہ قربانی کہکر خود شہید قوم کا خطاب بھی حاصل کر سکتے تھے اور آخر میں حصول آزادی و حقوق کا ذریعہ اسی کو یقین کرتے تھے گو وہ لوگ جو اس طرح کی بیہودگیاں کرتے وہ خود کسی طرح کی آگ میں نہ پھاندتے اور محفوظ رہتے"[۱۳۹]

یونانیوں کی طرح ارمنیوں کے ہاتھ میں بھی ترکی میں بہت کچھ تجارت تھی گو اُنکے قلوب پر روس ہی کی حکومت تھی اور اکثر مورخین کی رائے ہے کہ ارمنیوں کی بدقسمتیوں کی بہت کچھ ذمہ داری کرد اقوام کے سر تھی۔ اسی طرح بعض مورخین کی رائے میں ارمنیوں نے اسوقت سے انقلابی تحریک اٹھائی تھی جب سے کہ ۱۸۹۵ء میں ترکوں نے بے وجہ انکو تہ تیغ کرنا شروع کیا تھا۔ مگر واقعات اس رائے کے خلاف ہی ہیں کیونکہ ۱۹۰۹ء میں تو ارمنیوں اور ترکوں سے ایک زبردست جنگ بھی ہوئی تھی۔ شاہزادہ گولٹزن (Galitzin) نے انیسویں صدی کے آخر میں قافقاز کے گورنر مقرر کرائے گئے تھے انھوں نے وہ تمام مصالحہ اور سرمایہ جو کہ ارمنیوں نے اپنے مدرسوں اور گرجاؤں میں ترکوں کے خلاف غداری اور فسادات کے لئے جمع کیا تھا ضبط کیکے انکی تحریکات کا پورا راز بھی افشا کیا تھا جس سے تمام دنیا نے ارمنیوں کی اصلی حالت کو جان لیا تھا[۱۴۰]

[۱۳۸] دیکھو صفحات ۲۲۳ [۱۳۹] کتاب اسٹارم سنٹر … سر رابرٹ ونڈھم … دیکھو صفحہ ۱۳۲ [۱۴۰] کتاب سر رابرٹ ونڈھم … سنٹران نیر ایسٹ صفحہ …

"کردوں اور ارمنیوں میں جب ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۴ء میں ساسون کے پہاڑوں میں بڑی جنگ ہوئی تھی اسکا بھی الزام متعصب مورخین نے ترکوں ہی پر لگایا تھا اور یورپ بھر میں بھی کئی واقعات کو خوب چھپایا گیا تھا لیکن اس وقت انگلستان کے اخبارات نے ترکوں کی خوش قسمتی اسکو غلط ثابت کرکے دکھلا دیا تھا۔ اور ۲۴ نومبر ۱۸۹۴ء کو حکومت ترکی کی جانب سے ایک کمیشن بھی اسکی مکمل تحقیقات کے واسطے بھیجا گیا جو دسمبر میں ارض روم پہنچا اور جنوری ۱۸۹۵ء میں موش گیا۔ گواہوں کے اظہارات لئے گئے اور کمیشن کی رپورٹ پر سلطان عبدالحمید ثانی نے مشرقی صوبجات ایشیائے ترکی میں ہر ترکی گورنر جنرل کے ماتحت ایک عیسائی کا بھی تقرر کر دیا اور شاکر پاشا کو اصلاحات کے واسطے انسپکٹر جنرل مقرر کرکے عیسوی حکومتوں کا پورا اطمینان بھی کرا دیا تھا۔ پاشا مذکور نے [illegible] دول غیر کے سفراء کو بھی مشوروں میں شریک کرکے ہر طرح پر ارمنیوں کی داد رسی اور حفاظت کا سامان کر دیا تھا اگرچہ پھر بھی ارمنیوں نے انکی تمام اصلاحی تدبیروں کو ٹھکرا دیا اور راستے بھر ترکوں سے ملکر کام کرنے سے گریز ہی کیا۔"[1]

غرضیکہ ارمنیوں نے خود غرض سازشوں کا جال تمام یورپ میں ترکوں کے خلاف پھیلا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ فروری ۱۹۱۴ء میں ترکی اور آرمینیا کے معاہدہ کے واسطے عیسائی حکومتوں نے سلطان وقت کو مجبور کر دیا کہ ایک ویسا ہی معاہدہ کنندہ افسر ارمنیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مقرر ہو جیسا کہ [illegible] کے عیسائیوں کے واسطے کرا چکے تھے۔ تاہم یکم نومبر ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی روس نے ایک کثیر والنٹیر ارمنی فوج کے ساتھ مشرقی اناطولیا میں مسلمان ترکوں کا خاصا قتل کرایا۔ تب ہی تو اس ترکی فوج نے جو میدان جنگ سے واپس ہو رہی تھی ارمنیوں سے سخت بدلا لیا حالانکہ ۱۹۱۶ء میں روس نے ارض روم کو لے لیا تھا۔

سر رابرٹ ونڈھم کو بھی تسلیم ہے کہ "ارمنیوں کی خفیہ مجالس کے کارکن [illegible] نیز سوئٹزرلینڈ تک میں بغاوت کے مشابہ خیالات اور تحریکات کا اعلان کرتے تھے اور آمریکہ کے شرفا بھی ولایت میں (وطن) میں رعایا کو حقوق طلبی پر ترکوں کے خلاف بیدار کرتے تھے۔"[2]

صلح نامہ [illegible] نے جس طرح یونانیوں کے حقوق کو چھکا دیا تھا اسی طرح ارمنیوں کے حقوق بھی سلطنت ترکیہ میں قائم کر رہے تھے۔ اگر لوزان کے معاہدہ سے عیسائی ارمنی رعایا ایشیائے کوچک سے باہر ہی کرا دی گئی۔ جنگ عظیم یورپ سے قبل تک تمام ترکی حکومت میں ارمنی عیسائی تقریباً اٹھارہ لاکھ گنے جاتے تھے۔ اور جنگ بلقان کے زمانہ میں تو ارمنیوں نے مکمل آزادی کی کوشش کی تھی بلکہ ایک وفد بھی لندن اسی لئے بھیجا تھا۔

---

[1] دیکھو صفحات ۱۴۵ تا ۱۴۸ و ۱۵۰ کتاب سر رابرٹ ونڈھم مذکور۔ [2] دیکھو صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۲ کتاب سر رابرٹ ونڈھم۔

فلسطین۔ بیت المقدس۔ اور یہود

فلسطین کی قدامت کرۂ ارضی پر کسی نہ کسی قسم کی تحریر یا نشانوں میں آفرینشِ عالم کے وقت سے اب تک دکھلائی پڑ رہی ہے اس کے موجودہ شہر بیت المقدس کا وجود بھی امارنا (amarna) کی تختیوں پر کھودے ہوئے نقوش میں یعنی تحریری نقوش سے پہلے مانا گیا ہے اور انسان کی یاد میں دنیا کا کوئی مقام بیت المقدس سے قدیم اب تک نہیں دریافت ہو سکا ہے ٭

یہود نے بیت المقدس کے تقدس کو اُس وقت مانا تھا جب کہ انھوں نے انٹی اوکس ایپی فینس (antiochus Epiphanus) کو شکست دی تھی۔ عیسائیوں نے تو سینٹ ہیلینا (Saint Helena) کی ایجاد صلیب (cross) کے باعث کیا مگر مسلمانوں کے قرآن ہی نے اس کو منوا دیا۔ بلکہ انھوں نے تو اُسے جنت کا زینہ ہی جان رکھا تھا جس طرح کہ سنٹ میں گیلیلی (Galilee) کے جوڑا (Joppa) نے جو ایک عیسائی پادری تھا۔ اس سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین شروع کی تھی ۔

مسلمانوں نے تو تمام دنیا کے مقابلے میں اسی شہر کو "القدس" کہا تھا جبکہ عبدالملک نے وہاں ایک پتھر کا گنبد بنایا تھا۔ یعنی دنیا کے تین بڑے مذاہب کا یہ شہر دنیوں سے گہوارہ رہا ہے اور اسی کی گھاٹیوں۔ پہاڑیوں اور میدانوں میں تینوں مذاہب خوب پھلے اور پھولے بلکہ وہاں پہونچکر دنیا دی گناہوں کے دُھل جانے کا عقیدہ سب کے یہاں یکساں طور پر مانا گیا تھا۔ لہٰذا اسکی ملکیت کی خواہش جس کسی کو بھی ہو بیجا نہیں ہے اور دراصل تو کل فلسطین کی عزت بیت المقدس کے باعث سب ہی کے دلوں میں ہے وہاں کا فلاح تک تو اسے کوسی نہ کسی پیغمبر ہی کی نسل میں ہونا کہتا ہے۔

یونان اور روما کی حکومت کے وقتوں کا کل فلسطین ویسپیسین (Vespasian) او۔۔

لہ دیکھو دیباچہ فلسطین" از جیکب ڈی ہاس۔ دیکھو صفحہ ۲۰ کتاب مسز ہرٹا فلسطین مذکور۔

ٹائٹس (Titus) نے غارت کیا تھا اور گویا ہیراڈ (Herod) اور اس کے جانشینوں کے ایک بنائے ہوئے شہر و قلعوں وغیرہ کے بجائے ایک جدید شہر آباد کرا دیا تھا۔ مگر ہیڈرین (Hadrian) کی جنگوں نے اس کو بھی مٹا دیا۔ پھر چوتھی صدی عیسوی میں سلطنت بازنطینیہ کے ہاتھ میں وہی شہر آ گیا جس کو بیت المقدس کہا جاتا ہے اور عربوں کی فتح کے بعد سے وہی شہر ایک بڑی ہی تجارت کی منڈی بن گیا۔ سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے وہاں کے گرجوں۔ کلیسوں اور خانقاہوں سے بت پرستی کا نام و نشان تک اڑوا دیا۔ پھر سلطان سلیمان ذیشان نے ۱۵۲۷ء و ۱۵۴۲ء کے درمیان شہر کے گرد ایک عظیم الشان چار دیواری بھی بنوا دی۔ اور موجودہ شہر تو اب تین صدیوں کی یادگار ہے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہیراڈ کے زمانہ کا کل فلسطین سرسبز زرخیز اور خوب آباد تھا۔ مگر بازنطینوی تسلط کے وقت سے تمام برائیوں اور بدکاریوں کا مرکز بھی ہو گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رض کے فتوحات کے بعد سے ترکوں وغیرہ سے بھی زمانہ اس کی ترقی تھی۔ بلکہ بنی امیہ کے عہدوں میں تو ایسا تمدن اور علم وہاں پھیلا تھا کہ جس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر عیسوی مذہبی جہادوں نے تو فلسطین کو بار بار پامال ہی کر ڈالا اور واقعہ تو یہ ہے کہ یہود کے مغضوب ہونے کے وقت سے بیت المقدس یہود کے علاوہ دوسرے ہی مذاہب اور اقوام کے قبضہ میں رہا۔ اب سے انیس صدی قبل رومن حکومت نے یہود کا انہیں مقابلہ کر کے انھیں زیر کیا تھا اور اب تو کوئی شخص بھی فلسطین بھر میں اصلی فلسطینی نہیں باقی رہا ہے بلکہ کل آبادی باہر کا خون ہے اور نسلی خلط ملط سے شام و فلام مشرقی و مغربی سب ہی قسم کی نسلوں اور مذہبوں کا میل جول ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ متعدد نسلوں کے حکمران بھی ہو چکے ہیں۔ یہود کے زمانہ میں بیت المقدس ہی فلسطین کا دار السلطنت تھا رومن و بازنطینوی حکومتوں کے وقت میں سیزریا (Caesarea) کو دار الخلافت بنا دیا گیا تھا۔ عیسوی اور فاطمی عربوں نے رمیلہ (Romaleh) کو دار الحکومت بنایا مگر عباسیوں نے بغداد سے حملوں نے تا ہو سے سلطنت کی اور ترکوں نے پیشتر دمشق کی گورنری کے ماتحت اس کو رکھا اور دوبارہ یہودی النسل اشخاص بھی گورنر مقرر کیا لیکن ۱۸۶۰ء سے قسطنطنیہ ہی سے براہ راست متعلق کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک زائر کا بیان ہے کہ سترھویں صدی عیسوی میں یہاں (۷۷) ستر زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اور دراصل تو بیت المقدس کو اگر مغرب کی مشرقی سرحد اور مشرق کی غربی سرحد کہا جاوے تو بیجا نہ ہوگا۔

(Zamolina) نے [illegible] (Chamdeh) شاہ روما کو ملکہ زینوبیہ [illegible]

اپنے شوہر کے قتل کے بعد اپنا شریک تخت و تاج کر لیا تھا اور دونوں نے پرہیٹس (Pro-lmatus) کو شکست دیکر فلسطین و مصر کا سفر کیا اور دونوں عیش و عشرت میں جب مشغول ہوکر سلطنت سے غافل ہو گئے تو پال سیموسٹائی (Paul of Samosata) کا ملکہ پر بیحد اثر ہوگیا۔ یہ اینٹیاک (Antioch) کا بشپ تھا اس پادری نے رسم ختنہ کو بھی رواج دیا تھا نیز حضرت عیسٰی کو ایک محض انسان جن پر وحی آتی تھی۔ کہنا شروع کیا تھا کہا جاتا ہے کہ اسی زمانہ سے یہاں عیسائیت کی گویا ابتدا ہوئی تھی۔ پھر تو ۲۲۸ء میں آریجن (Origen) کے دورۂ فلسطین نے عیسائیت کو پورا رواج دیدیا۔ یہ شخص قلم کا بڑا زوردار تھا۔ چھ ہزار تصنیفات اس کی کہی جاتی ہیں۔ اسی نے فلسطین میں عہد عتیق یا قدیم انجیل (Old Testament) کو چھ قسم کی ترکیبوں سے چھ مقابل خانوں میں علیحدہ علیحدہ لکھا تھا۔ یعنی (Hexapla Editions)۔

ایک تاریخ کی رو سے فلسطین میں عیسائیت کی پوری بنیاد تو ظالم شاہ کانسٹنٹائن (Constantine) کے عہد سے کہی جاتی ہے اسی بادشاہ نے اپنی ایک بیوی۔ بچہ اور خسر کا گلا اپنے ہی ہاتھ سے گھونٹا تھا۔ اس نے ۳۲۵ء سے ۳۳۷ء تک حکومت کی تھی لیکن فلسطین کی قسمت بھی اس وقت سے خوب ہی طرح جاگی تھی جبکہ روما کے شاہ تھی اوڈوسیس (Theodosius) نے ۳۹۵ء میں اپنی سلطنت کے دو ٹکڑے کر کے اپنے دو بیٹوں پر تقسیم کر دی اور پانچویں صدی عیسوی سے لیکر ڈھائی سو سال تک تو گویا بیت المقدس ہی کی حکومت سلطنت روما کے مشرقی حصہ لک میں رہی۔ اور تمام مغربی دنیا نے بھی گویا عقیدت مندی سے اسکے سامنے اپنا سر جھکا رکھا تھا۔ مگر ۳۸۷ء سے حرام کاری و ہر قسم کی بدکاری کا تنزل بھی یہ مقام بن گیا تھا۔ چنانچہ ۶۱۴ء کے قریب شہنشاہ ہرقلیس (Heraclius) نے یہود کے لئے بیت المقدس میں اونکی بداعمالیوں کے باعث قیام تک کی ممانعت کر دی تھی۔ اور تقریباً ۶۲۷ء میں اُسنے پہلا چھاد عیسائیت کی کی حمایت میں خسرو ثانی شاہ ایران کے مقابلہ میں کیا۔ جس کے واسطے گرجاؤں تک سے قرض لیا گیا تھا۔ اور عیسائیوں کی فتح ہوئی تھی۔ چنانچہ یہود پر ایسے مظالم ہرقلیس نے کئے تھے کہ جسکی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور پھر جب شاہ فوکس نے مظالم کی دنیا میں حد کر دی۔ تو پھر خسرو ثانی نے بھی جی کھول کر ایسا بدلا لیا کہ یورپ بھر چیخ اوٹھا۔ ۶۳۷ء میں خلیفۂ اوّل اسلام

نے چوبیس ہزار مجاہدین کی اسلامی فوج سے فلسطین کو فتح کرایا۔ پھر ۱۶ھ/۶۳۶ء میں خلیفہ ثانیؓ ایک
معاہدہ صلح کے بعد بیت المقدس میں خود داخل ہوئے۔ بنی امیہ کی حکومت کے دور میں عبدالملک
کا زمانہ وہاں بیحد ترقی علوم و فنون و تمدن کے لئے مشہور ہے۔ یعنی ۶۸۵ء سے ۷۰۵ء تک اسی
خلیفہ کے حصے میں مسجد اقصیٰ اور گنبد خضرا کی تعمیر آئی تھی۔ اسلامی خلافت کبریٰ اور بنی امیہ کے
عہد میں فلسطین بھر میں بڑی رونق تھی اور تمام حکمران اسکی ترقی میں دلچسپی لیتے رہتے تھے۔
عباسیوں نے بیشک آپس میں لڑ لڑ کر اسلامی اتحاد کا ستیاناس لگا دیا تھا۔ اور انکو تو عموماً
ایرانیوں اور فرانسیسیوں کی امداد سے تخت سلطنت بھی نصیب ہو رہا تھا۔ بلکہ اکثر ترک
و سلجوقیوں کی تلوار پر بھی اُن کو بھروسا کرنا پڑا تھا۔ جس سے تمام فلسطین میں چھوٹے چھوٹے
بادشاہ بننے لگے تھے۔ جو لڑ لڑ کر حکومت کو سب ہی طرح برباد کرتے رہے۔ مگر چھٹی صدی
عیسوی کے آخر میں جسطرح قسطنطنیہ میں جلد جلد بادشاہ بدلتے رہے اسیطرح فلسطین میں برابر
جلد سے جلد ایک آیا اور دوسرا گیا۔ ساتویں صدی کی ابتدا سے بیت المقدس میں بیشک خوب
ترقی ہوئی تھی۔ ہر جگہ کے لئے یہ شہر تجارت کی منڈی ہو گیا تھا۔ اور ہر مذہب کی عبادت گاہ ہونے
کے باعث نیز تجارت اور مال تجارت کی حفاظت بلکہ ہر قسم کی آسائش و آرام کے سبب دولت
و زر و جواہر بھی یہاں پھیلا پڑا تھا۔ فلسطین کے شراب کی برآمد بکثرت تھی۔ جس سے اور بھی دنیا
بھر کا سرمایہ یہاں آتا تھا۔ علاوہ یورپ سے یہاں دولت آنے کے ہندوستان تک سے زمرد
موتی۔ اور سونا وغیرہ بکثرت آگیا تھا۔ لیکن خلیفہ منصور نے جب ۷۶۲ء میں بغداد کو جغرافیائی
دائرں کے مطابق اپنا دار الخلافت بنایا اور اسکی تعمیر کی تب سے بیت المقدس کی رونق و اقتدار
میں کمی ہونے لگی۔ اسوقت کے عباسی خلفار کی حکومت کی ہر شان۔ کیا ظلم۔ کیا انصاف۔
کیا لوٹ مار و قتل و غارت کیا بخیری اور کیا تعصب سب ہی کچھ تو گویا مغرب کے ہمعصر حکمرانوں کے
مماثل ہی بہت کچھ تھا بس صرف اتنا فرق ضرور تھا کہ ذاتی جوہر قابلیت۔ علوم و صنعت و حرفت سے
دلچسپی تھی اور انکی قدر اور بعض اوقات ذاتی خوبیاں تھیں۔ جو اپنے یورپ کے ہم عصروں
سے انہیں ممتاز کرتی تھیں۔ اسکے سب کے ساتھ ساتھ مساوات۔ حریت اور اسلامی اخوت
کے اصولوں کے باعث اسوقت دنیا بھر انکے یہاں اندھی پڑی تھی اور سب ہی کو کسی نہ

کسی طرح کی اقتصادی منفعت کی نہ صرف امید تھی بلکہ کامیابی بھی نصیب ہوتی تھی۔ تجارت کو باوجود بعض وقتوں کے کشت و خون کے برابر فروغ ہی ہوتا رہا۔ اور ۲۷ خلفائے عباسیہ نے یکے بعد دیگرے حکومت کر ہی لی تا وقتیکہ ۸۶۸ء کے بعد سے جب کہ احمد بن طولون نے جو ایک ترک نژاد شخص تھا مصر و فلسطین کو عباسیوں سے آزاد نہیں کرا لیا۔ [۱]

بعض مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ باوجود عباسیوں کی دو صدیوں کی آپس کی جنگ و جدال کے فلسطین میں رعایا کو آرام و حفاظت سے بسر اوقات اور تجارت کا پورا موقع رہا۔ نیز زراعتی حالات بھی کامیابی سے ترقی پذیر رہے جو اسلام کی اصلی خوبیوں کا نتیجہ تھا۔ اور اسی بنا پر عیسائی بھی اسلام کو بطیب خاطر قبول کرتے چلے جاتے تھے۔ حالانکہ اوسوقت میں کسی قسم کا اسلامی مشن تک نہ تھا۔ نیز اوسوقت کے عیسائیوں کو خلفاء اسلام کی رعایا ہونا منظور تھا۔ مگر بازنطینوی عیسوی حکومت کی رعایا ہونا قبول نہ تھا بلکہ اوس سے گریز ہی تھا۔ [۲]

شاہ فرانس ہی نے پہلی سفارت خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں فلسطین میں بھیجی تھی۔ اور اسی زمانہ سے مغرب کے لوگوں کو فلسطین سے زائد دلچسپی بھی بڑھی تھی۔ بعد خلیفہ معتصم کا باڈی گارڈ ترک سپاہیوں سے بنا بلکہ سلجوقی ترک ہی اب افسران فوج زائد ہونے لگے۔ [۳]

خلیفہ المتوکل نے بیشک فرق کے واسطے یہودیوں اور عیسائیوں کو زنار پہننے کا حکم جاری کر دیا تھا جس سے مسلم و غیر مسلم کی تمیز میں آسانی ہو گئی تھی۔ ورنہ غیر مسلم دھوکا دے کر سخت نقصان کا باعث ہو رہے تھے۔ سلجوق کے پوتے الطغرل نے ۱۰۵۵ء میں ایران کو فتح کرنے کے بعد امیر الامرا یا کمانڈر انچیف کا خطاب خلفائے عباسیہ ہی سے حاصل کیا تھا۔ گو اوسوقت کے خلفاء بھی محض صرف مذہبی خلافت کے حامل رہ گئے تھے۔

۱۰۶۳ء میں جبکہ الپ ارسلان نے ایشیائے کوچک کو فتح کیا اور گو اُسکو ایک خوارزمی نے

---

[۱] دیکھو صفحہ ۱۵۴ تاریخ سر رابرٹ وِنڈھم مذکور
[۲] دیکھو صفحہ ۱۵۶ تاریخ سر رابرٹ وِنڈھم مذکور
[۳] دیکھو صفحہ ۱۶۰ تاریخ وِنڈھم مذکور۔

وہاں قتل بھی کرادیا تاصم اور اسکے بیٹے ملک شاہ نے اپنا سکہ مصر سے ہندوستان تک جما لیا۔ اور اپنی کل حکومت کے بارہ دورے اسنے کر ڈالے۔

سنہ [illegible]ء میں مستنصر باللہ کی خلافت کے زمانے میں شام و فلسطین پر خراسانی سلجوق ترکوں نے حملہ کیا اور فاطمین کے عہد حکومت کو ختم کرنے کی خدمت ترکوں ہی کے سپرد ہو گئی۔

اور جب سنہ ۱۰۹۵ء میں ترکوں اور فاطمی خلفا کے مصر سے جنگیں شروع ہو گئیں تو عیسائیت اور یہودیوں نے یورپ کے مجاہدین کو بیت المقدس کی طرف پھر متوجہ کیا اور یہ شہرت دی کہ دنیا قریب ختم تھی۔ اور مسیح کے ورود فلسطین کا وقت قریب آگیا تھا۔ پھر کیا تھا عیسائی مجاہدین ہر طرح سے بیت المقدس کے گرد خیمے ڈیرے ڈالنے لگے اور ہر جگہ عیسائی زائرین میں مسلمانوں کے برے برتاؤں کے قصے بھی پھیلائے جانے لگے۔[۳]

چنانچہ عیسائی مجاہدین نے ۱۵ جولائی یوم جمعہ سنہ ۱۰۹۹ء کو پہلی فتح بیت المقدس میں حاصل ہی کر لی۔ اور مسلمانوں نیز یہودیوں کے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اب تو بیت المقدس کے گرد و پیش تقریباً ۹۹ سے سال تک عیسائیوں کی حکومت ہی قائم رہی بلکہ مسلمانوں اور یہودیوں سے جزیہ بھی حکام وصول کرنے لگے۔ یورپ کی اقتصادی ترقی بھی اسی وقت سے انہیں عیسائی مجاہدین کی بدولت شروع ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں ہی کی بدولت ہر قسم کے علوم و فنون بھی یورپ نے حاصل کرنا شروع کر دئے تھے۔ مثلاً شیشہ کو گلا کر ڈھانا۔ ریشم کے کارخانے جاری کرنا۔ فرانس کا حافہ کے مقام سے مٹی کے ظروف کی ساخت سیکھنا۔ غرضکہ ہر طرح کی صنعت و حرفت یورپ والے فلسطین سے سیکھ کر مغرب کی طرف لے گئے۔[۴]

دوسرا جہاد سنہ ۱۱۴۷ء میں عیسائیوں نے یورپ میں تیار کیا مگر امیر ایوب نے جو سلطان صلاح الدین فاتح کا باپ تھا۔ اور اسکے شہنشاہ کانراد و فرانس وغیرہ کی متفقہ افواج کو شکست دی اور اسی جہاد میں فرانس کی ملکہ کا انٹیا Antioch کے گورنر ریمانڈ Rey mond کے ساتھ

۳۔ دیکھو صفحہ ۱۶۸ کتاب سیر الیہود حصہ دوم مذکور

۴۔ دیکھو صفحہ ۲۱۹ کتاب تاریخ یہود حصہ دوم مذکور

بھاگ جانے کا واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ جس سے کہ اسوقت کے یورپ کے اخلاق کا بھی پتہ ایشیا کو بہت کچھ چل گیا تھا۔ ؎۱

۱۸ جنوری ۱۱۶۹ء کو شیرکوہ نامی ایک شخص نے جو سلطان نور الدین دمشق کا وزیر ہو گیا تھا۔ سلطان کو قتل کر کے اپنے کو سلطان مصر و دمشق کی جگہ بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد سلطان صلاح الدین فاتح نے اوسکو شکست دیکر نور الدین کی بیوہ کے ساتھ خود عقد کر لیا اور مصر و دمشق کی سلطانی بھی حاصل کر لی۔ اسوقت بیت المقدس کی عیسائی حکومت کی بد اخلاقیوں اور خلاف معاہدگیوں کے واقعات کی بدنامی کی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ مگر چونکہ مسلمان اپنے صلحناموں کے نہ توڑنے کے لئے اسوقت تک خوب مشہور تھے اسلئے تدارک نہ کیا گیا لیکن اسی درمیان میں شاہ رنیبانڈ (Renaud) نے مدینہ طیبہ پر حملہ کا رخ کیا۔ تب تو مسلمانوں کو بھی تاب نہ رہی اور جون ۱۱۸۳ء میں جب کہ صلاح الدین کو الیپو (Aleppo) کی بادشاہت بھی مل گئی تو ۲ جولائی ۱۱۸۷ء کو اوسنے لاطینی عیسائی حکومت سے جنگ چھیڑ دی اور فلسطین کو فتح کر کے بادشاہ اور امرائی سلطنت کو قید تو کر لیا مگر پھر بھی کسی کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہیں کیا۔ ؎۲

اس زمانہ میں عیسائی امراء وغیرہ عربی پڑھنے لگے تھے اور مسلمانوں کی تقلید میں یورپ تک میں یونیورسٹیاں بھی قائم ہو چلی تھیں۔ چنانچہ ۱۱۵۰ء میں پیرس کی یونیورسٹی اور ۱۱۶۷ء میں آکسفورڈ کی یونیورسٹی اور ۱۲۱۸ء میں کیمبرج کی یونیورسٹی قائم ہوئی۔ اور گو فریڈرک ثانی و الکامل کی صلح نے عربی کی تعلیم کو یورپ میں ممنوع قرار دیا تھا تاہم سینٹ لوی نے فلسطین ہی کی نقل پر یورپ میں کتبخانے جمع کرانے شروع کرا دئیے تھے۔ ؎۳

۲۰ ستمبر ۱۱۸۷ء کو جب صلاح الدین کی فوجیں بیت المقدس کے مغربی دروازے پر پہنچیں

؎۱ دیکھو صفحہ ۱۴۳ کتاب تاریخ ذہم مذکور۔

؎۲ دیکھو صفحات ۲۲۵-۲۲۴ و ۲۴۴ تاریخ مذکور۔

؎۳ دیکھو صفحہ ۲۲۹ تاریخ مذکور۔

تو خود سلطان نے یہ خطبہ دیا تھا۔ "یہ بیت المقدس خانہ خدا ہے اور یہ میرا ایمان ہے۔ میں از خود اور خوشی سے اوس پر حملہ نہ کروں گا۔ اگر مفاہمت اور صلح سے وہ حاصل ہو جاوے" اور بڑی جد و جہد و گفت و شنید کے بعد سلطان بیت المقدس میں بطور فاتح کے داخل ہوا تھا۔ اور عیسائیوں نے ۲، اکتوبر کو شہر کو خالی کرنا شروع کر دیا تھا۔ اوسکے معاً بعد میں سلطان نے سبکو جان بخشی عطا کی بلکہ بعید رحم و کرم کرکے سبکو آزاد کر دیا اور خیرات دداد و دہش سے ہزاروں کی خاطر داری و امداد کی۔[1] دنیا نے اوسوقت عیسائیوں کے اون مظالم کا جو انہوں نے اپنے جہادوں کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں پر کئے تھے اور اسلامی رحم و کرم کا خاصا مقابلہ کر لیا اور اسلامی رواداری کا پورا ثبوت پھر مل گیا۔

تیسرا جہاد عیسائیوں نے بہ سرکردگی ریچرڈ Richard شاہ انگلستان ۱۱۹۱ء میں شروع کیا۔ مگر جب ۹، ستمبر ۱۱۹۲ء کو شطرنج کی چالوں کی طرح بیدیں دونوں عاجز ہوگئے تو صلح ہو کر ہاتھ ملائے گئے۔ اور ریچرڈ بھی جہاز پر سوار ہو کر گھر کو واپس گیا۔

لاطینی سلطنت کے برباد ہونے کے وجہ اوسوقت یورپ میں عام طور پر اوسکی بد اخلاقیاں اور ہر قسم کی برائیاں ہی مانی جا رہی تھیں ۔ اور نہ لوگوں نے اون سے سبق بھی بہت کچھ حاصل کیا بلکہ نیکوکاری اور برائیوں سے بچنے کی طرف عام طور پر لوگ متوجہ ہو گئے۔[2]

چوتھے جہاد ۱۱۹۵ء کے لئے ہنری ششم شاہ جرمنی نے بیڑہ اوٹھایا اور صلیب کو ہاتھ میں لے کر حملہ کر دیا۔ اب صلاح الدین کی وفات ہو چکی تھی اور اسکا بھائی العادل تخت پر تھا۔ عادل نے بھی فتح پائی اور ۱۱۹۸ء میں تین سال کے لئے صلح ہو گئی۔

پانچواں جہاد جب اوٹھا تو وہ فلسطین تک نہ پہونچ سکا۔ تاہم دو فرانسیسی امیر بیس ہزار فوج کو لے کر وینس میں پہونچ گئے۔ تاکہ اُدھر سے فلسطین پر حملہ کر سکیں مگر پیسے کی کمی نے وینس کے لوگوں کی خواہش پر سواحل کے لینے کے بعد یونانی مسیحی قسطنطنیہ پر حملہ میں شرکت کی دعوت

---

[1] دیکھو صفحہ (۲۴۱)، کتاب ونڈھم مذکور۔
[2] دیکھو صفحہ (۲۶۱)، کتاب ونڈھم مذکور

اونکو دی اور وینس ہی والوں کے خرچ سے اس مہم کو سر کرنے کی طرف دونوں کو مجبور کیا گیا چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۲۰۴ء کو قسطنطنیہ پر قبضہ حاصل ہو گیا۔ اور بالڈون فلینڈر وی Baldwin of Flanders پہلا بادشاہ اس حکومت بازنطینوی کا بنایا گیا۔ لیکن بکثرت یہودی اب عیسائیوں کے مظالم سے بیت المقدس میں پھر آکر آباد ہو گئے۔ بالخصوص شاہ انوسینٹ سوئم (Innocent III) نے تو اونپر وہ مظالم کئے کہ جسکی حد نہ رہی تھی۔ برعکس شہنشاہ زنگی کافور

چھٹا[۱] جہاد ۱۲۱۷ء میں ہنگری کے اینڈریو ثانی Andrew II کی سرکردگی میں مرتب ہوا چونکہ سلطان صلاح الدین کے خاندان میں خانہ جنگی زوروں میں ہو رہی تھی۔ یہانتک کہ مجاہدین جبل طبور Tabor تک بلا مقابلہ پہونچگئے مگر ایک زور کے طوفان کے سبب کچھ واپس گئے اور جو باقی رہے وہ دریائی نیل کے طوفان میں ڈوب گئے۔

عیسائیوں نے پھر بھی جہادوں کی تیاریاں کرنا چاہیں مگر سب ہش پش ہوکر رہ گئے۔ اور مجاہدین بھی حروج کرتے رہے تاہم ۱۸ مئی ۱۲۵۸ء تک سب کے وضو شکست ہوگئے اور مقابلہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ مسلمانوں نے بھی بیت المقدس میں عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کو آزادی سے عبادت کرنے کی اجازت اب دیدی تھی۔

۱۲۰۶ء میں جب چنگیز خاں کے حملے شروع ہوئے اور خوارزم شاہی کا دور آیا جسمیں ہر طرف کشت و خون ہونے لگا۔ یہانتک ۱۲۴۴ء تک اونکا خود خاتمہ ہو گیا فلسطین تو بیشک اب مصریوں کے قبضے میں پہونچگیا۔ اور نجم الدین مصری کی حکومت وہاں ہوگئی۔ مگر ۱۲۴۵ء میں اوسکی پامالی کی حد ہی نہ رہی ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے ایران و بغداد پر حملے کر کے آخری خلیفہ عباسی مستعصم تک کو مار ڈالا۔ اور واقعی خلافت اسلامی کا پورا خاتمہ ہی گویا کر دیا گیا۔ تا آنکہ ترکوں نے قسطنطنیہ میں اوسے پھر زندہ کیا۔ ان تاتاریوں نے تو خوب جی کھول کر فلسطین میں لوٹ مار و قتل و غارت گری کی یہانتک کہ سلطان بیبارس Bibars نے ۱۲۶۰ء میں اونکو مار نکالا اور ۱۲۶۴ء میں

---

[۱] دیکھو صفحہ ۲۶۶ کتاب ہذا و نقشہ مذکورہ۔
[۲] دیکھو صفحہ (۲۶۸) کتاب ہذا و نقشہ مذکورہ۔

عیسائیاں فلسطین کی بھی خاصی خبر لی اور انکی عمارات تک کو ڈھا کر سنگ مرمر جتنا بھی ملا نکال کر اور مصر میں لے جا کر ایک عالیشان مسجد اپنے نام سے بنوا دی ۔ اسی سلطان مصر نے قاہرہ میں المستنصر عباسی کو خلیفہ اسلام بھی بنا دیا ۔ سنہ ۱۲۶۶ء اور سنہ ۱۲۶۹ء میں وہ خود بیت المقدس گیا اور تب عیسائیوں کے قتل میں کسی وقت بھی تلوار کو میان میں اس نے نہیں رکھا ۔ برابر لڑائی کرتا رہا اور انکو مارتا رہا سلطان بیبارس نے ڈاک کا انتظام بھی خوبی سے کرایا تھا ۔ حالانکہ بغداد میں آٹھویں صدی عیسوی سے گھوڑے و تیر اور کبوتروں کے ذریعہ سے خطوط وغیرہ بھیجے جانے کا طریقہ تھا ۔ اور شاہی خط و کتابت بغداد ہی کے بنے ہوئے کاغذ پر ہوتی تھی ۔ اور سونے کی روشنائی کا استعمال ہوتا تھا

۱۸ مئی سنہ ۱۲۹۱ء میں سلطان الاشرف خلیل نے جب عکرہ (ایکری) (Acre) کو فتح کیا تب گویا فلسطین عیسائیوں سے بالکل ہی پاک ہو چکا تھا ۔ اور بیت المقدس کے تمام قلعے جو انھوں نے بنائے تھے سب ہی ڈھا دئے گئے تھے ۔ ارمنیوں سے بھی اسی سلطان نے خراج لینا شروع کیا تھا ۔

کہا تو جاتا ہے کہ اوس وقت کی دنیا میں ہلال کی فتح اور صلیب کی شکست کی دھوم تھی حالانکہ تقریباً کچھ دو صدیوں تک فلسطین میں عیسائیوں نے حکومت کر لی تھی ۔

شام میں اسوقت بھی جبکہ لاطینی حکومت کا دور تھا ۔ درمیانی طبقہ کے حقوق کی حفاظت کے لئے اتحادات یا کمیونس (Communes) بنائے جا چکے تھے ۔ اور فلسطین میں ان ہی کے عہد میں گاڈفرے (Godfrey's) کے پیروں نے کلام پاک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچایا تھا ۔ لہ

سلاطین مصر کی قہر آلود اور متشدد حکومت کے علاوہ اب فلسطین پر آسمانی آفات بھی نازل ہونے لگی تھیں ۔ سنہ ۱۲۹۳ میں زلزلہ آیا ۔ طوفان آئے اور تاتاریوں کے پھر حملے ہونے لگے سنہ ۱۳۴۸ء میں تو ایک دوسری آفت آگئی ۔ جسکو سیاہ موت "Black death" کہتے تھے اور جس میں لاکھوں مر گئے سنہ ۱۳۳۳ء میں چونکہ بکثرت یہودی پھر آکر فلسطین میں عیسائیوں کے مظالم کی بنا پر آباد ہوگئے تھے اور جن کو شاہ فلپ دی فیر (Philip the Fair) نے فرانس سے نکلوا دیا تھا ۔ لہذا یہ سب

لہ دیکھئے صفحہ ۴۹، کتاب ونڈھم مذکور ۔

آفات اونھیں کے قدموں کی برکت کہی جاتی تھی۔ اوسوقت وہاں کے مسلمانوں کی پوشاک سفید تھی۔ عیسائی تونیلی رنگ کی پوشاکیں پہنتے تھے۔ اور یہودی زرد رنگ کی۔ سامریؔ قوم کے لوگ سرخ رنگ کی پگڑی حکماً باندھتے تھے۔ تاکہ ایک دوسرے سے سب کا فرق علٰحدہ علٰحدہ معلوم ہوتا رہے۔

۱۴۹۵ء تک مصری میلوکون کی حکومت بیحد کمزور ہوگئی تھی۔ کیونکہ اونمیں خانہ جنگیاں ہوکر سب ایک دوسرے سے لڑ مرے تھے۔ اوسوقت اسپین سے بھی یہودیوں کا اخراج ہوا تھا مگر بیت المقدس میں اب یہودیوں نے اپنی باقاعدہ تنظیم کرلی تھی۔ ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم جب فتوحات کرتا ہوا فلسطین پہونچا تھا۔ تو بیت المقدس بھی زیارات کے واسطے گیا۔ اور دیوار بکا Wailing Walla کے قریب ہی اوسنے قیام کیا تو ایک صبح کو کسی عیسائی عورت نے بڑی گدڑی اور پس خوردہ وغیرہ دیوار بکا کے قریب پھینک دیا۔ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ عیسائی لوگ بطور رسم کے ایسا ہی کیا کرتے چلے آتے تھے۔ تاکہ کوڑے کرکٹ وخاک دھول وغیرہ سے دیوار کو توپ سکیں۔ اوسیوقت سلطان سلیم نے حکماً اس قبیح رسم کی ممانعت کی۔ چنانچہ ۱۵۱۹ء سے پھر بیت المقدس میں امن وامان ہوگیا تھا۔ اور یہی وہ وقت ہیں کہ جب مختلف قسم کی زبانیں وہاں بولی جاتی تھیں۔ اور سب لوگ خوش حال تھے۔ بالخصوص یہودی تو جوق جوق اسپین سے بھاگ کر یہاں آباد ہوگئے تھے۔ صوبہ کے گورنروں کو سنجک کا خطاب تھا۔ اور ۱۹۰۱ء تک یہاں کا آئین لگان ومال گذاری سلطان سلیم ہی کے روزنامچہ کے مطابق جس کو محمود چلپی نے تیار کیا تھا جاری رہا۔ اور اُسی کے مطابق ضریبہ یاپول ٹکس بھی مقرر ہوا۔ [۱]

بیت المقدس کی تعمیر میں سلطان سلیمان ذی شان نے بہت کچھ صرف کیا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو ہر قسم کی آزادی اور آسانی بھی دی۔ یہاں کے عیسائیوں کا تو یہ عقیدہ تھا کہ اگر دیوار بکا کی جس کو کہ ٹائبیریس (Tiberias) نے بنایا تھا پھر تعمیر ہوگئی تو اسلام کا زوال لازمی تھا۔ چنانچہ جب سلیمان ذی شان نے اوسکی تعمیر کی اجازت پھر یہود کو دیدی اور جو ۱۵۶۵ء تک ختم ہوگئی تو اونکا

---

[۱] دیکھو صفحات ۳۲۴، ۳۴، ۱۲ کتاب ونڈھم مذکور

عقیدہ باطل ہی ثابت ہوا

فلسطین میں ترکوں کی حکمت عملی وہی رہی جو شہنشاہیت کے قیام کے لئے ہر جگہ اس ۱۹۲۳ء میں ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ دوسروں کو لڑوا کر خود حکومت کرنا ہے۔ حالانکہ اوسی پالیسی نے اٹھارویں صدی میں ترکوں کو مٹا بھی دیا

جب سے کہ ۱۵۱۷ء میں ترکوں نے فلسطین پر قبضہ پایا تھا تقریباً تین صدی تک یورپ بلکہ تمام متمدن دنیا بالکل ہی فلسطین سے غافل رہی کیونکہ امریکہ و دیگر نوآبادیات وجزائر بحر الکاہل کی طرف سب کے سب بیحد مصروف رہے اور تجارت کا رخ بھی اودھر ہی یعنی جنوبی حصہ امریکہ اور مشرقی انڈیز Indies کی طرف زاید رہا۔ جہادوں کی خواہش بھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ کیونکہ عیسائی سلطنوں میں زیادہ تر پراٹسٹنٹ Protestant خیال پھیل چکا تھا اور معجزات وغیرہ سے بھی بسبب ترقی علوم وفنون بہت کچھ انکار ہو چکا تھا۔

صلح پیسرووچھ (Passarowitch) جو جولائی ۱۷۱۸ء میں ترکوں اور آسٹریا کے درمیان ہوئی تھی اس سے ترکوں نے اپنے مغربی حصص ملک آسٹریا کو دیدئے تھے اور تو چوالی لوئی پندرہ شاہ فرانس کے حق میں بھی بذریعہ ایک شاہی فرمان کے مزار مقدس (Holy Sepulchre) پر قبضہ کر لینے کی اجازت دیدی تھی جس سے کہ در اصل کیتھالک عیسائی فرقہ کو مزار کا باقاعدہ مالک بنا دیا گیا تھا۔ یہیں انھیں تمام رعایات وعنایات کی بنا پر عیسائی مغربی دنیا فلسطین کی طرف سے گونہ مطمئن یا غافل ہو رہی تھی۔ مگر ان تمام رعایات کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ شاہان وامرائے یورپ کے بہاں بیش بہا جواہر اور بکثرت نقد واجناس نذرات کے طور پر بیت المقدس میں آنے لگے۔ اور گو یا سلاطین ترکی ہی بطور متولی کے اونکے مالک ہوتے تھے۔ کہا تو جاتا ہے کہ عیسائی راہبین و پادری وغیرہ ایک طور پر سلاطین کے واسطے سونے کی چڑیا سمجھے جانے لگے تھے۔ تاہم یہ ضرور ہوا کہ سلاطین کی طرف سے اونکے اعمالوں کو بیت المقدس میں رشوتوں اور جبر وتشدد وغیرہ کی بھی سخت ممانعت تھی۔[1]

---

[1] دیکھو صفحات ۲۱۳ و ۲۱۴، کتاب سر رابرٹ وٹام مذکور

یکم جولائی ۱۷۹۸ء کو جب نپولین بونا پارٹی شاہ فرانس اسکندریا میں داخل ہوا تھا اور ابراہیم پاشا گورنر مصر اکی کمان میں مملوکان مصر کو شکست دی تھی تو مسلمانوں کو اپنا بنانے کے لئے نیپولین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اوسنے اپنے کو مسلمان ہونا ظاہر کیا تھا بلکہ اپنے فرامین شاہی و اعلانات میں اسلامی تاریخ و سنہ تک لکھوانا شروع کردیا تھا۔ دراصل تو اسوقت ترکوں اور مختلف دول یورپ سے جنگ ہو رہی تھی۔ مگر برطانیہ و روس سے ایک طرح پر صلح ہو چکی تھی جس سے صرف فرانس نے فلسطین کی طرف رخ کیا اور دسمبر ۱۷۹۸ء میں شہر سویز پر قبضہ کرتے حملہ کا ارادہ بھی کرلیا اور علاوہ مصر کے ڈروزیوں کے امیر بشیر پر بھی نیپولین نے اپنی اسلام کی طرف رغبت کا اظہار کیا۔ حالانکہ اسی جافہ میں فرانس نے خاصا کشت و خون بھی کر ڈالا تھا۔ جب ایکری (عکہ) کی فتح کی باری آئی اور نیپولین کو ناکامی ہوئی اور جسکے بابت اوس کا یہ خیال تھا کہ ایکری ہی کی جنگ پر مشرق کی قسمت کا دارومدار تھا تو وہ لڑتے لڑتے تباہ و برباد کرتا ہوا غازہ سے ہوتا ہوا ۲۳ اگست ۱۷۹۹ء کو جہاز پر سوار ہوکر فرانس کو یہ کہتا ہوا واپس ہوگیا۔ (شعر)

یوں نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے ۔۔۔ میں اگر پھول اٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

مصر بھی ترکی سلطنت کا ابھی تک جز تھا اور یہاں کے تمام ترکی پاشاؤں میں خود ہی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اسوقت تو دراصل ترکی سلطنت بہر طور سے کمزور ہو رہی تھی۔ شام، عراق، طرابلس میں خاصی خونریزی کا دور تھا۔ اور کوئی انتظام بن نہ پڑتا تھا۔ جس سے دوسروں کی ہمت ہر طرف بڑھی ہوئی تھی۔ غرضکہ ابتدائے انیسویں صدی سے ترکی حکومت بیحد کمزور مان لی گئی تھی جس سے بیت المقدس کے لئے بھی سب کی نیت میں فساد آچلا تھا۔

بیت المقدس کے سب سے بڑے گرجے میں ۱۸۰۸ء میں کسی نے آگ لگادی اور اوسکا بھی بڑا چرچہ یورپ میں ہوگیا۔ ۱۸۲۲ء میں تو شام میں بھی سخت زلزلہ آیا اور ۱۸۳۱ء میں مسٹر ڈزرئیلی (Disraelies) وزیر برطانیہ نے فلسطین کی سیاحت کی اور مشرق قریب کے حالات سے بیحد متاثر ہوئے اور جس کا اثر بعد میں خوب ہی نمایاں ہوکر رہا۔ اب ترکی میں یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان سلیم کو تخت سے معزول کرکے محمود ثانی کو جو نیپولین کی معشوقہ بیوی جوزفائن کی چچیری بہن کا لڑکا تھا اوس کو بادشاہ بنا لیا گیا تھا۔ اور مصر میں تو ۱۸۰۵ء سے محمد علی گورنری پر تھا۔

محمد علی نے ۱۸۰۷ء میں برطانیہ تک کو شکست دیکر آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ بلکہ ۱۸۱۱ء میں تو اس نے مصر سے وہابیوں کا کامل طور پر استیصال کر کے تمام ملوکی شاہی خاندان کو دعوت دیکر قتل تک کرا دیا تھا۔ اور خود مصر میں تجارت صنعت و حرفت کی خوب ترقی ہو گئی تھی۔ جس سے کہ اوس نے عمارات اور بندرگاہوں کی خاصی تعمیر بھی کرا دی تھی۔ ایک بیڑہ جہازات بھی بنوا لیا تھا۔ قومی اصولوں کے مطابق تعلیم کی بھی بنیاد ڈالدی گئی تھی اور اسیوقت اسکندریہ اور قاہرہ کو از سر نو تعمیر کرا دیا تھا۔ سوئیس کے زور کی قدر کر کے اوس کا تجربہ بھی کرایا۔ روئی۔ نیل ریشم۔ کافی اور قہوہ وغیرہ کی تجارت کو بھی دنیا کی بازاروں میں خوب فروغ دیا۔

امریکہ و مینچسٹر تک میں روئی کے کاروبار کا مقابلہ دوسروں سے کیا اور دراصل اُس وقت کے دیگر ہمعصر بڑے لوگوں میں محمد علی کا بھی شمار تاریخوں میں کیا گیا ہے سلطان ٹرکی تو اُس سے خائف تھے ہی بلکہ ۱۸۲۲ء میں جب سلطان ٹرکی نے یونان کے مقابلے میں اُس سے امداد کی خواہش کی تو شام و فلسطین کی گورنری اُس کو دیدینے کا معاہدہ بھی کر لیا تھا اُسکا لڑکا ابراہیم بھی اُس وقت ایک مشہور جنرل فوج سمجھا جانے لگا تھا۔ جب سلطان نے وعدہ خلافی کی تو ابراہیم نے فلسطین دمشق اور الیپو کو فتح کر لیا اور کہا جانے لگا کہ محمد علی شیر مصر کے لڑکے نے تو اوسوقت ترکی حکومت کا گویا خاتمہ ہی کر دیا تھا جب کہ بمقام قونیہ ۲۰ دسمبر ۱۸۳۲ء کو ابراہیم نے ترکوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کی تھی۔ اگر یوروپین سلاطین کی مداخلت سے ۴ مئی ۱۸۳۳ء کو صلح نہ ہو گئی ہوتی تو ترکی سلطنت ختم ہی ہو چکی ہوتی۔ اس صلح سے شام۔ فلسطین اور مصر کی پھر گورنری بلکہ ایک طرح پر بادشاہت محمد علی کو دلوا ہی دی گئی۔ بس صرف یہ ہوا کہ سلطان ٹرکی کی شہنشاہیت اور اُن کو خراج دینا محمد علی نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد محمد علی نے شام میں بھی روئی۔ تیل اور شکر کی کاشت کو خوب ترقی دلوا دی

یوروپین اقوام کو پھر بیت المقدس کے معاملات میں خاصی مداخلت کا حق پیدا ہو چلا اور پہلا برطانوی کانسل بھی ۱۸۳۹ء میں وہاں مقرر ہو گیا۔ عیسائی اور مسلم رعایا میں مساوات تک کھل بن کھلائی پڑنے لگی بلکہ جس مسلم خاندان نے ذرا بھی مخالفت کی اوسکا خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ ۱۸۳۷ء میں سخت زلزلوں اور ۱۸۳۸ء کی وبائی بیماریوں نے بیشک فلسطین کو بالکل ہی تباہ بھی کر دیا۔ جبریہ فوجی بھرتی نے ملک میں ناراضگی بھی زیادہ پیدا کر دی۔۔ اوس وقت ٹرکی کی تقسیم کا مسئلہ یورپ کی سلطنتوں

میں پھر چھیڑ دیا گیا تھا جس سے برطانیہ کے وزیر پامرسٹن اور اُن کی تمنا کے بر آنے کے سامان پیدا ہونے لگے اور مشرقِ قریب پر برطانیہ کا دانت اب پورے طور پر محسوس ہو رہا تھا مگر یورپ کے آپس کے حسد کے باعث کچھ بن نہ پڑتی تھی۔

جرمنوں نے ترکوں سے میل بڑھا کر فنِ سپہ گری کے جدید اصولوں پر انہیں تعلیم دینا شروع کر دیا تھی اور فرانس نے مصر و شام کو شاگرد بنا لیا تھا اور تجارتی رشک کے سبب محمد علی کی تخریب پر بھی یورپین اقوام تیار ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء میں محمد علی سے اور سب سے جنگ ہو گئی تھی جس سے تمام فلسطین سے اس کا مکمل اخراج کر دیا گیا تھا۔

بیت المقدس میں اب عیسائیوں میں آپس میں جنگ جاری ہو گئی تھی۔ یونانی عیسائیوں کی امداد روس کرتا تھا۔ اور ارمنی و لاطینی عیسائی بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک فرقہ کلیسا پیر پری اور معابد کی حفاظت کے حق کا دعویدار بنا ہوا تھا۔ ۱۷۴۰ء میں تو سلطان کی طرف سے فرانس کو عیسائیوں کے آپس کے معاملات کے طے کرنے نیز اُن کی حفاظت کا حق حاصل ہو چکا تھا مگر جب ۱۸۵۱ء میں فرانس نے ترکی کو یہ نوٹس دیا کہ بغیر اس کی منظوری کے ایک پتھر بھی سب سے بڑے اور مقدس گرجے کا نہ ہلایا جائے تب تو ترکوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ روس اور فرانس میں بھی آثارِ قدیمہ مقدسہ کی ولایت کے باعث جھگڑے اب بڑھ رہے تھے کہ ترکوں اور یونان سے جنگ ہو گئی۔ بس اسی وقت تمام عیسائی حکومتیں ایکدل و یکخیال ہو کر یونان کی آزادی کے طالب ہو گئیں۔

نومبر ۱۸۵۳ء میں لاطینی اور یونانی عیسائیوں میں چاندی کے اس ستارے کے غائب ہو جانے پر جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے مقام کو بتلاتا تھا سخت جنگ ہو گئی تھی۔ فرانس تو لاطینیوں کا طرفدار بنگیا تھا اور اس نے قدرتاً یونانی فرقہ کی جانبداری کی تھی اور اسی واقعہ کو بیت المقدس میں جنگ کریمیا کا سبب تک لوگ خیال کرتے تھے کیونکہ ۱۷۷۴ء کے صلح نامہ کو چلیسا ہی کے ذریعہ سے روس کو تمام ترکی عیسائی رعایا کی حفاظت کا حق حاصل ہو چکا تھا اور وہ کسی دوسری سلطنت کی مداخلت کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں واقعات سے بالآخر ۱۸۵۶ء میں سلطان ترکی نے خود اپنے ذمہ تمام اپنی غیر مسلم رعایا کی حفاظت کا بھی مجبوراً اعلان کر دیا اور جب ۳۰ مارچ ۱۸۵۶ء کو کریمیا کی جنگ ختم ہوئی تو سلطان ترکی ہی کے حقوق اُن کی رعایا پر برقرار رکھے گئے۔ اور بجز مسٹر گلیڈاسٹون Gladstone (جو کہ) سے تمام برطانوی وزراء کا

ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند تک نے سلطانی حقوق کے برقرار رکھے جانے کی رائے انگلستان میں ظاہر کر دی [1] اسی کا نتیجہ تھا کہ بیت المقدس میں اپریل ۱۸۵۶ء میں "ہتی ہمایوں" یعنی فرمان شاہی کے ذریعہ تمام مسلم و غیر مسلم رعایا کے حقوق برابر کر دیئے گئے تھے اور آراضیات تک کی خریداری کی اجازت غیر مسلموں کو عطا ہو گئی تھی۔ اس کے بعد لاکھوں یہودی اور نصاری باہر سے زمینوں کی خریداری کے لئے وہاں آکر چمٹ پڑے اور ۱۸۵۵ء میں بکثرت یہودی مشرقی یورپ سے آکر بس گئے۔ ۱۸۵۹ء میں خود سلطان وقت بیت المقدس کی زیارت کے واسطے آئے اور شاہ ایڈورڈ ہفتم آنجہانی بھی ۱۸۶۲ء میں بزمانہ ولیعہدی فلسطین کی سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح ۱۸۹۸ء میں شہنشاہ ولیم ثانی جرمنی بھی زیارت کی غرض سے وہاں گئے۔ ان واقعات کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ ترکوں نے یہودیوں پر ظلم کئے کون صحیح مان سکتا ہے جبکہ کسی کو بھی رومن ویسپیسین (Vespasian) یا ٹائٹس (Titus) کے عہد کے مظالم کے واقعات یا حال کے جرمنی کے ہٹلر یا اسپین کے یہود کے ساتھ برتاؤں کا حال معلوم ہو وہ اس کا انصاف کر سکتا ہے کہ ترکوں نے یہود پر ظلم کیا یا نہیں۔

۱۸۶۰ء میں دروزوں نے بغاوت کر دی تھی تب برطانیہ۔ فرانس۔ آسٹریا۔ پرشیا۔ روس اور ترکی میں معاہدہ لبنان (Lebanon) کے ذریعہ ان کا استیصال طے پایا تھا کیونکہ فرقہ میرونائٹ (Maronite) جو عیسائی تھے اور شام میں آباد تھے ان سے بھی دروزوں سے جنگ تھی اس لئے عیسائی سلطنتیں ترکوں سے متحدہ ہو گئیں۔ فرانس نے فوجی امداد بھی دی۔ نتیجہ میں دروزوں کو منتشر کیا گیا مگر شام کو بھی اب فلسطین سے علاحدہ کرنے ہی پر سب نے زور دیا نیز فرانس نے بیروت میں ایک بندرگاہ تک بنا لیا جس سے کہ شام میں اس کی پوری مداخلت ہو گئی اور چونکہ ۱۸۸۳ء میں فلسطین کے بجائے شام کا دمشق ہی سے الحاق کرا دیا گیا تھا لہذا اب ترکوں نے بھی ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک فلسطین و شام کو آئین جدید دے کر ان کی خود اختیاری حکومت تسلیم کر لی۔

۱۹۱۲ء تک ترکوں اور اٹلی سے جنگ رہی پھر ۱۹۱۳ء تک بلقان میں ترک الجھے رہے۔ تب بھی تو اس درمیان میں فلسطین میں بکثرت یہودی پھر آکر آباد ہو گئے کیونکہ یہود کو ہمیشہ سے فلسطین

---

[1] دیکھو صفحات ۱۴۱ – ۱۴۴ – کتاب [illegible]

ہی کے حاصل کرلینے کی چوٹ رہتی تھی۔ جب ۱۹۱۴ء میں جنگ چھڑ گئی اور باوجودیکہ جرمنوں نے ایشیائی کوچک میں چار ہزار کیلومیٹر تک بغداد ریلوے کے نام سے پٹڑی بچھا رکھی تھی۔ نیز فرانس نے یافا (Ra-yah) سے بیت المقدس تک ریل کے جاری کرنے کا پروانہ قبل جنگ سلطان سے حاصل کر لیا تھا۔ اور میرونائٹ عیسائیاں لبنان بالکل ہی فرانس کے ہاتھ میں تھے اور فلسطین کو بھی اب شام ہی کا ایک جزو سمجھنے لگے تھے مگر قسمت کا پانسہ فرانس کے موافق نہ تھا۔ فلسطین کے قبضے کی دولت تو برطانیہ کے لئے ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے سب ہی منہ دیکھتے رہ گئے۔ اور یہودیوں کی قسمت بھی برطانیہ کے ہاتھوں جاگ گئی۔ علاوہ اس کے جو قدرتی اور انتظامی ذرائع برطانیہ کو اس وقت حاصل تھے کسی کو بھی نہ تھے۔ اور ۱۴ر جولائی ۱۹۱۵ء کے ارل گرے (Earl Grey) کے اس قول کی کہ ترکی حکومت میں اندرونی پیچیدگیاں ہی پیدا کر کے فلسطین کو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اور دراصل عرب ہی کے ذریعہ سے سیدھا راستہ فلسطین کے لینے کا تھا جو برطانیہ نے حاصل ہی کر لیا تھا فلسطین کی بن بھی تو ہر حکایت خیر مانی ہوئی ہے۔ صرف آبادی کر کے بھی حاصل کر لینا ہے اور وہ دولتمند یہود سے بہتر کوئی بھی دوسری قوم نہیں کر سکتی تھی۔ لہ

سائکس پیکوٹ معاہدہ (Sykes Picot Pact) کے ذریعہ سے جو مارچ ۱۹۱۶ء کی پیرس کانفرنس میں طے ہوا تھا فلسطین کو بین الاقوامی اقتدار بہ ظاہر دیگر یہود کی نوآبادی وہاں تسلیم کر لی گئی تھی اور برطانیہ کا انتداب بھی منظور ہو گیا تھا تب ۹ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس کے گورنر نے ترکوں کی ہار کا خط برائے کو لکھ دیا جس سے ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو جنرل ایلن بی (Gen. Allenton Bi) بحیثیت ایک فاتح کے پیادہ بیت المقدس میں داخل ہو گئے اور یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو برطانیہ کا پھریرا استقلالاً بیت المقدس پہ لہرانے کے واسطے چڑھا دیا گیا اور ۷ر جولائی ۱۹۲۰ء کو شاہ انگلستان کا وہ فرمان شاہی ایک دربار میں پڑھا گیا جس میں کہ بیت المقدس۔ حائفہ۔ ہبران۔ غازہ اور بیرشیبا کے نمایندے بھی بڑے تزک و احتشام اور شان و شوکت کے ساتھ شریک کئے گئے تھے۔ اس اعلان کو ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیموئل نے پڑھ کر سنایا تھا۔ (یعنی فلسطین کو یہودیوں کے قومی وطن قرار دئے جانے اور انتداب کے ساتھ

نمبر۱ دیکھو صفحہ ۱۴۴-۱۴۵ کتاب سہ دلیم و ناظم مذکور

حکومت کرنے کا ذکر کیا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۲۲ء میں بیت المقدس میں برطانیہ نے ایک مجلس شورہ بنانے کا ارادہ کیا جس میں یہود بھی شریک کئے جانے مگر عربوں نے اوسکی مخالفت شروع کر دی۔ انہی مسائل سے عربوں نے تین اجلاس عرب کانگریس کے منعقد کئے نیز تمام حافہ عربوں اور یہودیوں میں کشت وخون بھی ہو گیا۔ اتمام مسلم دانشوران کا ایک اتحاد قائم ہوا اور اُن کا متفقہ وفد ۱۹۲۲ء میں لندن بھیجا گیا۔ ؎

سچ تو یہ ہے کہ برطانیہ کی خوش قسمتی سے حافہ ہندوستان تک ریل کا سلسلہ ملا دینا اب اوس کے امکان کی بات ہو گئی ہے ۔ یوں تو سب ہی کو فلسطین پر قبضہ کرنے کی فکر تھی۔ فرانس نے بھی صلح کی کانفرنس تک اوسی کی فکر کی شریف حسین تھی شام وفلسطین کی امارت کے لئے جان دئے ہوئے تھے۔ اٹلی کو بھی بندرگاہ بندر فلسطین کے حاصل کرنے کی جوٹ تھی۔ امریکہ کے مشنری اصحاب نے تو چالیس ملین پونڈ کی دولت تعلیمی و مذہبی وخیر وخیرات کے اداروں میں مشرق قریب وغیرہ میں اسی دن کے واسطے لگا رکھی تھی۔ یہود بھی ۱۸۳۵ء سے اُسکے حاصل کرنیکی ہر طرح کی کوشش میں تھے۔ جرمنوں نے گرجے اور خانقاہیں بنا رکھی تھیں۔ وٹمپلارس (Templars) یعنی ازمنہ متوسط کے مذہبی فوجی سندروں کے ممبر لوگ سازشیں بھی پھیلا رکھی تھیں روس کے ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے بیشک اُس کو کٹے کنکوے کی طرح عرصہ سے ادنٰی ادھر پھینک دیا تھا۔ مگر برطانیہ کی حکمت عملیوں نے بالآخر یہود کو کامیاب ہی کر دیا۔ اور در اصل تو عرب کی غداریوں نے بلکہ مکہ و بغداد کو ترکوں کے ہاتھ سے نکلوا دینے نے سب ہی کے خوابوں کو پریشان کر دیا۔

جنیوا کے دستور میں جسکے مطابق فلسطین کا انتداب (Mandate) عمل میں آیا تھا یہ تحریر تھی کہ ابتدائی حکومت کا انتخاب کرنے میں اُن قوموں کی جن کے زیر انتداب ہونے کا سوال ہو اخواہشات کی پابندی لازمی ہو گی۔ دیکھو آرٹیکل نمبر ۲۲ دستور جینوا لیکن فلسطین کے باشندوں کی مرضی کے خلاف یہ انتداب برطانیہ عظمیٰ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اور فوجی طاقت سے عربوں اور عیسائیان فلسطین کو مرعوب کیا گیا تھا اور نہ جینوا کے دستور کی پابندی کی گئی نہ کسی کی کچھ چلی حالانکہ کارڈینل گاسری پاپائی مذہبی سکریٹری آف اسٹیٹ نے اپنے بیان مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۲۲ء میں فلسطینی انتداب کے خلاف

؎ و کیو نقیبات ص ۴۸ - ۴۹ کتاب مذکور

صدائے احتجاج بھی بلند بھی کی تھی تب تو برطانیہ کی مضرت رساں پالیسی نے عربوں اور نصاریٰ کو بغاوت
پر آمادہ کر ہی دیا۔ مسلمانان عالم کو برطانیہ نے تو یہ یقین دلایا تھا کہ اُن کے مقامات مقدسہ کی حرمت
برقرار رہے گی نیز خلیفۃ المسلمین کی سرزمین پاک کے باشندوں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے گی
اور بیان بھی تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ہم یا ہمارے اتحادی اس جنگ
میں کوئی ایسی بات نہ کرینگے جس سے اُن کے مذہبی احساسات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہو۔ مقامات مقدسہ
اسلامیہ کو ہرگز کوئی صدمہ نہیں پہونچایا جائیگا۔ بلکہ اُن کی حرمت کا پورا پورا خیال رکھا جائیگا۔ مقام
خلافت کی مقدس سرزمین پر کوئی جنگ نہ ہوگی۔ حکومت برطانیہ نے نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ
اپنے اتحادیوں کی طرف سے بھی ان تمام باتوں کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ لیکن افسوس کہ جنگ
کے بعد مقام خلافت پر قبضہ کیا گیا اور جزیرۃ العرب میں برطانوی اور فرانسیسی انتداب ہی صرف نہیں
قائم کرایا گیا بلکہ غیر ملکی یہودیوں کو ہر طرح فلسطین پر قابض ہو جانے دیا۔ اور وہ مسجد اقصیٰ کی حرمت
صرف خانہ کعبہ ہی سے کم ہے۔ اور عرصہ تک مسلمان اسی مسجد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے
تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرانے کا حکم دیا۔ اور دراصل
تو مسلمانوں پر اُن مقامات کی نگرانی اور قبضہ از روئے مذہب اسلام لازم ہے۔ لہٰذا اُن کے خیال
میں کسی طریقے پر بھی یہودیوں کو فلسطین میں داخلے اور قبضے کا حق کسی انصاف پسند کی نگاہ میں نظر
نہیں آ سکتا۔ اعلان بالفور اور یہودیوں کی وطنیت کی تحریک ہر طرح جبر و تشدد اور زیادتی کے کچھ
نہیں کہی جا سکتی ہے۔ جیسے کہ اعلان بالفور ہوا ہے۔ یہودی قدیم اکثر مقامات مثلاً جرمنی و اسپین وغیرہ سے
نکالے جا رہے ہیں یا خود ہی دوسرے مقامات سے آکر فلسطین میں بس رہے ہیں۔ بلکہ اسقدر تیزی سے
وہاں آکر بس رہے ہیں اور آراضیات کی خرید وغیرہ شروع کر دی ہے کہ جس کی حد ہی نہیں۔ عرب اور نصاریٰ
جو وہاں کے باشندے تھے وہ ہر قسم کا احتجاج وقتاً فوقتاً کر رہے تھے مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی تھی اسوقت
سے برابر عربی اور عیسائی اداروں سے جلسے ہو ہو کر تنسیخ انتداب و یہودیوں کی آمد کی بندش کے
مطالبات برابر کیے جا رہے تھے اور ہائی کمشنر کے وفود جاتے رہے۔ مارچ ۱۹۲۱ء میں قاہرہ کانفرنس

لہ دیکھو نومبر ۱۹۱۴ء کا برطانیہ کا اعلان ترکی کے خلاف آغاز جنگ عظیم یورپ کے وقت۔

منعقدہ دمشق نے شام اور فلسطین کی آزادی کا اعلان بھی کر دیا۔ پھر تیسری عربی فلسطینی کانفرنس منعقدہ حیفہ میں فلسطین کے لئے ایک قومی ذمہ دارانہ حکومت کے قیام اور وطنیت یہود کی تنسیخ نیز یہودیوں کی آمد کی بندش پر تجاویز بھی منظور کی گئیں۔ دسمبر ۱۹۲۳ء کی فلسطینی عربی کانگریس کی مجلس منتظمہ نے یہ اعلان کیا کہ اُس کا اصلی مقصد جسے کسی طرح پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا آزادی حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح ۱۹۲۳ء میں ایک عربی وفد انگلستان گیا اور اپنے مطالبات مذکورہ پیش کئے اور دستوری حکومت کے قیام کی تجویز بھی پیش کی۔ جو عرضداشت بھی ۱۹۲۱ء میں انتدابی کمیشن کے سامنے پیش ہوئی اور ایک عربی وفد بھی اسی وقت گیا تھا۔ انتداب کے آرٹیکل نمبر ۲ کے مطابق حکومت کا یہ بھی فرض تھا کہ ملک میں خود مختار اداروں کو ترقی دی جائے۔ اور ہائی کمشنر نے ذمہ دار حکومت کے قیام کی سفارش بھی کی مگر برطانیہ نے کچھ منظور نہیں کیا۔ چنانچہ اوسپر ہائی کمشنر اور دوسرے انگریز افسروں نے استعفے بھی دیدئے۔ دراصل تو اعلان بالفور ایک جنگی اقدام تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے یہودیوں کو بحیثیت مجموعی اتحادیوں کا طرفدار بنا لیا جاوے۔ تعجب تو یہ ہے کہ عراق کا برطانوی انتداب عرصہ ہوا ختم ہو چکا نیز شام میں بھی فرانسیسی انتداب کے بجائے وہاں ایک ذمہ دار مقامی حکومت قائم کر دی گئی۔ مگر افسوس کہ فلسطینی انتداب کو تقویت ہی دی جا رہی ہے اور وہ بہ جبر قائم ہے۔ اعلان بالفور کا تو یہ مقصد تھا کہ صرف اُن یہودیوں کو فلسطین میں آنے اور آباد ہونے دیا جائے گا جن پر جنگ عظیم کا اثر پڑا تھا مگر موجودہ طرز عمل تو بالکل ہی اوس کے خلاف ہے۔ سرمایہ دار اور مزدوری پیشہ یہودی ہر چہار طرفوں سے آرہے ہیں، اور اقتصادی و صنعتی کاروبار میں سے زوروں میں عربوں وغیرہ کو نکال کر داخل ہو رہے ہیں۔ بلکہ ان کی نوآبادیوں میں عرب مزدور گھسنے تک نہیں پاتے۔ زمینوں کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور اعراب تو اپنی آراضیات تک کو قیمتوں کے بڑھ جانے اور ٹیکسوں کی [illegible] لگے ہیں۔ یہودی بھی آراضیات کی فروخت کے بغیر روپیہ نہیں دیتے تب کی حیلہ حوالے سے [illegible] ہی تو عرب لوگ آراضیات کی فروخت پر مجبور ہوتے ہیں۔ بلکہ محصلین ٹیکس عربوں کو اوس وقت تک چھوڑتے نہیں جبتک کہ وہ یہودیوں کے ہاتھ زمین نہ فروخت کر دیں۔ اس طرح گویا فلسطین کے اصلی

دیکھو اخبارات لندن اگست ۱۹۲۱ء اور صلح کانفرنس پیرس کی تاریخ۔

باشندے جبراً اپنی ملکیت سے محروم و بیدخل کئے جا رہے ہیں۔ ؎۱

اعلان بالفور جنگ عظیم یورپ کے زمانہ میں کیا گیا تھا۔ اور ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو بذریعہ ایک خط کے رائٹ آنریبل اے۔ جے۔ بالفور (Rt Hon'ble A.J. Balfour) کی طرف سے جو اس وقت کے شعبہ خارجہ حکومت انگلستان کے سکریٹری آف اسٹیٹ (Secretary of State) تھے بنام بیرن راتھس چائلڈ (Rothschild) شائع کیا گیا تھا اور گو برطانیہ کے دارالعوام نے بعد میں اُسے منظور نہیں کیا تاہم اُس کی اشاعت حکومت برطانیہ نے منظور ضرور کر لی تھی اور وہ اعلان حسب ذیل تھا۔

"ہز مجسٹی کی حکومت یہودیوں کے لئے فلسطین میں ان کا قومی گھر بنوا دینے کو نظر تحسین دیکھتی ہے اور اپنی پوری کوشش اس کی تکمیل کے واسطے استعمال کرے گی۔ یہ بھی صاف طور پر سمجھا گیا ہے کہ کوئی ایسی بات جو نہ کی جائے گی کہ جس سے فلسطین کی موجودہ غیر یہودی جماعتوں کے مولی یا مذہبی حقوق کو نقصان پہنچے۔ یا یہودیوں ہی کے حقوق اور سیاسی مرتبہ کو جو انہیں دوسرے ممالک میں حاصل ہوں کوئی نقصان ہو"

بس اسی اعلان سے یہودیوں نے فلسطین میں اپنی جدید نو آبادی کے لئے اپنا حق سمجھ لیا۔ اور عربوں و عیسائیوں نے بھی اسی وقت سے احتجاج شروع کر دیا۔ اس وقت مسلم آبادی چھ لاکھ تھی۔ نصاریٰ بیاسی ہزار تھے اور یہودی اسی ہزار۔ اور فلسطین کا رقبہ بھی نو ہزار مربع میل تھا۔ ۱۹۳۱ء میں آبادی دس لاکھ پینتیس ہزار ہو گئی اور ۱۹۳۵ء میں گیارہ لاکھ اکہتر ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

وائسرائے ہند نے اپنے اس جواب میں جو کہ مسلمانوں نے وفد کو بمقام شملہ ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء دیا تھا فرمایا تھا کہ برطانیہ کے انتداب فلسطین کے شرائط خود اس بات کی ضمانت ہیں کہ فلسطین میں مقامات مقدسہ کی حرمت برقرار رہے گی اور ہر قوم کو اپنے مدرسے جاری کرنے کی پوری آزادی ہوگی اور مذہبی اور خیراتی اداروں میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائیگی ۔۔۔ اور اعلان بالفور جنگ عظیم کے خاص حالات کے ماتحت کیا گیا تھا لیکن آپ مجھ سے اتفاق کریںگے کہ اس اعلان کا عمل درآمد، وسعت اور قیام کا لحاظ کرتے ہوئے کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صرف زمانہ جنگ تک کے لئے محدود تھا اور نہ یہ واقعہ ہے کہ اُس وقت اعلان بالفور کے سلسلہ میں جو شرائط ہوئے تھے اُن کی رو سے یہودیوں کی نوعیت یا نسل پر کوئی پابندی

؎۱ دیکھو وہ میموریل جو مسلمانوں کے وفد نے وائسرائے ہند کو ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کو دیا تھا جس کا اقتباس الحرمت [illegible] چھپا

عائد ہوتی ہے۔ نیز یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی تھی" اور پھر یہ فرمایا کہ "عربوں کی آبادی میں ۱۹۲۲ء سے اب تک تقریباً پچاس فیصدی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ عربوں کی نارنگیوں کی کاشت ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک (۵۹۰۰) ڈیونم سے (۱۳۵۰۰) ڈیونم ہو گئی ہے اور اسی عرصہ میں یہودیوں کی تعداد (۶۶۰۰۰) سے (۱۶۰۰۰۰) ہو گئی ہے" گورنمنٹ برطانیہ کا یہ خیال ہے کہ یہودیوں کے فلسطین میں آنے سے ملک کی عام اقتصادی حالت پر بہت اچھا اثر ہوگا۔ اور معزز دل نیز ہز مجسٹی ملک معظم ایڈورڈ ہشتم کی ۱۹۳۶ء کی ترکی کی سیر نیز مصر کی آزادی وغیرہ سے بھی اس کا پتہ دیا گیا تھا۔ کہ برطانیہ کو عام طور پر عربوں سے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لئے ان کے مذہبی جذبات کا بھی پورا خیال تھا اور اسی بنا پر عرب بادشاہوں اور رئیسوں کی اس دوستانہ آمادگی کو جس سے کہ وہ اپنے اثر سے کام لے کر عرب اور یہود کا باہمی مصالحت کی کوشش کریں گے اچھی نظر سے دیکھا تھا اور عربوں کی جائز شکایت کو رفع کرنے کے لئے ایک شاہی کمیشن کے تقرر کا اعلان بھی کیا تھا۔ اور انتداب کے شرائط کے ماتحت تو برطانیہ کی حکومت اگر ایک طرف وطن یہود قائم کرنے میں آسانی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے تو دوسری طرف غیر یہودی آبادی کے شہری اور مذہبی حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ اور الفاظ "وطن یہود" کے معنے برطانیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ "یہودیوں کے لئے ایک ایسا مرکز مہیا کیا جائے جس پر یہودی بحیثیت مجموعی اپنے مذہب اور قومیت کی بنا پر فخر کر سکیں" اور وہ وطن فلسطین ہی میں ان کے واسطے قائم کرانے کے لئے حکومت برطانیہ نے طے کر لیا ہے اور کیوں نہ کرتی۔ عرب سی کمزور اور روپیہ کی خواہش مند اور کون قوم دنیا میں برطانیہ کو مل سکتی تھی۔ نیز یہود سے زیادہ کون دولتمند قوم برطانیہ کو خدمت گزاری کے واسطے نصیب ہو سکتی تھی۔ بس ہر طرف سے اس کے لئے دونوں بیٹھے ہی بیٹھے ہیں۔ اب دیکھئے یہ عرب قوم نرم چارہ معلوم ہوا!

ڈاکٹر میکنزی (Dr. Mackenzie) نے بمقام گلاسگو اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ "فلسطین کے چھوٹے سے حصہ ملک میں تین لاکھ پچاس ہزار کی آبادی ہے مگر خیال ہے کہ دس سال کے اندر اندر تیرہ لاکھ تک آبادی بڑھ جائے گی۔ اور تعجب کا تو مقام یہ تھا کہ یہ یہود افزائشی صنعتوں ہی میں سیدھے داخل کئے جا رہے ہیں۔ اور بدقسمتی تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے باپ دادا کے مذہب کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ انجیل کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور فلسطین میں آکر بسنے والے یہودی ایک نئے قسم کے کفر و الحاد کا

کی بنیاد ڈال رہے ہیں اور فلسطین تو یہودیوں کا مسکن ہو جائے گا ۔ ؎۱

افسوس تو اس بات کا ہے عربوں کو ہو گا کہ باوجودیکہ تقریباً تمام دنیا میں یہودیوں سے نفرت بڑھ رہی تھی اور جرمنی و اسپین وغیرہ سے تو وہ نکالے ہی جا رہے تھے مگر برطانیہ عظمیٰ کو ان کی محبت زوروں میں بھی پڑ رہی ہے اور اپنی دس کروڑ مسلم رعایا کی دل شکنی کا مطلق خیال نہیں رہا ہے ۔ بیشک عربوں وعیسائیوں کی اشک شوئی کے لئے ایک شاہی کمیشن بصدارت آس کونٹ پیل (Viscount Peel) مقرر ہوا ہے اور جس کے ممبر ریجینالڈ کوپلینڈ (Reginald Coupland) سر ولیم برڈ ووڈ (Sir William Birdwood) اور سر ہارس رم بولڈ (Sir Horace Rumbold) کیے گئے ہیں ۔ اس کمیشن کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کی بدامنی کے بابت تحقیقات کر کے رپورٹ کرے ۔ مگر عام طور پر دنیا کا خیال یہ ہے کہ چونکہ فلسطین ہی کو انگلستان نے ہندوستان پہونچنے کا اپنے ہوائی پرواز کا راستہ مقرر کیا ہے اور جب کہ اٹلی و جرمنی سے بحیرہ میڈیٹرینین میں پوری مداخلت کا اندیشہ ہے تو فلسطین کے قبضے سے شرقی حصہ بحیرہ اور نہر سوئز پر پورا قابو حاصل رہے گا ۔ نیز بندرگاہ حیفہ کے درمیان ریل جاری کر لینے سے ہندوستان تک بڑی فوج بھی آ جا سکے گی اس لئے فلسطین پر برطانیہ کا پورا اقتدار قائم رہنا ضروری ہے اور ان تمام خواہشات و ارادوں کی تکمیل اوسی وقت ممکن ہے جب کہ یہودی مالدار قوم وہاں آباد ہو جاوے ۔

مگر عربوں کی ہائی کمیٹی نے فلسطین کے واسطے کامل آزادی طلب کر کے برطانوی انتداب کی منسوخی پر برابر زور دینا شروع ہی سے طے کر دیا تھا ۔ اور اس لئے در اصل تو عربوں اور یہودیوں میں جنگ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اگر دارالعوام انگلستان میں کمانڈر لیمپسن (Commander Lampson) کے بیان کو صحیح سمجھا جاوے تو عربوں اور یہودیوں میں لڑائی واقعی نہیں جائے گی ۔ بلکہ برطانوی شہنشاہیت کی حکمت عملی سے کل مشرقی ممالک میں جس طرح کی ہلچل مچی ہوئی ہے اوسی طرح فلسطینی عرب بھی اگر متاثر ہو رہے ہیں تو کیا بعید بات ہے ۔ اعراب فلسطین نے تو مختلف قسم کے احتجاج کے بعد سخت سے سخت بلوے بھی کر دئے تھے اور جان دینے اور لینے پر تیار ہو گئے تھے برطانوی طیاروں اور فوجوں

؎۱ دیکھو صفحہ ۱۳ اخبار ہندوستان ٹائمس مورخہ ۳ مئی ۱۹۳۶ء ۔

وہ مقابلہ کر رہے تھے چنانچہ ۷ر اگست ۱۹۳۶ء تک لارڈ پیل کے کمیشن نے فلسطین میں کوئی کام شروع نہیں کیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ جب تک وہاں امن نہ ہو جائے گا کام شروع نہ ہوگا نیز اسکا بھی اندیشہ تھا کہ امن کے بعد بھی غالباً اعراب عام طور پر شرکت عمل نہ کرینگے۔ کیونکہ جو وفد عربوں نے بہ سرگردگی جمال حسینی لندن بھیجا تھا اور جس نے وہاں کے پریس یا اخباری دنیا کو کچھ ہموار کیا تھا اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا تھا کہ علاوہ اعلان بالفور سے اختلاف کرنے کے عربوں کو یہ بھی دعویٰ تھا کہ ۱۹۱۵ء ہی کے دوران جنگ کے زمانہ میں سر ہنری میکموہن (Sir Henry Mucho ham) برطانوی ہائی کمشنر نے شریف مکہ کو تحریراً یہ لکھدیا تھا کہ "برطانیہ عظمیٰ عربی ممالک کی آزادی کو تسلیم کرنے اور انکی امداد کے واسطے تیار ہے" اور اسی بنا پر عربوں نے اسکی امداد کی تھی۔ پھر ۱۹۱۸ء میں فرانس و برطانیہ نے متفقہ طور پر اعلان کرکے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ "وہ لوگ جو اسوقت ترکوں کی رعایا تھے انکو اپنے یا بہ طریقہ حکومت طے کرنے کا خود ہی مکمل اختیار ہوگا۔ اور اس کا آخری فیصلہ بھی خود ہی کر سکینگے"۔ نیز اپنی اپنی قومی حکومتوں کے قیام اور اسکے انتظام کے لئے بھی مقامی آبادیوں کو آزادی سے حق حاصل رہیگا جو کہ وہ نمایندگی کے اصول پر طے کرینگے اور یہی وعدہ آرٹیکل ۲۲ معاہدہ لیگ اقوام میں بعد کو تحریر میں آگیا۔ آگے تھے اب عرب یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ نے تنہا ان تمام وعدوں کو اعلان بالفور کے ذریعہ نہ صرف مسترد کر دیا ہے بلکہ خود اعلان کو اس درجہ پامال کیا ہے کہ ۱۹۲۵ء تک یہود کی تعداد (۱۰۰-۲۳۲) کر دی گئی جب کہ ۱۹۱۴ء میں وہ صرف ۱۴۲۳،۹ تھی اور یہ کثیر آمد و برطانیہ کے ۱۹۲۲ء کے اس صریح و صاف بیان کے بالکل ہی منافی تھی کہ فلسطین کی اقتصادی قابلیت ہی کے اعتبار سے یہود کی آمد کی اجازت وہاں دیجا سکے گی

دوسرا عذر عربوں کا یہ تھا کہ باوجود سب کمیٹیوں اور کمیشنوں کے فیصلوں کے ۱۹۲۵ء کی تعداد آمد یہود ۱۹۱۴ء کے معیار مقررہ سے بہت زاید ہوگئی تھی۔ ۱۹۱۴ء میں ان کی تعداد ۱۰۰،۴۲ تھی اور ۱۹۲۵ء میں ان کی تعداد ۱۰۰،۹۲ تک پہنچا دی گئی اور عرب جو ۱۹۱۴ء میں ۹۳ فیصدی کل آبادی کے تھے وہ ۱۹۳۴ء میں صرف ۷۰ فیصدی رہ گئے [1]

افسوس تو یہ بھی تھا کہ فلسطین میں عربوں کے دو گروہ سمجھے جاتے تھے۔ ایک حسینی اور دوسرا نشاشیبی

---

[1] دیکھو اخبار ہندوستان ٹائمس مورخہ ۷ر اگست ۱۹۳۶ء۔

مگر جسوقت سے کہ حسینیوں کا نمائندہ مفتی اعظم مقرر ہو گیا تھا اُسوقت سے حسینیوں کا سیاسی اثر ملک میں زائد ہو گیا تھا۔ مگر حکومت برطانیہ نے اُسیوقت سے نشاشبی خاندان کی سرپرستی شروع کر دی تھی۔ راغب بے اُس کے سرگروہ تھے اور وہ مدتوں بیت المقدس کے میئر (mayor) بھی رہ چکے تھے۔ لڑائی بھی دراصل مسلمانوں اور یہودیوں کی نہیں ہے بلکہ عرب اور اُن غیر ازعربوں کے درمیان ہے جو اعلان بالفور کے بعد فلسطین میں آکر آباد ہو رہے ہیں اور جن میں سے ہر ایک کے واسطے یہ شرط ہے کہ ایکہزار پونڈ کا وہ مالک ہو۔ چنانچہ پائیکا کمیٹی یعنی فلسطین کی وہ جماعت جو بیرن راتھس چائلڈ (Baron Rothschild) نے یہودی نوآبادی کے واسطے فلسطین میں قائم کرادی تھی کی قائم کردہ نوآبادی یہودے اور اُن کے ہمسایہ عربوں سے بھی کسی قسم کی جنگ نہیں ہے بلکہ سب مل جلکر رہتے ہیں۔

فلسطین کے نوآباد یہودی یا زیانسٹ (Zionists) تو یہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اُن کی آبادی روز افزوں ترقی کر جاوے۔ تاکہ ۱۹۲۹ء کی طرح کی بغاوت سے جسقدر نقصان انہیں پہونچا تھا وہ آئندہ نہ پہونچ سکے۔ عرب قوم کا یہ خطرہ ہے کہ اس کا تناسب آبادی کم سے کمتر نہ ہو جاوے۔ ۱۹۱۸ء میں تو یہودیوں نے علانیہ یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ بغیر اپنی اکثریت کو بڑھائے ہوئے نہ مانیں گے اور اُسی سے عربوں میں اعلان بالفور کی مخالفت پر زور زیادہ بڑھ گیا تھا کیونکہ اپریل ۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی اعلیٰ کونسل نے بمقام سین ریمو (San Remo) فلسطین کا انتداب مکمل طور پر برطانیہ کو بخش دیا تھا۔ اور پھر اوسکو صلحنامہ سیوارز میں اگست ۱۹۲۰ء میں تحریر کیا گیا اور جولائی ۱۹۲۲ء میں لیگ اقوام نے بھی منظوری دیدی تھی۔ حالانکہ مصطفیٰ کمال نے صلحنامہ سیوارز کو مسترد کرا دیا تھا اور اُس کی جگہ صلحنامہ لازن کو جولائی ۱۹۲۳ء میں طے کرا لیا تھا۔ مگر پھر بھی صلحنامہ سیوارز ہی پر فلسطین کے لئے عمل کیا جا رہا ہے۔

برسٹل (Bristol) کے مقام پر ایک کانفرنس ۲۷ اکتوبر میں منعقد ہوئی تھی اور جو سال بسال ہوتی تھی اور جس میں بذریعہ ایک تجویز کے یہ طے کیا گیا تھا کہ برطانیہ کی فوجوں کو فلسطین سے واپس طلب کر دیا جاوے اور عربوں کے لئے اُن کے واسطے ایک جمہوریت کے اصولوں پر خود انتخاب شدہ حکومت کے بنا لینے کے حق کو بھی تسلیم کیا جاوے" نیز انتداب فلسطین کو محض ایک

بہانا برطانیہ کی شہنشاہی منافعوں کے لئے بناکر اُسپر ناجائز قبضہ کیا جانا بھی بیان کیا گیا تھا۔ اور اسی تجویز میں انتداب کو ختم کر دینے کی طلب کیا گیا تھا اور یہ کل خبر اخبار مانچسٹر گارڈین ویکلی Manchester Guardian Weekly مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۳۲۹ کے کالم (۳) میں شائع ہو گئی تھی۔

اب اس واقعہ کے بیان کرنے کی بھی یہاں ضرورت ہے کہ تاریخ کی ابتدا کے وقت سے عرب قوم فلسطین میں آباد چلی آتی ہے۔ اور ان کی نسلوں نے دنیا میں حکومت بھی کی ہے اور اب بھی گو برائے نام ہی سہی وہ کہیں نہ کہیں حکمران ہیں۔ مگر یہودیوں کو باوجود دنیا میں دولتمندی کے کہیں بھی حکومت یا بادشاہت آجتک نصیب نہ ہوئی ہے قرآن پاک کی پیشین گوئی بحمد اللہ کہ ابھی تک تو اس کے بابت صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ بڑے چڑھے تو بس ایک دولتمند قوم سے زائد اور کچھ نہ ہو سکے۔ بیشک دنیا کی سلطنتیں بیشتر اُن کی مقروض رہا کی ہیں اور اب بھی وہ اپنی دولتمندی سے نہ صرف اُن کو مقروض بناتے ہیں بلکہ دنیا کے بڑے بڑے موجودہ جھگڑوں پر بھی مادی دولت سے بعض میں بہت کچھ خرابا لگا سکتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء کی بیسل (Basle) کی یہود کانفرنس کی اس تجویز کو کہ "فلسطین کو یہود کا دینی اور دنیاوی مرکز بنوا دیا جاوے"، دنیا کی عیسائی حکومتوں سے انھوں نے اپنے مالی اثر سے منوا لیا تھا گر واقعہ یہ ہے کہ عیسائی حکومتوں نے اُن کو ایک ایشیائی قوم ہی بنوا کر چھوڑا۔ اور مسلمانوں سے ہم آغوش ہونے کے لیئے پھر انتظام کرا دیا۔ اور یہودیوں نے یہ نہ سمجھا کہ دوست نا دشمن اور سچے محسنوں میں کیا فرق ہے یہ مسلمان ہی تھے کہ جنھوں نے اُن کو بھائی بنا کر ہر جگہ پہلو بہ پہلو جگہ دی تھی انجیلی متفرقوں کے قبضوں میں تو اُن کی عیسائیوں کے ہاتھوں جو گت بنتی رہی۔ وہ سب کو معلوم ہی ہے گر عیسائی اسپین کے مظالم سے جب یہودی بھاگے ہیں تب مسلمانوں ہی نے اُن کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ یمن۔ شام فلسطین مصر میسوپوٹیمیا اور ٹرکی کی حکومت میں تو ہر جگہ اُن کی کثیر آبادی ترکوں کی بے تعصبی سے ہمیشہ بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہی ہے مگر اب تو خدا سلامت رکھے برطانیہ کی حکومت کی سرپرستی اسی لئے نصیب ہو گئی ہے کہ عربوں سے تا بہ زیست میدانِ پیکار جاری رہے اور مدتوں تک دنیا اُس کا تماشہ دیکھے اور ممکن ہے کہ فلسطین ہی آکر ان کی دلی آرزو یہاں دفن ہونے کی پوری ہو جاوے۔ نیز جس طرح کہ جرمنی وغیرہ سے وہ یہاں آ رہے ہیں ممکن ہے کہ روس اور پولینڈ کی طرف سے بھی وہ نرغہ کر کے فلسطین ہی کو اپنا مرکز

اور وطن بنالیں۔ مگر میری دعا تو یہ ہے کہ جب نصاریٰ و مسلمان اور یہود سب ہی فلسطین کو مقدس جانتے ہیں تو اس تلاطم کی بساط جم کر خدا کرے کہ بین الاقوامی اتحاد کا یہ نمونہ بن کر دنیا کی ہر قوم کی جائے امن فلسطین ہی بنجائے۔

حال کی تحقیقات سے اس کا بھی پتہ چلا ہے کہ تقریباً ۶ ملین یہودی اور ۲۱۰ ملین مسلمان دنیا بھر میں اعداد و شمار سے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جس طرح کہ فرداً فرداً اور مجموعی طور پر یہودی دولتمند تعلیم یافتہ ہیں اوسی طرح مسلمان مفلس اور جاہل ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے پاس سلطنتیں بھی ہیں مگر وہ نہ اپنی اقتصادی حالات ہی کو درست کر سکتے ہیں اور نہ اتحاد سے شیرازہ ملت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔ جس کا سبب خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

اخباروں نے ۲۴ جون ۱۹۳۷ء کو ہندوستان میں یہ خبر پہونچائی تھی کہ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء کو فلسطین کے کمیشن نے اپنی رپورٹ پر دستخط کر دیے تھے اور شہنشاہ جارج ششم کے سامنے وہ پیش ہو کر وزارت کے غور کرنے کے واسطے رکھ دی گئی تھی اُسی کے ساتھ یہ خبر بھی تقریباً دوسرے ہفتہ جون میں اخباروں نے دی تھی کہ ایران افغانستان عراق اور ٹرکی کے درمیان معاہدہ اتحاد عمل وغیرہ مکمل ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ شاید اثر رپورٹ کے نتائج کے غور پر پڑتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا

لکھنؤ کے پانیر اخبار مورخہ یکم و مورخہ ۶ جولائی ۱۹۳۷ء سے یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ شاہی کمیشن برطانیہ نے تین حصوں میں فلسطین کو تقسیم کرنے کی سفارش کی ہے یعنی عرب۱ یہودی۲ ریاستیں اور برطانوی۳ (انتدابی) رقبہ یہودی۱ ریاست میں کل گلیلی کی گھاٹی۔ سمندر کے کنارے کے میدان اور کچھ حصہ جنوبی ضلع کا ہے جافہ سفید۔ ایکری۔ اڈیہیرد کے شہروں کے۔ برطانوی۲ رقبہ میں بیت المقدس بشمول نیز بیت لحم اور کچھ حصہ بیت المقدس اور جافہ کی سڑک کا جس سے کہ عرب قوم جافہ پہونچ سکے۔ باقی ملک عربوں کی ریاست ہوگی۔ مگر مذکورہ تجاویز سے عربوں اور یہودیوں دونوں کو سخت اختلاف ہے اور اسی لیے بحری جنگی جہاز "ریلیس" مالٹا سے جافہ کو برطانیہ کے حکم سے پہونچ گیا تھا عربوں اور بادشاہان حجاز۔ عراق جزیرۃ العرب۔ مصر وغیرہ سب ہی کو تو رپورٹ مذکور سے عربوں کا صریحی نقصان نظر آگیا اور غالباً سب مل کر عراق و فلسطین کا ساتھ اُن کے احتجاج میں دب گئے۔ نیز یہود اور اُن کی صدر جماعت کو بھی رپورٹ پر سخت اعتراض ہوا تھا۔ کیونکہ کروڑوں روپیہ اُن کا اب ملک میں پھیل چکا ہے

اور اُس کے اعتبار سے کافی حصہ ملک اُن کو نہیں ملا ہے۔ چنانچہ برطانیہ کے دار العوام و خواص میں بھی اُس کو نہیں مانا گیا ہے اور جدید تحقیقات پھر ہوگی۔

یکم جولائی ۱۹۳۷ء کو اخباروں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ امریکہ کے یہودیوں کی کمیٹی نے ایک وفد بسرکردگی مسٹر اسٹیفن وائز (Stephen Wise) منتخب کر کے لندن بھیجنا تجویز کیا تھا تاکہ امریکہ کے یہود کی طرف سے یہ تجویز پیش کی جاوے کہ فلسطین کی تقسیم کی کوئی تجویز بھی پسندیدہ نہ ہوگی" ہندوستان میں بھی احتجاجی جلسے کیے گئے اور یقین تو ہے کہ پھر حکومت انگلستان تقسیم فلسطین کے مسئلہ پر مزید غور کرے گی۔ چنانچہ مزید غور ہو رہا ہے۔

۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبارات سے ہندوستان میں یہ اطلاع ملی تھی کہ جدید بادشاہ مصر شاہ فاروق کی تخت نشینی کی تقریب ۲۹ جولائی ۱۹۳۷ء کو بمقام قاہرہ کی گئی اور یہ پہلے خود مختار شاہ مصر فراعنہ کے بعد ہوئے ہیں۔ اس سے بھی امید ہے کہ فلسطین کے معاملات میں شاہ مصر کا بھی کچھ اثر قبول کیا جائے۔

مصطفےٰ کمال پاشا نے بھی ایک تقریر میں جو حال ہی میں بمقام انقرہ کی تھی اُس میں برطانیہ کو اس کے فیصلہ تقسیم فلسطین پر دوبارہ غور کرنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بھی بتلایا تھا کہ ورنہ تمام دنیائے اسلام بھڑک اٹھے گی۔ ۱؎

۵ اگست ۱۹۳۷ء کے اخبار پانیر لکھنؤ کے صفحہ ۸ پر مسٹر آرتھر مور (Arthur Moore) نے فلسطین موجودہ کا حال یوں لکھا ہے:-

"(۱) یہودیوں کی قومیت کی اصلیت کا صاف منظر تو اب ہر جگہ نظر آ رہا ہے۔ (۲) ایک چھوٹے سے حصہ ملک کا قربت سے دولتمندی کی صورت اختیار کر لینا۔ (۳) وہ انگلستانی [illegible] چیز بھی ہے جہاں عربی معدوم نظر آتی ہے اور برطانوی حکمبرداری کے ماتحت ایک کمیشن کی طرح ہر کس و ناکس میں موجود پائی جاتی ہے اور عملی جامہ پہن گئی ہے۔ اور جس کی یہودی قومی سرمایہ سے پوری امداد ہوئی اور اسی کا اثر نتیجہ میں ظاہر ہوا۔

۱؎ دیکھو اخبار بیدار کانپور مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

اون سوسائٹی کی عام معاشرت کی بنیاد نوجوانوں نے ڈالی تھی۔ اور مرد و عورت کی ہر قسم کی برابری اب نظر آتی ہے جو اپنی جسمانی قوتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ دھوپ میں علانیہ غسل کو ترجیح دی جاتی ہے۔ گاؤں اور قصبات تک میں اس کا رواج ہو رہا ہے۔ حیفہ تو ایک طرز کا نرالا مقام ہی دکھلائی دیتا ہے۔ اور جو ملیگیز بیڈر یا کو بھی تھوڑے دنوں میں آت کر دیگا۔ غرضکہ ہر طرح کی زمانۂ حال کی ترقی دکھلائی پڑتی ہے۔ کیا عمارات کیا سڑکیں کیا ہوٹل اور کیا طرز ماند و بود۔ قہوہ خانوں کی مستورات تک مارکس کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں۔ برنارڈ شا اور اس کی کمیونسٹ پارٹی کے تمام خیالات سے سب کے سب متاثر ہو رہے ہیں اور نہ صرف یہودیوں کے فارغ البالی سے بسر کرانے کی طرف یہود قوم کی نظر ہے۔ بلکہ اعراب کی امداد کر کے زرعی ترقی کی پوری کوشش ہو رہی ہے۔ زمانہ حال کے تجربات اور تخم و آلات کشتا و رزی وغیرہ کو بھی رواج دیا جا رہا ہے"۔

اسی طرح بلکہ اسی کے مقابل عونی بے عبد الہادی لیڈر استقلال پارٹی فلسطین کا وہ بیان جو انھوں نے یورپ سے واپسی پر مصر میں دیا تھا اور جو ہندوستان کے اخبارات میں ۱۹۳۸ء میں شائع بھی ہوا ہے قابل غور ہے اور اوس کا خلاصہ یہ ہے کہ "وہ بھی جنیوا کے وفد کے ایک ممبر تھے مگر انگلستان میں اون کے داخلے تک کی ممانعت ہو گئی تھی۔ اب ایسا کیوں ہوا۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتے بجز اس کے برطانوی حکام عربوں کے نقطۂ نظر کو سننا نہیں چاہتے ... اون کو فلسطین میں داخلے کی ممانعت ہے ..... اس غلط پالیسی کی بدولت اب فلسطین میں کوئی بھی ایسا نہ رہیگا جو عربوں کے نقطۂ خیال اور حالات کو آئندہ حکومت کو کچھ بھی بتلا سکے۔ اب پیل کمیشن کی یہ رائے ہے کہ انتداب موجودہ کسی طرح نہیں کافی تھا۔ لہذا تقسیم ضروری ہے۔ مگر جس طرح یہ صحیح ہے کہ برطانیہ نے یہود کے واسطے فلسطین میں قومی گھر بنوا دینے کا وعدہ کر لیا تھا اوسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ انتداب کے شرائط کے بموجب برطانیہ کا یہ بھی فرض ہے کہ فلسطین میں حکومت خود اختیاری قائم کرا دے لیکن اعلان بالفور کی پابندی تو کی گئی مگر کوئی بھی قدم حکومت خود اختیاری کے قیام کے واسطے نہیں اوٹھایا گیا ... نیز رائل کمیشن کی تجویزات تو کسی طرح صحیح نہ تھیں۔ اوس نے تو شیراز اور جزریل کے کل زرخیز میدانوں کو یہود کو بخش دیا ہے اور پہاڑی

چھبیل جنگل کو جو آمدی جاڑون ہے۔ جانب مغرب وہ عربوں کو دیا ہے اس طرح چارلمین ڈیونم جو پچاسی فیصدی عرب کا تقریبًا رقبہ اراضی تھا وہ یہود کو دیا گیا۔ اور اوس کے عیوض یہود قوم کو بیس لاکھ پونڈ اوس پہاڑی جنگل حصہ کی آبادی و درستی کے واسطے دلوایا ہے جو ہر طرح بے حقیقت ہے۔ اور ہر طرح عربوں کی آزادی کے لئے مضرت رساں ہے۔ حالانکہ یہود کو اب بھی یہ شکایت ہے کہ اون کی ریاست اب بھی بہت تھوڑی ہے کاش عربوں کو حکومت خود اختیاری دیدی جاتی اور اوس میں قلیل تعداد یہود کے حقوق کی ہر طرح ضمانت کرالی جاتی جس طرح کہ عراق۔ شام اور مصر میں کیا گیا ہے۔ اور آزادی دیگئی ہے.... دوسرے برطانوی کمیشن نے اگر تقسیم فلسطین کی سفارش نہ کی تو اُمید ہے کہ امن ہو سکے،،۔ لیگ کونسل کا تو تصفیہ اب یہ ہوا ہے کہ فلسطین کا جدید کمیشن کوئی اس چپقلش کا حل نکالے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب فلسطین میں فوجی کارروائیاں ہورہی ہیں۔ ایک معمولی مچھلی والے عرب کو محض اس گناہ پر کہ اوس کے پاس پستول تھا۔ سزائے موت کا حکم دیدیا گیا اور اوس کے آٹھ عزیزوں کو مدت العمر کی قید۔ پولیس اور فوج سے ابتو عربوں کا مقابلہ ہورہا ہے۔ اور ۱۶ دسمبر ۳۷ء کے اخباروں تک سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ٹلکارم کے قریب کی پہاڑیوں میں چار عربوں کو مارڈالا گیا اور بہت سے زخمی ہوئے تھے۔ نیز ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کے اخبار ہندوستان ٹائمس دہلی سے تو یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ شام فلسطین کی کمیٹی کی مجلس عاملہ نے ایک بیان شائع کیا ہے جس میں سخت سے سخت برتاؤ کی برطانیہ عظمیٰ کی طرف سے شکایت ہے کہ " عربوں کو ہر طرح برباد قتل اور جلاوطن کیا جارہا ہے جس سے دراصل عربوں کی زبان بندی ہی مقصود ہے۔ تقریبًا آٹھ سو ایسے عربوں کو جیلخانہ میں بند کردیا گیا ہے جن پر نہ الزام لگایا گیا ہے اور نہ اونکو عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔ اماموں مفتیوں اور مبلغین اسلام وغیرہ کو بھی اسی طرح یا تو مقید کیا گیا ہے یا شہر بدر۔ کل کے کل مواضعات پر معمولی جرمانے عائد کئے گئے ہیں اور وہ پولیس کے ذریعہ وصول کرائے جارہے ہیں،،........ العظمت للہ

چنانچہ عرب اور یہود دونوں لڑ لڑ کر کٹ رہے ہیں۔ اور کسی کو بھی تقسیم فلسطین سے اتفاق نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۶/۱۷ جنوری ۱۹۳۸ء کی لندن و نیویارک کی خبریں جو ہندوستان ٹائمس مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ہیں۔ اون سے پتہ چلتا ہے

کہ امریکہ کی یہودی جماعت کو بھی تقسیم فلسطین پر سخت اعتراض ہے اور ایک ایسی یہودی حکومت جو برطانیہ کے زیر سایہ عاطفت قائم ہو سکے اوس کا وہ خیر مقدم بھی کرتے ہیں۔

اب اگر اس تمام حکایت کے بعد ہم مسٹر لاتھراپ اسٹاڈرڈ کی کتاب (The New World of Islam) دی نیو ورلڈ آف اسلام مطبوعہ ۱۹۲۱ء کے صفحات (۳۸۔ ۶۵) یا اون سے کچھ قبل و بعد کو پڑھیں تو ہم کو صاف نظر آجائے گا کہ عیسائی اقوام دنیا کا اسلام اور اسلامیوں کی جانب کیا خیال ہے۔ اور اوس خیال کو ایک دو فرد کی رائے نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ سب اسی میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ درج ذیل ہے:۔

"اسلام کی مضبوطی اوس کے دو اصلی اداروں پر ہے۔ حج اور خلافت۔۔۔۔۔ حج کے سیاسی اثرات ظاہر ہیں۔ وہ ایک بین اسلامی کانگریس ہے۔ جہاں کہ مذہب کے تمام مقاصد اور امورات اون مشروبین کے ذریعہ زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ جو تمام اسلامی ممالک دنیا سے حج میں جمع ہوتے ہیں۔ اور جہاں اسلام کی حفاظت اور اوس کی ترویج کے تمام مراتب طے پاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ پین اسلامزم کی تحریک کی اصلی قوت خلافت کے متعلق نہیں ہے بلکہ حج کے مواقع پر نظر آتی ہے۔ ہم کو موجودہ حالات کو دیکھکر اسکانی خطرات کی اہمیت سے چشم پوشی نہ کرنا چاہیئے۔۔۔۔۔۔۔ خلافت تو مٹ چکی ہے اب حج کی طرف توجہ کرنا چاہیئے"

مصر

مصر کے حالات پیشتر بھی موقع موقع سے بیان کئے جاچکے ہیں مگر یہاں بھی کچھ ذکر اس وجہ سے
مناسب ہے کہ ترکی کے جدید حالات سے اُس کا تعلق بالکل ہی جاتا رہا تھا اور یورپ کے مشرق
قریب میں کس طرح سے برطانیہ عظمیٰ کی بدولت حالات وہاں نمایاں ہوئے تھے۔ ہزارہا سال
سے مصر میں جو جمود پیدا ہوگیا تھا اور وہاں کے تمدن میں کسی قسم کی ترقی نہ ہوسکی تھی اُس کا اصلی
سبب اور جو کچھ بھی ہو مگر یہ ضرور معلوم ہو سکتا تھا کہ ترکوں سے علیحدگی کے باعث وہ بھی ایک
محکوم قوم کی طرح ہر قسم کا شکار ہوگئے تھے۔ لیکن جب سے کہ وفد یا عوام کی پارٹی نے اپنی تنظیم
کرلی تھی اور سول آبادی نے آئینی طریقہ جنگ اختیار کر کے سنہ ۱۹۱۲ء سے مصریوں کو اُن کے جائز
حقوق مانگنے کا سبق پڑھا دیا تھا تب ہی سے ملک بھر میں خاصی بیداری ہوگئی تھی جنگ عظیم یورپ میں
برطانیہ کی امداد کے صلہ میں مصر کی آزادی کا خاصا چرچا بھی ہوگیا تھا نیز برطانوی سپاہ اور اُس کے
افسروں کا وہ رعب داب دبدبہ و وقار مصریوں کے دلوں سے اُٹھ گیا تھا جو کہ جنگ سے پہلے تھا یا
جنرل گارڈن (General Gardem) کے وقت سے چلا آتا تھا جبکہ سوڈان
کی بغاوت سنہ ۱۸۸۳ء کے وقت میں برطانیہ نے گارڈن کو بغاوت رفع کرنے کے لئے وہاں بھیجا تھا
مصریوں کو انگریزوں سے جو شکایت پیدا ہوئی تھی اُس کا سبب یہ تھا کہ جنگ عظیم کے
شروع ہوتے ہی انگلستان نے مصریوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر مصر اُن کا ساتھ دیگا تو وہ مصر
کو خالی کردیگا۔ چنانچہ مصریوں نے اپنا وعدہ پورا کیا مگر صلح عارضی (Armistice) کے
بعد ہی برطانیہ کی فوج مصر میں موجود رہی۔ تب زاغلول پاشا جو وفد کے سرگروہ تھے انھوں نے
مصریوں کی ترتیب شروع کردی اور بغاوت سے آزادی کا مطالبہ کردیا جس پر اُنکو قید کیا گیا اور
بعد میں جلاوطن کر کے جزائر سیشیلیز (Seechelles) کو پہونچا دیا گیا۔ تب تو بغاوت اور
بڑھکر عام ہوگئی یہاں تک کہ بہت سے انگریز افسر مارے گئے۔ برطانیہ نے مشین گن لگادی
اور مصریوں نے اُن کے ذرائع آمد و رفت برباد کرنا شروع کر دیے۔ طالبعلموں نے بھی ملک کا پورا
ساتھ دیا اور ہر قسم کی قربانی کی۔ مگر بعد میں مصالحت ہوگئی اور بجائے سلطان حسین کے شاہ فواد

بادشاہ بنائے گئے۔ اور اندرونی انتظام ملک مصریوں کے سپرد کر دیا گیا۔ بس صرف حقوق تجارت و دیگر قسم کے معاہدات جن کو کہ کیپیچولیشن (Capitulation) کہتے تھے یا اسی قسم کے دیگر امور وہ صرف برطانیہ کے ہاتھ میں رہنے دیے گئے۔

مصر میں نہر سویز کے باعث بڑے بڑے جھگڑے رہے۔ اس کے بنانے کی اجازت ترکی وائسرائے سعید مصر نے ۱۸۵۶ء میں عطا کی تھی۔ اور ایک کمپنی پیرس میں قائم ہو کر چار لاکھ حصص مقرر کئے گئے تھے جن میں سے مصر کو (۱۷۶۶۰۲) حصص دیئے گئے تھے اور پندرہ فیصدی منافع کی رقم میں سے بھی اس کے علاوہ دینا طے ہوا تھا۔ اور ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کھول دی گئی۔ اور ننانوے (۹۹) سال کے لئے رعایات منظور کی گئی تھیں۔ پھر ۱۸۷۵ء میں برطانیہ نے مصر کے کل حصے کمپنی والے خرید کر لئے۔ تب ہی نہر سویز پر ہر قسم کا اختیار برطانیہ کو ہو گیا تھا جب عربی پاشا نے ۱۸۸۲ء میں بغاوت کی تو برطانیہ نے اپنی فوج محض نہر ہی کے بچاؤ کے واسطے وہاں اُتار دی تھی۔ رعایات کے ذریعے صرف تجارتی جہازات کے عام طور پر اس سے گذرنے کی اجازت دی گئی تھی بلکہ ۱۸۷۰-۷۱ء کی جرمنی و فرانس کی جنگ میں ہر فریق کے جنگی جہازوں کے واسطے بھی آمد و رفت کی اجازت تھی۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں قسطنطنیہ میں ایک معاہدہ کے ذریعہ سے کثرت سے دول یورپ کو اس کے عام طور پر ہر وقت اور ہر کام کے استعمال کے لیے کھلا رکھنا منظور کیا گیا تھا تاہم اس کے قریب یا آس پاس جنگ کے ہر فعل کی ممانعت ضرور کر دی گئی تھی۔ یہ نہر بحر قلزم اور بحر روم کے درمیان ہے۔

۸۔ اپریل ۱۹۰۴ء میں جب انتانتی کارڈیل (Entente cordial) پر دستخط ہوئے اور جو جنگ عظیم کا بہت کچھ باعث ہوا تھا تب ہی جنگ کے زمانہ میں جرمن اور اس کے حلیفوں کو نہر کے استعمال سے قطعی محروم کیا گیا تھا۔

مصر تو دراصل ترکی حکومت کا ایک صوبہ تھا اور اس کا ایک وائسرائے بھی وہاں رہتا تھا۔ محمد علی وائسرائے نے خود مختاری کا خواب ۱۸۳۱ء میں دیکھنا شروع کیا اور اس کے جانشین اسمٰعیل پاشا نے تو ۱۸۶۷ء میں سلطان (یا خدیو مصر) ہونے کا لقب بھی اختیار کر لیا تھا پھر نہر سویز کے کھل جانے سے مصر کا زائد تعلق برطانیہ اور فرانس سے ہو گیا تھا۔ اسمٰعیل پاشا ہی نے اسراف

کر کے فرانس و برطانیہ سے قرض لیا تھا اور انہی نے نہر سویز کے حصے برطانیہ کے ہاتھ فروخت کئے تھے مگر جب پورا قرض نہ ادا ہو سکا تب مصر کے محکمہ مال کی نگرانی اون کے سپرد کر دی گئی تھی

۱۸۸۲ء میں جب عربی پاشا نے برطانیہ اور فرانس کے نکالنے کی زبردست تحریک کی تو برطانیہ نے اوسکو اپنا محفوظ ہونا ظاہر کر دیا اور اپنے ہی زیر نگرانی لے لیا۔ اور لارڈ کرومر (Cromer) کو کانسل جنرل مقرر کر دیا۔ جب ۱۸۸۳ء میں سوڈان (Sudan) نے مصر سے بغاوت کی اور مہدی موعود بن کر ایک مسلمان نے خروج کیا تو جنرل گارڈن کو وہاں کی بغاوت کو روکنے کیلئے مقرر ہوئے تھے مگر وہ بھی وہاں قتل ہوئے تب عرصہ تک سوڈان خود مختار رہا پھر ۱۸۹۸ء میں لارڈ کچنر نے سوڈانی فوج کو امدرمان (Omdurman) میں شکست دی اور برطانیہ و مصر دونوں کی مشترکہ حکومت وہاں مانی گئی۔

۱۹۱۴ء کی جنگ میں عباس حلمی سلطان مصر نے ٹرکی کا ساتھ دینا شروع کیا جو برطانیہ کا مخالف تھا۔ چنانچہ برطانیہ نے عباس کو تخت سے اوتار کر حسین کامل کو خدیو مصر بنایا اور ایک ہائی کمشنر مقرر کر دیا۔ ختم جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۲ء میں مصر کو برطانیہ نے آزاد کر دیا۔

آزادی کے بعد سے مصر میں بھی ہر قسم کی ترقی ہو گئی ہے اور مصری کی بنی ہوئی چیزوں کا استعمال اب تو اہل ملک بالخصوص طلبا زیادہ کرتے ہیں۔ در اصل تو وہاں مستورات ملک نے آزادی کی تحریک میں بڑا حصہ لیا تھا خاص پاشا کی وزارت میں قاہرہ میں پارلامنٹ کا اجلاس ہو کر ۱۹۳۰ء سے تمام سیاسی مجرموں کو بجز قتل عمد کے مجرموں کے عام معافی دی گئی ہے۔

حال ہی سے جون یا جولائی ۱۹۳۳ء کے پرچہ اخبار ہندوستان ٹائمس دہلی میں ایک چھوٹا سا مضمون "اسلام۔ ڈیوس اور ٹیلیوک" کی سرخی سے شایع ہوا ہے جسمیں شیخ مصطفےٰ المراغی کا جو مسلم یونیورسٹی قاہرہ کے رکٹر ہیں یہ بیان درج ہے کہ "تم اہل مغرب اپنے کرنل ٹی۔ ای۔ لارنس عرب والے کو خوب سراہتے ہو۔ ترکوں کے خلاف عرب کی بغاوت کا سہرا بالکل اوسی کے سر رکھتے ہو تم کو اس کا علم نہیں ہے کہ تنہا لارنس بھی عربوں کو اُن کے خلیفہ یعنی سلطان ٹرکی کے خلاف نہیں ابھار سکتے تھے اگر لارنس انہتا اور بے اندازہ سونے کی اُن اشرفیوں سے کام نہ لیتا جو اُس کے اختیار میں دیدی گئی تھیں۔ روپیہ کے عوض ہے بد دکیا نہ کر گذرینگے" یہ مثال شیخ مذکور نے لیبیا کے مسلمانوں

سے اس بیان کی تائید میں پیش کی تھی۔ جبکہ انھوں نے بنیٹو مسولینی کے طرابلس میں ایک فاتح کے شل داخلہ پر اسکو "محافظ اسلام" ظاہر کیا تھا اور جو فقرہ کہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۷ء کے اخبار ٹائمس نے رپورٹ کیا ہے اور کسطرح ایک مکار کافر کی خوشامد میں وہ کہا گیا تھا۔ "ہمارے مذہب نے اس کو کسی طرح بھی ہمارے واسطے جائز نہیں کیا ہے کہ ہم کسی غیر مسلم حکمران کی حکومت مانیں تم کو سولہ کروڑ مسلم رعایا برطانیہ میں سے ایک ہزار بھی ایسے نہ ملیں گے۔ جو اس کی حکومت سے بیزار نہ ہوں اور یہی حالت اٹلی و فرانس کے ساتھ ہے۔ میری بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ایسے نمازی کو معاف کر دیگا، مگر ایسے مسلمان کو معاف نہ کرے گا جو اپنے بھائیوں کو غیر مسلم حکومتوں کے پنجے سے چھوڑوا دینے میں سعی نہ کرے"۔

مصر میں اسمٰعیل پاشا کی بدولت برطانیہ کا اثر بڑھا تھا۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں جب عباس حلمی کو تخت سے اتارا گیا۔ اور سلطان حسین حلمی کو تخت دیا گیا اسی وقت سے مصر انگریزی محفوظہ بھی مانا گیا۔ حسین کے بعد فواد کو تخت ملا اور اب شاہ فاروق بادشاہ ہیں۔

مصر کا سب سے پہلا بادشاہ فواد ہوا۔ جو سیاست دانی سے بالکل بے بہرہ تھا گو آدمی بلند خیال تھا۔ اس کی پرورش و پرداخت ترکی حکومت کے زیر سایہ ہوئی تھی جب کہ وہاں کی حالت بہت ابتر ہو چکی تھی۔ اس کی تخت نشینی کے وقت سب طرف جالبازی کا جال بچھا ہوا تھا۔ اہل ملک تو حقوق طلبی کے نشہ میں اس کے زمانہ میں چور ہی رہے۔ اور غیر مطمئن۔ عام رائے کا زور تھا فواد کو عباس ثانی نے ۱۸۹۲ء میں جلاوطنی سے رہائی دے کر ملا لیا تھا۔ یہ اسمٰعیل پاشا کا بیٹا تھا جن کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ اس کا پردادا محمد علی ایک البانی بہادر تھا مگر فواد تو ایک کمزور قسم کا اور معمولی دماغ کا آدمی تھا۔ بیوی کو طلاق دے کر عرصہ تک شادی نہیں کی تھی مگر خواہش اولاد نے پھر مجبور کر دیا تھا۔

مصر کا تعلیم یافتہ گروہ جنگ آزادی کا اب حامی ہو گیا۔ تھا اور ۱۹۱۷ء میں جبکہ شاہ فواد کی تخت نشینی برطانیہ عظمیٰ نے کرائی ہے تو ملک کا طبقہ اعلیٰ قومیت میں ڈوبا ہوا مقابلہ کیواسطے پورا تیار تھا۔ امریکہ کے طرز کی رہنمایانہ ان کا نمونہ تھا۔ زاغلول پاشا سا فدائے ملک و قوم اب مصر میں زور پکڑ چکا تھا۔ اور مصر کی مکمل آزادی کا بھی بیڑہ اٹھا چکا تھا۔ قوم نے بادشاہ کو مجبور

پایا جس سے قوم کی نگاہ میں وہ ہر طرح ذلیل و خوار تھا۔ تب زاغلول کو گرفتار کیا گیا اور وہ مالٹا بھیج دیے گئے۔ بلوے بھی ہوئے کشت و خون بھی ہوا۔ طلبا اور وکلا نے مدارس اور عدالتوں سے کنارہ کشی بھی کی اور بیرونی مال کا مقاطعہ۔ ہڑتالیں۔ بلکہ ہر قسم کی ستیاگرہ بھی کی گئی۔ مستورات تک جا بجا زنانہ فوجوں کے سامنے آگئیں۔ اور مردوں کو اپنے پیچھے رکھکر گولیاں تک کھائیں۔ فواد نے تب ہی زاغلول کی رہائی کوشش کی اور وہ ۱۹۲۵ء میں رہا کیے گئے۔ برطانیہ نے اسوقت ایک وفد بھی عام رائے ملک کے لحاظ سے لندن آنے کے لیے منظور کیا تھا۔ مگر زاغلول نے نہیں مانا جس سے دو گروہ ملک میں ہو گئے ایک وفدی اور دوسرا زاغلولی۔ اب عدلی پاشا وزیر اعظم تھے پہلے تو زاغلول سے اور ان سے نہیں بنی مگر بعد میں زاغلول پاشا یکبارگی عدلی کی زیر ہدایت کام کرنے لگے مگر اسوقت ترکی میں مصطفےٰ کمال کے کارناموں نے دوسرا نمونہ پیش کر دیا تھا۔ جس سے دوسری انقلابی صورت مصر میں بھی رونما ہو گئی۔ اور زاغلول نے ترکی ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہا جس سے وہ پھر گرفتار کر لیے گئے۔ پھر جب شاہ فواد کو سلطان مصر بنایا گیا اور مصر کو برطانیہ نے حکومت خود اختیاری عطا کی تو زاغلول کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ لیکن ادھر تو شاہی توپیں سلطانیت اور مکمل آزادی کے اعلان پر سلامی دے رہی تھیں۔ دوسری طرف بلوے اور لوٹ تک شروع ہو گئی تھی۔ وفد والے اور زاغلولی دونوں اب حیران تھے کیونکہ سلطان کا ایک قدم محل میں تھا تو دوسرا برطانوی ریذیڈنسی میں چونکہ تمام تر طاقت کا سرچشمہ تھی نہ قانون تھا اور نہ قاعدہ۔ صرف مارشل لا ہی کام کر رہا تھا۔ اور فواد نے بھی بالکل ہی خود مختارانہ طریقہ اختیار کر لیا۔ سر لی اسٹیک (کے ساتھ اور بھی بہت سے فرنگی مارے گئے تھے۔ جس پر لارڈ ایلنبی نے نہ صرف ملک کو دھمکایا ہی بلکہ ایک الٹی میٹم بھی مصریوں کو دیدیا۔ اور فواد کو بھی اس کی زیادتیوں کی بدولت آئین کی پابندی یاد دلائی۔ خود زاغلول پاشا ہی آئین کی ترمیم کے موئید ہو گئے۔ تب جدید انتخابات ہو کر زاغلول ہی کی وزارت ہو گئی اور برطانیہ نے بھی آزادی مکمل دیدی۔ مگر اس نے لندن جا کر اور وہاں سے واپس آکر عام رائے کو پھر فواد کے خلاف کر دیا۔ اور خفیہ جماعتیں بھی بنگئیں۔ تب برطانیہ نے پھر کروٹ بدلی۔ اور زاغلول مستعفی ہو گئے۔ نیز فواد نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابھی تک مصر پارلیمنٹری طرز حکومت کے لیے تیار نہ تھا۔

زاغلول پاشا اب علیل ہو گئے اور جبکہ شاہ فواد یورپ کے مناظر کا لطف اٹھا رہے تھے تو زاغلول کی وفات ہو گئی۔ اور کل ملک نے اسکا سخت ماتم اور غم کیا برطانیہ بھی اسوقت متعدد اور مختلف قسم کی دقتوں میں مبتلا تھا۔ اب تو شاہ فاروق تخت پر ہیں۔

اخبار پانیر مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء سے یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ شاہ فاروق مصر نے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء کو نحاس پاشا کی وزارت کو حکماً برطرف کر دیا۔ اور اپنے مکتوب میں وزارت پر سخت اعتراضات بھی کئے نحاس پاشا وزیر اعظم نے علی مہر پاشا کو جو شاہی کیبنٹ کے افسر اعلیٰ تھے بذریعہ تحریر اپنے احتجاج کی اطلاع کی تھی کیونکہ بادشاہ نے اختلافات کے تصفیہ کے واسطے خود ہی ایک کمیشن مقرر کر دیا تھا۔ جسپر وزارت کی مجلس نے یہ طے کیا تھا کہ آپس ہی میں مباحثہ ہو کر اختلافی معاملات طے کر لئے جاویں۔ مگر بادشاہ نے اسکو منظور نہیں کیا۔ اور محمود پاشا کو جدید وزارت بنانے کو طلب کر لیا۔ اور بجائے نحاس پاشا کی وزارت کے اب محمود پاشا کی وزارت ہو گئی جنھوں نے کہ آتے ہی تمام رنگین قمیصوں کی افواج کو بے ہتھیار کرنے اور توڑ دینے کا حکم جاری کر دیا۔ ان کی وزارت میں وفد کا کوئی بھی ممبر نہیں ہے۔ دراصل تو حقوق شاہی کا جھگڑا اور علی مہر پاشا کا تقرر اب جنگ کی بنیاد ہے۔ چونکہ نحاس پاشا نے جگہیں اپنے احباب کو نہیں دی تھیں اس سے وفد والے بھی خلاف ہیں۔ طلبا نے بھی احتجاجوں میں بڑا حصہ لیا اور جب نحاس نے روکنا چاہا تو انکو ڈکٹیٹر کہا جانے لگا ہے۔ اسوقت کیبنٹ اور وزارت منتخبہ کی مضبوط برقراری کے لئے کچھ تجاویز نحاس پاشا نے کی تھیں تاکہ محل شاہی کے حملوں سے وہ محفوظ رہ سکیں یہی شاہ فواد سے جھگڑا تھا اور اسی فاروق سے ہے۔ محمد محمود پاشا جو لبرل آئینی پارٹی کے لیڈر ہیں انہوں نے وزارت مرتب کی ہے۔ اور وفدی پارٹی کے بیزار ممبران بھی شاہی پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔

باب پنجم

احوال کورد قوم و عرب وغیرہ

قزل باش کورد جو در [illegible] سنہ [illegible] کے جنگلی اشخاص [illegible] قانون شکنی کیلئے مشہور تھے۔ اور ڈاکے و شبخون مارنے کے عادی تھا۔ مہ پہلوی رضا کی بنا پر تو اُن کی طلب آزادی ترکوں کے واسطے سخت مصیبت ہو گئی تھی۔ اور اس سے بیشتر بھی وہ ترکوں کو ہمیشہ ستاتے رہتے تھے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ قبل جنگ عظیم یورپ کچھ کورد قبیلے ایران کی رعایا تھے کچھ ترکوں کے اور کچھ روس کے اب یہ برطانیہ کی رعایا بھی ہو گئے ہیں۔ ان کی کل آبادی تقریبًا تیس لاکھ ہو گی۔ جن میں قریبًا چھ لاکھ سے ایرانی رعایا ہیں۔ سترہ لاکھ ترکوں کے اور چھ لاکھ کے قریب اب برطانیہ کے عراق میں انکی زبان بھی خاص ہے جو عراق کی حکومت نے تسلیم کر لی ہے۔ اس واقعہ نے ایران اور ترکی میں کھلبلی بھی مچا دی ہے۔ ترکوں سے مذہبی اختلاف کے سبب بھی سخت عداوت ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں سخت سرکوبی نے ان کے عداوت کے شعلوں کو ہمیشہ تازہ [illegible] رکھا۔ اب عراقی ریشہ دوانیاں اور برطانیہ کے ذریعہ سے ترکوں کو تسکین سے آرام سے بیٹھنے نہ دیں گی اور ارمنیوں کی طرح وہ بھی ناک میں دم کرتے رہیں گے۔ اور برطانیہ ضرور دور سے تماشہ دیکھے گی

ترکوں کو شمال و مشرق کی سرحد پر ہمسایوں سے اب گویا کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ ترکوں نے روس کی ایسے گاڑھے وقت میں امداد کی تھی جبکہ وہ بیمار تھا۔ آرمینیا اور آذربائیجان وغیرہ ماوراء قاف کی طرف لڑائی میں کچلا ہوا تھا اور شمالی مغربی و جنوبی سرحد پر [illegible] لیکن ہر چند باوجود دسمبر ۱۹۲۵ء کے موصل اور جون ۱۹۲۶ء کے شام کے معاہدات کے ترکوں کو جنوب عراق و شام کی طرف اپنی جنوبی اور مشرقی سرحد ایران سے کوردوں کے باعث ہر وقت خطرہ ہی لگا رہتا ہے [illegible] کہ عراق کی بدولت روس اور ترکوں میں صلح ضروری ہے اور برطانیہ سے تصادم کا اندیشہ [illegible] برطانیہ بھی اپنے [illegible] نفع کو جو شام سے لیکر کل عربستان اور سواحل و صحرائے فلسطین اور جزیرہ ایران

تک حاصل ہے کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ شام و فلسطین میں بھی مصطفٰے کمال کو ایک مافوق ہستی سمجھ لیا گیا ہے۔ اور یہ آرزو ہو گئی ہے کہ انھیں کی طرح کا کوئی شخص اونکے یہاں بھی پیدا ہو تا جو انکی بھی آزادی و ترقی کا رہبر ہو سکتا۔!

۱۹ - جولائی ۱۹۲۷ء کے اخبار اسٹیٹس مین (Statesman) صفحہ ۹ پر یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ استنبول کے ترکی اخباروں سے ٹائمس (Times) اخبار کے نامہ نگار کو یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ (۲۰) ہزار ترکی فوج کو کردوں کی بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ درسم (Dersim) کے حصہ ملک میں ذرائع آمد و رفت وغیرہ کے مشکل ہونے نیز باشندوں کی پس ماندگی پستی اور جہالت میں مبتلا ہونے کے حالات کے سبب سے جدید ترقیات کو وہاں بھی کچھ کچھ جاری کیا گیا ہے جس طرح کہ دوسرے حصہ ملک کے تمام ترکی حکومت میں پھیلایا جا رہا ہے۔ پیشتر تو کردوں نے مقامات جہول سے احتجاج کیا مگر بعد میں علانیہ بغاوت کر دی اور ایک فوجی مقام پر حملہ بھی کر دیا نیز ایک پل کو توڑ ڈالا اور پانچ ہزار باغیوں نے حکومت ترکیہ کو آخری پیغام جنگ تک بھیجدیا تھا۔ جس سے ترکوں نے اپنی باقاعدہ (۲۰) ہزار فوج بھیجکر کل ملک کا محاصرہ کر لیا اور طیاروں کی مدد سے باغیوں کی گھیر گھار کر کے گرفتاری شروع کر دی تھی۔ حالانکہ پہاڑی کیفیات ملک کے باعث انھیں دقتیں ضرور پیش آئی تھیں کیونکہ باغی عموماً دروں اور غاروں میں چھپ جاتے تھے مگر ترک سیڑھیوں کے ذریعہ سے ان تک پہنچکر ان کو نکالتے تھے۔ اور انکے سرداروں و سرغناؤں کو تو انھوں نے حکومت کے دوسرے مقامات پر منتقل کر دیا ہے۔ تب بھی کردوں نے اپنا ذریعہ معاش ابھی تک ترکوں کو لوٹ مار کر اور ان کی حکومت کی غارتگری ہی کرنے کو صحیح سمجھ رکھا ہے۔

عرب

حجاز میں عموماً عرب قوم آباد پائی جاتی ہے۔ اور ترکوں کے زمانہ حکومت میں اگر کل حجاز مسلمان نہ ہو تب بھی اکثریت وہاں تو ضرور انھیں کی رہی ہوں تو عرب قوم ابتدائے اسلام سے پائوں سے پیشتر کبھی حبش بلکہ افریقہ و چین تک پہونچکر وہیں بس گئی تھی۔ اور ہندوستان وغیرہ سے بھی تجارت

سے تعلقات رکھتی تھی۔ آخری سلاطین ٹرکی کے عہد میں ترکوں نے جسقدر خدمات حرمین شریفین و مقامات مقدسہ اسلامی کی کرکے دکھلائی ہیں اُنسے دنیا کے مسلمان بخوبی واقف ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ اپنی اُن خدمات میں اسقدر اندھے ہوگئے تھے کہ بالکل ہی عربوں کے حالات سے آنکھیں بند کر لی گئی تھیں۔ ہر طرح سے اُن کے حالات پر اُن کو چھوڑ دیا تھا۔ نہ تو ان کی تعلیم ہی کرائی۔ نہ اُن کی تہذیب کی طرف توجہ کی۔ اور نہ سرزمین حجاز کے اقتصادی حالات کے درست کرنے کا خیال ہی کیا۔ بس صرف یہ کیا کہ جو کچھ ہو سکا حرمین شریفین اور دیگر مقامات مقدسہ کی ہر طرح کی مالی اور انفرادی خدمت اپنا فرض سمجھا۔ دراصل تو خود ترک قوم کے واسطے بادشاہوں نے وہ نہیں کیا جو اُنکا فرض تھا۔ آخری دور میں ریلوے بناکر کچھ کچھ ملک کی مادی ترقی کی طرف خیال ہو چلا تھا۔ مگر پھر تو وہ خود ایسی بلاؤں میں مبتلا ہوگئے تھے کہ دوسروں کا خیال تک کرنا ان کے مان کی بات نہیں رہی تھی۔ بیشک عام طور پر مکہ۔ مدینہ۔ کربلا۔ اور دیگر اسلامی مقامات مقدسہ و حجاز و عراق پر ترکوں کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ عقیدتاً صرف ہوتا تھا۔ اور عوام عرب فاقہ کشی سے بچے ہوئے تھے کسی قسم کی ممانعت یا سخت قواعد و قوانین سے اُن کے ہاتھ پاؤں بندھے نہ تھے نہ ٹیکس ہی یا لگان اراضی وغیرہ کی زیادتی کی شکایات عربوں کو تھیں۔ عوام عرب محنت و مزدوری کرکے اپنی زندگی آرام سے بسر کر لیتے تھے۔ اور بدویت ضرور انمیں باقی تھی۔

سلجوقی اور عثمانی فتوحات پر اگر نگاہ کی جاوے تو عربوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ترکوں ہی کی بے پناہ تلوار نے اُن کے ایک وقت کے مسلمہ تمدن کو بہت کچھ مٹایا تھا۔ حالانکہ یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ جب آپس میں خانہ جنگیوں سے کمزوری بڑھتی گئی اور عرب سلطنت کرنے کے اہل نہیں رہے تو جسطرح عیسائی اقوام حملہ آور ہوکر ان پر قابو حاصل کرتی تھیں اسیطرح ترکوں نے اونپر قبضہ کرکے حکومت کی لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ مدت دراز تک ترکوں نے عربوں کی پرورش کی بلکہ عزت بھی کرتے رہے اور حفاظت جان و مال کے ساتھ ہر طرح کفیل رہے عربوں کی زبان اور تمدن وغیرہ نے ترکوں پر بھی خاصا اثر کر لیا تھا۔ اور مذہبی نقطہ نظر سے تو ہر ترک عربوں کی عزت اور خدمت اپنے آخر وقت تک اپنا فرض سمجھتا رہا۔

جیسے کہ اب بھی تمام دنیا کے مسلمان اپنے رسول عربی کے جوار اور قوم کے اعراب کی خدمت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

تاریخ تو یہ بتلاتی ہے کہ ترکوں نے آخری جنگ یورپ میں اپنا خون بہتا ہوا دیکھا مگر عربوں کا خون مدینہ و مکہ کی طرف نہ بہایا۔ اور ہمیشہ ہر قسم کے ٹیکسوں اور مطالبات سے عربوں کے ساتھ رعایات بلکہ معافی ہی دیتے رہے۔ اب تو یہ کہا جا رہا ہے کہ سلاطین اور خواص و عوام ترک نے حرمین و دیگر مقامات مقدسہ وغیرہ اور وہاں کے رہنے والوں کی وہ خدمات کیں کہ جن کو یاد کر کے اب عرب قوم رو رہی ہے۔ انکے زمانہ میں اشرفیوں کے ڈھیر ہر قبیلے میں لگ جاتے تھے۔ اور سال بھر تک عرب لوگ خوشی سے بسر کر لیتے تھے۔

ترکوں کے متعدد گناہوں میں سے جو کہ عرب قوم کے ساتھ برتاؤ میں بیان کئے جاتے ہیں انکا خلافت اسلامی کو لینا بھی ہے۔ اور اب جبکہ دنیا کے بازی گروں کے ہاتھ میں کل حجاز و عراق وغیرہ آ گئے ہیں۔ تو زمانہ حال کیطرح کی ترقیات کو پیش کر کے ترکوں کے لاکھوں گناہ اور جرم بتلائے جا سکتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر عیسائی مشنوں کے ہاتھوں انکا مذہب تک جاتا رہے تو ممکن ہے کہ ایک وقت میں اس واقعہ کو بھی ان کی ترقی کہا جاوے۔ جیسے کہ بیروت وغیرہ میں ہو چکا ہے۔

سلطان عبدالحمید ثانی اور دیگر ترکوں کے عہد میں اسلامزم کے خواب میں بھی عرب اقوام ترکوں کا ساتھ نہ دے سکیں۔ اور کیسے دیتیں جبکہ خود انکو آزاد قومی حکومت کا نقشہ بندھا کر نمائندگی کے اصولوں پر خود سلطنت کرنے کرانے کا شوق دلوا دیا گیا تھا۔ اور ایک غریب قوم کو بہ یک وقت سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے جو کچھ لالچ بھی نہ پیدا ہو جاتی کم تھی۔ بس صرف سلطان عبدالحمید ثانی ہی کی دماغی قوت کے سامنے کسی کا بھی زور نہ چل سکا تھا۔ مگر جیسے ہی کہ خود ترکوں میں کمزوری آئی عربوں کو خاصا شکار بنا لینا متمول اقوام کے لئے کوئی بڑی بات نہ رہی تھی جنگ عظیم یورپ کے زمانہ میں تو عرب خوب ہی کھل کھیلے۔ بلکہ پیچھے سے ترکوں کے قرولی بھونکنے اور انکو قتل کر کے انکے خون بہانے میں خاصی مشاقی دکھلائے گئے۔

حکومت فرانس نے جنگ عظیم یورپ سے قبل ہی رایاح (Payah) سے بیت المقدس

تک ریل جاری کرنے کا پروانہ سلطان وقت سے حاصل ہی کر لیا تھا۔ اور بیشتر ریاستیں عیسائیاں
لبنان تو بالکل ہی اُن کے ہاتھ میں آچکے تھے بلکہ فلسطین کو بھی یہودیوں کا وطن قرار دے کر شام بھی ان کا ایک حصہ
سمجھنے لگا تھا۔ اور گو عرب کے قدرتی ذرائع اور زرخیزی کی چاٹ تو سب ہی کو تھی۔ پہاڑوں
میں سونے کی کانوں کے خزانے نیز اسلامی مرکز ہونے کی وجہ سے پورا پورا اختیار ہو جانے پر تو گویا
سب ہی کے واسطے سونے کی چڑیاں تھیں۔ مگر تقدیر سے سب مجبور رہے۔ برطانیہ کا ستارہ زوروں
پر تھا اور اسی کی قسمت میں عربوں پر بھی حکومت مقدر ہو چکی تھی۔

برطانیہ کے ایک فوجی کرنل نے جن کا نام [illegible] اپنی آنکھوں میں وہ کارنامے کر دکھائے کہ جن کا
جواب ہی مشکل تھا۔ جنگ عظیم سے قبل ہی وہ عربوں کا دوست بن چکا تھا کیونکہ ۱۹۱۶ء میں اسکی کوشش سے
ایک محکمہ برطانیہ کے [illegible] آفس کا بمقام جدہ قائم کیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ عرب قوم ترکوں سے الگ ہو کر
بغاوت کرے اور اپنی خود مختار حکومت قائم کرے۔ امیر عبداللہ، امیر علی، اور امیر فیصل پسر شریف حسین نے
جو حرمین کے شریف تھے سب نے جدہ میں لارنس سے ملاقات کی۔ اور لارنس نے امیر فیصل کو اپنا آلہ کار منتخب
کر لیا۔ اور فیصل ہی نے لارنس کو پورے طور پر ہر قسم کی عیاری کا سبق پڑھایا۔ اسکو شریف بننے کا مرتبہ دیکر
عربی پوشاک پہنوا دی اور چونکہ لارنس نہایت عمدہ عربی بول لیتا تھا لیکن ویسی ہی جیسی کہ خود اصلی
عرب بولتے تھے اس لئے خالص عربی بنا کر لارنس صاحب کو قوم کے سامنے فیصل نے
پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات تو کرنل صاحب نے نمازوں کی امامت تک
کر دی[1]۔ تب ہی سے امیر فیصل زیر ہدایات و امداد یا رہنمائی کرنل لارنس حجاز
کے مالک بنتے گئے۔ اور دمشق تک حکومت حاصل کرنیکی سعی کر ڈالی[2]۔ اور اگر فرانس مخالفت
نہ کرتا تو فیصل اپنے خیال میں پورا کامیاب ہو جاتا۔ عربی زبان میں پورے ماہر ہونے کے سبب
محکمہ جنگ عظیم نے لارنس کو یمن و عرب بھر میں گویا ترکوں کے خلاف سازش کرنے، روپیہ دینا
کو رو پیسہ وغیرہ سے لالچ دلا کر پورے طور پر کامیاب کرانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ دمشق [illegible]

---

(۱) دیکھو اخبار پائنیر مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۵ء مطبوعہ لکھنؤ۔ و کتاب سرابرٹ وندھم مذکور۔
(۲) دیکھو اخبار [illegible] مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ششم۔

اور اسلحہ سے عربوں کے سب بخواہ کرنل صاحب نے ہر طرح کی امداد کی۔ اور اونھوں نے ایک عرب بیورو (Bureau) بھی قائم کر دیا۔ جہاں سے تمام قسم کی امداد عربوں کو ترکوں کے خلاف دیگئی۔ ۲۲ر فروری ۱۹۱۸ء کو تو کرنل لارنس ایکمرتبہ اسی میل اونٹ پر سفر کر کے بیرشیبا (Beersheba) پہونچے تھے۔ بلکہ ان کی پیدل دوڑ دھوپ سے عرب بھی اکثر حیران ہو جاتے تھے۔ بغاوت کی اشاعت میں پچاس میل تک روزانہ سفر کر لینا انکے واسطے کوئی بڑی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ ترکوں نے تو لارنس کے سر کے واسطے دس ہزار پونڈ دینا منظور کیا تھا مگر لارنس نے اسلحہ صرف جنرل ایلنبی (General Allenby) ہی سے دو لاکھ پونڈ علاوہ اسلحہ بم بازی و باربرداری کے سامانوں وغیرہ کے حاصل کر کے ترکوں کے خلاف عربوں میں خوب تقسیم کر دئے تھے۔ کرنل لارنس کی وفات ۱۲ر مئی ۱۹۳۵ء کو ہوئی تھی اور برطانیہ نے اپنے نامور ہیرو کا بہت بڑا ماتم بھی منایا تھا۔[1]

عربوں میں سازش کے لئے ڈاکٹر ڈاؤٹی (Dr. Doughty)
مس گرٹروڈ بیل (Miss Gertrude Bell)
کی سی شخصیتیں بھی دستیاب ہو گئی تھیں۔ جو بھی ہر طرح پر عربی زبان اور طریقوں سے ماہر تھیں۔ یہ سب ہستیاں مسلمانوں ہی کی ہیئت اور شکلوں میں دوران جنگ عظیم عرب بھر میں بغاوت پھیلانے کا کام ترکوں کے خلاف کرتی رہی تھیں۔ اور شریف حسین و انکا خاندان ہر طرح انکا مدد و معاون رہا۔ اُن کے ساتھ عدن کے اعرابی امرا اور مصری افواج بھی برابر شریک کار رہیں۔ یہ امرا تو عرصہ سے ماہانہ تنخواہیں تک ہندوستان کے خزانے کے ذریعہ سے لیکر برطانیہ کے ہاتھ اپنے ایمان کو فروخت کر چکے تھے۔ عدن کے سولہ عرب سردار پانچہزار نو سو روپیہ ماہوار مدتوں سے لے رہے تھے اور سب خطابات بھی حاصل کر چکے تھے۔ جب وہ برطانیہ کے سفارت خانہ عدن میں آتے تو اُن کی وہ عزت ہوتی کہ جسکا جواب ہی نہ ہو سکتا۔ جس کے صلہ میں وہ ایکدوسرے کے گلے تک کاٹنے میں دریغ تک نہ کرتے۔ مگر بعد میں برطانیہ نے

[1] دیکھو اخبار پائنیر لکھنؤ۔ مورخہ ۲۲ر مئی ۱۹۳۵ء۔

انھیں منھ تک نہ لگایا اور صرف شریف حسین ہی سے تمام معاملات طے کرلئے۔ کیونکہ اس سے زیادہ سیاسی میدان میں کوئی خطرناک نہ سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ بعد میں اُنکی بھی قوت خاصی طرح توڑ دیگئی اور سب طرف سے اُنکے پر و بازو کاٹ ہی دیئے گئے۔ اور اُنکو بھی ایک کٹ پتلی کی طرح نچایا گیا۔ چنانچہ ۱۴ر جولائی ۱۹۱۵ء کو شریف حسین نے لارڈ کچنر کو خط کے ذریعہ عرب کی آزادی کے بابتہ لکھا جسکا جواب ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو سر ہنری میک موہن (Sir Henry Mac Mohan) نے یہ دیا کہ برطانیہ عظمیٰ نے خود ہی مقامات مقدسہ کی تمام بیرونی وغیرہ مداخلت سے حفاظت کرنیکی ذمہ داری لے لی ہے اور اُنکی ذاتی حیثیت کو بھی تسلیم کرلیا ہے اور جو بھی ضرورت کسی یوروپین حاکم کی بغرض عمدگی انتظام کے وہاں کی مخصوص حکومت کو ہوگی اُس کے واسطے صرف برطانوی حکام جائینگے۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں پیرس کانفرنس ہوکر سائکس پیکٹ (Sykes Picot) کا خفیہ معاہدہ روس۔ انگلستان اور فرانس نے تو کرہی لیا تھا جس سے روس کو بحیرۂ حمریس کافی مداخلت کا موقع بھی دیدیا گیا تھا۔ ایشیائی ترکی کے نقشہ پر نیلے رنگ کے خط سے فرانس کا انتداب کرادیا گیا اور شام وغیرہ اُسکی سیادت میں آگیا تھا اور سرخ رنگ کے اندر برطانیہ کے انتداب کی تجویز ہوگئی تھی فلسطین کو بھی بظاہر طور پر بین الاقوامی اقتدار میں دیکر برطانیہ ہی کے سپرد کردیا گیا تھا مگر یہود کی ایک طرح کی نوآبادی کرانا بھی اُس وقت مان لیا گیا تھا۔ نیز جہاں جہاں عرب قوم کی کثرت آبادی ہوتی وہاں اُنھیں میں کا کوئی تاجدار بنانا بھی منظور کرلیا گیا تھا۔ بلکہ ترکوں نے خود ہی اُسیوقت مذکورہ معاہدہ پیرس کی اطلاع شریف حسین کو کرادی تھی کیونکہ نوجوان ترکوں کا اقتدار اُسوقت ترکی میں تھا۔ یعنی جمال پاشا۔ انور پاشا۔ اور کاظم پاشا کا۔ مگر ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو تو تمام دول یورپ اور امریکہ کی منظوری سے مشہور اعلان بالفور کی نوعیت کو دنیا نے بھی جان لیا تھا۔ جس سے یہود قوم کو فلسطین میں آباد کرادینے کا مسئلہ پیش ہوچکا تھا۔ شامیوں کو بھی عربوں کی طرح ترکوں سے ایک قسم کی نفرت سی پیدا کرادی گئی تھی اور انور پاشا کی بدولت کفار کی بھرتی نے تمام ترکی فوج میں مختلف قسم کی کارروائیوں کا سب ہی کو موقع بھی حاصل کرادیا تھا۔ لہٰذا برطانیہ نے حجاز و عراق پر قبضے کا پورا سامان کرہی لیا۔ گو ہندوستان سے بعد میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے

وقت سے ترکی حکومت کے حصے بخرے اور فلسطین کے متعلق مسلمانوں کے احتجاج کی اطلاع حکومت انگلستان کو خاصی طرح کر دی تھی۔ مگر برطانیہ عظمیٰ نے اوسوقت عربوں اور ان ہندی مسلمانوں کے تمام حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر اوڑھ لی تھی جو عرب و عراق میں تھے جیسے کہ روسی حکومت نے اپنی شہنشاہیت کے دور میں دنیا بھر کے لئے عمل کیا تھا۔

حملہ مدینہ کی ناکامی

فیصل کی شرکت سے کرنل لارنس نے عربوں کی فوجیں تیار کرائی تھیں اور عربوں کے ہر جگہ کے قبیلوں کو زر پاشی کرا کے پورا پورا اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔ ترکی فوجیں اب عرب میں بہت کم رہ گئی تھیں مگر پھر بھی فیصل کو وادی صفرا کے سرے پر جب شکست ہوئی اور پہلا حملہ مدینہ پر وہ ناکام ہوا تو فیصل حمرا میں پہونچا اور طائف و خلافت کے قبیلوں کی مدد سے پھر کوشش کی تو انگریزی امداد کے واسطے مصری فوج جو بہ سرکردگی نافی بے (Nafi Bey) سوڈان سے آئی تھی پڑ گئی تھی نیز مولہ مخلص بھی اپنے قومیت کے خیال سے شریف مکہ کی بغاوت کی خبر پاتے ہی آ گیا اور فیصل کا اے۔ ڈی۔ سی بنگیا تاہم فیصل ہراسان ہو گیا مخلص تو ترکی فوج میں دو بار تنزلی پاچکا تھا اور بددل ہو گیا تھا۔ لہذا بغاوت میں شریک ہو گیا تھا۔ اسکا بیان تھا کہ ترکوں کے پاس کافی سامان جنگ نہ تھا کیونکہ بمقام شیباد (Shaiba) جہاں کہ وہ سواروں کی فوج تھا اور انگریزی فوج نے اوسے قید بھی کر لیا تھا وہاں اوسکو ترکوں کی اصلی حالت کی اطلاع مل چکی تھی تب فیصل نے کرنل لارنس کو یوں سمجھایا کہ پہلا حملہ جو مدینہ طیبہ پر کرنل صاحب نے کرایا تھا اوسکی ہار اور ناکامی کا سبب صرف یہ تھا کہ عربوں کے پاس ہتیار اچھے نہ تھے اور ترکی فوج کافی تعداد میں وہاں موجود تھی نیز ترکوں نے عربوں کو دیوار حصار سے نکل آنے دیا تھا اور اوسیوقت توپوں کی باڑہ لگادی تھی عقیل اور عطیبہ کے قبیلے یہ حال دیکھکر واپس بھاگ گئے تھے۔ بلکہ قبیلہ بن عطیلے کے کچھ لوگ ترکوں کے پاس ہتیار ڈالنے کے واسطے اور اپنی ہار تسلیم کرنے کے لئے چلے گئے تھے تاکہ اونکے مواضعات وغیرہ غارت سے بچے رہیں۔ دوسرے فخری بے نے جو اوسوقت ترکی فوج کی کمان میں تھا اوسنے

بھی دھوکا دیا تھا اور صلح عارضی کرکے اوالی (Avalma) کے گرد و پیش کے مواضعات کو گھیر لیا تھا۔ مگر پھر بھی کوئی گھبراہٹ کی بات نہ تھی کیونکہ فخری کے مظالم کی کافی شہرت دیدی گئی تھی اور جسکے باعث عرب بھر میں ایک تہلکہ سا مچ گیا تھا۔ اور یہ بھی مشہور کرا دیا گیا تھا کہ عربوں کے اصول جنگ کیخلاف فخری نے بدعت مچا دی تھی۔ اسنے عورتوں کو بے حرمت کرا دیا تھا۔ بچوں کی جان کو محفوظ نہ رکھا تھا اور جو مال کہ لوٹ کر نہ لے جا سکتا تھا اسکو صحیح و سالم نہ چھوڑا تھا اور اسلیئے تمام عرب اقوام گرد مکہ و مدینہ نے ترکوں کے خلاف اپنا طرز جنگ بدلنے کا ارادہ کر لیا تھا اور ہر طرح ترکوں سے خون بہا لینے کے واسطے عرب تیار ہو گئے تھے۔ فیصل کی بندوق سے اب کچھ انکا کام نہ چلیگا اور اب جنگ بھی عرصہ تک چلیگی۔ اسلیئے عرب مدینہ کے میدان سے ہٹ کر پہاڑیوں میں جا چھپینگے“ علی اور فیصل نے اب اپنے اپنے سوار بھی رابغ کو بھیجدئے جو انکا سمندر کا مرکز تھا تاکہ وہانسے رسد اور ہتھیاروں کے بابت خبر لادیں۔ مگر اس مدینہ کی شکست سے فیصل خود گو نہ بد دل ضرور ہو گیا تھا اور اسکی فوج بھی کچھ تھک سی گئی تھی۔ آدمی گھوڑے اور اونٹ بھی بہت مارے جا چکے تھے اور فیصل خود بھی انکار کے باعث بوڑھا سا معلوم ہونے لگا تھا۔ گو اسکی عمر ۳۱ سال کی تھی پھر بھی اپنی فوج سے وہ کچھ کچھ جا بجا جھگڑا کر لیتا تھا۔ اور جبکہ علی فوج لیکے رابغ سے اور عبداللہ نے مکہ سے اپنے حملوں میں تاخیر کر دی تو اوسنے بھی ہرب قبیلہ حرب کو ترکوں پہ حملے کرکے انکی رسد اور خبر رسانی کے سامانوں کو روکنے کے لیئے چھوڑ دیا۔ تب تو مولد المخلص سے انگریزوں کی گفت و شنید سے عاجزی ظاہر کر دی اور ایکدن یہ کہا کہ تم لوگوں کی تاریخ نہ بناؤ اور نہ قصہ و کہانی لکھواؤ بلکہ لڑو اور ترکوں کو ختم کر دو۔ اوسنے ایک بار فی توپوں اور مشین گن کی دید دی تو وہ اسکے واسطے ترکوں کو ختم کر دیگا۔ ہم لوگ یہاں بک بک کرتے ہیں اور کچھ نہیں“ امیر فیصل نے سب سنا اور خاموش ہو گیا۔ وہ ترکوں کی فوجی ملازمت میں خود رہ چکا تھا اور چالباز بھی تھا۔ ترکی پارلامنٹ کی ممبری نے قسطنطنیہ کے قیام میں یورپین معاملات سے بھی گونہ واقف کرا دیا تھا۔ اور آدمیوں کو اب پہچان بھی چلا تھا کرنل لارنس نے جب ان تمام باتوں کا اندازہ کر لیا تو فیصل کو اپنی مرضی کے موافق آدمی پاکر وہ ہمراہ ہو گیا کیونکہ اسکے خیال میں عربستان کی بغاوت کی تحریک پوری کامیاب ہو سکتی تھی

شریف مکہ تو فوج کے ہر سپاہی کو دو پونڈ ماہوار اور چار پونڈ فی اونٹ دے ہی رہے تھے۔ اور سپاہیوں کے بچوں تک کی پرورش کا ذمہ اپنے ہی سر لے لیا تھا اور یہ کارروائی پانچ ماہ سے جاری تھی اور دراصل صرف یہی ترکیب قبائل کو قابو میں رکھنے کی تھی۔ افسوس کہ اخلاص کا یہی نتیجہ ہے!

دوسری طرف ترک اور جرمن یہ سمجھ چکے تھے کہ پہاڑیوں کے درمیان سے جنگ کرنا تھی اسلئے جرمنوں نے ہر طرح کا عمدہ سامان جنگ وغیرہ وہاں لڑائی کے واسطے ترکوں کے لئے مہیا کر دیا تھا۔ ترک چونکہ نہایت نادر اندازی سے گولیاں چلاتے تھے اور ان کے پاس سامان بھی تھا اس سے عرب اب تک مجبور رہے تھے۔ حالانکہ بہادری و ہمت میں وہ بھی کم نہ تھے لیکن ہر عرب بچہ توپ کا خواہشمند نظر آتا تھا اور لڑائی کے واسطے بھی تیار

بعد کو جب لارنس نے ینبوع میں سامان جنگ و رسد خوب جمع کر دیا اور محصورین جنگ عظیم میسوپوٹیمیا وغیرہ میں سے رضاکار یا والنٹیر بھی دینے کا وعدہ فیصل سے کیا نیز عمدہ توپیں اور مشین گن وغیرہ مہیا کئے جانے کے انتظام کے ساتھ ساتھ انگریزی فوج کے آزمودہ کار افسر صلاح کے واسطے دئے اور ینبوع سے سامان پہنچانے کا شرفائی عرب سے بندوبست ہو گیا۔ اور خرطوم میں سر ریجنل ونگیٹ Sir Reginal Wingate سے ہر قسم کا مشورہ کرنل لارنس لیکر امیر فیصل کو مطلع کرنے لگا تو ونگیٹ کو جبوقت عرب کی حالت امید افزا معلوم ہونے لگی تب اُسنے بھی توڑوں کا منہ کھولدیا اور ہر قسم کے اسلحہ وغیرہ سے امداد کر دی۔ ایک عربی بولیٹن یعنی روزنامچہ بھی قاہرہ سے جاری ہو گیا اور خود لارنس "نخل مبارک" میں جو خاص قسم کی کھجوروں کا باغ جنوبی حصہ میں جو ہیانہ کا ہے فیصل سے ملنے پہونچ گیا مگر وہاں اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ ترکوں نے وادی سفرا میں پہونچکر عربوں کی فوجی کمک کے یہاں پہنچنے کو بند کر دیا ہے۔ اور قبیلہ حرب وہاں سے بھاگ نکلا تھا کیونکہ ترکوں نے فیصل کے سوتیلے بھائی زید کے قبیلہ حرب ہی کے مختصر فوج کو گھیر کر ختم کر دیا تھا جبکہ زید مع اوس فوج کے بیر سعید میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور گویا اب نخل کے واسطے ینبوع کا راستہ بھی صاف ہو گیا تھا۔

اسیوقت فیصل نے لارنس کو عربی پوشاک پہنوائی تھی اور اسکے غلام نے جسکا نام ہیجرس تھا (Hejras) تھا اتفاق سے وہی ریشمی پوشاک پیش کی تھی جو کہ فیصل کی پھوپھی نے اوسے مکہ سے ابھی زمانے میں بھیجی تھی۔ کرنل لارنس اوسی وضع میں بدر الدین خفیہ کے ہمراہ ایک کمیلا اونٹنی پر روانہ ہو کر چھ گھنٹہ میں ینبو پہونچگیا اور سو رہا۔ جب شریف زید کی آٹھ سو عربوں کے ہمراہ وہاں پہونچنے کی اُسے اطلاع کی گئی تو لارنس فوراً اُس سے ملا اور کپتان بوائل (Captain Boyle) کو جو بحیرہ احمر میں برطانیہ کی بحری فوج سے لئے پڑا تھا ینبو کے خطرے کی اطلاع کی۔ اور اسے طلب کر لیا۔ کہ ترکوں نے اسی درمیان میں ہیر سید سے جا کر "نخل مبارک" میں فیصل کو شکست دی اور امیر فیصل وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور اسکے ہمراہ دو ہزار عرب کی فوج بھی تھی لارنس کی رائے میں قبیلہ جہینیا کی غداری سے یہ شکست ہوئی تھی جسکا کہ دھم بھی عربستان بھر میں انکو نہیں رہا تھا۔ ینبو میں چونکہ بوائل نے پانچ جنگی جہاز۔ مشین گنیں، اور تار برقی وغیرہ موقع موقع سے نصب کر دی تھی اور فیصل ہی کے توپچی اونیز حتی الامکان مقرر کر دئے تھے۔

لہذا ترکوں نے جب وہاں سمندر کے کنارے روشنی وغیرہ دیکھ لی۔ اور بڑے زور کا سامان جنگ تو خفیف سی ہٹ پس کر کے واپسی ہی کو مصلحت وقت سمجھا۔ تب تو امیر فیصل نے وادی آیس کی طرف جہاں پانی کے تاریخی چشمے ہیں اور جو مدینہ طیبہ سے ایک سو کیلو میٹر ہے پہونچنے کا ارادہ کر لیا تاکہ ترکی سپہ کی آمد کو اب وہاں روک سکے۔ ادھر لارنس نے جواب مدینہ آگیا تھا۔ رہا انکو کو عبد اللہ کے پاس اسی طرح پر ترکوں کے روکنے وغیرہ کے پیغام سے روانہ کیا اور فیصل خود وہاں سے وجہ کو روانہ ہو گیا۔ کیونکہ عربوں نے وجہ کو لینے کا اب قصد ہی کر لیا تھا۔
فیصل کے ساتھ دس ہزار فوج اسوقت تھی انگریزوں نے ینبو کو خالی کر کے ایک ہندوستانی جہاز ہارڈنگ نامی پر سامان وغیرہ لاد دیا اور خود کپتان بوائل نے بحیرۂ احمر میں اپنے نصف بیڑہ جہازات سے امداد کا وعدہ کیا۔ جسپر مقام ابوزنیبت (Abu Zenibat) میں جو سمندر میں ہے عربوں کا اجتماع ہونا طے پا گیا تاکہ وجہ کو کسی طرح لے ہی لیا جاتا۔ حارب اور جہینیا کے قبیلوں کے کئی سو عربوں کو بھی سمندر سے وہاں پہونچانے کا انتظام کپتان بوائل نے کر دیا۔ در اصل ابو زنیبت ہی میں پانی بھی مل سکتا تھا۔ اور اسی سے وہاں پہونچنا طے ہوا۔

احمد توفیق بے گورنر ترکی نے اسی دن ترکی فوج کو خطبہ دیکر یہ کہا کہ آخری قطرہ خون تک مدینہ کے
بچانے کے لیے ترکوں کو بہا دینا چاہیئے مگر مجبوراً شب ہی میں خود وہاں سے روانہ ہوگیا کیونکہ وجہ کو مدینہ کے عربوں
نے بھی لیا تھا۔ اور اب کہا تھا عربوں کی ہمت ہر طرف اس واقعہ سے بڑھ گئی تھی تاہم کچھ ترکوں نے ادھر اُدھر
لڑائی بھی لڑی عرب تو جنگ میں اوپر کے نصف جسم کو برہنہ کر دیتے تھے کیونکہ اُن کے یہاں یہی دستور تھا
تاکہ زخموں کا پتہ صاف صاف چل سکے۔ مگر ترک اپنی وردیوں ہی میں شہادت کو فخر جانتے تھے۔

قاہرہ سے ہر قسم کی امداد یعنی اسپ نقدی۔ آلات اور سواری وغیرہ کی عربوں کو ملنے کی امید
ہوگئی۔ مگر پہاڑی توپیں کسی طرح نہ مل سکیں۔ جعفر پاشا بغدادی جو ترکی فوج کے ایک افسر تھے وہ
بھی عربوں سے ساز باز کر سکے۔ اور مدینہ کے گرد کی ایک سپاہ اونکے ساتھ بھی تھی۔ وہ خندق بنائے
ہوئے پڑے رہے۔ جس سے کہ عربوں کے امکان نہیں مدینہ پر گولہ باری نہ ہو سکی۔ مگر اب مدینہ و
تبوک کے درمیان جسقدر بھی پانی کے مقامات تھے ریل کی پٹری کے قریب قریب اکثر عربی
فوجیں تقسیم کر دی گئیں۔ اور راستوں کی حفاظت بھی عرب ہی کرنے لگے۔ میجر گارلینڈ (Major
Garland) اور کرنل نیو کومب (New-Comb) جنوب و مشرق اور شمال و مشرق کی طرف
سے چلتی ریلوں اور پلوں کے برباد کرنے اور بارود کی کانوں کے رکھنے میں وہاں پہونچکر مصروف
ہوگئے۔ فیصل نے بلی (Billi) عربوں کو اب خوب بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا اور جوہیا کو
عبد اللہ کے پاس وادی ایس میں بھیجا کیونکہ ماورائے ایس ایسے قبیلہ رہتے تھے جو امیر رولا
(Ruwalla) نوری شالان کے قابو کے تھے اور نوری کا اثر شریف مکہ یا ابن سعود یا
ابن رشید سے امرائے بعد امرائے عرب میں اسطرف کسیطرح کم نہ تھا۔ نوری ایک معمر عرب
تھا۔ اور قبیلہ انازیح (Anazeh) پر تیس سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس حکومت کو
اُسنے اپنے دو بھائیوں کو قتل کرکے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ وجہ کو عربوں نے جب لیا تھا تب ہی لارنس نے
اپنی جنگ کا مرکز اسی کو بنا لیا تھا اور فیصل نے بھی قرآن پاک پر حلف دلوا کر سبکو ذیل کی باتوں کا
پابند کر لیا۔ یہ کہ (۱) سب اوسکا ساتھ دینگے اور حکم مانیں گے۔ (۲) ترکوں کا ساتھ چھوڑ دینگے۔
اور عربی زبان بولیں گے۔ (۳) آزادی کے لئے جان و مال و خاندان تک تصدق کر دینگے۔
اسی کے ساتھ اسنے عربی قبائل کی آپس کی خصومتوں اور دشمنی کو دور کرنے کی سلسلہ در سال

یک شبانہ روز کوشش بھی کی، تاکہ اسوقت سب شیر و شکر ہوکر ساتھ دیں۔ چنانچہ اوس میں بھی وہ کامیاب ہو گیا۔ اور عرب کی کل اقوام گویا ایک رشتہ اتحاد میں گوندھ کر ترکوں کے مقابلہ میں تیار ہو گئیں۔ بلکہ مغربی حصہ عربستان کے واسطے تو فیصل ہی گویا ایک قسم کی عدالت العالیہ (اپیل) بن گیا۔

جنرل ایلنبی نے اوس زمانہ میں دو رولس رائس موٹر کار بھی جنگی قسم کی فیصل کو بھیجی تھیں جو کہ بالو پر بخوبی چل سکتی تھیں۔ اب عربوں نے ینبو (Yanbo) اور رابغ (Rabigh) میں فوج ہٹالی ہوائی جہاز بھی وہاں پہنچنے لگے۔ اور فیصل نے اعلان کیا کہ عودہ (Auda) نے آنکی لارنس کو خبر دی۔ اور کہا کہ اب عقابہ (Akaba) پر بھی پہنچنے کا پورا سامان ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً (غصہ سے) اٹھکر اوٹھا اور خیمہ کے باہر جاکر اپنے بنے ہوئے دانتوں کو پتھر سے توڑنے لگا اور کہنے لگا کہ میں بھول گیا۔ جمال پاشا نے یہ بنائے تھے اور میں اللہ کی دی ہوئی روٹی انہیں ترکی ہی دانتوں سے کھاتا تھا" اور اکثر وجہ میں پڑے رہنے پر بھی مذاق اڑایا۔ چنانچہ جب عقابہ لیلیا گیا تو سر آر۔ ونگیٹ (Sir R. Wingate) نے مصر کا ایک دندان ساز بھیجکر اسکے دانت تیار کرائے جو انگریزوں کی طرف سے بطور تحفہ کے دئے گئے تھے عودہ تو قبیلہ ہویتات (Howeitat) کا پورا نمونہ تھا۔ جنگجو عرب پیدا ہوا تھا۔ جنگ سے اسکے عہد صدیاں گذر چکی تھیں اور اپنے بدوی ہونے پر پورا ناز تھا۔ وہ بڑا مخیر اور مہمان نواز تھا۔ اٹھائیس نکاح کر چکا تھا اور تقریباً پچھتر قتل بھی کر چکا تھا بلکہ (۷۵) آدمیوں کو جنگ میں خود اپنے ہاتھ سے مارا تھا۔ اب لارنس اور عودہ وغیرہ سب کے مشورے سے مدینہ کا اور عقابہ سے علیحدہ کر کا ارادہ فیصل نے کر لیا تاکہ وہاں کی فوج سے ہتھیار ڈلوائے جاتے اور آئندہ تبوک کیمپ وگاریسنڈ ریو شریف شریف وہرکو کے موعد معظم (Muaddham) کے قریب پہنچکے اور اسکے اسٹیشن و قلعہ کے لینے کا ارادہ کر لیا گیا اور وہاں سے فیصل کی فوج کو لیکر تبوک سب کا آگے بڑھنے کا ارادہ تھا تاکہ میدان صالح تک پہونچ جاویں اور ریل کی پٹری پر قبضہ کرکے مدینہ کو علیحدہ کر دیں مگر اب اوسکو ترکوں کی اس غلطی کا علم ہو گیا کہ وہاں ترکی فوج تو کسی طرح عربوں کو نقصان نہ پہونچا سکنے ہی پر تلی ہوئی تھی، اسلئے اسکے خیال میں مدینہ کا لینا ہی فضول تھا اور غیر مناسب۔ وہاں کے ترکوں کا جب یہ بھی خیال معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی واپس کیا جاتا کہ

ہو وہ اپنے صوبوں پر قابض تھے تب تو ۹ رمئی ۱۹۱۷ء کو شریف ناصر کی سرکردگی میں عرب فوج تبوک ([illegible]) پر ٹھہر گئی جہاں مصری حجاج ہمیشہ پانی لیتے تھے۔ یہ شریف شرف فیصل کا چچیرا بھائی تھا اور شریف مولود ترکی فوج کا ایک عرب افسر تھا جو بغاوت کے وقت تک ملازم رہا تھا۔

وجہ سے سفر کرکے پہاڑی راستوں سے لارنس اور فیصل کی فوج نے ماآن (Maan) کی شہر کے قریب پہونچکر ریل کا پل اڑا دیا۔ اور قبیلہ ہوتیات کے یہاں کے اپنے سامان سے چھ ہزار پونڈ نذر دئے تھا ان کے نذر کے جنکی عنایت سے مقام سرحان میں سب ہی جاکر ٹھہرے ہو رہا ہی [illegible] لیڈر نوری کے پاس بھیجا گیا تھا وہاں سے قبیلہ فیتنار (Yetenna) کے سردار کے یہاں اسے پہنچکر سب ادی کے یہاں رہے اور ۱۸ رمئی ۱۹۱۷ء کو پھر وہاں سے روانہ ہوکر قبیلہ ابوتائی (Abu Tayi) کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔ اس گھاٹی سرحان میں سانپوں کی بہت کثرت تھی۔ جب اگیلا (Ageila) کے قریب پہونچے تو وجہ سے چلے ہوئے سب کو پانچ ہفتہ گزر گئے تھے جس سے ۱۹ جون ۱۹۱۷ء کو پانچسو سانڈنی سواروں کی فوج لیکر اقابہ کی طرف سب روانہ ہوگئے۔

عربوں کو اقابہ کے گرد و پیش کے قبیلوں کی امداد کی بھی ضرورت تھی جسکے بغیر کامیابی غیر ممکن تھی چنانچہ اسکا ہر طریقہ ڈھونڈا گیا۔ ابجفر (Abu Jafar) کی ریل کی پٹری کو طے کرکے نگھا لیشتر (Negbal Shtar) اور ماآن (Maan) سے گزر کر گویراد (Guweira) کے سپہ اننے پہنچے اور آبا اللسان (Aba el Lisan) پر حملہ کا عربوں نے ارادہ کیا۔ [illegible] ترکوں نے بھی خود پناہ کی ساتوں دیواریں گرا دی تھیں اور مختلف مقامات کے کنویں کو بھی غارت کر دیا تھا تاکہ پانی دشمنوں کو نہ مل سکے۔ بیر (Bair) میں بھی یہی عمل انہوں نے کر دیا تھا۔ لیکن ان کی بدقسمتی سے قبیلہ [illegible] (Rhuwania) سے اور ان سے جنگ ہوگئی تھی جس سے دونوں طرف کے لوگ بہت مارے گئے۔

[illegible] (Ghadir el Haj) کا ریلوے اسٹیشن [illegible]
لیلیا اور [illegible] ریل کی پٹی اڑا دئے

مگر اتفاق سے آبا الملسان (Aba el Lisan) میں ترکوں کی کمک آگئی تھی۔ ان کی طرف سے یہاں عودہ والے عربوں کو بٹرا (Batra) اور آبا الملسان کے درمیان کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمع کر رکھا تھا اور جیسے ہی ترکی فوج گھاٹی میں پہنچی ادہر نشانہ بازی شروع کر دی اور جلد ہی ہوٹیٹ کی امداد سے ترکی فوج کو شکست دیدی۔ ایکسو ساٹھ (۱۶۰) ترک قید ہوئے اور تین سو (۳۰۰) کے قریب مارے گئے۔ خود عودہ کے چھ گولیاں کپڑوں میں نکلیں مگر اسکے جسم پر ایک بھی زخم نہ تھا۔ حالانکہ اوسکی گھوڑی تک ماری گئی تھی۔ عودہ اسنے اوسکی وجہ یہ بیان کی تھی کہ اوسکے پاس ایک حمائل شریف قرآن پاک کی تھی جسکو وہ بطور تعویذ کے باندھے ہوئے تھا اور اوسی کی یہ برکت تھی۔ [1] اسی مقام سے عربوں نے ترکوں کی آتی ہوئی ریل کو لوٹا نیز ان کا پڑاؤ بھی۔ اور ان کی چمکتی ہوئی وردیوں کو دوسرے دن پہن لیا۔ اور بیحد خوش تھے کیونکہ اسکا ان کو بڑا ارمان تھا کہ دشمن کی پوشاک تک چھین سکیں۔ گویا دوسرے دن عربوں کی وہ فوج نہ معلوم ہوتی تھی بلکہ ترکی ہی فوج دکھلائی دینے لگی۔ یہ واقعہ ۴ر جولائی ۱۹۱۷ء کو پیش آیا اور ترکوں کو شکست ہوئی۔

اب جو ترک کھدرا (Khadra) میں جمع تھے تاکہ سمندر کے حملے کو روک سکتے اونسے لارنس نے صلح کی کوشش کی اور سفید جھنڈیاں بھی دکھائیں مگر ترکوں نے شب کے وقت حملہ ہی کر دیا۔ گو پھر دوسرے دن چونکہ وہ گھر گئے تھے اسلئے انہوں نے ہتھیار ہی ڈالدئے اور سات سو (۷۰۰) کے قریب ترک قیدی ہوگئے تھے۔ عربی فوج کی تعداد تو صرف اسوقت پانچسو تھی مگر وہ ہزاروں کے قریب اور رعب اور امداد دینے والے تھے۔

اب لارنس نے اونٹوں پر پندرہ سو میل کا سفر کرتے مصر میں جنرل ایلنبی سے ملاقات کی۔ نہر سویز سے بھی اس سفر میں پار ہونا پڑا اور پچاس پچاس میل تک ایک ایک دن میں اسنے سفر کیا اور جنرل موصوف کو ملکر اسپر راضی کیا کہ فیصل کو جو اب اپنی کل فوج عقابہ میں لے آچکا تھا۔ مصر میں کسی فوج کا افسر کرکے فوجی کام سکھوا دیا جاوے۔ شریف حسین بھی اس تجویز سے متفق

[1] از ڈائری کرنل لارنس مطبوعہ ۱۲ر جولائی ۱۹۳۵ء اخبار السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا۔

ہو چکے تھے۔ نیز جنرل اسٹلٹن (Stilleton) کے ہاتھ میں لارنس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ
اسلحہ اور سامان رسد وغیرہ بھی بھیجا ہے نیز رگلن (Ragland) نے سونے کے
دس ہزار پونڈ شریف حسین اسلئے بھیجے تھے کہ امیر ناصر کو قبضہ سے پاک کر دیا جاوے
کیونکہ وہ قسم ناصر نے عربوں کو دی دست رکھی تھی کہ اس نے اپنے رفقاء کو مقامات
پر جعفر اور گوہر وغیرہ پر قبضہ کر لینے کے لئے کہا تھا جنکو کہ وہ مرکز بنانا
چاہتے تھے۔ اور اب کر لیا ہے۔ جیسے آقابہ وغیرہ سب جگہ عربوں نے ترکوں پر فتح پائی۔
فیصل بھی ینبوع پہنچا۔ فتح الوجہ بعد کو اترا اور اسکے ہمراہ جعفر پاشا اور کرنل جوائس
(Joyce) مع انگریزی مصری نوجوان کے اور فوج نے موٹروں کے ساتھ کپتان گاسلٹ (Goslett)
نے بھی وہاں پہنچ کر ترکوں سے لی۔ اب دو ہزار پیدل فوج بالالسان پہونچا دی
اور قلعہ فتح کر لی۔ کچھ سوار فوج جو تحقیق الشدہ ہیں بھیج دیا تاکہ وادی موسیٰ سے عربوں کی
مدد کریں لیکن [illegible] (Ali Hamid) نے اپنے کیمپ سے وادی موسیٰ کے
تحت میں ایک روز ترکوں کے بعد بھیجا تاکہ جو ترکوں کے سامان رسد وغیرہ
چھپا کر گولیاں چلاتے تھے۔ نیز مقام دلاغا (Delagha) کے عربوں نے انگریزی
امداد کی بھی مدد حاصل کر لی۔ جنرل سامنڈ (Salmond)
نے ہوائی جہاز سے گولہ باری کر دی۔ جس سے ترکوں کا سخت نقصان ہوا۔ پھر جب معتبر
دو سال بعد عربوں کی فوج کو تعلیم کے واسطے بھیجے گئے اور یہ بھی آگئے تو بار دست
ریلوے لائن اور مدد کی (Maan) کے قریب ۱۹۱۸ء میں عرب پہنچ گئے۔ یہاں لارنس
صاحب بھی آگئے تھے اور خود انہوں نے زمین کھود کر ڈائنامائٹ وغیرہ لگا کر بم کے گولے
بچھا دئے اور [illegible] فیصل کا غلام تھا اور اس نے تار کو وقت پر سب پر پھیلا دیا تھا۔
جس سے وہ ریل جس پر ترکی فوج اور سامان رسد آ رہا تھا اڑا دی گئی۔ [illegible]
گاڑی [illegible] انجن وغیرہ [illegible] گیا
[illegible] (Mudawwara) اسٹیشن سے جیسے [illegible] فوج [illegible] لے
اور [illegible]
بذریعہ اسٹیشن [illegible] قبضہ کر لیا گیا۔

اس درمیان میں کرنل نیوکومب کو جن کے سپرد ترکوں کی ریل کے اکھاڑنے کی خدمت
تھی اُون کو ترکوں نے گرفتار بھی کر لیا تھا۔ مگر وہ ترکیب سے بھاگ نکلا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء
میں علی ابن الحسین کو جو جمال پاشا کا دمشق میں مہمان تھا اور جس کو شام کا حال پورا پورا
معلوم تھا فیصل کے پاس آگیا اور وہ ہندی رضاکاروں کے سواروں کی فوج جو
کپتان برے (Bray) نے فرانس میں تیار کی تھی جو جمعدار حسن شاہ کی ماتحتی میں وہ
بھی لارنس کے پاس پہونچ گئی۔ اس فوج نے ترکوں کی کمک کے واسطے جو جدید دستے
آرہے تھے اُن کو مشین گنوں کے ذریعہ سے خوب ہی روکا۔ امیر عبد القادر الجزیری
(Algerians) بھی اسی درمیان میں امداد کے واسطے پہونچ گئے اور وہ تو دریائے
یارمک (Yarmuk) کے شمالی کنارے کے رہنے والوں کی امداد کا وعدہ فیصل
سے کر کے آئے تھے اور جب کہ عرب اب دوسرے پلوں کے توڑنے اور ریل کی پٹریوں
کے اکھاڑنے میں لگے تھے کہ کرنل بریمانڈ (Bremond) کا تار لارنس کو مل گیا کہ عبد القادر
تو ترکوں کا ایک جاسوس اور اُن سے تنخواہ پاتا تھا لہذا اوس کی طرف سے جو امید تھی
وہ گو جاتی رہی۔ تاہم اب ترکوں کو مدد نہ پہونچ سکی اور ۲۴ اکتوبر کو ازرک (Azrak)
کے لئے عرب روانہ ہو گئے وہاں شیخ عین السید تھا نیز لارنس کی فوج کی ضرورت کی دراصل
تو جنرل الینبی کی ہدایت کے مطابق ۸ نومبر تک ان کو دریائے یارمک (Yarmuk)
پر ریل کے ایک بڑے پل کو غارت کر دینے کی ضرورت تھی جس سے عرب اور لارنس اب
جا رہے تھے۔ لہذا قبیلہ سراحیم بہ سرکردگی عبد القادر وادی خالد کی طرف روانہ کر دیا گیا
مگر وہ دھوکا دیکر جب جبل دروز کی طرف چلتا ہوا تو خود عربوں نے اپنا بند و بست کر لیا
اب وہ مصر ترکوں کو درا (Deraa) جنکشن ریلوے سے جہاں کہ جنید دمشق اور عمان سے ریلیں
آکر ملتی تھیں اور جو ترکی فوج کا قلب تھا بھگانے کے لئے جنرل الینبی نے امیر فیصل کو دو ہزار برق دم سوار تیز
اونٹ نذر کئے۔ جس سے کہ اوس نے اپنے بہادر اور ہوشیار عربوں کو پلوں کے توڑنے اور گولوں بارود
سے اوڑانے کی تدبیر نکال لی۔ اور اب ترکوں کی جنوب سے مدد کوئی پا نہیں سکتی۔ ادھر مغرب سے
سے شیخ سعد تک انگریزوں نے مسلح موٹریں بھجوا دیں جنہوں نے کر ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ دیں اور تار

برقی بھی کاٹ دی۔ فیصل کی فوج تو حسب ضرورت تھی نہیں۔ تھا تو تنہا غائب ہو جاتی۔ اور ترکوں سے شمالی حجاز، شام آزاد تک نجد، بدوں، ریل کی پٹری ایسا فیصل نے ترکیبوں سے اکھڑوا دیا اور اسکے آدمی مواضعات میں جاکر یہ شہرت دیتے تھے کہ یہ سب کچھ تو اوس بڑی زبردست فوج کا پیش خیمہ ہے جو انگریزوں کی عربیت سے آرہی تھی۔ اسی طرح کے دھوکے دیکر فیصل نے ترکوں کی ہار کرادی۔

عربوں کے دمشق پہنچ جانے پر فیصل نے وہاں اپنی سول حکومت بھی قائم کرلی اور مصطفےٰ کمال نے بھی وہاں، جبکہ جرمنی جنرل، وان سانڈرز سے کمان افواج لیکر شمال کی طرف پسپا ہو گئے، اب بھاں اسی سے ترک تنہا صلح پر مجبور ہو رہے تھے۔ فلسطین میں بھی عربوں کی مدد سے برطانیہ کو کامیابی ہوئی کیونکہ فیصل کی ذات سے عربوں میں میل رہا اور یہودیوں کی دشمنیوں اور ہاتھوں سے اوکی اتفاقی طاقتوں سے دور رکھ باندھا۔ دیکھو سب کو قومیت کی دھن میں لگائے رہا۔ یہانتک کہ انگریزوں نے اوسے تنہا عراق کا بادشاہ بنا دیا۔

دراصل تو فرانس و برطانیہ کے خفیہ معاہدات کی فیصل کو اطلاع نہ تھی اور نہ اوس کے رشتہ دار ہادی راہ کرنل لارنس کو۔ وہ تو یہ امید یقین رکھے ہوئے تھا کہ اوسے تمام عرب کی حکومت بھی ملیگی۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں میں ترکوں کے ستارہ اقبال کو شرق میں وہ گرا چکا تھا جبکہ ہندوستان سے تازہ دم فوج و اول کی فوج بھیجے گئے۔ ترکوں کے شکاروں اور جہازوں انگریزوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔ اوسوقت ضعیف۔ درد آ رلویسے جرمنوں کے لئے قتل حجاز برباد کے رسد رسانی بھی کر رکھی تھی۔ تاہم فیصل کی چھاپہ مار دستوں نے برطانیہ کی پوری مدد کرکے ترکوں اور جرمنوں دونوں کو حیران کر دیا اور ترکوں سے تو عربستان حجاز شام وغیرہ سب ہی کو خالی کرا لیا۔ جب فیصل کی آرزو پوری نہ ہوئی تو لارنس صاحب بھی کرایہ کی کمائی سے تنگ آکر ہوائی پرواز کی مشق کرنے لگے۔ فرانس کو شام ملا۔ برطانیہ کو فلسطین اور دریائے میسوپوٹیمیا۔ گو برطانیہ نے پھر کل میسوپوٹیمیا اور موصل پر قبضہ لے لیا لیکن شام میں فیصل نے ایک کانگریس منعقد کرا کے اپنے کو بادشاہ ہونے کا اعلان بھی کرادیا۔ اور اس کا بھائی عبداللہ اب شاہ عراق ہو گیا۔

فرانس نے پھر جب فیصل کو شام دینا نامنظور کیا تو کونسی قوت تھی جو اسے منوا سکتی۔ نیز برطانیہ نے اپنی زبردست حکمت عملی سے ہی طالب پاشا کو ایک سیلون میں چائے پلا کر نظر بند کرکے بصرہ کے قریب بھیجدیا۔ اور باوجود یکہ عراق میں زیادہ آبادی شیعہ ہے اور فیصل سنی تھا تب بھی فیصل کو عراق

کا بادشاہ بنوا دیا۔ فیصل کا رہبری یہ تھا کہ اب سے بیس سال قبل وہ بطور ایک فاتح کے دمشق میں اپنا اقتدار قائم کر چکا تھا۔ اگست ۱۹۲۱ء میں جب فیصل مجبوراً شاہ عراق بن بیٹھا۔ حالانکہ کردستان کے باشندوں نے فیصل کے داخلہ بغداد پر بہت ہی شکوے کئے مگر برطانیہ کی فوجی قوت کے سامنے کیا ہو سکتا تھا۔

شاہ فیصل اپنی قابلیت اور ہمدرد مغربی کی بدولت ہمیشہ کامیاب رہے اور جب سے انگریزی پوشاک و طرز تہذیب اختیار کر لیا تھا۔ تب سے وہ یورپ کی نظروں میں سب طرح کی قابلیت اعلیٰ کوشش کرتے رہے تھے۔ مگر اس کے علاوہ ان میں ہما چلا کر اور اس سے زیادہ کی کرنے کی غیر معمولی ملکی [illegible] دیکھ مقبولیت حاصل کر لی گویا پارلیمنٹری طریق حکومت ابتدا ہی سے عراق کو دیا گیا تھا۔ تاہم فیصل کی بادشاہت کی پہلی ہی سالگرہ کے دن کچھ شاہی کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا۔ کوہستان میں بغاوت ہو گئی اور کچھ شیعہ آبادی نے عام انتخابات تک کو بائیکاٹ کیا۔ لیکن اس کی سیاست دانی فراست اور ان کے اخلاق نے دس سال کے اندر تمام عراقیوں کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ اور برطانیہ کو بھی پورا اطمینان ہو گیا۔ آخر قریب دس سال تک خوبی سے فیصل نے کام چلایا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۲ء میں عراق کو انگریزوں سے آزاد حکومت دلوا دی۔ حالانکہ دوسری درمیان میں حجاز کے ابن سعود نے فیصل کے باپ حسین کو خارج بھی کرا دیا تھا۔ مگر امیر عبداللہ اب بھی ماورائے دریائے اردن پر بادشاہ بنے بیٹھے تھے۔ یعنی ابن سعود کو اپنے پیچھے سے ہر وقت خطرہ رہا کرتا تھا۔ نیز عراقیوں اور عربی بدوؤں میں چراگاہوں پر جھگڑے کے اندیشے تھے کیونکہ عراقی بھیڑ پالتے تھے اور عرب اونٹ۔ مگر سب کی خیر کا ہی (کچھ کام ایک پنچایت نے) لیکن ۱۹۳۰ء میں ابن سعود اور فیصل دونوں کی ملاقات ایک برطانوی جہاز پر کرائی گئی اور یہ طے ہو گیا کہ ہر متنازعہ فیہ معاملہ کو ایک پنچایت کے سپرد کر دیا جایا کرے گا۔ اب دونوں پڑوسی بھائی بادشاہ راضی باضی ہو کر اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

شاہ فیصل کو عراق کے تیل کے چشموں کی ایسی چاٹ لگی ہوئی تھی اور ملکی مال کی ٹیکس پڑی تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی جب کہ ستاسی لاکھ پچاس ہزار پونڈ کی آمدنی صرف تیل سے ماہرین فن حساب نے لگا کر ملک کے بجٹ کو پورا کر کے دکھلا دیا تھا۔

عراق میں فیصل کو اتنا سرگرم اقدام سے دیکھ کر [illegible] کہ سلطان ابن سعود [illegible] سب ہمسائی تعمیر چلا میں [illegible] کے قریب اس [illegible] ۱۹۳۳ء [illegible] عراق [illegible]

کا زمانہ تھا کہا جاتا ہے کہ ان کے دس ہزار مردوں کو برطانیہ سے بکور دوں سے حفاظت کے لئے اسلحہ دلوائے تھے۔ گر فیصل نے ان کو ہر طرح سے راضی ہی کر چھوڑا۔

عرب اور عراق میں اُس وقت بھی رواج ملکی ہی کو قانون کا مرتبہ دیا ہوا تھا۔ چنانچہ انکم ٹیکس ڈائرکٹر جنرل وزارت اندرونی عراق نے ایک لڑکی سے شادی کرلی جو غیر کفو تھی۔ لڑکی والوں نے ڈائرکٹر صاحب کو گولی سے ہلاک کر دیا۔ جب عدالت میں معاملہ پیش ہوا تو اُن دستور کی شہادت دی گئی کہ غیر کفو میں شادی کی سزا یہی تھی اور ملزم رہا کئے گئے۔ شاہ فیصل آخر آخر غفلت سے عاجز آکر بغداد چھوڑ کر سوئزرلینڈ کے پہاڑوں میں تندرستی کے لئے چلے گئے تھے اور وہاں پہونچکر ایک ہی ہفتہ زندہ رہے

شام کے متعلق جو اسکیم عربستان سے لارنس نے بنائی تھی وہ غلط نکلی۔ کیونکہ فرانس نے شام پر قبضہ کرلیا تھا اور امیر فیصل موںہ دیکھتے ہی رہ گئے تھے بالفور کے اعلان نیز ٹرنس جارڈن ([illegible]) کے انتداب نے تمام کارروائیوں کو بالآخر ختم ہی کر دیا اور امیر ابن سعود کی عقل رسا کا کسی کو بھی پتہ نہ چلا جبکہ اُس نے شریف وغیرہ کی پرواہ نہ کرکے حجاز پر قبضہ کرلیا اور بعد میں یمن کے امام یحییٰ سے بیس سال کے لئے دوستی کا معاہدہ کرکے با اختیار بادشاہ بن بیٹھا۔ حالانکہ دراصل تو ایشیا میں برطانیہ عظمیٰ ہی کے زیر سیادت عرب حکومتوں کا ایک جھرمٹ ترکوں کی شکست کے بعد بنگیا تھا اور بن رہا ہے۔

کہا تو یہ جاتا ہے کہ بنی اُمیہ کے وقت سے جس طرح جزیرۃ العرب اور اوس کے صحرا اقتصادی نا امیدیوں میں گھرے ہوئے تھے اب اُن کو سر سبز و زرخیز بنانے کا خیال سب کو ہے اور غالباً کوئی بھی تدبیر اُس کے واسطے نہ اوٹھا رکھی جائیگی اور برطانیہ کی تمام تر امداد عربوں کے لئے موجود ہے۔ کھجور کی کاشت۔ افزائش نسل جانور ۔ کانوں کی تلاش وغیرہ وغیرہ سے بیچارے بدو اعراب کو جامہ انسانیت میں لانے کی پوری کوشش ہوگی موٹروں کی سڑکوں سے صحرائے عرب میں ایک ہلچل ڈالدی جائیگی اور ہزاروں عرب اونٹوں کی پرورش چھوڑ کر موٹروں کے چلانے مشینوں کے کاموں کے سیکھنے میں لگ جائیں گے۔ چنانچہ ریل گاڑی چلانے کے لئے بھی پیمائش ہو رہی ہے۔ ابن سعود نے قبوں اور مقابر کو مسمار کرکے دنیا میں وہابیت کی شہرت بھی دیدی ہے۔ گر یقین تو ہے کہ زمانۂ حال کی تعلیم سے عربوں

کے بھی سوان کھل جائینگے اور دماغ روشن ہو جائیگا۔

شریف حسین اور اوس کی اولاد کا وہ خواب کہ دمشق الیپو فلسطین اور کل حجاز و عراق میں وہ خلیفہ اسلام بنکر بیٹھ سکتے افسوس کہ پورا نہ ہوسکا۔ اور یورپ کی عیسائی حکومتوں نے خلافت اسلامی کے خیال تک کو کسی کے دماغ میں اپنی حکمت عملیوں سے گذرنے کا موقع نہیں باقی رکھا ہے۔ بس صرف مسلمانوں کا موقع ہی صرف رہ گیا ہے جہاں کہ اتحاد اسلامی وغیرہ کا اندیشہ اون کو اب بھی ستائے ہوئے ہے۔ اور جسکا ذکر اوپر آچکا ہے شریف حسین کو تو ہر قسم کی امیدیں یورپ کے اتحادیوں نے دلوادی تھیں اور امیر فیصل کو برائے نام دمشق کا گورنر بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور ۱۱ دسمبر ۱۹۱۸ء کو لندن میں جب فیصل کو ٹرکی کا نقشہ تقسیم دکھلایا گیا اور یہود کی چالیس پچاس لاکھ کی آبادی کی گنجایش صرف فلسطین میں بتلائی گئی تو اوس کی آنکھیں کھلیں۔ پریسیڈنٹ ولسن امریکہ نے جب پھر ۶ فروری ۱۹۱۹ء کو لندن کی کانفرنس کے دوران میں امیر فیصل سے سوالات کئے تھے تو اونکے جواب میں فیصل نے عربوں کی آزادی اور اپنے لئے اون پر حق سیادت و حکومت کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ فیصل نے کانفرنس کی مثال ایک ایسے اونٹوں کے کاروان کی بیان کی کہ جس کی نکیل ایک گدھے کے ہاتھ میں ہو۔ اور مایوس بھی ہوگیا۔ شامیوں نے بھروسے بھی کر دئے تھے اور ۱۱ مارچ ۱۹۲۰ء کو فیصل تو شام کا بادشاہ بھی بن بیٹھا تھا۔ مگر ۲۸ جولائی کو فرانس نے اوسکو تخت سے محروم ہی کر دیا۔ تاہم ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو فیصل کو برطانیہ نے عراق کا بادشاہ بنائے جانیکا اعلان کر دیا۔

ابن سعود اور مصر کی حکومت کے درمیان سیاسی تعلقات بعد میں خراب ہوگئے تھے شاہ فواد مصر اور عبدالعزیز ابن سعود شاہ حجاز کی طرف سے مصالحت کی کوشش بہت کی گئی۔ اور دو سال سے مکہ اور قاہرہ کے درمیان متعدد قسم کے جھگڑے رہے۔ محمل شریف مکہ کو بھیجا جانے کے جھگڑے سے در اصل تمام باتوں کی ابتدا ہوئی تھی۔ کیونکہ غلاف کعبہ کے مصر سے پہنچنے اور وہاں سے اوس کے لیجانے کا حق اہل مصر کو ایسے وقت سے بیان کیا جاتا ہے کہ جو انسان کی یاد سے بھی باہر ہے۔ اس محمل کے ہمراہ ایک کمپنی بھی فوج کی حکومت مصر سے جاتی تھی اور جس کا یہ دستور تھا کہ جھنڈا اپنے بجاتا ہوا ایک اونٹ پر غلاف کعبہ وغیرہ مع تحائف کے جدہ سے مکہ تک لایا جاتا تھا۔ غلہ بھی خیرات

کے واسطے کافی مقدار میں مصری حکومت اور وہاں کے اوقاف کی طرف سے اسی محمل کے ہمراہ بھیجا جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں جبکہ سلطان ابن سعود نے اپنی بادشاہت حجاز کا اعلان کیا تھا تو وہابیوں نے باجہ وغیرہ بجتے ہوئے محمل شریف کے جانے پر اعتراض کر دیا۔ بلکہ عام طور پر مقامات مقدسہ میں باجوں کے بجنے تک کے وہ مخالف تھے سلطان بھی اپنی قوم سے مجبور ہو گئے۔ اور جبکہ محمل کا اونٹ بعد حج کے واپس ہوا اور قافلہ عرفات سے لوٹا تو مکہ میں اس پر حملہ کر دیا گیا۔ اور بگل بجتے ہی دونوں طرفوں سے گولی چلنے لگی۔ اور جب تک کہ فیصل ابن عبدالعزیز سعود امیر مکہ اپنی فوج لیکر موقع پر پہونچے ایک مصری افسر اور پچیس وہابی مارے جا چکے تھے۔ اور گو جنگ تو فی الوقت رک گئی مگر جبکہ حکومت سعودیہ نے یہ اعلان کیا کہ مصر کا غلہ اور نقد جو خیرات کے واسطے آیا تھا وہ بھی حکومت کی طرف سے تقسیم ہوگا تو معاملات زائد بڑھ گئے۔ مگر ابن سعود نے فیصل اپنے بیٹے کو مصر بھیجکر تعلقات کی خرابی کو رفع بھی کرنا چاہا تاہم نزاعات رفع نہ ہوئے جس سے حجازیوں کا سخت نقصان ہوا سعودیوں کا یہ بھی خیال تھا کہ شاہ فواد کے دماغ میں خلافت اسلامی کا بھی ولولہ تھا اور اس بنا پر اُن کو میل کرنا مشکل ہوا۔ مگر امید کی جاتی تھی کہ ۱۹۳۶ء تک معاملات صاف ہو جاتے۔ در اصل علی مہر پاشا مصری کی کوشش سے امید بھی بندھ گئی تھی

اس مقام پر عربوں کے ان علمی اور فنی کارناموں کا ذکر بھی مناسب ہے جو کہ مسٹر ایچ۔ جی ویلز (H. G. Wells) نے کلکتہ کے اخبار اسٹار آف انڈیا (Star of India) میں ۱۹۳۶ء کی اپریل یا مئی کی اشاعت میں شائع کرائے تھے۔

"(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل کئی نسلوں سے عربوں کا دماغ ناکارہ ہو رہا تھا۔ وہ شاعری اور مذہبی مباحث میں مبتلا تھے۔ مگر پیغمبر اسلام کے مبعوث ہوتے ہی اُن کی قومی اور نسلی کامیابیوں میں وہ ولولہ پیدا ہو گیا کہ تھوڑے ہی دنوں کے اندر اُن کے ذہن و دماغ میں وہ روشنی اور چمک دمک پیدا ہو گئی جو یونانیوں کے بہترین دور کے قریب پہونچ گئے یعنی انھوں نے ایک نئے زاویۂ نگاہ اور تر و تازہ قوت کے ساتھ علم کے اس ذخیرہ کو باقاعدہ نشوونما دینا شروع کر دیا جس کا کام کہ یونانیوں نے شروع کیا تھا۔ اور پھر چھوڑ بیٹھے تھے۔ سائنس کی تحقیقات کا اصلی سہرہ سب سے پہلے عربوں کے سر ہے۔ اگر یونانی حقائق کی زندگی کو سائنس کی روشنی میں پرکھنے کی تحریک کے موجد تھے تو انکی جگہ عربوں ہی نے انکے بدلے۔ اور موجودہ دنیا کو تعلیمی کتابیں عربوں ہی کے ہاتھوں نصیب ہوئی ہیں۔ عربوں نے اپنے

فتوحات سے یورپ والوں کی علمی تحقیقاتوں کو شامیوں کے ترجموں کے ذریعہ حاصل کیا تھا۔ بنی امیہ اور عباسیوں کے زمانہ میں تو عرب ہی کے دماغوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ فلسفہ اور بہترین ادب کی تصنیفات کر ڈالی تھیں نویں اور دسویں صدی تک بڑی بڑی لغتیں اور قواعد زبان کی بھی تصنیفات ہو گئی تھیں۔"

۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو امام یمن نے بھی سلطنت اٹلی سے ایک معاہدہ کر لیا تھا جس سے ہوائی پرواز کا نہایت [illegible] وغیرہ اور سڑکوں کی دریافت و تعمیر کے اجارے اطالیہ نے امام سے حاصل کر لئے۔ نیز حبشہ ریلوے بحیرۂ ہند تک بنانے کا اس نے ارادہ کر لیا ہے۔ اسی کے واسطے ملک حبشہ کو بھی فتح کیا ہے۔

ابن سعود اور سعودی حکومت

شروع اٹھارویں صدی میں محمد ابن عبد الوہاب نجد میں پیدا ہوا۔ اور اسی نے وہابیت کی بنیاد ڈالی۔ اور عرب سے شام تک وہابی سلطنت قائم کر دی۔ ۱۸۰۶ء میں مکہ و مدینہ بھی وہابیوں کے ہاتھ آگیا تھا۔ یہ اسی خاندان سے تھا۔ مگر ۱۸۱۳ء میں ترکی سلطان محمود ثانی نے وہابیوں کی حکومت کو مٹا دیا۔

موجودہ سعودی خاندان یعنی عبد العزیز شاہ حجاز پانچویں پشت امیر محمد ابن سعود سے ہیں۔ امیر محمد ہی نے در اصل شیخ محمد ابن عبد الوہاب کی تعلیمات کی بہت بڑی تائید کی تھی۔ اس کا اصلی مقام درعیہ تھا۔ شیخ محمد نے وہیں سے وہابیت کی تلقین شروع کی تھی۔ اُن کی تعلیم میں شریعت اسلام کی انتہائی سادگی اور سختی سے پابندی تھی۔ امیر محمد کے چالیس سال بعد اس کے پوتے کو جو ابن سعود کہا جاتا تھا اپنی حکومت اور اثر شام کی سرحد سے شمال میں اور [illegible] تک جنوب میں بلکہ بحر عمان کے کنارے سے بحر احمر تک قائم کر لی تھی۔ اور اصلی اسلامی حکومت کی تمام نشانیں اس میں بھی موجود تھیں۔ اسی زمانہ میں مصر میں محمد علی پاشا نے سر اٹھایا تھا اور سلطان ترکی نے ان دونوں کو [illegible] ترکیب سے لڑوا بھی دیا تھا اُن کی جنگ پانچ سال تک قائم رہی تھی۔ اور نتیجہ میں ابن سعود کو محمد علی پاشا نے گرفتار کر لیا تھا اور ۱۸۱۵ء میں درعیہ کو مسمار کرا دیا۔ بلکہ کھجوروں کے درخت تک کٹوا ڈالے گئے اور وہابیوں کو منتشر کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ کچھ بڑھتے رہے [illegible] گزشتہ صدی میں وہابیوں [illegible]

اختیار کی مگر ۱۲۸۳ھ میں ادریس کے چچیرے بھائی نے اوسے قتل کر دیا۔ تب شاہ عبدالعزیز کے دادا
نے جس کا نام بھی فیصل تھا باپ کا بدلہ لیا اور ۱۲۸۲ھ میں اپنے کو امیر کہلایا حالانکہ قبائل میں جنگ جاری
رہی یہانتک کہ خورشید پاشا مشہور مصری جنرل نے فیصل کو گرفتار کر کے اوسکے دوسرے چچیرے بھائی
کو امیر بنا دیا۔ اور فیصل کو سات سال تک قاہرہ میں مقید رکھا گیا۔ جہاں سے وہ بھاگ نکلا اور نجد
پہونچکر پھر ادریس نے جنگ چھیڑ دی۔ اور امیر بن گیا۔ اس کی وفات پر اوس کے دو بیٹوں میں جنگ
ہو گئی تب ترکوں نے ۱۲۸۸ھ میں نجد کی حکومت کو ختم ہی کر دیا۔ شاہ عبدالعزیز کے والد کو جب ریاض میں بھی
بیک مشکل معلوم ہوئی تو کویت میں جا کر ۱۳۰۸ھ میں اُس نے پناہ لی۔ اور ترکی حکومت نے کل خاندان
کا گذارا ساٹھ پونڈ مقرر کر دیا۔ اسوقت عبدالعزیز کی عمر دس سال کی تھی۔ جب ۱۳۱۸ھ میں وہ پندرہ
سال کا ہوا تو شیخ مبارک الصباح کویت میں مشہور ہو کر زور پکڑ چکا تھا یہانتک کہ ترکوں سے اور شیخ مبارک
سے جنگ ہو گئی۔ اوس وقت عبدالعزیز نے فوج جمع کر کے نجد کا رخ کیا۔ ریاض بھی فتح کر لیا مگر ریاض
پر قبضہ قائم نہ رکھ سکا۔ ۱۳۱۹ھ میں پھر صرف چالیس سعودیوں اور متعلقین بدوؤں کے ساتھ ریاض پر قبضہ
کر لیا۔ تب تو سلطان ترکی نے اوس کے خاندان کا گذارا بھی بند کر دیا۔ اور دیگر قبائل کی تنبیہ بھی
کی۔ امیر اس کے باپ اور دیگر امرا نے اسکو منع کیا اور روکا۔ مگر اوس نے کسی کی کچھ نہ سنی۔ بیس
دیگر سعودی اوس کے ساتھ مرنے اور مارنے پر متفق ہو گئے۔ اون کے ساتھ ہمراہ اس طرح جمع
کر کے اور ایک قائم کو ریاض کی سمت بھیجکر نصف کو کچھ دور اسکے باغ میں اپنے بھائی محمد کی کمان
میں چھوڑا اور ایک کھجور کے درخت کو کاٹا اور ساتھ کر کے شہر پناہ کی دیوار سے لگوا دیا۔ باقی
ساتھیوں میں سے بیس کو وہاں کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر وہ خود ہی شہر کے ذریعہ شہر
پناہ میں داخل ہو گیا وہاں بھی چار آدمیوں کو متعین کر کے چھ جانباز عربوں کے ہمراہ
ترکی گورنر امیر عجلان کے محل کے قریب ترکستان پر جا کر رک گیا۔ دروازے کو تھپکی دی۔ تو ایک
عورت نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ جواب دیا گیا کہ گورنر امیر عجلان کو ... تمہارے شوہر کو
بلانے آئے ہیں۔ عورت نے کہا کہ کچھ فریب تو کوئی چور ہے ورنہ رات کو کھٹکھٹاتا۔ امیر عبدالعزیز
نے کہا کہ "اے نیک بخت میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے ارادے بد نہیں ہیں اور بیا مجبور ہوں کہ تجھکو
بے چلا دوں کہ اگر تیرا شوہر بغیر دیر کئے ہوئے گورنر کے پاس نہ گیا تو صبح کیا وقت موت سے کوئی بھی بچا نہیں

سکتا ہو۔ اسپر عورت کا شوہر یہ سن کر دروازے پر آیا اور اس ہنگامے کا سبب دریافت کیا۔ یہ شوہر سعودیوں کا قدیم ملازم تھا۔ اسی بنا پر ابن سعود نے اسکے مکان پر دستک دی تھی اور جیسے ہی کہ وہ دروازے پر آیا اور کھولا تو جیسے ہی عبدالعزیز نے جھپٹ کے اسے اوس کے مکان میں کہا کہ خاموش رہ اور ہٹا کر اندر ہو گیا۔ عورت نے تو فوراً پہچان کر کہا کہ "اخاہ ہمارا مالک عبدالعزیز ابن سعود ہے"۔

اب مستورات کو یکجا کر کے عبدالعزیز نے ایک کمرہ میں بند کر دیا اور خاموشی کا حکم دیدیا۔ انہیں کی سب نے تعمیل کی۔ اپنے ساتھی ملازم کو ہمراہ لیکر اب وہ گورنر کے باغ کی دیوار پر چڑھا اور محل میں داخل ہو گیا۔ وہاں سنتریوں کو سوتا پاکر انہیں کے کمبلوں میں لپٹوا کر اور باندھ کر ایک کمرے میں انہیں بھی بند کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی اب بلا لیا۔ سب نے گورنر کے محل کے کمروں میں تلاشی شروع کر دی۔ ایک لالٹین سے جیسے ہی ایک سونے والے کا منہ دیکھا تو وہ گورنر کی ایک بیوی نکلی اور وہ ابن سعود کو پہچان کر ہنسی اور پوچھا کہ کیا چاہتے ہو۔ اوس نے کہا "عجلان"۔ عورت نے کہا "بیٹا اپنی جان پر نہ کھیل۔ رات ہی میں بھاگ جا ورنہ قضا کے منہ میں پہنچیگا"۔ عبدالعزیز نے کہا کہ میں مشورہ کے واسطے نہیں آیا ہوں بلکہ یہ جاننے کے لئے کہ عجلان کس وقت صبح کو برآمد ہوتا ہے"۔ عورت نے جواب دیا کہ "سورج نکلنے سے ایک گھنٹہ بعد"۔ دراصل اس بیوی کو عجلان سے رنج تھا۔ اور یہ نا امیدیوں سے مایوس ہو چکی تھی۔ اب عبدالعزیز نے جو بھی مستورات وہاں تھیں انہیں بھی کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صبح ہوتے ہی جیسے ہی اندر محل کا اصلی دروازہ کھلا اور گھوڑوں کو لیکر عجلان کے غلام باہر نکلے ویسے ہی فوراً عجلان نے باہر آکر حسب دستور گھوڑوں کو تھپتھپایا۔ اسی دم دیواروں کی آڑ سے عبدالعزیز اور اوس کے ساتھی عجلان وغیرہ پر گولیاں چلا بیٹھے۔ گورنر کے ملازمین نے بھی گولیاں چلائیں۔ اور گو گورنر کے گولی لگی تھی مگر گو شکست میں لگنے کے باعث وہ عبدالعزیز ہی کی طرف لپکا اور اسے گرا دیا۔ تب عبداللہ اوسکا چچیرا بھائی بیچ میں آ گیا اور ایک ہی گولی سے اوس نے عجلان کا کام قریب ہی سے تمام کر دیا۔ عبدالعزیز کے ہمراہیوں نے جو سب اب آ گئے تھے سب طرف گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ محل کی فوج نے یہ سمجھکر کہ عبدالعزیز کے ہمراہ غالباً بڑی فوج ہے۔ ہتھیار ڈالدیے اور جان بخشی کی درخواست کر دی۔ ابن سعود کے بھی دو آدمی مارے گئے۔ اور چار زخمی ہوئے۔

دوپہر کے قریب ابن سعود کے ریاض کے حاکم ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ تب وہ اپنے

ایک عزیز یاور کا چارج دیکر خود باہر نکل آیا۔ اور اب جہاں جہاں گیا اپنے کو حاکم منواتا گیا۔ مگر کہیں بھی قیام نہیں کیا۔ کیونکہ ترکی فوج اوس کے پیچھے پیچھے ہر جگہ پہونچتی رہتی تھی۔ اسیطرح الخرج اور پھر نجد کا کل جنوبی حصہ اپنے قبضہ میں کر کے امیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایسے ہی ۱۹۰۵ء میں ابن سعود نے سلطانی افواج کو بہت پیچھے ہٹا دیا۔ اور اب اسکی فوجی قوت بھی خاصی ہو گئی تھی۔ اور مکہ کے قریب تک وہ آگیا تھا۔

۱۹۰۷ء میں اوس کا چچیرا بھائی اخارق اوس سے انتقام لینے کے لئے جنوب میں مقابل آگیا۔ تب ترکوں نے کا مہیا اوس پر حملہ کر دیا اور شریف حسین مکہ بھی ترکوں کے ساتھ ہو گئے۔ جس سے گویا وہ تین طرف سے گھر گیا۔ مگر پہلے وہ ترکوں سے نپٹا اور شکست دی۔ مگر ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اس شرط سے انہیں جان بخشی دی کہ وہ بغداد یا مکہ کی طرف لوٹ جائیں اور ان کے اونٹ تک واپس دیدئے۔ ترکوں نے منظور کرلیا اور واپس گئے۔ تب وہ اخارق کی طرف متوجہ ہوا اس نے بھی معافی مانگ لی۔ اب جب کہ وہ حسین کی خبر لینے کو چلا تو معلوم ہوا کہ حسین پہلے ہی سے حجاز میں پہونچ چکا تھا۔ اور اس طرح وہ فاتح بن کر امیری کرتا رہا

۱۹۱۲ء میں جب ترک بلقان میں مبتلا ہو گئے تو احصار اور القالف کو بھی اس نے اپنی حکومت نجد میں شامل کرلیا۔ مگر پھر بھی ترکی فوج کو تہ تیغ نہیں کیا بلکہ سامان سمیت سمندر پار ہو جانے کی اجازت دیدی۔

۱۹۲۱ء میں حائل پر قبضہ کر کے الراشد نجد کی امامت ختم کی اور اسکے کل خاندان کو ریاض بھجوا دیا جہاں کہ وہ اسوقت تک آرام و آسائش سے بسر کر رہے ہیں۔ جب ۱۹۲۴ء میں اوس نے حجاز کی فتح کا بیڑ اوٹھایا تو اسے بھی ایک ہی سال کے اندر فتح کرلیا پھر ۱۹۲۶ء میں حجاز اور نجد کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

۱۹۱۳ء کی احسا کی فتح سے وہ خلیج ایران تک پہونچ گیا تھا اور وہاں برطانیہ سے دوستی کئے بغیر اسے کام چلنا مشکل نظر آیا۔ چنانچہ فتح حجاز کے بعد ہی لندن میں اوس نے سفیر مقرر کر دیا۔ اور ایک صلحنامہ بھی انگریزوں سے کرلیا اور یوں موجودہ سعودی عرب کی سلطنت قائم ہو گئی —

۱۸۰۳ء میں بھی وہابیوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا تھا مگر درمیان میں وہاں سے حکومت جاتی رہی تھی۔

دوران جنگ میں عبدالعزیز بالکل ہی غیر جانب دار رہا گو ترکوں نے الرشید کو شریف حسین کے خلاف

دیکھا کھڑا کیا تھا مگر اس سے اور عبدالعزیز سے کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ وہ اوسے روک ہی سکتا تھا۔ اب تو باہم یکجہتی اور دیگر عربی حکمرانوں سے معاہدہ ہو کر حکومت کر رہا ہے۔ بلکہ کل عربی بولنے والی حکومتیں ہیں سب باہمی امداد اور دوستی کے تعلقات بڑھا رہی ہیں۔

عبدالعزیز ابن سعود ایک چھ فٹ سے زاید قد وقامت اور چوڑے چکلے سینہ اور شانوں کا تنومند مضبوط قسم کا بادشاہ ہے۔ شکار اور سواری کا شائق ہے۔ نشانہ بازی اور تلوار کے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ وہ بہت رحم دل بھی ہے۔ نرم گفتاری اور شریفانہ برتاؤ اس کا مسلک ہے۔ نماز فجر سے قبل تو بعد قرآن پاک کی تلاوت اوسکا معمول ہے۔ حدیث کا بھی ترجمہ بعد نماز اوسکے یہاں ہوتا ہے۔ تب آرام کر کے غسل کے بعد کپڑے بدل کر ناشتہ کرتا ہے اسوقت پریوی کونسل کے اجلاس کی نشست ہوتی ہے اور سلطنت کا بھی کام ہوتا ہے۔ پھر شیوخ سے ملاقات کر کے دربار عام میں ہر کس و ناکس سے ملنا اور داد رسی کرتا ہے۔

سلطان ابن سعود کی محبوب بیوی کا انتقال ہوا اور دو لڑکے محمد اور خالد اوسکے چھوٹے تھے جن سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ اور چونکہ خود غربت اور فاقہ کشی کا مزا چکھ چکا ہے۔ اس لیے کسی محتاج اور غریب کو محروم نہیں کرتا ہے۔ مخیر ہے نیز خوشامد و مکر سے متنفر۔ اگر اسے اس کا علم ہو جاوے کہ کوئی بھی اوس کے باورچی خانہ سے بھوکا واپس ہو گیا تو ملازمین کی خاصی مرمت کرتا ہے اور پوری سزا دیتا ہے۔ اسوقت تک تو اوس نے دشمنوں کے ساتھ بھی بدسلوکی نہیں کی ہے۔ عرب کی آزاد اور جاہل قوم کو خود اوس کی موجودگی حکومت قائم کرنے کا سبق پڑھا رہا ہے اور نئی زمانہ اسلامی اصولوں پر سلطنت کو چلانا جب مشکل کہا جا رہا ہے تو وہ اسے چلا کر دکھلا رہا ہے۔

روزانہ شیوخ کو اور اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے اعتراضات سنتا ہے۔ کہا تو یہ جا رہا ہے کہ قدیم روایات کی پابندی ہی اوس کی قوت کا سبب ہے۔ یہانتک کہ جب علماء ملت نے اوس کی تخت نشینی کی سالگرہ کی تقریب تک کی ممانعت کی تو اس نے اوسے منظور کر لیا۔ لیکن ٹیلیفون تار کی خبر رسانی کے آلات اور زمانہ حال کی علمی ترتیبوں کے انتظام کے معاملات میں وہ علما کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اب سے چالیس سال قبل تو عرب کی تقسیم یوں تھی کہ حجاز پر شریف مکہ کی حکومت تھی۔ نجد پر

الراشد کی اور باقی حصص پر الصباح کی۔ جس سے قبیلوں میں رشک و حسد۔ مار پیٹ۔ خون خچر
قافلوں کی لوٹ مار یک روز مرہ تھی۔ بدو خیموں میں رہتے تھے اور جہاں بھی انکو جانوروں کی
چرائی اور پانی ملتا وہیں ٹھہر کر پڑ رہتے۔ اور اس کو ختم کر کے پھر آگے چلتے۔ اسی میں اگر کوئی جنگ کے
واسطے بلاتا تو مزدوروں کی طرح جا کر کام کرتے اور لوٹ مار سے جو ملتا وہ لیکر اگر زندہ رہتے تو
قبیلوں میں واپس آجاتے۔ ابن سعود نے اب باقاعدہ مواضعات کی ترتیب کرا دی ہے۔ مکانات
بھی وہاں تعمیر کرا دیے ہیں جہاں پانی ہے اور بدوؤں کو وہیں بسایا بھی جا رہا ہے تاکہ مارے مارے
پھرنے کی عادت موقوف ہو۔ علما کو انکی مذہبی تعلیم و تربیت کے واسطے بھی مقرر کیا ہے تاکہ بعض
اسلامی اور اخلاق محمدی سے ان کو واقف کیا جا سکے۔ انکے ہر قسم کے فرائض و ذمہ داریوں سے
بھی انہیں آگاہ کرایا جا رہا ہے۔ کاشتکاری کی طرف توجہ دلانے سے تو اب بدوؤں کو بڑے
فوائد نظر آ رہے ہیں جس سے انمیں قوت ارادہ اور اپنی حقیقت انسانی کا احساس بڑھ رہا ہے
ساتھ ہی انکے انہیں یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ وہ سلطنت کا جز ہیں ملکیت آرا ضیات کے حقوق
سے آگاہی کے سبب وہ بجائے ڈاکو ہونے کے اپنی اور دوسروں کی ملک کی حفاظت کی قدر کرنے
لگے ہیں۔ جہاد اور بہشت میں پہونچنے کی اصلی قدر انکے دلوں میں کچھ ایسی مرکوز ہو رہی ہے کہ جنگ
کے وقت انہیں کا نعرہ اب لگانے لگے ہیں۔ اور ملک و قوم کی حفاظت کے خیال نے اخوت
اسلامی کی طرف اچھی طرح متوجہ کر دیا ہے۔ نجد میں تو زمانہ حال کی طرح کے ہسپتال کھولدے گئے
ہیں۔ ٹیکہ وغیرہ بھی جاری ہو گیا ہے۔ گھوڑوں کا بھی اسپتال قائم کیا گیا ہے۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ
ساتھ سائنس کی بھی تعلیم مدارس میں ہوتی ہے طلبا کو اسی لئے باہر بھیجا گیا ہے کہ مصر و شام سے جو اس
وقت معلم بلائے گئے ہیں آئندہ انکے بجائے خود ملک کے لوگ باہر سے تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک
کے معلم بن سکیں۔ اونٹوں کے بجائے موٹریں اب بہت کچھ کام کرنے لگی ہیں۔ اسی لئے پانی کے
کنویں بھی برابر بنائے جا رہے ہیں اور پانی کے سوتوں کی دریافت کی طرف خاص توجہ ہے۔
معدنیات کے دریافت کا بھی حکومت کو بیحد خیال ہے۔ سونے کی کان تو مل گئی ہے اور خیال ہے کہ
تیل بھی کہیں ملجائیگا۔ آبپاشی کے واسطے بھی زمانہ حال کے آلات استعمال کرانے کے لئے خود
عبد العزیز نے منگوائے ہیں۔ انکی مانگ نجد و حجاز میں بیحد بڑھ رہی ہے۔ اب جو کوئی بھی

قانون شکنی کی ہمت کرتا ہے اوس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے - موٹروں سے ہوائی جہازوں
اور وائرلیس نے تو عربوں کی ہر جنبش اور ارادے منصوبے مقدورات کو توکنٹی ، اور گم نعمت غیر مترقبہ معلوم
ہو رہے ہیں - اور مردوں کو ان کی حفاظت میں وہ کچھ بھی اور مزا ملگیا ہے کہ جنگلوں اور ریگستانوں
کی دوڑ دھوپ بھولے جا رہے ہیں -

باہتمام چودھری عاصم رضا فاروقی پرنٹر طبع ہوئی